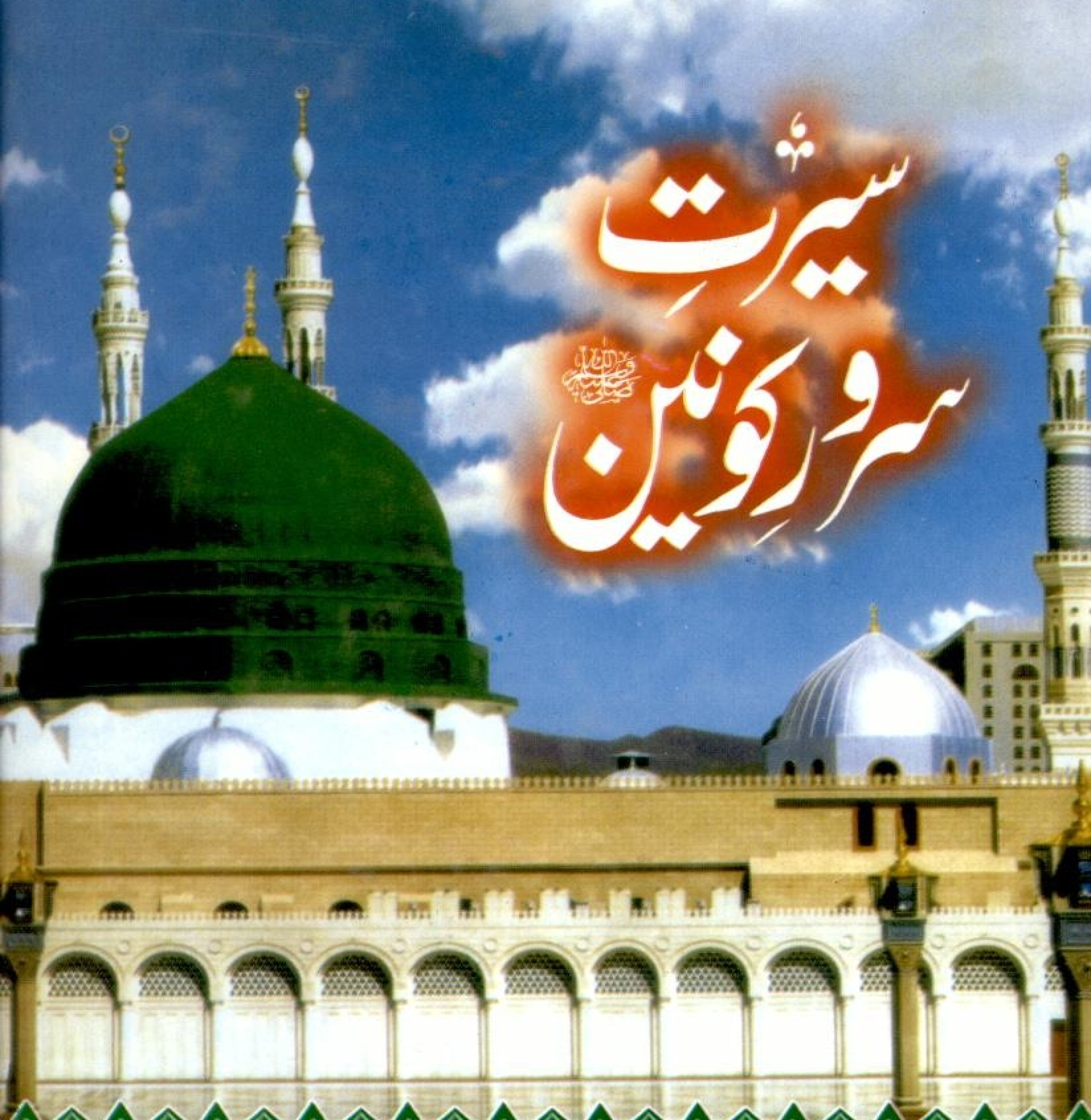


سیرتِ سرورِ کونین ﷺ

حضرت مولانا مفتی محمد عاشق الٰہی بلند شہری رحمۃ اللہ علیہ

ادارۃ المعارف کراچی ۱۴

سیرت

سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم

قُلْ يَاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَیْكُمْ جَمِیْعًا

آپ فرما دیجئے کہ اے لوگو! بلا شبہ میں تم سب کی طرف اللہ کا رسول ہوں۔

القرآن ۷:۱۵۸

سیرتِ سرورِ کونین ﷺ

سیرتِ طیبہ پر اُردو زبان میں عام فہم اور مفصل کتاب جس کا ہر جز مستند سیرت کی کتابوں سے ماخوذ ہے۔ کتبِ تفسیر و حدیث اور سیرت کے مکمل حوالوں کے ساتھ ہر مسلم گھرانے کی ضرورت۔

جلد دوم

تصنیفِ لطیف

حضرت مولانا مفتی محمد عاشق الٰہی بلند شہری رحمۃ اللہ علیہ

اِدارۃ المعارف کراچی ۱۴

باہتمام : محمد مشتاق سنی

طبع جدید : ربیع الثانی ۱۴۲۵ھ - جون ۲۰۰۴ء

مطبع : احمد پرنٹنگ پریس ناظم آباد کراچی

ناشر : اِدَارَۃُ المَعَارِف کراچی ۱۴

فون : 5049733 - 5032020

ای میل : i_maarif@cyber.net.pk

ملنے کے پتے:

❁ اِدَارَۃُ المَعَارِف کراچی ۱۴

فون: 5049733 - 5032020

❁ مکتبۂ معارفُ القرآن کراچی ۱۴

فون: 5031565 - 5031566

ضروری وضاحت اور کلماتِ تشکر

بقلم مولانا عبد اللہ البرنی المدنی حفظ اللہ
خلف الرشید حضرت مفتی محمد عاشق الٰہی مہاجر مدنی نور اللہ مرقدہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ رب العالمین والصلاۃ والسلام علیٰ سیدنا محمد خاتم النبیین وامام المرسلین وعلیٰ آلہ واصحابہ اجمعین ۔ امابعد ۔

سیرتِ سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم کی جلد ثانی آپ کے ہاتھوں میں ہے۔ اس کے بیشتر مضامین حضرت والد ماجد نور اللہ مرقدہ کے لکھے ہوئے ہیں البتہ فتح مکہ، حجۃ الوداع اور رفیق اعلیٰ کی طرف رحلت احقر نے لکھے ہیں، میرے پروردگار کا مجھ پر بے انتہا کرم ہے کہ اس نے اس بندہ کو سیرتِ سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم کی ترتیب وتکمیل کی سعادت نصیب فرمائی ورنہ مجھ جیسا نالائق ہرگز اس قابل نہیں کہ اشرف الخلائق، سید المرسلین، امام المتقین، خاتم النبیین حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ مبارکہ کے بارے میں کچھ لکھ سکے لیکن رب کا فضل وکرم شامل حال رہا اور یہ کام بندہ کے ہاتھوں انجام پایا فلہ الحمد کثیرا کما ینعم کثیرا۔

اللّٰھُمَّ زِدْنِیْ مِنْ فَضْلِكَ وَلَا تَنْقُصْنِیْ ۔

جو حضرات اس کتاب سے مستفید ہوں احقر کو اور احقر کے والدین کو دعائے خیر میں یاد فرمالیا کریں۔ انہ تعالیٰ مجیب الدعوات ومفیض الجود والبرکات۔

وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ سیدنا محمد وآلہ واصحابہ اجمعین

عبد اللہ البرنی المدنی
۱۶ رمضان المبارک ۱۴۲۴ھ

مدینۃ الرسول صلی اللہ علیہ وسلم

فہرست مضامین

سیرتِ سرورِ کونین صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم

قبیلہ بنی نضیر کی جلاوطنی سنہ ۴ ہجری

جب رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم مدینہ منوّرہ تشریف لائے تو یہاں یہودیوں کے بڑے بڑے تین قبیلے موجود تھے۔

(۱) قبیلہ بنی نضیر (۲) قبیلہ بنی قریظہ (۳) قبیلہ بنی قینقاع

یہ قبیلے ذرا قوت والے تھے آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم جب مدینہ تشریف لائے تو یہود نے آپؐ سے معاہدہ کرلیا تھا کہ ہم آپ سے جنگ نہیں کریں گے اور اگر کوئی فریق حملہ آور ہوگا تو آپؐ کے ساتھ مل کر اس کا دفاع کریں گے۔ پھر ان لوگوں نے معاہدہ کو توڑ دیا۔ قبیلہ بنی قریظہ کا انجام سورۃ الاحزاب کے رکوع نمبر ۳ میں گزر چکا ہے اور قبیلہ قینقاع کا انجام سورۃ آلِ عمران کی آیت شریفہ قُلْ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا سَتُغْلَبُوْنَ وَتُحْشَرُوْنَ اِلٰى جَهَنَّمَ کے ذیل میں گزر چکا ہے اور اسی سورت کے دوسرے رکوع میں بھی انشاء اللہ تعالیٰ ان کا ذکر آئے گا، یہاں ان آیات میں قبیلہ بنی نضیر کا ذکر ہے۔

قبیلہ بنی نضیر کی جلاوطنی کا سبب

سنہ ۲ ہجری میں غزوۂ بدر کا اور سنہ ۳ ہجری میں غزوۂ احد کا واقعہ پیش آیا اور قبیلہ بنی نضیر کی جلاوطنی کا واقعہ کسی نے غزوہ اُحُد سے پہلے اور کسی نے غزوۂ اُحُد کے بعد لکھا ہے واقعہ یوں ہوا کہ قبیلہ بنی عامر کے دو شخصوں کی دیت کے بارے میں یہود بنی نضیر کے پاس آپ صلّی اللہ علیہ وسلّم تشریف لے گئے۔ ان دو شخصوں کو عمرو بن امیّہ نے قتل کر دیا گیا تھا آنحضرت سرورِ عالم صلّی اللہ علیہ وسلّم کو ان کی دیت ادا کرنی تھی۔ آپ نے بنی نضیر سے فرمایا کہ دیت کے سلسلہ میں مدد کرو، ان لوگوں نے کہا آپ تشریف رکھیے ہم مدد کریں گے، ایک طرف تو آپؐ سے یہ بات کہی اور آپؐ کو اپنے گھروں کی ایک دیوار کے سایہ میں بٹھا کر یہ مشورہ کرنے لگے کہ اس سے اچھا موقع نہیں مل سکتا۔ کوئی شخص اس دیوار پر چڑھ جائے اور ایک پتھّر پھینک دے ان کی موت ہو جائے

تو ہماراان سے چھٹکارا ہوجائے، ان میں سے ایک شخص عمرو بن جحاش تھا اس نے کہا یہ کام میں کردوں گا وہ پتھر پھینکنے کے لئے اوپر چڑھا اور ادھر رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کو ان کے مشورہ کی آسمان سے خبر آگئی کہ ان لوگوں کا ایسا ایسا ارادہ ہے آپ کے ساتھ حضرات ابوبکر، عمر، علی رضی اللہ عنہم بھی تھے۔ آپؐ جلدی سے اُٹھے اپنے ساتھیوں کو لے کر شہر مدینہ منوّرہ تشریف لے گئے۔ شہر میں تشریف لا کر آپؐ نے اپنے صحابی محمّد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ کو یہودیوں کے پاس بھیجا کہ ان سے کہہ دو کہ ہمارے شہر سے نکل جاؤ، آپ کی طرف سے تو یہ حکم پہنچا اور منافقین نے ان کی کمر ٹھونکی اور ان سے کہا کہ تم یہاں سے مت جانا اگر تم نکالے گئے تو ہم بھی تمہارے ساتھ نکلیں گے اور اگر تمہارے ساتھ جنگ ہوئی تو ہم بھی تمہارے ساتھ لڑیں گے (اس کا ذکر سورت کے دوسرے رکوع میں ہے) اس بات سے یہودی بنی نضیر کے دلوں کو وقتی طور پر تقویت ہوگئی اور انہوں نے کہلا بھیجا کہ ہم نہیں نکلیں گے جب ان کا یہ جواب پہنچا تو آپ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے اپنے صحابہؓ کو جنگ کی تیاری کا اور ان کی طرف روانہ ہونے کا حکم دیا۔ آپ حضرت ابنِ مکتومؓ کو امیرِ مدینہ بنا کر صحابہؓ کے ساتھ تشریف لے گئے اور وہاں جا کر ان کا محاصرہ کر لیا۔ وہ لوگ اپنے قلعوں میں پناہ گزیں ہوگئے۔ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے ان کے کھجور کے درختوں کو کاٹنے اور جلانے کا حکم دے دیا۔ جب بنی نضیر کے پاس کھانے کا سامان ختم ہوگیا اور ان کے درخت بھی کاٹ دیئے اور جلا دیئے گئے اور ادھر انتظار کے بعد منافقین کی مدد سے ناامید ہوگئے تو خود رسُول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم سے سوال کیا کہ ہمیں جلاوطن کر دیں اور ہماری جانوں کو قتل نہ کریں اور ہتھیاروں کے علاوہ جو مال ہم اونٹوں پر لے جا سکیں وہ لے جانے دیں۔ آپؐ نے ان کی یہ بات قبول کر لی۔ پہلے تو انہوں نے تڑی دی تھی کہ ہم نہیں نکلیں گے پھر جب مصیبت میں پھنسے تو خود ہی جلاوطن ہونا منظور کر لیا، اللہ تعالٰے نے ان کے دلوں میں رُعب ڈال دیا اور بہادری کے دعوے اور مقابلے کی ڈینگیں سب دھری رہ گئیں، آپؐ نے چھ دن ان کا محاصرہ فرمایا اور مؤرخ واقدی کا بیان ہے کہ پندرہ دن ان کا محاصرہ رہا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے

بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے ان کو اجازت دے دی کہ ہر تین آدمی ایک اونٹ لے جائیں جس پر نمبروار اترتے چڑھتے رہیں۔ مؤرخ ابن اسحاق نے بیان کیا کہ وہ لوگ اپنے گھروں کا اتنا سامان لے گئے جسے اونٹ برداشت کر سکتے تھے۔ سامان ساتھ لے جانے کے لئے اپنے گھروں کو اور گھر کے دروازوں کو توڑ رہے تھے اور مسلمان بھی ان کے ساتھ اس کام میں لگے ہوئے تھے۔ اسی کو آیتِ کریمہ میں يُخْرِبُوْنَ بُيُوْتَهُمْ بِاَيْدِيْهِمْ وَاَيْدِي الْمُؤْمِنِيْنَ سے تعبیر فرمایا ہے۔ یہ لوگ اونٹوں پر سامان لے کر روانہ ہو گئے ان میں سے بعض لوگ خیبر میں مقیم ہو گئے اور بعض شام کے علاقوں میں داخل ہو گئے جب یہ لوگ خیبر میں داخل ہوئے تو وہاں کے لوگ بہت خوش ہوئے اور گانوں اور باجوں سے ان کا استقبال کیا، یہ سب تفصیل حافظ ابن کثیر نے البدایہ والنہایہ میں لکھی ہے۔ ان لوگوں کا خیال تھا کہ ہم قلعوں میں چھپ کر اپنی جانیں بچالیں گے۔ مسلمانوں کے دلوں میں بھی یہ خیال نہ تھا کہ یہ لوگ نکلنے پر راضی ہو جائیں گے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں میں خوف ڈال دیا اور خود ہی جلاوطن ہونے پر تیار ہو گئے جس کا آپ نے انہیں حکم دیا تھا۔

اس تفصیل کے بعد آیاتِ بالا کا ترجمہ دوبارہ مطالعہ کریں۔

ان لوگوں کا ایمان قبول کرنے سے منکر ہونا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کے مقابلے کے لئے تیار ہو جانا ایسا عمل تھا کہ ان کو دنیا میں عذاب دے دیا جاتا جیسا کہ قریشِ مکّہ بدر میں قتل کئے گئے لیکن چونکہ اللہ تعالیٰ نے پہلے سے لکھ دیا تھا کہ ان کو دنیا میں جلاوطنی کا عذاب دیا جائے گا (جس میں ذلّت بھی ہے اور اپنے گھروں کو اپنے ہاتھوں سے توڑنا بھی ہے اور اپنے مالوں کو چھوڑ کر جانا بھی ہے) اس لئے دُنیا میں اس وقت جلاوطنی کی سزا دی گئی اور آخرت میں بہرحال ان کے لئے دوزخ کا عذاب ہے۔ سورۃ الحشر میں ارشاد ہے۔

ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ شَاقُّوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ (الآیۃ) یعنی یہ سزا ان کو اس لئے دی گئی کہ انہوں نے اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کی اور جو شخص اللہ

کی مخالفت کرے گا سو اللہ سخت عذاب دینے والا ہے، بنی قینقاع کو پہلے جلا وطن کر دیا گیا تھا اور بنی نضیر اپنے اس معاہدہ شکنی پر جلا وطن کئے گئے کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو شہید کرنے کا باہمی مشورہ کر کے خفیہ پروگرام بنایا تھا۔ بنی قریظہ کا حال سورۂ احزاب کے تیسرے رکوع کی تفسیر میں بیان کیا جا چکا ہے۔ ان لوگوں نے غزوۂ احزاب کے موقع پر قریشِ مکہ اور ان کے ساتھ آنے والی جماعتوں کی مدد کی تھی۔ ان تینوں قبیلوں کے علاوہ یہود کے چھوٹے بڑے اور بھی چند قبیلے مدینہ منورہ میں آباد تھے جن کے نام ابن ہشام نے اپنی کتاب "سیرۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم" میں لکھے ہیں۔

سارے یہودیوں کو مدینہ منورہ سے نکال دیا گیا تھا ان میں قبیلہ بنی قینقاع اور قبیلہ بنو حارثہ بھی تھا حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ بنی قینقاع سے تھے۔

(صحیح بخاری ص ۵۷۴، ج ۲ ، مسلم صفحہ ۹۴ ج ۲)

یہودیوں کے متروکہ درختوں کو کاٹ دینا یا باقی رکھنا دونوں کام اللہ کے حکم سے ہوئے

حضرات صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین نے جب یہودیوں کے قبیلہ بنی نضیر کا محاصرہ کیا اور وہ لوگ اپنے قلعوں میں اپنے خیال میں محفوظ ہو گئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے کھجوروں کے درختوں کو کاٹنے اور جلانے کا حکم دے دیا اس پر یہودیوں نے کہا کہ اے ابوالقاسم! آپ تو زمین میں فساد سے منع کرتے ہیں کیا یہ درختوں کا کاٹنا فساد نہیں ہے اور بعض روایات میں یوں بھی ہے کہ بعض مہاجرین نے مسلمانوں کو منع کیا کہ کھجوروں کے درختوں کو نہ کاٹیں، کیونکہ یہ مسلمانوں کو بطورِ غنیمت مل جائیں گے۔

اور بعض روایات میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے کھجوروں کے درختوں کو کاٹنے کی اجازت دے دی تھی پھر منع فرما دیا تھا اس پر صحابہ رضی اللہ عنہم حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ کیا ان درختوں کو کاٹنے میں کوئی گناہ ہے یا ان کے چھوڑ دینے پر کوئی مواخذہ کی بات ہے؟ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔

"مَا قَطَعْتُمْ مِّنْ لِّيْنَةٍ ۔ الخ (ابن کثیر ج ۴ ص ۳۳۲)

یعنی تم نے جو بھی کھجوروں کے درخت کاٹ دیئے یا انہیں ان کی جڑوں پر کھڑا رہنے دیا، سو یہ سب اللہ کی اجازت سے ہے جو کام اللہ تعالیٰ کی اجازت سے اور دینی ضرورت سے ہو اس میں گناہ گار ہونے کا کوئی سوال ہی نہیں۔

ان کھجوروں کے کاٹنے میں جو دینی ضرورت تھی اس کو وَلِيُخْزِيَ الْفَاسِقِيْنَ میں بیان فرمایا۔

مطلب یہ ہے کہ ان درختوں کے جلانے میں بد دین یہودیوں کا ذلیل کرنا بھی مقصود ہے اپنے باغوں کو جلتا ہوا دیکھ کر ان کے دل بھی جلیں گے اور ذلّت بھی ہو گی اور اس کی وجہ سے قلعے چھوڑ کر ہار ماننے اور صلح کرنے پر راضی ہوں گے۔

چنانچہ یہودی یہ منظر دیکھ کر راضی ہو گئے کہ ہمیں مدینہ سے جانا منظور ہے۔ پھر وہ مدینہ سے جلاوطن ہو کر خیبر چلے گئے جس کا قصّہ اوپر گزرا ہے دنیاوی سامان کی حفاظت ہو یا تخریب ہو اگر اللہ تعالیٰ کے حکم سے ہو تو اس میں ثواب ہی ثواب ہے گناہ کا احتمال ہی نہیں۔ اس واقعہ کو اللہ تعالیٰ نے سورۃ الحشر میں بیان فرمایا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے۔

سَبَّحَ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۚ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝ هُوَ الَّذِيْٓ اَخْرَجَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ مِنْ دِيَارِهِمْ لِاَوَّلِ الْحَشْرِ ۭ مَا ظَنَنْتُمْ اَنْ يَّخْرُجُوْا وَظَنُّوْٓا اَنَّهُمْ مَّانِعَتُهُمْ حُصُوْنُهُمْ مِّنَ اللّٰهِ فَاَتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ حَيْثُ لَمْ يَحْتَسِبُوْا وَقَذَفَ

اللہ کی تسبیح بیان کرتے ہیں جو بھی آسمانوں میں ہیں اور زمین میں ہیں اور وہ عزیز ہے حکیم ہے اللہ وہ ہی ہے جس نے کافروں کو یعنی اہل کتاب کو پہلی بار گھروں سے نکال دیا، تمہارا گمان نہ تھا کہ وہ لوگ نکلیں گے اور انہوں نے گمان کیا تھا کہ ان کے قلعے انہیں اللہ سے بچا لیں گے سو ان پر اللہ کا انتقام ایسی جگہ سے آ گیا جہاں سے ان کا خیال بھی نہ تھا اور اللہ نے ان

فِيْ قُلُوْبِهِمُ الرُّعْبَ
يُخْرِبُوْنَ بُيُوْتَهُمْ
بِاَيْدِيْهِمْ وَاَيْدِي الْمُؤْمِنِيْنَ
فَاعْتَبِرُوْا يٰاُولِي الْاَبْصَارِ ۝
وَلَوْلَآ اَنْ كَتَبَ اللّٰهُ
عَلَيْهِمُ الْجَلَآءَ لَعَذَّبَهُمْ
فِي الدُّنْيَا ۭ وَلَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ
عَذَابُ النَّارِ ۝ ذٰلِكَ
بِاَنَّهُمْ شَآقُّوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ۚ
وَمَنْ يُّشَآقِّ اللّٰهَ فَاِنَّ اللّٰهَ
شَدِيْدُ الْعِقَابِ ۝

کے دلوں میں رُعب ڈال دیا وہ اپنے
گھروں کو اپنے ہاتھوں سے اور
مسلمانوں کے ہاتھوں سے اجاڑ رہے تھے
سو اے آنکھوں والو عبرت حاصل کرو۔
اور اگر اللہ نے ان کے بارے میں جلاوطن
ہونا نہ لکھ دیا ہوتا تو انہیں دنیا میں
عذاب دیتا اور ان کے لئے آخرت میں
آگ کا عذاب ہے اور یہ اس لئے کہ انہوں
نے اللہ کی اور اس کے رسول کی مخالفت کی
اور جو شخص اللہ کی مخالفت کرے گا سو اللہ
سخت عذاب دینے والا ہے۔

(سورۃ الحشر آیت نمبر ۲ تا ۴)

غزوۂ احزاب
۵ سنہ ہجری

٭

✩ اہلِ ایمان کی آزمائش
✩ دشمنوں سے حفاظت کیلئے خندق کی کھدائی
✩ اللہ تعالیٰ کی مدد کا نزول اور کفّار کی بدحواسی
✩ بنو قریظہ کی بدعہدی اور اس کا انجام

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

غزوۂ احزاب کو غزوۂ خندق بھی کہا جاتا ہے یہ ۵ھ ہجری کا واقعہ ہے تھوڑی سی تمہید کے بعد اس غزوہ کی تفصیل نقل کی جاتی ہے۔

مدینہ منوّرہ میں زمانۂ قدیم سے یہودی رہتے تھے اور دو قبیلے یمن سے آکر آباد ہو گئے تھے جن میں سے ایک کا نام "اوس" اور دوسرے کا نام "خزرج" تھا، انہیں خبر دی گئی تھی کہ نبی آخر الزمان خاتم النبیّین صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم اس شہر میں تشریف لائیں گے، یہ لوگ آپؐ پر ایمان لائے اور آپؐ کا اتباع کرنے کے لئے یہاں آکر بس گئے تھے۔ جب حضور انورؐ نے حج کے موقع پر اوس اور خزرج کو منیٰ میں ایمان لانے کی دعوت دی تو اوس اور خزرج کے جو افراد وہاں موجود تھے انہوں نے ایمان قبول کر لیا اور مدینہ منوّرہ آکر اپنے اپنے قبیلہ کو حق کی دعوت دی تو وہ بھی مسلمان ہو گئے۔ یہودیوں کے سامنے حق ظاہر ہو گیا تب بھی ایمان نہ لائے (فَلَمَّا جَآءَهُمْ مَّا عَرَفُوْا كَفَرُوْا بِهٖ) یہودیوں کے تین قبیلے مدینہ منوّرہ میں آباد تھے ان میں سے ایک بنی قینقاعؓ اور دوسرا بنی نضیرؓ اور تیسرا بنی قریظہؓ تھا۔ جب آپؐ مدینہ منوّرہ تشریف لائے تو ان تینوں سے تعاون اور تناصر کا معاہدہ فرما لیا تھا۔

بنی نضیر کا یہ واقعہ ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دو مقتولین کی دیت کے سلسلہ میں ان کے پاس تشریف لے گئے، یہودیوں نے کہا کہ آپ تشریف رکھیے ہم اس بارے میں مالی تعاون کریں گے۔ اِدھر تو آپؐ سے یہ کہا اور اُدھر یہ مشورہ کیا کہ کوئی شخص اوپر چڑھ کر ان کے اوپر بھاری پتھر گرا دے، یہودیوں میں سے ایک شخص نے اس کا ارادہ اور وعدہ کر لیا اور پتھر گرانے کے لئے اوپر چڑھ گیا، اللہ تعالےٰ نے آپؐ کو ان کے مشورے سے مطلع فرما دیا اور آپؐ جلدی سے واپس تشریف لے آئے اور آپ نے محمد بن مسلمہ

رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو یہود کے پاس پیغام دے کر بھیجا کہ تم لوگ مدینہ منورہ چھوڑ دو اور یہاں سے چلے جاؤ۔ منافقین نے یہودیوں کو بھڑکایا اور کہا تم یہیں رہو اور ہرگز مت جاؤ ہم تمہاری مدد کریں گے، اس سے اُن کو تقویت پہنچ گئی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں کہلا بھیجا کہ ہم مدینہ سے نہیں نکلیں گے اور ہمارے اور آپ کے درمیان جو عہد ہے وہ بھی توڑتے ہیں، جب اُن کی طرف سے یہ پیغام آیا تو آپؐ نے ان سے جہاد کرنے کی تیاری کی اور حضرت ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ کو نائب بنا کر اور دیگر صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ لے کر بنو نضیر کے محلّہ کی طرف روانہ ہو گئے (یہ محلّہ شہر سے ذرا دور تھا) آپؐ وہاں پہنچے تو وہ لوگ قلعہ بند ہو گئے۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان کا محاصرہ فرمایا، منافقین نے یہودیوں کو خبر بھیجی کہ تم ڈٹے رہنا ہم تمہیں بے یار و مددگار نہیں چھوڑیں گے، اگر تم سے جنگ ہوئی تو ہم بھی ساتھ لڑیں گے اور اگر تمہیں نکلنا پڑا تو ہم بھی تمہارے ساتھ نکل جائیں گے، یہودی منافقین کی مدد کے انتظار میں رہے، چند روز گذر گئے مگر انہوں نے کچھ بھی مدد نہ کی لہٰذا انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو یہ پیغام بھیجا کہ آپؐ ہمیں جلاوطن کر دیں مگر قتل نہ فرمائیں اور ہمیں ہتھیار بھی نہ لے جانے دیں، اس کے علاوہ جتنا سامان اونٹوں پر لے جا سکیں اُسے لے جانے کی اجازت دیں، آپؐ نے انہیں جلاوطن کرنا منظور فرما لیا اور حکم فرمایا کہ تین دن میں مدینہ منورہ سے نکل جاؤ۔ وہ لوگ مدینہ منورہ سے نکل کر خیبر میں آباد ہو گئے اور بعض لوگ شام چلے گئے۔ (بطور تمہید یہ واقعہ ہم نے البدایہ والنہایہ جلد ۴ ص۷۵ سے نقل کیا ہے۔ یہود نے جو اموال چھوڑے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں میں تقسیم فرما دیئے۔ یہ ۴ھ کا واقعہ ہے۔

غزوۂ احزاب کا مفصّل واقعہ

اب غزوۂ احزاب کا واقعہ سُنیئے۔ اس کی ابتداً اس طرح ہوئی کہ بنو نضیر کو جب حضور انورؐ نے مدینہ منورہ سے جلاوطن کر دیا تو وہ وہاں جا کر بھی شرارتوں سے اور اپنی یہود والی بے ہودگیوں سے باز نہ آئے۔ اُن کے چودھری مکہ معظمہ پہنچے اور قریش مکہ سے کہا کہ

آؤ ہم تم مل کر داعیِ اسلام صلی اللہ علیہ وسلم سے جنگ کریں اور اُن کو اُن کے کام کو اور ان کے ساتھیوں کو سب کو ختم کر دیں۔ قریش مکہ نے کہا (جو مشرک تھے) کہ تم تو اہلِ کتاب ہو، سچ بولو ہمارا دین بہتر ہے یا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا دین بہتر ہے؟ ان لوگوں نے پوری ڈھٹائی کے ساتھ دینِ شرک کو دینِ توحید سے بہتر بتایا اور قریش سے کہہ دیا کہ تمہارا دین محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے دین سے بہتر ہے۔ یہ بات سُن کر قریش بہت خوش ہوئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جنگ کرنے کے لئے آمادہ ہو گئے۔ اس کے بعد یہودیوں کے سردار قبیلہ بنی غطفان کے پاس گئے اور انہیں بتایا کہ دیکھو محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) سے جنگ کرنا ہے قریش مکہ نے ہمارا ساتھ دینے کا وعدہ کر لیا ہے تم لوگ بھی ہمارے ساتھ جنگ میں شریک ہو جاؤ تاکہ اسلام اور مسلمانوں کا قصہ ہی ختم ہو جائے۔ ان کے علاوہ دیگر قبائل کی جماعتیں بھی جنگ کرنے کے لئے تیار ہوگئیں۔

دشمنوں سے حفاظت کے لئے خندق کھودنا

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان لوگوں کے ارادۂ بد کی اطلاع ملی تو آپؐ نے حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مشورہ کیا، حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ نے مشورہ دیا کہ مدینہ منورہ کے باہر خندق کھود لی جائے۔ انہوں نے بتایا کہ اہلِ فارس دشمن سے محفوظ رہنے کے لئے یہ تدبیر اختیار کرتے ہیں، چنانچہ خندق کھودی گئی جو مدینہ منورہ کے اس جانب تھی جدھر سے دشمنوں کے آنے کا اندیشہ تھا، اس خندق کی کھدائی میں سیّد دو عالم صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم خود شریک ہوئے، سردی کا موسم تھا اور ہر طرف سے خوف ہی خوف تھا، سیّد دو عالم صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم نے خود ہی خط کھینچ کر خندق کی حدود مقرر فرمائیں اور ہر دس آدمیوں کو چالیس ہاتھ کا رقبہ کھودنے کے لئے دیا۔ (بعض حضرات نے اس خندق کی لمبائی ساڑھے تین میل بتائی ہے) حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ بڑے قوی اور تندرست آدمی تھے ان کے متعلق مہاجرین و انصار میں اختلاف ہوا۔ انصار نے کہا کہ سلمان ہم میں سے ہیں اور مہاجرین نے کہا کہ ہم میں

سے ہیں ان کو ہمارے ساتھ قطعہ کھودنے کے لئے دیا جائے۔ یہ سُن کر سیّد دو عالم صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم نے فرمایا سَلْمَانُ مِنَّا اَهْلِ الْبَيْتِ (یعنی سلمان نہ مہاجرین میں سے ہیں نہ عام مہاجرین میں سے ہیں بلکہ وہ ہمارے اہل بیت میں سے ہیں) جب دشمنوں کی جماعتیں مدینہ طیبہ کے قریب پہنچیں جن کی تعداد دس بارہ ہزار تھی تو انہوں نے خندق کھُدی ہوئی پائی اور کہنے لگے یہ تو عجیب دفاعی تدبیر ہے جسے اہلِ عرب نہیں جانتے تھے۔ وہ لوگ خندق کے اس طرف رہ گئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خندق کے اس طرف تین ہزار مسلمانوں کے ساتھ جبل سلع کی طرف پشت کر کے قیام پذیر ہو گئے اور عورتوں اور بچوں کو حفاظت کی جگہوں یعنی قلعوں میں محفوظ فرما دیا۔

دشمنوں کا خندق پار کرنے سے عاجز ہونا

خندق کو دیکھ کر مشرکین مسلمانوں تک پہنچ تو نہ سکے جس سے آمنے سامنے ہو کر دونوں لشکروں کی جنگ ہوتی لیکن اپنی جگہ سے جلدی واپس بھی نہیں ہوئے اپنی جگہ پر جمے رہے۔ ان کا اپنی جگہ پر جمے رہنا تقریبًا ایک مہینہ تک تھا۔ گو وہ خندق کے پار نہیں آسکتے تھے لیکن انہیں چھوڑ کر چلے جانے کا بھی موقعہ نہیں تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صحابہ کے ساتھ اپنی جگہ پر مقیم رہے، اس موقعہ پر مسلمانوں کو بہت زیادہ تکلیف پہنچی، سردی بھی تھی۔ کھانے پینے کا انتظام بھی نہ تھا اور خندق بھی اس حال میں کھودی کہ بھوک کی وجہ سے پیٹوں پر پتھر بندھے ہوئے تھے۔ پھر دشمن کے مقابلہ میں اتنا لمبا پڑاؤ ڈالنا پڑا نہ جائے ماندن نہ پائے رفتن، اُس وقت جو سخت مصیبت کا سامنا تھا اُسے اللہ جل شانہ نے آیت بالا میں بیان فرمایا کہ دشمن تمہارے اوپر سے چڑھ آئے اور نیچے کی جانب سے بھی آگئے اور آنکھیں پھٹی رہ گئیں اور دل حلقوم کو پہنچ گئے جسے اُردو کے محاورہ میں کہتے ہیں کلیجہ منہ کو آگیا۔ اس وقت مسلمان آزمائش میں ڈالے گئے اور سختی کے ساتھ جھنجھوڑ دیئے گئے۔ مفسرین نے فرمایا ہے کہ مِنْ فَوْقِكُمْ سے وادی کا اوپر کا حصّہ مراد ہے جو مشرق کی جانب تھا اس جانب سے بنو غطفان اور ان کے ساتھی آئے جن میں اہلِ نجد بھی تھے اور بنو قریظہ بھی تھے اور بنو نضیر بھی۔ اور

اَسْفَلَ مِنْکُمْ سے وادی کا نیچے والا حصہ مراد ہے جو مغرب کی جانب تھا اس جانب سے قریش مکہ، بنی کنانہ اور اہل تہامہ آئے تھے۔

وَتَظُنُّوْنَ بِاللّٰهِ الظُّنُوْنَا جو فرمایا اس کے بارے میں مفسرین نے لکھا ہے کہ صیغہ خطاب مجموعی طور پر مدعیان اسلام کو شامل ہے جس میں مخلص اہلِ ایمان بھی تھے اور منافقین بھی، مومنین تو یہی گمان کر رہے تھے کہ اللہ تعالیٰ شانہٗ اپنا وعدہ پورا فرمائے گا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدد فرمائے گا اور منافقین دوسری قسم کا خیال کر رہے تھے وہ سمجھ رہے تھے کہ اب تو اسلام اور مسلمانوں کا نام و نشان ہی مٹ جائے گا اور یوں سمجھتے تھے کہ اتنے لوگوں سے جنگ کرنا ان تھوڑے سے مسلمانوں کے بس کی بات نہیں ہے و قال بعضھم انہ خطاب للمومنین المخلصین وکانت ظنونھم من خواطر نفس وھو اجبھا التی یوجبھا الخوف الطبیعی وھذا الامر اخذہ فیہ قال صاحب الروح بعد ھذا الذی ذکرنا اویقال، ظنونھم المختلفۃ ھی ظن النصر بدون نیل العدو منھم شیئًا وظنہ بعد النیل وظن الامتحان وعلٰی ھٰذا لا یحتاج الی الاعتذار۔

بعض کافروں کا مقتول ہونا

دشمن نے خندق کو پار کرنے کی ہمت تو نہ کی البتہ کچھ تیراندازی ہوتی رہی، مشرکین میں سے چند آدمی اپنے گھوڑے لے کر خندق میں اُتر گئے جنہیں ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا۔ ان میں سے ایک شخص عمرو بن عبدِ وُد بھی تھا۔ جنگِ بدر میں اس نے سخت چوٹ کھائی تھی اس لئے جنگِ اُحد میں شریک نہ ہو سکا تھا، غزوۂ خندق کے موقعہ پر وہ خندق میں کودا اور اس نے اپنی بہادری دکھانے کے لئے پکار کر کہا کہ ھَلْ مَنْ یُبَارِزُ یعنی مجھ سے کون مقابلہ کرتا ہے؟ (اس وقت وہ ہتھیاروں سے لیس تھا) اس کو اہلِ عرب ہزار سواروں کے برابر سمجھتے تھے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت لے کر اس کے سامنے آئے۔ عمرو بن عبد ود نے اُن سے کہا کہ تم کون ہو؟ آپ

نے جواب میں فرمایا کہ میں علی بن ابی طالب ہوں! اس نے کہا کہ تمہاری عمر کم ہے میں اچھا نہیں سمجھتا کہ تمہارا خون بہاؤں، تمہارے چچاؤں میں ایسے لوگ موجود ہیں جو عمر میں تجھ سے بڑے ہیں اُن میں سے کسی کو سامنے لاؤ، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ لیکن مجھے تو یہ پسند ہے کہ تیرا خون بہاؤں، یہ بات سن کر وہ غصّہ میں بھر گیا اور تلوار نکال کر حضرت علیؓ کی طرف بڑھا اور حضرت علیؓ نے اس سے مقابلہ کیا اور ڈھال آگے بڑھا دی، اس نے ایسے زور سے تلوار ماری کہ ڈھال کٹ گئی، پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس کے مونڈھے کے قریب تلوار ماری جس سے وہ گر گیا، غبار بلند ہوا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے زور سے اللہ اکبر کہا، تکبیر کی آواز سے مسلمانوں نے سمجھ لیا کہ حضرت علیؓ نے دشمن کو ختم کر دیا ہے۔ مشرکین نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پیغام بھیجا کہ ہمیں اس کی نعش دے دی جائے ہم اس کے عوض بطور دیت کے دس ہزار درہم دے دیں گے۔

بعض روایات میں ہے کہ انہوں نے بارہ ہزار درہم کی پیشکش کی، آپؐ نے جواب میں کہلوا دیا کہ تم اس کی نعش کو لے لو ہم مُردوں کی قیمت نہیں کھاتے۔ اور ایک روایت میں ہے کہ آپؐ نے یوں فرمایا کہ اس کی نعش دے دو اس کی نعش بھی خبیث ہے اس کی دیت بھی خبیث ہے۔ عمرو بن عبدود کے علاوہ دشمن کے اور بھی تین چار آدمی مارے گئے، جن میں سے ایک یہودی کو حضرت صفیہ بنت عبدالمطلب رضی اللہ عنہا نے قتل کیا جو مسلمان عورتوں کے قلعہ کے باہر چکر لگا رہا تھا، مسلمانوں میں سے حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ تعالےٰ عنہ کو ایک تیر آکر لگا جس نے ان کی اکحل نامی رگ کاٹ دی، انہوں نے دُعا کی کہ اے اللہ مجھے اتنی زندگی اور نصیب فرما کہ بنی قریظہ (قبیلہ یہود) کی ذلت اور ہلاکت دیکھ کر اپنی آنکھیں ٹھنڈی کر لوں۔ اللہ تعالےٰ نے ان کی دُعا قبول فرمائی جس کا تذکرہ غزوۂ احزاب کے تذکرہ کے بعد آئے گا انشاء اللہ تعالےٰ۔ شہید ہونے والوں میں انس بن اوس اور عبداللہ بن سہل اور طفیل بن نعمان، ثعلبہ بن غنمہ اور کعب بن زید رضی اللہ عنہم کے اسمائے گرامی ذکر کئے گئے ہیں۔

جہاد کی مشغولیت میں بعض نمازوں کا قضا ہوجانا

غزوۂ احزاب کے موقعہ پر اس قدر مشغولیت اور پریشانی رہی کہ ایک روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عصر کی نماز بھی نہ پڑھ سکے۔ آپؐ نے بددُعا دیتے ہوئے فرمایا: ملأ اللّٰہ علیھم بیوتھم وقبورھم نارًا کما شغلونا عن الصّلوٰۃ الوسطیٰ حتّٰی غابت الشمس (اللہ ان دشمنوں کے گھروں اور قبروں کو آگ سے بھرے جیسا کہ انہوں نے ہمیں صلوٰۃِ وسطیٰ سے ایسا مشغول رکھا کہ سورج بھی غائب ہوگیا۔) اس کے بعد آپؐ نے وضو فرمایا۔ پھر آپؐ نے عصر کی نماز پڑھی، اس کے بعد مغرب کی نماز پڑھی۔ بعض روایات میں ہے کہ غزوۂ خندق کے موقعہ پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی چار نمازیں قضاء ہوگئی تھیں ظہر، عصر، مغرب، عشاء، آپؐ نے رات کا ایک حصّہ گذر جانے پر ان کو اسی ترتیب سے پڑھا جس ترتیب سے قضاء ہوئی تھیں۔ عشاء تو وقتِ عشاء ہی میں پڑھی گئی کیونکہ رات باقی تھی البتہ جس وقت پڑھی جاتی تھی اس سے مؤخر ہوگئی تھی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دُعا

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عادتِ شریفہ تھی کہ جب کوئی مشکل پیش آتی تھی نماز میں مشغول ہوجاتے تھے۔ غزوۂ خندق کے موقعہ پر بھی آپؐ دعائیں کرتے رہے، دشمنوں کے شکست خوردہ ہوکر بھاگنے سے پہلے تین دن تک خوب زیادہ دُعا کا اہتمام کیا۔

صحیح بخاری ص۵۹۰ میں حضرت عبداللہ بن ابی اوفیٰ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے نقل کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مقابلے میں آنے والی جماعتوں کی شکست کے بارے میں یوں دعا کی: اَللّٰھُمَّ مُنْزِلَ الْکِتَابِ سَرِیْعَ الْحِسَابِ اھْزِمِ الْاَحْزَابَ اَللّٰھُمَّ اھْزِمْھُمْ وَزَلْزِلْھُمْ۔ (اے اللہ کتاب کے نازل فرمانے والے جلدی حساب لینے والے ان جماعتوں کو شکست دے اور ان کو ڈگمگادے)

صحابہ کرامؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ ہمیں بھی کوئی دُعا بتلائیے، آپؐ نے فرمایا کہ یہ دُعا پڑھو، اَللّٰھُمَّ اسْتُرْ عَوْرَاتِنَا وَاٰمِنْ رَوْعَاتِنَا (اے اللہ ہماری آبرو کی

حفاظت فرما اور ہمارے خوف کو ہٹا کر امن عطا فرما)۔

دُعا کی قبولیّت اور دشمنوں کی ہزیمت

اللہ تعالےٰ نے دُعا قبول فرمائی اور سخت تیز ہوا بھیج دی جس سے دشمنوں کے خیمے اُکھڑ گئے، چولہے بجھ گئے، ہانڈیاں اُلٹ گئیں، ہوا تیز بھی تھی اور سخت سرد بھی، دشمنوں کی جماعتیں اس سے متاثر ہو کر بھاگ کھڑی ہوئیں۔ ابوسفیان جو اس وقت قریشِ مکہ کا قائد بن کر آیا تھا اس نے کہا تھا اے قریشیو! اب یہاں ٹھہرنے کا موقعہ نہیں رہا، ہتھیار بھی ہلاک ہو گئے، جانور بھی ختم ہو چکے اور بنو قریظہ معاہدہ کی خلاف ورزی کر چکے ہیں، ہوا کے تھپیڑوں کو تم دیکھ ہی رہے ہو، اب یہاں سے چلے جاؤ میں تو جا رہا ہوں۔ اس کے بعد ابوسفیان اپنے اونٹ پر بیٹھا اور چل دیا۔ پھر قریش بھی چلے گئے۔ قبیلہ بنی غطفان کو قریش کی یہ حرکت معلوم ہوئی تو وہ بھی واپس ہو گئے۔ اللہ تعالےٰ نے مسلمانوں کو اپنا انعام یاد دلایا اور فرمایا:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اذْكُرُوا نِعْمَةَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ إِذْ جَاءَتْكُمْ جُنُودٌ فَأَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيحًا وَجُنُودًا لَّمْ تَرَوْهَا ؕ	اے ایمان والو اللہ کی نعمت جو تمہیں ملی اسے یاد کرو جبکہ تمہارے پاس لشکر آگئے سو ہم نے ان پر ہوا بھیج دی اور لشکر بھیج دیئے جو تم نے نہیں دیکھے۔"

"جن لشکروں کو نہیں دیکھا" ان سے فرشتے مراد ہیں، اس موقعہ پر فرشتے نازل تو ہوئے تھے لیکن انہوں نے قتال میں حصّہ نہیں لیا البتہ دشمنوں کے دلوں میں رُعب ڈالنے کا کام کیا، جب ہوا کے تھپیڑوں سے عاجز آ کر مشرکین بھاگ رہے تھے تو فرشتے تکبیر بلند کر رہے تھے اور یوں کہتے جا رہے تھے کہ بھاگ چلو یہاں ٹھہرنے کا موقعہ نہیں ہے۔

اللہ تعالےٰ نے ہوا کے ذریعہ دشمنانِ اسلام کو واپس کر دیا، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اب یہ لوگ ہم سے لڑنے کے لئے نہ آئیں گے اور ہم ہی ان سے لڑنے کے لئے جائیں گے [1]۔ چنانچہ غزوۂ خندق کے بعد دشمن مدینہ منورہ پر

---

[1] البدایہ والنہایہ، سیرت ابن ہشام۔ معالم التنزیل۔

چڑھائی کا ارادہ نہیں کرسکے۔ ۸ھ میں مکہ معظمہ فتح ہوگیا اور اس کے بعد عرب کے لوگ مسلمان ہوگئے، جوق در جوق مدینہ منورہ میں ان کے وفود آتے تھے اور اسلام قبول کرتے تھے۔

بعض اُن واقعات کا تذکرہ جو خندق کھودتے وقت پیش آئے

سخت بھوک اور سردی کا مقابلہ

جس وقت دشمن چڑھ آئے تھے اس وقت سخت سردی کا زمانہ تھا، کھانے پینے کا بھی معقول انتظام نہ تھا، بھوک کی مصیبت بھی درپیش تھی۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بنفسِ نفیس خندق کھودنے میں شریک تھے، حضراتِ صحابۂ کرامؓ بھی اس کام میں مشغول تھے، پیٹوں پر پتھر باندھ رکھے تھے، خندق کھودنی بھی پڑتی تھی اور اس کی مٹی بھی منتقل کرنی پڑتی تھی جسے اپنے کندھوں اور پشتوں پر ایک جگہ سے دوسری جگہ پہنچاتے تھے، کھانے کے لئے ایک مُٹھی جو لائے جاتے تھے جنہیں اُبال لیا جاتا تھا اور یہ اُبلے ہوئے جَو ایسے تیل یا چربی کے ساتھ سامنے رکھ دیئے جاتے تھے جس میں سے بدبو آتی تھی اور ان کو کھانا بھی آسان نہ تھا مشکل سے گلے سے اترتے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس موقع پر یہ پڑھتے جاتے تھے: اَللّٰھُمَّ اِنَّ الْعَیْشَ عَیْشُ الْاٰخِرَۃِ فَاغْفِرِ الْاَنْصَارَ وَ الْمُھَاجِرَۃ (اے اللہ زندگی آخرت کی زندگی ہے سو آپ انصار اور مہاجرین کو بخش دیجئے) آپؐ کی یہ بات سن کر صحابۂ کرامؓ جواب میں یوں کہتے تھے ؎

نَحْنُ الَّذِیْ بَایَعُوْا مُحَمَّدًا   عَلَی الْجِھَادِ مَا بَقِیْنَا اَبَدًا

(ہم وہ ہیں جنہوں نے جہاد پر محمدؐ سے بیعت کی ہے ہم جب تک بھی زندہ رہیں ہماری بیعت باقی ہے)۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خندق کھودنے میں شریک تھے اور مٹی منتقل کرنے کی وجہ سے آپؐ کے شکم مبارک پر اتنی مٹی لگ گئی کہ کھال دیکھنے میں نہیں آتی تھی۔ اس موقعہ پر آپؐ یہ اشعار پڑھتے جاتے تھے جو حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کے شعر ہیں ؎

① اللّٰھم لولا انت ما اھتدینا ولا تصدقنا ولا صلینا
② فانزلن سکینۃ علینا وثبت الاقدام ان لاقینا
③ ان الالیٰ قد بغوا علینا وان ارادوا فتنۃ اَبَیْنَا

① اے اللہ اگر آپ ہدایت نہ دیتے تو ہم ہدایت نہ پاتے، اور نہ صدقہ دیتے اور نہ نماز پڑھتے۔

② سو ہم پر اطمینان نازل فرمایئے، اور ہمارے قدموں کو ثابت رکھیئے اگر ہماری مڈبھیڑ ہو جائے۔

③ بلاشبہ ان لوگوں نے ہم پر زیادتی کی ہے، اور اگر یہ فتنے کا ارادہ کریں گے تو ہم ان سے انکار کردیں گے۔

آخری کلمہ اَبَیْنَا کو رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم بلند آواز سے پڑھتے تھے[1] اور اس کلمہ کو دُہراتے تھے[2]

رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشینگوئی کہ مُسلمان فلاں فلاں علاقوں پر قابض ہونگے

خندق کھودتے وقت ایک یہ واقعہ پیش آیا کہ ایک ایسی سخت چٹان برآمد ہوئی جس کا توڑنا حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کے بس سے باہر ہوگیا، صحابۂ کرام نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی اطلاع دی تو آپؐ نے فرمایا کہ میں اس میں اترتا ہوں۔ آپؐ نے پھاوڑہ لے کر اس میں مارا جس سے وہ ریت کا ڈھیر بن گئی۔ بعض روایات میں ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس چٹان میں پھاوڑہ مارا تو ضرب لگنے کی وجہ سے ایک ایسی تیز روشنی ظاہر ہوئی جس سے مدینہ منورہ کی دونوں جانب روشنی ہوگئی۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے اندھیری رات میں چراغ جل گیا ہو، اس پر آپؐ نے فتحیابی ظاہر کرنے والی تکبیر کہی اور مسلمانوں نے بھی اللہ اکبر کہا۔ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور دیگر صحابہؓ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ یہ کیا روشنی تھی جو بار بار ظاہر ہو رہی تھی؟ آپؐ نے

---

[1] صحیح البخاری ج ۲ ص ۵۸۸، ص ۵۸۹۔ [2] مشکوٰۃ المصابیح (باب البیان والشعر)

فرمایا کہ جب پہلی بار روشنی ہوئی تو اس میں مجھے حیرہ شہر کے محلّات اور کسریٰ کے شہر ظاہر ہو گئے، مجھے جبریل نے بتایا کہ آپ کی امّت ان پر غلبہ پائے گی اور دوسری بار جو چمک ظاہر ہوئی اُس سے رُوم کی سرزمین کے سُرخ محلّات ظاہر ہو گئے مجھے جبریل نے بتایا کہ میری اُمت ان پر غلبہ پائے گی اور تیسری بار جو روشنی چمکی اس سے مجھے صنعاً کے محلات ظاہر ہوئے (جو یمن کا مشہور شہر ہے) جبریل نے مجھے بتایا کہ میری امت ان پر بھی غلبہ پائے گی لہٰذا تم خوش ہو جاؤ، اس پر مسلمان بہت خوش ہوئے اور اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا اور یقین کر لیا کہ یہ سچّا وعدہ ہے اور پورا ہو کر رہے گا۔

رسول اللہ صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم نے جب مذکورہ بالا شہروں کے فتح ہونے کی خبر دی تو منافقین کہنے لگے کہ ان کو دیکھو یثرب سے ان کو حیرہ اور کسریٰ کے محل نظر آرہے ہیں اور یہ خبر دی جا رہی ہے کہ تم انہیں فتح کرو گے اور حال یہ ہے کہ تم لوگ خندق کھود رہے ہو یعنی مصیبت میں گرفتار ہو۔

اور بعض روایات میں یوں ہے کہ جب آپؐ نے بسم اللہ پڑھ کر پہلی بار ضرب ماری تو اس چٹان کا تہائی حصّہ ٹوٹ گیا۔ آپؐ نے فرمایا اللہ اکبر مجھے ملک شام کے خزانے دیئے گئے۔ پھر دوبارہ ضرب ماری تو اس کا ایک تہائی حصّہ اور ٹوٹ گیا اور فرمایا اللہ اکبر مجھے ملکِ فارس کی چابیاں دے دی گئیں، پھر تیسری بار ضرب ماری تو باقی پتھر بھی ٹوٹ گیا۔ آپؐ نے فرمایا اللہ اکبر مجھے ملکِ یمن کی چابیاں دے دی گئیں، ساتھ ہی آپؐ نے یہ بھی فرمایا کہ اللہ کی قسم! میں شام کے سُرخ محل اور مدائن کا سفید محل اور صنعاء کے دروازے ابھی یہیں اسی وقت دیکھ رہا ہوں۔

حضرت عمر اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہما کے زمانے میں جب یہ شہر فتح ہوتے جاتے تھے تو حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ جس ذات کے قبضہ میں ابوہریرہ کی جان ہے اس کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ تم نے جن شہروں کو فتح کر لیا اور قیامت تک جن شہروں کو فتح کرو گے ان سب کی چابیاں جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پہلے ہی سے دی گئی تھیں، یعنی آپؐ کو اللہ تعالےٰ کی طرف سے یہ خوشخبری دے دی گئی تھی کہ

آپ کی اُمّت ان کو فتح کرے گی حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ یہ بھی فرماتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تو اس دنیا سے تشریف لے گئے ہیں اب تم ان کو حاصل کر رہے ہو[1] رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ جب قیصر ہلاک ہو جائے گا تو اس کے بعد کوئی قیصر نہ ہوگا اور جب کسریٰ ہلاک ہو جائے گا تو اس کے بعد کوئی کسریٰ نہ ہوگا قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے تم قیصر و کسریٰ کے خزانے اللہ کی راہ میں خرچ کرو گے[2] آپ نے یہ بھی فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے زمین کے مشارق اور مغارب مجھے عطا فرما دیئے ہیں اور جو کچھ اللہ تعالیٰ نے مجھے عطا فرمایا ہے میری امّت کا ملک وہاں تک پہنچ جائے گا[3]

حضرت جابر رضی اللہ عنہ کے ہاں ضیافتِ عامہ

حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ خندق کھودتے وقت جب ایک سخت چٹان پیش آگئی تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ ایسی جگہ نکل آئی ہے جس کی مٹی بہت سخت ہے۔ (جو ہمارے قابو میں نہیں آرہی) آپ نے فرمایا میں اُترتا ہوں اس کے بعد آپ کھڑے ہوئے اور آپ کے شکم مبارک پر پتھر بندھا ہوا تھا اور بھوک کا یہ عالم تھا کہ ہم نے تین دن سے کچھ بھی نہیں چکھا تھا۔ آپ نے پھاوڑا لیا اور اس سخت زمین میں مارا جس کی وجہ سے وہ ایسا ہو گیا جیسے ریت کا ڈھیر ہو، وہ خود ہی پھسلا جا رہا تھا۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت لی کہ ذرا گھر ہو آؤں آپ نے اجازت دے دی۔ میں اپنے گھر گیا اور اپنی بیوی سے کہا کہ تمہارے پاس کھانے پینے کی کوئی چیز ہے؟ میں نے محسوس کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سخت بھوک کی حالت میں ہیں، اس پر میری بیوی نے چمڑے کا ایک تھیلا نکالا جس میں ایک صاع یعنی تین کلو کے لگ بھگ جَو تھے۔ اس کے علاوہ ہماری ایک چھوٹی سی پالتو

---

[1] البدایہ والنہایہ ج ۴ ص ۹۹ تا ۱۰۲ .

بکری بھی تھی میں نے اُسے ذبح کیا اور میری اہلیہ نے جَو پیسنا شروع کئے اتنے میں میں
نے بکری کی بوٹیاں بنا کر ہانڈی میں ڈالیں وہ جَو پیسنے سے فارغ ہوگئی۔ میں رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں جانے لگا تو وہ کہنے لگی جا تو رہے ہو رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم کے سامنے مجھے رسوا مت کرنا (ایسا نہ ہو کہ زیادہ افراد آجائیں) میں حضورِ انورؐ
کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ ہم نے تھوڑا سا کھانا تیار کیا ہے آپ تشریف لے
چلیں اور اپنے ہمراہ ایک دو آدمی اور لے لیں۔ آپؐ نے فرمایا کتنا کھانا ہے؟ میں نے
پوری صورتِ حال عرض کر دی، آپؐ نے فرمایا یہ تو بہت ہے۔ پھر آپ نے زور سے
اعلان فرمایا کہ اے خندق والو! آجاؤ جابر نے کھانا تیار کیا ہے۔ آپؐ مہاجرین اور
انصار کو ساتھ لے کر روانہ ہوگئے۔ آپ آگے آگے تشریف لا رہے تھے اور حضرات
صحابہؓ آپ کے پیچھے چل رہے تھے۔ میں جلدی سے اپنی بیوی کے پاس پہنچا اور پوری
کیفیت بیان کر دی (کہ مجمع کثیر آ رہا ہے) اس پر وہ ناراض ہوئی اور کہا کہ وہی ہوا نا!
جس کا مجھے اندیشہ تھا۔ میں نے کہا تھا کہ مجھے رسوا مت کرنا! پھر کہنے لگی اچھا تم نے رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم کو سب بات بتا دی تھی؟ میں نے کہا کہ ہاں میں نے سب کچھ بتا دیا تھا۔[1]
آپؐ تشریف لائے تو جو گوندھا ہوا آٹا تھا اس میں اپنا لُعاب مبارک ڈال دیا
اور برکت کی دُعا فرمائی۔ پھر ہانڈی کی طرف توجہ فرمائی اور اس میں بھی لُعاب مبارک
ڈال دیا اور برکت کی دُعا فرمائی۔ پھر فرمایا کہ ایک روٹی پکانے والی اور بلا لو اور ہانڈی
کو چولہے سے مت اتارو۔ حضور اکرمؐ نے صحابہؓ سے فرمایا کہ تم گھر میں آجاؤ گھچ پچ میں
مت بیٹھو۔ چنانچہ صحابہ کرامؓ بیٹھ گئے اور روٹی پکتی رہی جو آپ کی خدمت میں پیش
ہوتی رہی۔ آپ روٹی توڑ توڑ کر اس پر گوشت کی بوٹیاں رکھ کر اور شوربا بھر بھر کر حاضرین
کو دیتے رہے یہاں تک کہ سب نے پیٹ بھر کر کھا لیا۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان
کرتے ہیں کہ کھانے والے ہزار آدمی تھے میں اللہ کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ انہوں نے

---

[1] البدایہ والنہایہ جلد ۴ ص۹۸ میں بحوالہ دلائل النبوۃ للبیہقی یہ بھی اضافہ ہے کہ یہ سن کر وہ کہنے
لگی کہ بس پھر تو اللہ اور اس کا رسول ہی جانیں۔

خوب کھایا اور سیر ہوکر واپس چلے گئے اور ہماری ہانڈی کا یہ حال تھا کہ جیسی تھی اُسی طرح اُبل رہی تھی اور ہمارا آٹا جیسا تھا ویسا ہی رہا (گویا اس میں سے کچھ بھی خرچ نہیں ہوا) آپؐ نے میری بیوی سے فرمایا کہ یہ بچا ہوا کھانا خود کھالو اور (پڑوسیوں کو بھی) ہدیہ دو کیونکہ لوگ بھوک کی مصیبت میں مبتلا ہیں [1]

اسی طرح کا ایک واقعہ حافظ ابن کثیرؒ نے بحوالہ محمدؒ بن اسحٰق یوں بیان کیا ہے کہ حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ کی بہن نے بیان کیا کہ میری والدہ نے مجھے لپ بھر کر کھجوریں دیں جو میرے کپڑے میں ڈال دیں اور کہا کہ اے میری بیٹی! جاؤ اسے اپنے والد اور اپنے ماموں عبداللہ بن رواحہ کے پاس لے جاؤ تاکہ وہ صبح کے وقت ان کو کھا لیں (یہ دونوں حضرات بھی خندق کھودنے میں مشغول تھے) میں یہ کھجوریں لے کر روانہ ہوئی۔ اپنے والد اور ماموں کی تلاش میں تھی کہ اسی اثنا میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر میرا گذر ہوا، آپؐ نے فرمایا کہ اے بیٹی! یہ تمہارے پاس کیا ہے؟ میں نے کہا کہ یہ کچھ کھجوریں ہیں جو میری والدہ نے بھیجی ہیں تاکہ اپنے والد اور اپنے ماموں کو دے دوں! حضورؐ نے فرمایا کہ ان کو یہاں لاؤ۔ میں نے وہ کھجوریں آپؐ کی ہتھیلیوں میں ڈال دیں، وہ اتنی کم تھیں کہ ان سے آپؐ کی دونوں ہتھیلیاں نہ بھریں، آپؐ نے ایک کپڑا بچھانے کا حکم دیا۔ پھر وہ کھجوریں اس پر پھیلا دیں اور ایک شخص سے فرمایا کہ اونچی آواز سے خندق والوں کو پکارو کہ آجاؤ صبح کا کھانا کھالو۔ خندق کے کام میں جو حضرات مشغول تھے حاضر ہوئے اور ان کھجوروں میں سے کھاتے رہے یہاں تک کہ سب فارغ ہوکر واپس ہو گئے [2]

---

[1] صحیح بخاری جلد ۲ ص ۵۸۸، ۵۸۹ ۔

[2] قال ابن کثیر فی البدایۃ والنہایۃ ج ۴ ص ۹۹ ھٰکذا رواہ ابن اسحاق وفیہ انقطاع۔

صُلحِ حُدیبیہ

کا

مُفصّل واقعہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم
نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم

رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو قریش مکّہ نے بہت زیادہ تکلیفیں دی تھیں حتیٰ کہ آپؐ کو اور آپؐ کے صحابہ کو ہجرت کرنے پر مجبور کر دیا تھا۔ ذی قعدہ ۶ھ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عمرہ کرنے کے لئے اپنے پیچھے نمیلہ بن عبداللہ لیثی رضی اللہ عنہ کو امیر بنا کر روانہ ہو گئے مدینہ منورہ کے رہنے والے اور آس پاس کے دیہات کے باشندوں کو بھی سفر میں ساتھ چلنے کے لئے فرمایا۔ آپؐ نے عمرہ کا احرام باندھ لیا اور حضرات صحابہؓ نے بھی، تاکہ لوگ یہ سمجھ لیں کہ آپؐ کا مقصد جنگ کرنا نہیں ہے صرف بیت اللہ کی زیارت کرنا مقصود ہے آپؐ اپنے ساتھ ہدی کے جانور بھی لے گئے تھے (جو حج و عمرہ میں حرمِ مکّہ میں ذبح کئے جاتے ہیں) جب آپؐ مقام عسفان میں پہنچے تو بشر بن سفیان کعبی سے ملاقات ہوئی اس نے عرض کیا کہ یارسُول اللہ قریشِ مکّہ کو آپ کی روانگی کا پتہ چل گیا ہے وہ مقامِ ذی طویٰ میں جمع ہو گئے ہیں اور قسمیں کھا کھا کر یہ عہد کر رہے ہیں کہ آپؐ کو مکّہ میں داخل نہ ہونے دیں گے اور خالد بن ولیدؓ (جو اس وقت تک مسلمان نہیں ہوئے تھے) اپنے سواروں کو لے کر کراع الغمیم (ایک مقام کا نام ہے) میں پہنچ چکے ہیں، آپؐ نے یہ سُن کر راستہ بدل دیا اور داہنے ہاتھ کی طرف روانہ ہو گئے یہ باقاعدہ راستہ نہیں تھا گھاٹیاں تھیں دشوار گزار مقامات سے گزرنا پڑا یہاں تک کہ نرم زمین میں پہنچ گئے اور مقامِ حدیبیہ کے راستہ پر پڑ گئے، حدیبیہ مکّہ اور جدّہ کے درمیان ہے حرم کی حدود وہاں ختم ہو جاتی ہیں۔ (عسفان سے مکّہ معظّمہ جاتے ہوئے حدیبیہ واقع نہیں ہوتا لیکن چونکہ قریش کے آڑے آجانے کا امکان تھا اس لئے آپ راستہ بدل کر حدیبیہ پہنچ گئے)۔

جب قریش کے سواروں کو پتہ چلا کہ آپؐ نے راستہ بدل دیا ہے تو واپس قریش کے پاس مکّہ معظّمہ چلے گئے۔ ادھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اصحاب کے ساتھ

مقام حدیبیہ میں پہنچ گئے وہاں پہنچے تو آپؐ کی اونٹنی بیٹھ گئی صحابہؓ نے کہا یہ تو آگے بڑھنے سے ہٹ کرنے لگی۔ آپؐ نے فرمایا ہٹ کرنا اس کی عادت نہیں ہے اسے اسی ذات پاک نے روک دیا جس نے ہاتھی والوں کو مکّہ معظمہ میں داخل ہوتے سے روک دیا تھا۔ کیونکہ قریش مکّہ کے آڑے آجانے اور مکّہ معظمہ کے داخلہ میں رکاوٹ ڈالنے کا گمان تھا اس لئے آپؐ نے فرمایا کہ اگر آج قریش نے مجھ سے کسی ایسی بات کا سوال کیا جو صلہ رحمی کی بُنیاد پر ہو تو میں اس میں ان کی موافقت کر لوں گا، اور بعض روایات میں یوں بھی ہے کہ اگر مجھے کسی ایسی بات کی دعوت دیں گے جس میں ان چیزوں کی حرمت کا مطالبہ ہو جنہیں اللہ تعالےٰ نے معظم قرار دیا ہے تو ان کی بات مان لوں گا۔

حدیبیہ میں قیام تو فرمالیا لیکن وہاں پانی بہت ہی کم تھا۔ حضراتِ صحابہؓ نے عرض کیا یارسول اللہ! یہاں تو پانی نہیں ہے نہ وضو کر سکتے ہیں، نہ پینے کا انتظام ہے بس یہی تھوڑا سا پانی ہے جو آپ کے پیالے میں ہے۔ آپؐ نے اپنا دستِ مبارک اس پیالہ میں رکھ دیا آپؐ کی مبارک انگلیوں سے پانی کے چشمے جاری ہو گئے۔ راوی حدیث حضرت جابر رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے بیان کیا کہ ہم نے پانی پیا، وضو کیا کسی نے دریافت کیا کہ آپ حضرات کی کتنی تعداد تھی تو حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ ہم لوگ پندرہ سو تھے اگر ایک لاکھ بھی ہوتے تو وہ پانی سب کے لئے کافی ہو جاتا۔

اور حضرت براء بن عازب رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے فرمایا کہ آیت کریمہ میں جو فتح کا ذکر ہے آپ لوگ اس سے فتح مکّہ مراد لیتے ہیں اور ہم بیعتِ رضوان کو فتح کا مصداق شمار کرتے تھے جو حدیبیہ کے موقع پر ہوئی۔ ہم تعداد میں چودہ سو یا کچھ زیادہ تھے، حدیبیہ کے ایک کنوئیں میں تھوڑا سا پانی تھا ہم نے سارا پانی کھینچ کر استعمال کر لیا اور اس میں ایک قطرہ بھی نہ چھوڑا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کا علم ہوا تو آپ تشریف لائے اور اس کنوئیں کے کنارے پر بیٹھ گئے۔ پھر فرمایا کہ اس میں سے نکالا ہوا ایک ڈول پانی لاؤ۔ وہ آپؐ کی خدمت میں پیش کیا گیا۔ آپؐ نے اس میں اپنا لعاب مبارک ڈال دیا اور ایک روایت میں ہے کہ وضو فرمایا اور کُلّی کی اور اس کنوئیں میں پانی ڈالا۔ پھر

فرمایا اسے کچھ دیر چھوڑ دو، کچھ دیر کے بعد اس میں سے پانی لینا شروع کیا اور تمام حاضرین اپنے سواریوں سمیت سیراب ہو گئے۔ اس میں اختلاف کی بات نہیں ہے چودہ سو سے اوپر جو افراد تھے ان کو بعض صحابہؓ نے پندرہ سو بتا دیا اور بعض نے چودہ سو بتا دیا کسر کا اعتبار نہیں کیا اور اس میں بھی کوئی تعارض نہیں کہ پیالہ میں دست مبارک رکھنے سے چشمے جاری ہو گئے اور کنوئیں میں بھی آپ نے لعاب مبارک ڈال دیا۔ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیبیہ میں قیام فرمالیا تو قریش مکہ نے یکے بعد دیگرے بُدیل بن ورقا اور کرز بن حفص اور حلیس بن علقمہ اور عروہ بن مسعود ثقفی کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بھیجا آپؐ نے ان لوگوں کو جواب دیا کہ ہم عمرہ کرنے کے لئے آئے ہیں لڑائی لڑنا ہمارا مقصد نہیں ہے۔

حضرات صحابہؓ کی محبت اور جانثاری

عروہ بن مسعود حاضر خدمت ہوئے تو انہوں نے عجیب منظر دیکھا حضرات صحابہؓ کی محبت اور جانثاری دیکھ کر آنکھیں پھٹی رہ گئیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وضوء فرماتے تھے تو جو پانی آپؐ کے اعضاء سے جُدا ہوتا حضرات صحابہؓ اسے گرنے نہ دیتے تھے اور فوراً ہی اپنے ہاتھوں میں لے لیتے تھے، جب آپؐ ناک کی ریزش ڈالتے تھے اسے بھی جلدی سے اپنے ہاتھوں میں لے لیتے تھے اور آپؐ کا اگر کوئی بال گرتا تھا تو اُسے بھی گرنے سے پہلے ہی اُچک لیتے تھے۔

عروہ بن مسعود ثقفی نے واپس ہو کر قریش مکہ سے کہا کہ دیکھو میں کئی بار کسریٰ قیصر اور نجاشی کے پاس گیا ہوں (یہ تینوں بادشاہ تھے) میں نے کسی بادشاہ کے ایسے فرمانبردار نہیں دیکھے جیسے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھی ہیں اگر تم نے جنگ کی تو یہ لوگ کبھی بھی انہیں تنہا نہیں چھوڑیں گے اب دیکھ لو تمہاری کیا رائے ہے؟ اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر بن خطابؓ سے فرمایا کہ تم مکہ معظمہ جاؤ وہاں قریش کو بتا دو کہ ہم جنگ کرنے کے لئے نہیں آئے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے معذرت پیش کر دی کہ قریش کو معلوم ہے کہ میں ان کا کتنا بڑا دشمن ہوں اور میرے قبیلہ بنی عدی میں

سے وہاں ایسے افراد نہیں ہیں جو میری حفاظت کر سکیں۔ میں آپ کو رائے دیتا ہوں کہ آپ عثمان بن عفانؓ کو بھیج دیں۔ قریش کے نزدیک وہ مجھ سے زیادہ معزز ہیں۔ چنانچہ آپؐ نے حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ابوسفیان اور دیگر اشرافِ قریش کے پاس بطورِ نمائندہ بھیج دیا تاکہ وہ قریش کو بتادیں کہ آپ جنگ کے ارادے سے تشریف نہیں لائے بلکہ صرف بیت اللہ کی زیارت کے لئے تشریف لائے ہیں۔ جب حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے قریشِ مکہ کو پیغام پہنچا دیا تو انہوں نے جواب دیا کہ ہم یہ بات ماننے کو تیار نہیں کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو مکہ میں داخل ہونے کی اجازت دیں، البتہ تم چاہو تو طواف کر سکتے ہو۔ انہوں نے جواب دیا کہ میں تنہا طواف نہیں کر سکتا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم طواف کریں گے تو میں بھی کروں گا۔ حضرت عثمانؓ کو قریش مکہ نے روک لیا اور ادھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ خبر پہنچ گئی کہ حضرت عثمانؓ کو قتل کر دیا گیا ہے۔

بیعتِ رضوان کا واقعہ

جب یہ خبر پہنچی تو آپؐ نے فرمایا کہ اب ہم تو یہاں سے نہیں ہٹیں گے جب تک قریش سے جنگ نہ کر لی جائے۔ چونکہ بظاہر جنگ لڑنے کی فضا بن گئی تھی اس لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضراتِ صحابہ سے بیعت لینی شروع کی اور ایک شخص کے علاوہ آپ کے تمام اصحاب نے اس بات پر بیعت کر لی کہ ہم جم کر جنگ میں ساتھ دیں گے اور راہِ فرار اختیار نہ کریں گے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ چونکہ مکہ معظمہ گئے ہوئے تھے اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی طرف سے خود ہی بیعت کر لی اپنے ایک ہاتھ کو دوسرے ہاتھ سے ملایا اور فرمایا کہ یہ بیعت عثمان کی طرف سے ہے (یہ بیعت ایک درخت کے نیچے ہوئی تھی جو مقامِ حدیبیہ میں تھا اور اس کے بارے میں آیتِ کریمہ لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ يُبَايِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ نازل ہوئی۔ اس لئے اس بیعت کا نام بیعت الرضوان معروف ہو گیا اور بیعت کرنے والوں کو اصحاب الشجرہ کہا جانے لگا (شجرہ عربی میں درخت کو کہتے ہیں)۔

اس کے بعد معلوم ہوا کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کی خبر غلط ہے۔

لیکن اس خبر کی وجہ سے جو حضراتِ صحابہ رضی اللہ عنہم نے بیعت کی اس کا ثواب بھی مل گیا اور اللہ تعالیٰ کی رضا مندی کا تمغہ بھی نصیب ہو گیا جس کا قرآن میں اعلان ہو گیا جو رہتی دنیا تک برابر پڑھا جاتا رہے گا۔

اس کے بعد قریش نے سہیل بن عمرو کو گفتگو کرنے کے لئے بھیجا اور یوں کہا کہ محمد علیہ السلام کے پاس جاؤ اور ان سے صلح کی گفتگو کرو لیکن صلح میں اس سال عمرہ کرنے کی بات نہ آئے اگر ہم اس سال انہیں عمرہ کرنے کی اجازت دیتے ہیں تو عرب میں ہماری بدنامی ہو گی اور اہلِ عرب یوں کہیں گے کہ دیکھو محمد (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) اپنی قوت اور زور سے مکہ میں داخل ہو گئے۔ سہیل بن عمرو نے خدمتِ عالی میں حاضر ہو کر لمبی گفتگو کی پھر آپس میں صلح کی شرطیں طے ہو گئیں[1] جو انشاء اللہ عنقریب ذکر کی جائیں گی۔

صلح حُدیبیہ کا متن اور مندرجہ شرائط

صحیح بخاری ص۳۷۱، ص۳۷۲ اور صحیح مسلم ص۱۰۴ ج ۲ میں ہے کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ صلح نامہ لکھنے لگے تو اس میں انہوں نے بطورِ عنوان یہ عبارت لکھ دی "ھذا ما قاضی علیہ مُحَمَّد رَّسُول اللّٰہ" اس پر سہیل بن عمرو اور اس کے ساتھیوں نے کہا کہ ہم تو آپ کے رسول اللہ ہونے کا اقرار ہی نہیں کرتے اگر ہم اس کو مانتے ہوتے تو آپ کو عمرہ کرنے سے کیوں روکتے؟ آپ محمد بن عبداللہ لکھئے، آپؐ نے فرمایا میں رسول اللہ بھی ہوں محمد بن عبداللہ بھی ہوں، پھر حضرت علیؓ سے فرمایا کہ لفظ رسول اللہ کو مٹا دو۔ حضرت علیؓ نے عرض کیا کہ میں تو کبھی بھی آپ کی اس صفت کو نہیں مٹاؤں گا (یہ نافرمانی کی قسم نہیں ہے ناز و انداز کی بات ہے) اس کے بعد صلح نامہ کے شروع میں "ھٰذَا مَا قَاضٰی عَلَیْہِ مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدُ اللّٰہ" لکھا گیا۔

صحیح مسلم ص۱۰۵ ج ۲ میں یہ بھی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت علیؓ سے فرمایا کہ لکھو بسم اللہ الرحمٰن الرحیم اس پر سہیل بن عمرو نے کہا کہ یہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کیا ہے ہم اس کو نہیں جانتے بلکہ وہ لکھو جو ہم پہچانتے ہیں اور وہ بِاسْمِكَ اَللّٰھُمَّ (آپؐ

---

[1] صحیح بخاری (باب الشروط فی الجہاد) ص۳۷۷ ج ۱ اور اجع معالم التنزیل ص۱۹۹ ج ۴ تا ص۲۰۳)

نے اس کو بھی منظور فرما لیا۔ کماذکرہ النووی)

البدایہ والنہایۃ صـ۱۶۸ ج ۴ میں صلح نامہ کا متن جو نقل کیا ہے وہ ذیل میں درج ہے۔

ھٰذا ما صالح علیہ محمّد بن عبد اللّٰہ سھیل بن عمرو، اصطلحا علی وضع الحرب عن الناس عشر سنین یأمن فیھن الناس ویکف بعضھم عن بعض، وعلیٰ انہ من أتیٰ محمداً من قریش بغیر اذن ولیہ ردہ علیھم، ومن جاء قریشاً ممن مع محمّد لم یردوہ علیہ، وان بیننا عیبۃ مکفوفۃ، وانہ لا اسلال ولا اغلال، وانہ من احب ان یدخل فی عقد محمّد وعھدہ دخل فیہ، ومن احب ان یدخل فی عقد قریش وعھدھم دخل فیہ، وانّک ترجع عامک ھذا فلا تدخل علینا مکۃ، وانہ اذا کان عام قابل خرجنا عنک فدخلتھا باصحابک فاقمت بھا ثلاثاً معک سلاح الراکب السیوف فی القرب لا تدخلھا بغیرھا۔

ترجمہ: یہ وہ صلح نامہ ہے جس کی محمّد بن عبداللہ نے سہیل بن عمرو سے صلح کی، ان باتوں پر صلح کی گئی۔

۱۔ دس سال تک آپس میں جنگ نہیں کریں گے، ان دس سالوں میں لوگ امن وامان سے رہیں گے اور ایک دوسرے (پر حملہ کرنے) سے رُکے رہیں گے۔

۲۔ قریش میں سے جو شخص اپنے ولی کی اجازت کے بغیر محمّد علیہ السّلام کے پاس آجائے گا اسے واپس کرنا ہوگا۔

۳۔ اور محمّد علیہ السّلام کے ساتھیوں میں سے جو شخص قریش کے پاس آجائے گا وہ اسے واپس نہیں کریں گے۔

۴۔ اور ایک یہ بات ہے کہ ہمارے درمیان گٹھڑی بند رہے گی (یعنی آپس میں جنگ نہ کریں گے۔ (لڑائی والی بات کو گٹھڑی کی طرح باندھ کر ڈال دیں گے) اور بعض حضرات

نے گٹھڑی بند رکھنے کا یہ معنی بتایا ہے کہ جو کچھ ہم نے صلح کی ہے یہ سچے دل سے ہے دل گٹھڑیوں کی طرح ہیں جن میں راز کی چیزیں رکھی جاتی ہیں لہٰذا ہماری یہ گٹھڑی نہ کھلے گی' اور کوئی فریق دھوکہ یا خیانت کا کام نہ کرے گا۔

۵۔ نہ کوئی ظاہری طور پر چوری کرے گا اور نہ خیانت کے طور پر کسی کو تکلیف دے گا (ظاہر اور باطن کے اعتبار سے ہر شرط کی پابندی کی جائے گی۔)

۶۔ اور جو شخص محمد علیہ السلام کے ساتھ کوئی معاہدہ اور معاقدہ کرنا چاہے وہ کر سکتا ہے۔

۷۔ اور جو جماعت قریش سے کوئی معاہدہ و معاقدہ کرنا چاہے اسے اس کا اختیار ہے۔

۸۔ آپ اس سال واپس ہو جائیں مکہ معظمہ میں داخل نہ ہوں۔

۹۔ اور آئندہ سال اپنے صحابہؓ کے ساتھ عمرہ کے لئے آئیں اس وقت مکہ معظمہ میں داخل ہوں اور صرف تین دن رہیں۔

۱۰۔ اس وقت جب عمرہ کے لئے آئیں تو آپ کے ساتھ مختصر سے ہتھیار ہوں جنہیں مسافر ساتھ لے کر چلتا ہے تلواریں نیاموں میں ہوں گی۔ اس کا لحاظ کرتے ہوئے داخل ہو سکیں گے۔

جب یہ شرطیں لکھی گئیں تو شرط نمبر ۶ کے مطابق بنو خزاعہ نے اعلان کر دیا کہ ہم محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں ہیں اور بنو بکر نے اعلان کر دیا کہ ہم قریش کے عہد میں ہیں (پھر یہی معاہدہ فتح مکہ کا سبب بن گیا کیونکہ قریش مکہ نے بنو بکر کی مدد کر دی جب بنو خزاعہ سے ان کی جنگ چھڑی) معاہدہ کی جو شرطیں اوپر مذکور ہوئیں ان میں سے بعض صحیح بخاری[1] میں اور بعض صحیح مسلم[2] میں مذکور ہیں اور بعض سنن ابی داؤد[3] میں بھی مروی ہیں۔

حضرت عمرؓ کا تردد اور سوال وجواب

حضرت عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہ کو بعض شرطوں کا قبول کرنا ناگوار ہوا وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئے اور عرض کیا یا رسول اللہ کیا ہم حق پر نہیں ہیں اور کیا قریش مکہ باطل پر نہیں ہیں؟ آپ نے فرمایا ہاں ہم حق پر ہیں اور وہ باطل پر ہیں! پھر سوال کیا، کیا ہمارے مقتولین جنت میں نہیں ہیں اور کیا ان کے مقتولین دوزخ میں نہیں ہیں؟ آپ نے فرمایا

[1] صحیح بخاری باب الشروط فی الجہاد ص ۳۷۶ ج ۱ و راجع معالم التنزیل ص ۱۹۹، ۲۰۳ ج ۴۔

ہاں ہمارے مقتولین جنت میں ہیں اور ان کے مقتولین دوزخ میں ہیں، عرض کیا پھر کیوں ہم اپنے دین میں ذلت گوارا کریں اور ہم کیوں اللہ کے فیصلے کے بغیر جو ہمارے ان کے درمیان (قتال کے ذریعہ) ہو واپس ہو جائیں۔ یہ سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں اللہ کا رسول ہوں اس کی نافرمانی نہیں کرتا ہوں وہ میری مدد فرمائے گا۔ حضرت عمرؓ نے عرض کیا، کیا آپ نے یہ نہیں فرمایا تھا کہ ہم بیت اللہ جائیں گے اور طواف کریں گے؟ آپؐ نے فرمایا کیا میں نے اسی سال کے بارے میں کہا تھا؟ اس کے بعد حضرت ابو بکرؓ سے بھی ان کا یہی سوال و جواب ہوا، جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صلح کر لی اور پورا صلح نامہ لکھ دیا گیا تو ابو جندل نے مسلمانوں سے کہا کہ دیکھو میں مسلمان ہو کر آیا ہوں مشرکین کی طرف واپس کیا جا رہا ہوں مجھے بڑی بڑی تکلیفیں دی گئی ہیں مجھے اپنے ساتھ لے چلو لیکن مسلمان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کچھ نہیں کر سکتے تھے صلح کی جو شرطیں آپؐ نے منظور فرمائی تھیں سب کے مطابق عمل کرنا لازم تھا بالآخر ابو جندل کو وہیں چھوڑ دیا گیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص ہمارا بن کر ہم کو چھوڑے گا اللہ اس کو ہم سے دور فرما دے گا (اس کی ہمیں ضرورت نہیں) اور جو شخص ان میں سے ہوگا اور ہمارا بن کر آئے گا (پھر ہم شرط کے مطابق اسے واپس کر دیں گے تو) اللہ تعالیٰ اس کے لئے کوئی راستہ نکال دے گا [1]

حلق رؤس اور ذبح ہدایا

جب صلح نامہ لکھا جا چکا تو آنحضرت سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کو حکم دیا کہ اپنے ہدایا کو ذبح کرو اور سر منڈوالو۔ یہ بات سن کر کوئی بھی کھڑا نہ ہوا کیونکہ حضرات اس امید میں تھے کہ شاید کوئی ایسی صورت پیدا ہو جائے کہ وقت سے پہلے احرام کھولنا نہ پڑے اور عمرہ کرنے کا موقع مل ہی جائے) آپؐ کے تین بار ارشاد فرمانے کے بعد بھی جب کوئی کھڑا نہ ہوا تو آپ اپنی اہلیہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے پاس تشریف لے گئے اور ان سے پوری صورت حال بیان کی (کہ میں ہدایا کے ذبح کرنے کا اور سر مونڈنے کا حکم دے چکا ہوں لیکن صحابہ اس پر عمل نہیں کر رہے ہیں) حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا یا رسول اللہ اگر آپ چاہتے ہیں کہ یہ

---

[1] صحیح مسلم ص ۱۰۵ ج ۱ [2] صحیح بخاری ص ۳۸۰

لوگ ذبح اور حلق والا کام کر گزریں تو آپ باہر تشریف لے جا کر کسی سے بات کئے بغیر اپنے اونٹوں کو ذبح فرما دیں اور بال مونڈنے والے کو بلا کر اپنے سر کے بال منڈوا دیں، آپ باہر تشریف لائے اور ایسا ہی کیا جب آپؐ کو حضراتِ صحابہؓ نے دیکھا کہ آپ ہدایا ذبح فرما چکے ہیں اور حلق کروا لیا ہے تو سب اٹھ کھڑے ہوتے اور اپنے ہدایا کو ذبح کر دیا اور ایک دوسرے کا سر مونڈنے لگے [1]

حضرت ابو بصیر اور ان کے ساتھیوں کا واقعہ

وہ جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ اہلِ مکہ میں سے جو شخص ہمارے پاس آئے گا اور اسے شرط کے مطابق واپس کر دیں گے تو اللہ تعالیٰ اس کے لئے کوئی راستہ نکال دے گا۔ اس کے مطابق اس کا حل یہ نکلا کہ حضرت ابو بصیرؓ ایک صحابی مسلمان ہو کر مکہ سے مدینہ منورہ پہنچ گئے مکہ والوں نے ان کو واپس کرنے کے لئے دو آدمی بھیجے، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے شرط کے مطابق ان کو واپس کر دیا۔ واپسی میں جب ذوالحلیفہ پہنچے تو حضرت ابو بصیر رضی اللہ عنہ نے ان دو آدمیوں میں سے جو انہیں لینے آئے تھے ایک کو قتل کر دیا اور دوسرا بھاگ کر مدینہ منورہ میں آکر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا آپؐ نے اسے دیکھ کر فرمایا کہ ضرور اسے کوئی خوفناک بات پیش آئی ہے اس نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ میرا ساتھی تو قتل کیا جا چکا ہے اور میں بھی قتل ہونے والا ہوں۔ پیچھے سے حضرت ابو بصیر بھی حاضر خدمت ہو گئے اور عرض کیا یا رسول اللہ آپ کی جو ذمہ داری تھی وہ تو اللہ تعالیٰ نے پوری کر دی آپ نے مجھے واپس کر دیا پھر اللہ تعالیٰ نے مجھے ان سے نجات دے دی۔ آپؐ نے فرمایا کہ یہ لڑائی کو بھڑکانے والا ہے کاش اسے کوئی سمجھانے والا ہوتا۔ یہ سُن کر ابو بصیرؓ نے سمجھ لیا کہ آپؐ مجھے پھر واپس کر دیں گے لہٰذا وہ مدینہ منورہ سے نکل گئے اور سمندر کے کنارہ پر پڑاؤ ڈال لیا۔ جب ابو جندل کو اس کا پتہ چلا تو وہ بھی ابو بصیرؓ کے پاس پہنچ گئے اور اب جو بھی کوئی شخص قریشِ مکہ میں سے مسلمان ہوتا وہ

[1] صحیح مسلم ص۱۰۵ ج ۱ [2] صحیح بخاری ص۳۸۰

ابوبصیرؓ کے پاس پہنچ جاتا یہاں تک کہ وہاں کے سمندر کے کنارے ایک جماعت اکٹھی ہوگئی قریش کا جو بھی قافلہ شام کی طرف جاتا تھا یہ لوگ اسے روک لیتے اور قافلہ کے آدمیوں کو قتل کر دیتے اور ان کے اموال چھین لیتے تھے جب یہ صورتِ حال سامنے آئی تو قریشِ مکہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پیغام بھیجا کہ آپ ان لوگوں کو بلالیں اور اب ہم اس شرط کو واپس لیتے ہیں کہ ہمارا کوئی شخص آپ کے پاس جائے گا تو اسے واپس کرنا ہوگا، جو بھی شخص ہم میں سے آپ کے پاس جائے گا اسے واپس کرنے کی ذمہ داری آپ پر نہ ہوگی اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان لوگوں کو پیغام بھیج دیا کہ واپس آجائیں [1]

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ابوبصیر کے نام خط لکھ دیا کہ مدینہ منورہ آجائیں جب گرامی نامہ پہنچا تو وہ سیاقِ موت میں تھے ان کی موت اس حالت میں ہوئی کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا مکتوب گرامی ان کے ہاتھ میں تھا حضرت ابوجندل نے انہیں دفن کر دیا اور وہاں ایک مسجد بنادی، پھر اپنے ساتھیوں کے ہمراہ مدینہ منورہ میں حاضر ہوگئے اور برابر وہیں رہتے رہے حتیٰ کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانہ میں شام کی طرف چلے گئے اور وہیں جہاد میں شہید ہوگئے [2]

صلحِ حدیبیہ کی مذکورہ تفصیل کے بعد اب آیاتِ بالا کا ترجمہ دوبارہ پڑھ لیجئے ان میں فتحِ مبین کی خوشخبری ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اگلی پچھلی تمام لغزشوں کی معافی کا اور تکمیلِ نعمت کا اور صراطِ مستقیم پر چلانے کا اور نصرِ عزیز کا اعلان ہے۔

دیہاتیوں کی بدگمانی

معالم التنزیل ج ۴ ص ۱۹۱ میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صلحِ حدیبیہ والے سال مدینہ منورہ کے آس پاس دیہاتوں میں یہ منادی کرادی کہ ہم عمرہ کے لئے روانہ ہو رہے ہیں۔ مقصد یہ تھا کہ یہ لوگ بھی عمرہ کرلیں اور قریشِ مکہ کی طرف سے کوئی جنگ کی صورت پیدا ہو جائے یا وہ بیت اللہ سے روکنے لگیں تو ان سے نمٹ لیا جائے، آپ نے عمرہ کا احرام باندھا اور ہدی بھی ساتھ لی تاکہ یہ سمجھ لیں کہ آپ جنگ کے ارادے سے روانہ نہیں ہوئے اس وقت ایک بڑی جماعت آپ

---

[1] صحیح بخاری ص ۳۸۰، ۳۸۱ ج ۱ [2] فتح الباری ص ۳۵۱ ج ۵

کے ساتھ روانہ ہو گئے (جن کی تعداد چودہ سو یا اس سے کچھ زیادہ تھی) اس موقع پر دیہات میں رہنے والوں میں سے بہت سے لوگ پیچھے رہ گئے اور آپ کے ساتھ سفر میں نہ گئے۔ ابھی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مدینہ منورہ واپس نہیں پہنچے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کے بارے میں پہلے سے آپؐ کو خبر دے دی اور فرمایا سَیَقُوۡلُ لَکَ الۡمُخَلَّفُوۡنَ مِنَ الۡاَعۡرَابِ شَغَلَتۡنَاۤ اَمۡوَالُنَا وَاَهۡلُوۡنَا کہ دیہاتیوں میں سے جو لوگ پیچھے کر دیئے گئے (جن کی شرکت اللہ تعالیٰ کو منظور نہ تھی) وہ شرکت نہ کرنے کا عذر بیان کرتے ہوئے یوں کہیں گے کہ ہمارے مالوں اور ہمارے اہل و عیال نے ہمیں مشغول رکھا ہم ان کی ضروریات میں لگے رہے (پیچھے گھروں میں چھوڑنے کے لئے بھی کوئی نہ تھا) لہٰذا آپ ہمارے لئے اللہ سے درخواست کر دیجئے کہ وہ ہماری مغفرت فرما دے۔ جب آنحضرت سرور عالم مدینہ منورہ واپس تشریف لے آئے تو یہ لوگ حاضر خدمت ہو گئے اور انہوں نے ساتھ نہ جانے کا وہی عذر بیان کر دیا کہ ہمیں بال بچوں سے متعلق کام کاج کی مشغولیتوں نے آپ کے ساتھ جانے نہ دیا۔ اب آپ ہمارے لئے استغفار کر دیں، اللہ جل شانہٗ نے ان کی تکذیب کرتے ہوئے فرمایا کہ وہ اپنی زبانوں سے وہ بات کہہ رہے ہیں جو ان کے دلوں میں نہیں ہے، یعنی ان کا یہ کہنا کہ ہمارا شریک ہونے کا ارادہ تو تھا لیکن گھر بار کی مشغولیت کی وجہ سے نہ جا سکے اور یہ کہنا کہ آپ ہمارے لئے استغفار کر دیں یہ ان کی زبانی باتیں ہیں جو ان کے قلبی جذبات اور اعتقادات کے خلاف ہیں نہ ان کا شریک ہونے کا ارادہ تھا اور نہ استغفار کی ان کے نزدیک کوئی حیثیت ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ پر ایمان ہی نہیں لائے پھر گناہ اور ثواب اور استغفار کی باتوں کا کیا موقع ہے؟

پھر ان لوگوں کو تنبیہ فرمائی جو جھوٹی عذر خواہی اور حیلہ بازی کریں کہ اگر اللہ تعالیٰ تمہیں کوئی ضرر یا نفع پہنچانا چاہے تو وہ کون ہے جو اللہ کی طرف سے آنے والے کسی فیصلہ کے بارے میں کچھ بھی اختیار رکھتا ہو۔ جب اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ چلنے کے لئے حکم ہو گیا تو ساتھ جانا ضروری تھا آپؐ کے ساتھ نہ جانے کی صورت میں اگر اللہ تعالیٰ کی طرف سے ضرر پہنچ جائے تو اس کو کوئی بھی دفع نہیں کر سکتا۔

بات وہ نہیں ہے جو تم بطورِ معذرت پیش کر رہے ہو اللہ تعالےٰ کو تمہارے اعمال کی سب خبر ہے تم تو یہ سمجھتے تھے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم اور ان کے ساتھی اہلِ ایمان جو سفر میں جا رہے ہیں یہ کبھی بھی واپس نہیں آئیں گے دشمن ان کو بالکل ختم کر دیں گے یہ بات تمہارے لئے شیطان نے مزین کر دی اور تمہارے دلوں میں بیٹھ گئی اور تم نے بُرا خیال کر لیا کہ یہ لوگ ہلاکت کی راہ پر جا رہے ہیں اگر کسی کے جانے کا ارادہ بھی تھا تو تم نے اسے یہ کہہ کر روک دیا کہ کہاں جا رہے ہو ذرا انتظار کرو دیکھو ان کا کیا ہوتا ہے ؟

أُبَلِّغُكُمْ رِسٰلٰتِ رَبِّيْ وَاَنَا لَكُمْ نَاصِحٌ اَمِيْنٌ

رَسُولُ اللہ صَلّی اللہ تعالیٰ عَلَیہِ وَسَلّم کے

مکتوباتِ شریفہ

سیّد المرسلین خاتم النبیّین صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم کے وہ مکاتیب جو آپ نے اپنے زمانے کے مشہور ملوک وسلاطین اور امراُ وزراُ کو لکھے۔

عربی عبارت اور تراجم و تشریحات کے ساتھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

خاتم النبیین، سید الانبیاء والمرسلین صلی اللہ علیہ وسلم نے دعوتِ اسلام کے لئے جو ذرائع اختیار فرمائے تھے ان میں گراں قدر مکاتیب ارسال فرمانے کا طریقہ بھی تھا۔

یہ والانامے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بادشاہوں اور مختلف علاقوں کے اُمراء کے نام ارسال فرمائے تھے۔ نجاشی شاہِ حبشہ اور ہرقل شاہِ روم اور کسریٰ شاہِ فارس اور مقوقس شاہِ مصر اس زمانہ میں زیادہ معروف تھے جنہیں اہلِ عرب جانتے اور پہچانتے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مکاتیب ارسال فرمانے کے لئے اپنے صحابہؓ میں سے متعدد افراد کا انتخاب فرمایا اور ان کے ذریعہ گرامی نامے ارسال فرمائے۔

حافظ ابن القیم نے زاد المعاد میں لکھا ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حدیبیہ سے تشریف لائے تو بادشاہوں کو خطوط لکھے اور چھ افراد کو ایک ہی دن میں مختلف بادشاہوں کی طرف روانہ فرما دیا۔ یہ واقعہ محرم ۷ھ کا ہے جب آپؐ والانامے ارسال فرمانے لگے۔ (جن میں شاہِ روم کے نام بھی ایک مکتوب تھا) تو عرض کیا گیا کہ وہ لوگ کوئی خط اس وقت تک نہیں پڑھتے جب تک مہر لگی ہوئی نہ ہو۔ چنانچہ آپؐ نے چاندی کی ایک انگوٹھی بنوالی اور اس کے نگینہ میں اپنا اسمِ گرامی مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللہِ کندہ کروالیا۔ ایک سطر میں مُحَمَّدٌ اور ایک سطر میں لفظ رَسُوْل اور ایک سطر میں لفظ اَللہ تھا۔ آپؐ نے مہر تیار فرما کر ان مکاتیب کے ختم پر وہ مہر لگا دی جو بادشاہوں کے نام لکھے تھے۔

آپؐ نے صحابہؓ میں سے حضرت عمرو بن امیہ ضمریؓ کو نجاشی شاہِ حبشہ کی طرف اور حضرت دحیۃ بن خلیفہ کلبیؓ کو ہرقل شاہِ روم کی طرف اور حضرت عبداللہ بن حذافہ السہمیؓ کو کسریٰ شاہِ فارس کی طرف اور حضرت حاطب بن ابی بلتعہؓ کو مقوقس شاہِ مصر کی طرف اور حضرت شجاع بن وہب الاسدیؓ کو حارث بن شمر الغانی شاہِ بلقاء (یعنی علاقہ شام)

کی طرف اور حضرت سلیط بن عمروؓ کو ہوذہ بن علی کی طرف بھیجا۔ آخر الذکر یمامہ کا صاحبِ اقتدار تھا۔ بعض اصحاب سیر نے لکھا ہے کہ حضرت سلیط بن عمروؓ کو ہوذہ بن علی اور ثمامۃ ابن اثال دونوں کی طرف روانہ فرمایا تھا۔ یہ دونوں قبیلہ بنی حنیفہ کے سردار اور صاحبِ اقتدار تھے۔ نیز حضرت عمرو بن عاصؓ کو ۸ھ میں جیفر اور عقبہ کی طرف مبعوث فرمایا جو عمان میں صاحبِ اقتدار تھے۔ حضرت علاء بن الحضرمیؓ کو منذر بن ساوی ملک البحرین کی طرف۔ یہ حضرات گرامی نامے لے کر گئے۔ نہایت خوش مندی کے ساتھ واسطہ یا بلاواسطہ اپنے اپنے مکتوب الیہ کو آپؐ کا والا نامہ پہنچا دیا، اور بعض حضرات نے صرف خط ہی نہیں پہنچایا بلکہ بڑی ہمت اور جرأت کے ساتھ شاہی دربار میں اسلام کی دعوت دی اور بتایا کہ یہ دنیا فانی ہے۔ ہمیشہ رہنے والی نہیں، جن لوگوں کے نام گرامی نامہ ارسال فرمائے تھے ان میں سے بعض نے اسلام قبول کر لیا اور بعض نے علی الاعلان تکذیب کی اور والا نامہ کی بے ادبی کی اور پھر اس کا نتیجہ بھگت لیا اور بعض نے کہا کہ ہم غور کریں گے۔

بہرحال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بلاغ مبین میں کوئی کوتاہی نہیں فرمائی اور امت کو یہ بتا دیا کہ جیسے جان و مال، جسم و زبان سے حق کی طرف دعوت دی جاتی ہے اسی طرح قلم اور کاغذ اور خطوط کے ذریعہ دعوت کا کام موقع بہ موقع کرتے رہنا چاہیئے۔

آج کل تو دعوت و تبلیغ کا بہت بڑا میدان ہے سارے عالم میں، ہر براعظم میں شرقاً غرباً ہر امکانی کوشش دعوتِ اسلام کے لئے خرچ کر دینے کی ضرورت ہے۔

لوگ پیاسے ہیں ان کو اسلام کی دعوت دی جائے اور حق واضح کیا جائے تو انشاء اللہ تعالیٰ اسلام قبول کریں گے۔ خاص کر نصاریٰ کو اجتماعی اور انفرادی طور پر دعوت دینے کی فکر کی جائے۔ افراد کو بھی دعوت دی جائے اور جماعتوں کو بھی۔ یہ لوگ پرانی لکیر پیٹ رہے ہیں۔ ماں باپ کے بارے میں یوں جانتے تھے کہ وہ عیسائی تھے تو خود بھی عیسائی ہیں اور پادریوں نے اپنی دنیا چلانے کے لئے انہیں دھوکہ دے

رکھا ہے۔ نصاریٰ کی جو نئی پود نکل رہی ہے حقیقت میں وہ کسی دین پر نہیں ہیں۔ لیکن رواج کی وجہ سے اور کوئی دوسرا دین سامنے نہ ہونے کی وجہ سے یہ بھی نہیں کہتے کہ ہم نصاریٰ نہیں ہیں، مسلمان دینِ حق یعنی اسلام پیش کریں۔ قرآن کا اعجاز بتائیں حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ مبارکہ اور آپؐ کے اخلاقِ عالیہ اور آدابِ سامیہ اور آپؐ کی پیش کردہ جامع شریعت پیش کریں اور جنّت و دوزخ کی تفصیلات بتائیں اور یہ بھی سمجھائیں کہ اللہ تعالےٰ کے نزدیک اسلام کے علاوہ کوئی دین معتبر نہیں ہے اور یہ بھی سمجھائیں کہ سب اللہ تعالےٰ کے بندے ہیں۔ آخرت میں ہر شخص اپنے کیے کا پھل پائے گا اور یہ بھی بتائیں کہ پادری لوگ اتوار کے دن چرچ میں بلاکر حاضرین کے گناہ معاف کرتے ہیں۔ یہ بڑی بے تکی اور ناسمجھی کی بات ہے کہ نافرمانی تو ہو اللہ کی اور اُسے کوئی انسان بخش دے۔ پادریوں کو گناہ معاف کرنے کا اختیار کہاں سے مل گیا۔ قرآنِ مجید میں فرمایا ہے:

وَمَنْ يَّغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اللّٰهُ ۝ (۳: ۱۳۵)

ترجمہ: اللہ کے سوا گناہوں کو کون معاف کرے گا۔

یہ باتیں نصاریٰ کو اور ان کے بچوں کو اسکولوں، کالجوں میں اچھی طرح سمجھائیں۔ انشاء اللہ تعالیٰ وہ جوق درجوق اسلام میں داخل ہوں گے۔ وباللہ التوفیق۔

اب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے والا نامے ترجمہ کے ساتھ پیش کئے جاتے ہیں۔ ان کو غور سے پڑھیں اور ان مضامین کو غیر مسلمین کے وزراء، رؤساء اور امراء کے نام ارسال کریں اور یہ لکھیں کہ یہ آپ کی آخرت کی خیرخواہی کے لئے لکھا جارہا ہے۔

وباللہ التوفیق۔

والانامہ بنام نجاشی شاہِ حبشہ

رسول اللہ صلّی اللہ تعالےٰ علیہ وسلّم نے جو مکاتیبِ مبارکہ اُس زمانہ کے مشہور بادشاہوں کو بھیجے تھے، ان میں نجاشی شاہِ حبشہ کے نام بھی مکتوبِ گرامی ارسال فرمایا تھا۔ جیساکہ پہلے گذر چکا ہے شاہِ حبشہ ایک نرم دل بادشاہ تھا۔ قریشِ مکّہ کی ایذارسانیوں کی وجہ سے جو حضرات صحابہؓ حبشہ کو ہجرت کر گئے تھے ان کو بڑے اکرام کے ساتھ اس نے جگہ دی اور قریشِ مکّہ جب ہدیے اور تحفے لے کر حبشہ پہنچے اور حضرات مہاجرینؓ کو واپس کرنے کی درخواست کی تو نجاشی نے درخواست رَد کر دی تھی۔

مہاجرینِ حبشہؓ ابھی تک حبشہ ہی میں تھے کہ رسول اللہ صلّی اللہ تعالےٰ علیہ وسلّم کا والانامہ اُس کے پاس پہنچ گیا جسے حضرت عمرو بن اُمیّہ ضمریؓ لے کر گئے تھے۔

حضرت عمرو بن اُمیّہ ضمریؓ نے اصحمہ شاہِ حبشہ کو رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کا والانامہ پہنچادیا اور اُس کے دربار میں خود اس سے مخاطب ہوئے۔

"اے بادشاہ! میرے ذمّہ حق کی تبلیغ ہے اور آپ کے ذمّہ حق کی سماعت ہے۔ کوئی شبہ نہیں کہ گذشتہ دنوں سے ہم پر آپ کی شفقت اور محبّت کا یہ حال ہے کہ گویا آپ اور ہم ایک ہی ہیں اور ہم کو بھی آپ پر اس قدر اعتبار ہے کہ ہم آپ کو کسی طرح اپنی جماعت سے علیحدہ نہیں سمجھتے۔ ہم نے جس بھلائی کی امید آپ سے کی کامیاب ہوئے اور جس خطرہ کا بھی اندیشہ کیا ہمیشہ اس سے بے خوف و مامون رہے۔ حضرت آدم علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی ولادت ہماری طرف سے آپ پر حجّتِ قطعی ہے۔ یعنی جس

قادرِ مطلق نے حضرت آدمؑ کو بغیر والدین کے مٹی سے پیدا کر دیا اسی نے حضرت عیسیٰ علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کو بغیر باپ کے بطنِ مادر سے پیدا کیا۔

إِنَّ مَثَلَ عِيسَىٰ عِندَ اللَّهِ كَمَثَلِ آدَمَ خَلَقَهُ مِن تُرَابٍ ثُمَّ قَالَ لَهُ كُن فَيَكُونُ ۝ (۳: ۵۹)

ترجمہ: "بیشک اللہ کے نزدیک عیسیٰ (علیہ السّلام) کی مثال آدم (علیہ السّلام) کی طرح ہے کہ آپ نے انہیں مٹی سے پیدا کیا اور پھر حکم دیا تو وہ عالمِ وجود میں آگئے۔"

ہمارے اور آپ کے درمیان انجیل وہ شاہد ہے جس کی شہادت کبھی مردود نہیں ہو سکتی۔ اس نبی "محمد صلی اللہ علیہ وسلم" کی پیروی میں خیر و برکت کا ورود اور فضیلت و بزرگی کا حصول ہے۔

بادشاہ! اگر آپ نے محمد صلی اللہ کا اتباع نہ کیا تو اس نبیِ امّی کا انکار آپ کے لئے اسی طرح باعثِ وبال ثابت ہوگا۔ جس طرح یہود کے حق میں حضرت عیسیٰ علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کا انکار ثابت ہوا۔ میری طرح رسولِ اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم کی جانب سے بعض بعض دیگر اشخاص مختلف بادشاہوں کے نام دعوتِ اسلام کے لئے قاصد بن کر گئے ہیں مگر سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو جو امید آپ کی ذات سے وابستہ ہے دوسروں سے ایسی امید نہیں ہے اور جس بات کا ان سے اندیشہ ہے آپ سے اس کے بارے میں پورا اطمینان ہے کہ آپ اپنے اور اپنے خدا کے درمیان گذشتہ طاعات اور آئندہ کے اجر و ثواب کا خیال رکھیں گے۔"

اصحمہ نے حضرت عمروؓ کی فصیح اور برجستہ تقریر کو سنا اور ان کی دلیرانہ نصیحت کی داد دیتے ہوئے اس طرح جواب دیا۔

"عمرو! بخدا میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالےٰ کے وہی برگزیدہ پیغمبر ہیں جن کی آمد کا اہلِ کتاب انتظار کر رہے ہیں۔ بے شک حضرت موسیٰ علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کا راکبِ حمار حضرت عیسیٰ علیہ السّلام

کی بشارت دینا ٹھیک اسی طرح ہے جیسا کہ حضرت عیسٰی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے رَاکِبِ جَمَل محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بشارت دی ہے۔ دونوں میں سرِمو فرق نہیں اور اس بارے میں میرے لئے مشاہدہ اور خبر دونوں برابر ہیں"۔ یعنی اگرچہ میں نے جمالِ جہاں آرا سے آنکھیں منور نہیں کیں لیکن حالات سن کر مجھ کو ان کے نبی ہونے کا یقین ہے۔

اصحمہ نے حضرت عمرو بن امیہؓ سے نامۂ مبارک ہاتھ میں لے کر تعظیماً آنکھوں سے لگایا اور مزید شرف و اعزاز کی خاطر تختِ شاہی سے اُتر آیا اور ترجمان کو بلا کر نامۂ مبارک پڑھنے کا حکم دیا۔

والا نامہ کا متن

"من محمّد رسول الله الى النجاشى ملك الحبشة سلام انت فانى احمد اليك الله الذى لا اله الّا هو الملك القدوس السلام المؤمن المهيمن و اشهد انّ عيسٰى بن مريم روح الله وكلمته القاها الى مريم البتول الطيبة الحصينة فحملت بعيسٰى خلقه الله من روحه ونفخه كما خلق ادم بيده و انى ادعوك الى الله وحده لا شريك له والموالاة على طاعته و ان تتبعنى وتومن بالذى جئت به فانى رسول الله و انى ادعوك وجنودك الى الله عزوجل وقد بلغت ونصحت فاقبلوا نصيحتى والسلام على من اتبع الهدٰى"۔

ترجمہ: یہ خط اللہ کے رسول محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے حبشہ کے بادشاہ کے نام"۔ تو باسلامت رہے، میں تجھ کو اس خدا کی حمد سناتا ہوں جو معبودیت میں یکتا ہے، کل جہاں کا مالک ہے، برگزیدہ ہے، سلام ہے،

جائے پناہ ہے، نگہبان ہے اور اس بات کی شہادت دیتا ہوں کہ عیسیٰ بن مریم علیہ الصّلوٰۃ والسّلام اللہ کی روح اور اس کا کلمہ ہیں جس کو اس نے مریم بتول طیبہ پاک دامن میں القاء کیا۔"

"اللہ نے ہی ان کو اپنی روح سے پیدا کیا اور اس کو حضرت مریمؑ میں پھونک دیا جیسا کہ اس نے حضرت آدم علیہ السّلام کو اپنے یدِ قدرت سے بنایا۔ اب میں تجھ کو خدائے وحدہٗ لاشریک لہٗ اور اس کی اطاعت مودت و محبّت کی دعوت دیتا ہوں اور یہ کہ تو میری پیروی کرے اور جو اللہ کا پیغام میں لے کر آیا ہوں اس پر ایمان لائے۔ میں تجھ کو اور تیرے لشکر کو اللہ عزوجل کی طرف بلاتا ہوں۔ پس میں نے تبلیغ اور نصیحت کر دی۔ تجھ کو چاہیئے کہ اس کو قبول کرے اور سلام اس پر جو ہدایت کا پیرو ہو۔"

اصحمہ نامہ مبارک کو سنتا جاتا ہے اور متاثر ہوتا جاتا ہے۔ جونہی مضمون ختم ہوا فرطِ شوق میں نامۂ مبارک کو بوسہ دے کر سر پر رکھ لیا۔ اور حضرت جعفر طیارؓ کو دربار میں بلا کر اسلام کے متعلق گفتگو کی اور گفتگو کے بعد ان کے ہاتھ پر اسلام کی بیعت کی اور نامۂ مبارک کے جواب میں حسبِ ذیل معروضہ لکھا۔

نقل مکتوبِ اصحمہ نجاشی شاہِ حبشہ

"الی محمّد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من النجاشی اصحمۃ السلام علیک یا نبی اللہ، من اللہ رحمۃ اللہ وبرکاتہ الذی لا الٰہ الّا ھو الذی ھدانی للاسلام، امابعد فقد بلغنی کتابک یارسول اللہ فیماذ کرتَ من امر عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام فورب السماء والارض ان عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام لایزید علی ماذکرت ثفروقا [1]

---

[1] قال فی القاموس الثفروق بالضم قمع التمرۃ أوما یلتزق بہ قمعھا ج ثفاریق ومالہ ثفروق شیئ۔

وقد عرفنا ما بعثت به الینا وقد قربنا ابن عمك واصحابه
فاشهد انك رسول الله صادقاً مصدقاً وقد بایعتك
وبایعت ابن عمك واسلمت علی یدہ لله رب العٰلمین
وقد بعثت الیك ابنی یا نبی الله وان شئت اتیتك
بنفسی والسلام علیك ورحمة الله وبرکاته"۔

ترجمہ: اصحمہ نجاشی کی جانب سے محمدؐ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نام!
"اے اللہ کے نبی! سلامتی ہو آپ پر اور اللہ کی رحمت، اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، جس نے مجھے اسلام کا راستہ بتایا۔ اما بعد۔
اے اللہ کے رسول! مجھے آپ کے مکتوب گرامی کی زیارت کا شرف حاصل ہوا۔ آپ نے حضرت عیسٰی علیہ السلام کے متعلق جو کچھ تحریر فرمایا ہے میں رب السماء والارض کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ حضرت عیسٰی علیہ السلام اس سے زیادہ کچھ نہیں ہیں۔ ہم نے ان تمام باتوں کو اچھی طرح سمجھ لیا جو آپ نے ہم تک پہنچائیں۔ آپ کے چچا کے بیٹے اور ان کے رفقاء ہمارے مقرب ہیں۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ اللہ کے سچے رسول ہیں میں آپ کے سلسلۂ بیعت میں داخل ہو گیا اور آپ کے چچیرے بھائی کے ہاتھ پر اللہ رب العالمین کے لئے بیعت کر لی اور اسلام قبول کر لیا۔ یا نبی اللہ میں آپ کی خدمت میں اپنے بیٹے کو بھیجتا ہوں اگر آپ کا حکم ہو گا تو میں خود بھی حاضر ہو جاؤں گا۔" والسلام علیك ورحمة الله وبرکاته۔

سیرت نگاروں نے بیان کیا ہے کہ نجاشی جب حضرت جعفرؓ کے ہاتھ پر مشرف باسلام ہو گیا تو شدہ شدہ یہ خبر اہلِ حبش میں پھیل گئی۔ اہلِ حبش کو یہ سخت ناگوار ہوا اور انہوں نے نجاشی کے مقابلہ کی تیاری شروع کر دی اور نجاشی کے سامنے مظاہرہ کر کے اس کے خلاف اظہارِ ناراضگی کیا۔ نجاشی نے جب اہلِ ملک کے یہ تیور دیکھے تو سب سے پہلے حضرت جعفرؓ کو بلایا اور ان کو حکم دیا کہ میں نے تمہارے لئے کشتیوں

کا ایک بیڑا تیار کیا ہے۔ معاملہ نازک ہے نہ معلوم قوم میرے ساتھ کس حد تک مخالفت کرے اس لئے تم تمام مہاجرین کو ان کشتیوں میں سوار کر کے موقعہ کے منتظر رہو۔ اگر خدا نے مجھ کو کامیاب کیا تو تم امن و امان سے پھر حبشہ میں قیام کرنا اور اگر خدانخواستہ معاملہ نے دوسری صورت اختیار کرلی تو فوراً تم یہاں سے فرار ہو جانا۔ اصحمہ مسلمانوں کا یہ انتظام کر کے اپنی حفاظت کی طرف متوجہ ہوا اور ایک عجیب حیلہ کام میں لایا۔ اس نے ایک پرچہ پر یہ لکھا:

"میں گواہی دیتا ہوں کہ خدا کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس کے بندے اور رسول ہیں۔ نیز گواہی دیتا ہوں کہ عیسیٰ بن مریم علیہ الصلوٰۃ والسلام خدا کے بندے اور اس کے رسول ہیں اور اس کی روح اور کلمہ ہیں کہ جس کو خداوند تعالےٰ نے مریم (علیہا السلام) کی طرف القاء کیا۔"

اس نے یہ لکھ کر اپنی پوستین کے نیچے سینہ کے پاس چھپالیا اور اس کے بعد دربار منعقد کیا۔ تمام اہلِ حبش کو صف در صف کھڑا کیا اور پھر ان کے سامنے کھڑے ہو کر سوالات کئے۔

اصحمہ: اہلِ حبش! کیا تم مجھ کو تمام حبشہ میں اس عظیم الشان منصب کا مستحق نہیں سمجھتے جس پر میں فائز ہوں؟

اہلِ حبشہ: بے شک ہم صرف تجھ کو ہی اس منصب کا اہل سمجھتے ہیں۔

اصحمہ: تم نے میری سیرت و عادات کو اپنے اور حکومت کے حق میں کیسا پایا؟

اہلِ حبشہ: بہترین پایا۔

اصحمہ: پھر یہ شور و شغب کیسا ہے؟

اہلِ حبشہ: ہم نے سنا ہے کہ تو نے مذہب عیسوی ترک کر دیا اور تو حضرت عیسیٰؑ کو خدا کا بندہ کہتا ہے۔

اصحمہ: تم حضرت عیسیٰؑ کے متعلق کیا عقیدہ رکھتے ہو؟

اہلِ حبشہ: وہ خدا کے بیٹے ہیں۔

اصحمہ نے اپنا ہاتھ سینے پر رکھا اور کہا کہ اس سے "یعنی جو کچھ پرچہ میں لکھا ہے" زیادہ حضرت عیسیٰؑ نے اور کوئی تعلیم نہیں دی ۔

اہلِ حبش نے اس جملہ سے اپنی تائید سمجھ کر مخالف مظاہرہ ترک کر دیا ۔

اصحمہ نے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس نامۂ مبارک کو ہاتھی دانت کے ڈبّہ میں بند کرکے نہایت احتیاط سے محفوظ کر دیا تھا اور کہا کرتا تھا کہ جب تک یہ نامۂ مبارک کا تحفہ مملکتِ حبش میں محفوظ ہے دشمن اس مملکت تک نہیں پہنچے گا ۔

سیرت کی کتابوں میں یہ بھی مذکور ہے کہ اصحمہ نے اپنے بیٹے اور ساٹھ ہمراہیوں کو خدمتِ اقدس صاحبِ رسالت صلی اللہ علیہ وسلم میں حاضری کے لئے روانہ کیا ۔ لیکن وہ تمام کشتیاں جن میں ان کے ہمراہی سوار تھے دریا کی طغیانی سے غرق ہوگئیں ان میں سے ایک متنفس بھی نہ بچ سکا ۔ مگر حضرت عمروؓ بن اُمیّہ جس کشتی میں سوار تھے وہ صحیح سلامت رہی اور انہوں نے بخیر و خوبی دربارِ رسالت میں حاضر ہو کر اصحمہ کا خط پیش کیا اور تمام واقعات گوش گزار کئے ۔ نیز اصحمہ کے مسلمان ہونے کا مژدہ سنایا ۔ اصحمہ کے قبولِ اسلام کے بعد تھوڑے ہی عرصہ میں اہلِ حبشہ کا بیشتر حصّہ مشرف باسلام ہو گیا ۔ نیز ایک ایسے گرامی نامہ کا تذکرہ بھی اصحابِ سیر نے کیا ہے جس میں نجاشی کے حسنِ سلوک کا تذکرہ ہے جو اس مضمون کے ختم پر آ رہا ہے ۔

دربارِ رسالتؐ سے اصحمہ کے نام دُوسرا مکتوب

ابھی حضرت عمرو بن اُمیّہ ضمریؓ کو حبشہ سے واپس آئے تھوڑا ہی عرصہ گزرا تھا کہ دربارِ رسالتؐ سے دوبارہ ان کو حبشہ جانے کا حکم ہوا ۔ اس مرتبہ سفارت کا مقصد یہ تھا کہ حضرت جعفرؓ اور ان کے ہمراہی مہاجرین کو مدینہ منوّرہ واپس لایا جائے اور اُمِ حبیبہ بنت ابی سفیان سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نکاح کرنے کی تحریک کی جائے ۔

نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک اور والا نامہ بھی ملتا ہے جو آپؐ نے اصحمہ کے

قبولِ اسلام پر اظہار طمانیت اور اس کی خدمات کی حوصلہ افزائی کے طور پر تحریر فرمایا تھا۔ اس نامہ مبارک کا مختصر مضمون درج ذیل ہے۔

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

" امّابعد. فکانک من الرقّۃ علینا منّا وکانّا من الثقۃ بک منک لانالانرجومنک خیرًا الانلناہ ولانخاف منک الا امنّاہ وباللّٰہ التوفیق "

ترجمہ: شروع اللہ کے نام سے جو رحمٰن و رحیم ہے۔

" تُو نے ہمارے ساتھ حسنِ سلوک برتا اور ہم کو تجھ پر اعتماد ہے۔ اس لئے کہ ہم نے تجھ سے جس چیز کی امید کی وہ پوری ہوئی اور جس بات کا خوف کیا اس سے مامون و محفوظ رہے۔ اور توفیق اللہ ہی کے ہاتھ میں ہے۔"

اصحابِ سیر کہتے ہیں کہ اس نامۂ مبارک کی تحریک کا شرف حضرت علی بن ابوطالب کرم اللہ وجہہ کو نصیب ہوا۔ خط کا مضمون تمام ہو جانے کے بعد آپ نے اپنی مہر اس پر ثبت فرمائی اور حضرت عمرو بن امیّہؓ نامۂ مبارک لے کر بری و بحری سفر طے کرتے ہوئے حبشہ پہنچے۔ اصحمہ نے انہیں نہایت اعزاز و احترام کے ساتھ مہمان بنایا اور ان کی ہر قسم کی مدارات کی۔[1]

نجاشی کی نمازِ جنازہ

اصحمہ نجاشی جنہوں نے اسلام قبول کر لیا تھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ کو ان کی موت کی خبر دی اور ان کی غائبانہ نمازِ جنازہ پڑھی۔ جیسا کہ صحیح بخاری و صحیح مسلم وغیرہ میں مذکور ہے۔ مسند احمد کی روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

" ان اخاکم النجاشی قدمات فاستغفروا لہ "

---

[1] عیون الاثر، السیرۃ الحلبیہ، الروض الانف، رفع شان الحبشان للجلال السیوطی طبقات ابن سعد۔

ترجمہ: "تمہارے بھائی نجاشی کی موت ہوگئی ہے اس کے لئے استغفار کرو۔"

اور امام ابوداؤد نے کتاب الجہاد میں باب قائم کیا ہے۔ باب فی النور یُریٰ عند قبر الشہید اور حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ جب نجاشی کی موت ہوگئی تو ہم آپس میں اس کا تذکرہ کرتے تھے کہ اس کی قبر پر نور دکھائی دیتا ہے۔

فائدہ: صحیح مسلم میں حضرت انسؓ سے روایت ہے۔

أن نبی اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کتب الی کسری والی قیصر والی النجاشی والی کل جبار یدعوھم الی اللہ ولیس بالنجاشی الذی صلّی علیہ النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسریٰ اور قیصر اور نجاشی کو اور ہر جابر کو خطوط لکھے جن میں انہیں اللہ تعالیٰ کے دین کو قبول کرنے کی دعوت دی اور یہ وہ نجاشی نہیں تھا جس کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز جنازہ پڑھی تھی۔ اس سے معلوم ہو رہا ہے کہ دو نجاشی تھے۔ پہلا نجاشی اصحمہ نامی تھا جس نے حضرات صحابہؓ کو حبشہ میں قیام کرنے کا موقع دیا تھا اور حضرت جعفر طیارؓ کے ہاتھ پر بیعت کر لی تھی اور اسلام قبول کر لیا اور آپؐ نے اسی کی نماز جنازہ پڑھی تھی۔ یہ ۹ھ کا واقعہ ہے۔

دُوسرا نجاشی

اس کے بعد جو دوسرا بادشاہ جانشین ہوا۔ (اس کا لقب بھی دیگر شاہانِ حبشہ کی طرح نجاشی تھا)۔ آپؐ نے اس کو بھی دعوتِ اسلام کا خط لکھا تھا۔ جس کا صحیح مسلم میں تذکرہ ہے۔ یہ خط بھی حضرت عمرو بن اُمیہ ضمریؓ لے کر گئے تھے۔ یہاں یہ جو اشکال ہوتا ہے کہ نجاشی اوّل حضرت جعفر بن ابی طالبؓ کے ہاتھ پر مسلمان ہو گیا تھا تو اسے دعوتِ اسلام کا خط کیوں ارسال فرمایا؟

یہ کوئی اہم اشکال نہیں ہے۔ ممکن ہے کہ آپ کو خط لکھنے سے پہلے اس کے مسلمان ہونے کا پتہ نہ چلا ہو اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ظاہری خطاب اس کو ہو اور مقصود یہ ہو

کہ اس کے درباری لوگوں کو اور نصاریٰ کے پادریوں کو پیغام پہنچ جائے اور یہ بات زیادہ دل کو لگتی ہے کیونکہ مکتوب گرامی میں حضرت عیسیٰؑ اور ان کی والدہ طیبہ اور حصینہ کا ذکر ہے۔

دوسرا نجاشی جو نجاشیٔ اوّل کے بعد بادشاہ بنا اُس کے اسلام قبول کرنے کا علم نہ ہو سکا۔

سیرت کی کتابوں میں نجاشی کے نام ایک اور والا نامہ کا ذکر بھی ملتا ہے بظاہر یہ اُس نجاشی کے نام ہے جو نجاشیٔ اوّل (مسلم) کے بعد تخت نشین ہوا۔ اس کا متن ذیل میں درج ہے:

"ھٰذا کتاب من النبی محمّد صلّی اللہ علیہ وسلّم الی النجاشی عظیم الحبشۃ سلام علی من اتبع الھدیٰ و اٰمن باللہِ ورسولہ وشھدان لا الٰہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ لم یتخذ صاحبۃ ولا ولدًا وان محمدًا عبدہ ورسولہ فانی ادعوک بدعایۃ الاسلام فاسلم تسلم. یا اھل الکتاب تعالوا الیٰ کلمۃ سواء بیننا وبینکم ان لا نعبد الا اللہ ولا نشرک بہ شیئًا ولا یتخذ بعضنا بعضًا اربابًا من دون اللہ فان تولوا فقولوا اشھدوا بانا مسلمون "

فان ابیت فعلیک اثم النصاریٰ"

ترجمہ: یہ خط اللہ کے نبی محمّد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی طرف سے نجاشی کے نام ہے جو حبشہ کا بڑا اور سردار ہے۔ سلام اس شخص پر جو ہدایت کا اتباع کرے اور اللہ پر اور اُس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائے اور اس کا اقرار کرے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ وہ تنہا ذات ہے۔ نہ کوئی اس کا شریک، نہ بیوی ہے اس کے لئے، نہ اولاد اور اس کا اقرار کرے کہ محمّد صلی اللہ علیہ وسلم اس کے بندے اور اس کے رسُول (صلی اللہ علیہ وسلم) ہیں۔ اللہ کی پکار یعنی کلمہ لا الٰہ الا اللہ محمّد رسول اللہ کی تجھ کو دعوت دیتا ہوں تو مسلمان ہو جا، سلامتی میں رہے گا۔ اے

اہلِ کتاب! آؤ ایسے کلمہ کی طرف جو ہم میں اور تم میں مشترک ہے وہ یہ کہ اللہ ایک کے سوا کسی دوسرے کی پرستش نہ کریں۔ اللہ کا کسی کو شریک نہ بنائیں اور ہم میں سے کوئی ایک دوسرے کو رب نہ بنالے اللہ کے سوا۔ اگر اس کے بعد بھی اہلِ کتاب روگردانی کریں تو مسلمانو! تم کہہ دو کہ تم لوگ گواہ رہو کہ ہم مسلمان ہیں۔ اے نجاشی! اگر تو میری دعوت قبول کرنے سے انکاری ہے تو نصاریٰ کا گناہ بھی تجھ پر ہوگا۔"

سوال: وہ کون سے صحابی ہیں جو تابعی کے ہاتھ پر ایمان لائے؟

جواب: یہ صحابی حضرت عمرو بن عاص ؓ ہیں جنہوں نے نجاشی کے ہاتھ پر اسلام قبول کیا۔

حضرت اُمِ حبیبہ ؓ کی ہجرت اور اُم المومنین بننے کا شرف

حضرت اُمِ حبیبہ ؓ بھی ان مبارک صحابیات میں سے تھیں جنہوں نے مکہ معظمہ ہی میں اسلام قبول کر لیا تھا۔ پھر اہلِ مکہ کی سختیوں اور ایذا رسانیوں کی وجہ سے جن صحابہ ؓ و صحابیات ؓ نے حبشہ کو ہجرت کی تھی ان کے ساتھ یہ بھی ہجرت کر گئیں تھیں۔ ان کے شوہر کا نام عبیداللہ بن جحش تھا۔ حبشہ پہنچ کر اس نے عیسائی مذہب قبول کر لیا تھا وہ شراب بھی پینے لگا اور کافر ہی مرا۔

حضرت اُمِ حبیبہ ؓ کی عدت گزر جانے کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نجاشی شاہِ حبشہ کو پیغام بھیجا کہ اُمِ حبیبہ ؓ سے میرا نکاح کر دو۔ نجاشی نے اپنی باندی ابرہہ کو حضرت اُمِ حبیبہ ؓ کے پاس بھیجا کہ میرے پاس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان آیا ہے کہ میں تم سے حضور ؐ کا نکاح کر دوں۔ حضرت اُمِ حبیبہ ؓ بہت خوش ہوئیں۔ باندی کو دُعا دی اور حضرت خالد ؓ بن سعید بن العاص کو اپنا وکیل بنا دیا۔

حضراتِ صحابہ کرام ؓ جو حبشہ کو ہجرت کر گئے تھے اور وہاں موجود تھے انہیں بُلا کر نجاشی نے خطبہ پڑھا اور چار سو دینار مہر مقرر کر کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے

آپ کا نکاح کر دیا اور یہ دینار بھی اسی وقت ادا کر دیئے۔ حضرت جعفر بن ابی طالبؓ بھی اس مجلس میں موجود تھے۔ حضرت ام حبیبہؓ ابوسفیانؓ کی بیٹی تھیں جو اس وقت تک مسلمان نہیں ہوئے تھے اور مشرکین مکہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے لڑانے میں پیش پیش رہتے تھے۔ جب انہیں پتہ چلا کہ میری بیٹی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح میں آگئی تو بول اُٹھے۔ "ھو الفحل لا یجدع انفہ" محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جواں مرد ہیں ان کی ناک نہیں کاٹی جا سکتی۔ (یعنی وہ بلند ناک والے عزت دار ہیں) ہم ان کو ذلیل نہیں کر سکتے۔ اِدھر تو ہم ان سے لڑ رہے ہیں اُدھر ہماری لڑکی ان کے نکاح میں چلی گئی' اس کے کہنے کا مقصد اپنی ہار مان لینا تھا۔

حضرت اُم حبیبہؓ حبشہ ہی تھیں۔ وہیں رہتے ہوئے نجاشی نے آنحضرت سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کا نکاح کر دیا تھا۔ بعد میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بھانجے حضرت شرجبیل بن حسنہ حضرت اُم حبیبہؓ کو مدینہ منورہ لے آئے اور وہ رسول اللہ کے ساتھ رہنے لگیں۔[1]

شاہِ روم (ہرقل) کے نام والا نامہ

جس زمانہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بادشاہوں کو خط لکھے تھے ان میں قیصر (شاہِ شام) اور کسریٰ (شاہِ فارس) کا بڑا دبدبہ تھا۔ قیصر کے نام والا نامہ ارسال فرمانے کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت دحیہ کلبیؓ کو اپنا سفیر بنایا اور ان کے ذریعہ گرامی نامہ ارسال فرمایا۔ ہرقل کا پایۂ تخت حمص میں تھا۔ لیکن ان دنوں وہ ایلیا یعنی بیت المقدس پہنچا ہوا تھا۔ اہلِ فارس سے رومیوں کی جنگ ہوتی چلی آ رہی تھی ہرقل کو اہلِ فارس پر فتح حاصل ہوئی تھی۔ وہ اس کا شکریہ ادا کرنے کے لئے بیت المقدس آیا ہوا تھا۔ جب حضرت دحیہؓ ملک شام میں داخل ہوئے تو حاکمِ بصریٰ کو والا نامہ پہنچا

---

[1] الاصابہ فی تمییز الصحابہؓ

دیا جو اس علاقہ میں ہرقل کا گورنر تھا۔ حاکم بصریٰ نے وہ والا نامہ ہرقل تک پہنچا دیا۔
یہ اس زمانہ کا قصہ ہے جب صلح حدیبیہ کے موقعہ پر رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور قریشِ مکہ کے درمیان دس سال کے لئے معاہدہ ہوچکا تھا۔ معاہدہ کی شروط میں یہ بھی تھا کہ ایک فریق دوسرے فریق پر حملہ نہ کرے گا۔ ابوسفیان بن حرب جو اسلام اور اہلِ اسلام کی دشمنی میں پیش پیش رہے تھے۔ اس وقت تجارتی قافلہ لے کر شام پہنچے ہوئے تھے۔

ہرقل کے نام گرامی نامہ پہنچا تو انہوں نے بیان کیا کہ جب اس نے لوگوں سے پوچھا کہ یہاں اس شہر میں ایسا کوئی شخص موجود ہے جو مدعیٔ نبوّت کے شہر کا رہنے والا ہو۔ لوگوں نے کہا کہ ہاں کچھ لوگ وہاں سے آئے ہوئے ہیں۔ ابوسفیان کہتے ہیں کہ اس پر ہماری طلبی ہوئی۔ چنانچہ میں قریش کے چند لوگوں کے ہمراہ ہرقل کے پاس گیا۔ اس نے ہم سب کو اپنے پاس بٹھایا اور پوچھا کہ جو شخص نبوّت کا دعویدار ہے اس سے تم میں سب سے زیادہ قریب رشتہ داری کس کی ہے؟ میں نے کہا کہ میں سب سے زیادہ قریب ہوں۔ اس نے مجھے اپنے قریب بلایا اور باقی ساتھیوں کو میرے پیچھے بٹھایا اور ان سے یہ کہا کہ میں اس سے چند سوالات کرتا ہوں تم سب غور سے سنتے رہنا اور جس بات کا جواب جھوٹ بتائے تو تم ظاہر کر دینا۔ (ابوسفیان اس وقت تک مسلمان نہیں ہوئے تھے) کہتے ہیں کہ خدا کی قسم اگر مجھے اپنی بدنامی کا اندیشہ نہ ہوتا کہ لوگ بعد میں مجھے بدنام کریں گے تو میں جھوٹ بول دیتا مگر خوفِ بدنامی نے سچ بولنے پر مجبور کر دیا۔ اس کے بعد اس نے ترجمان کے ذریعہ مجھ سے حسبِ ذیل سوالات کئے۔

قیصر : یہ مدعیٔ نبوت نسب کے اعتبار سے تم میں سے کیسے شخص سمجھے جاتے ہیں؟

ابوسفیان : ہم میں بڑے عالی نسب ہیں۔

قیصر : اس کے بڑوں میں کوئی شخص بادشاہ ہوا ہے؟

ابوسفیان : کوئی نہیں ہوا۔

قیصر : کیا اس سے پہلے کسی نے یہ بات کہی ہے جس کا اس شخص نے دعویٰ کیا ہے؟

ابوسفیان: نہیں۔

قیصر: اس کے متبعین قوم کے شرفاء ہیں یا معمولی درجے کے آدمی ہیں؟

ابوسفیان: معمولی درجہ کے لوگ ہیں۔

قیصر: اس کے متبعین کا گروہ بڑھتا جا رہا ہے یا کم ہوتا جا رہا ہے؟

ابوسفیان: بڑھتا جا رہا ہے۔

قیصر: اس کے دین میں داخل ہونے کے بعد کوئی شخص مرتد تو نہیں ہو جاتا؟

ابوسفیان: نہیں ایسا نہیں ہوتا۔

قیصر: کیا تم اس کے اس دعویٰ سے پہلے اسے جھوٹ کی تہمت لگاتے تھے؟

ابوسفیان: نہیں۔

قیصر: کیا وہ کبھی دھوکہ دیتا ہے؟

ابوسفیان: نہیں (اب تک تو ایسا کوئی واقعہ نہیں ہوا) ہاں اتنی بات ہے کہ آج کل ہماری اور ان کی صلح کا زمانہ گزر رہا ہے۔ ہم کچھ نہیں کہہ سکتے کہ اس کے بارے میں کیا رویہ اختیار کرتے ہیں؟ ابوسفیان کہتے ہیں کہ اس ایک کلمہ کے علاوہ میں کوئی بھی کلمہ ایسا نہ کہہ سکا جو آپ کے اخلاقِ کریمانہ کے خلاف ہو۔[1]

قیصر: کیا کبھی تمہاری ان سے جنگ ہوئی؟

ابوسفیان: ہاں جنگ تو ہوئی ہے۔

قیصر: جنگ کا انجام کیسا رہا؟

ابوسفیان: کبھی وہ غالب رہے، کبھی ہم غالب رہے۔[2] (یہ غزوۂ بدر اور غزوۂ احد کی

---

[1] بعض روایات میں ہے کہ ہرقل نے پوچھا کہ بدعہدی کا کیوں خوف ہے؟ اس پر ابوسفیان نے کہا کہ میری قوم نے اپنے حلیفوں کی ان کے حلیفوں کے خلاف مدد کی ہے۔ اس پر ہرقل نے کہا کہ بدعہدی کی ابتداء تو تم کر چکے ہو پھر ان پر الزام دھر رہے ہو؟ (ذکرہ البیہقی فی دلائل النبوۃ)

[2] اس سے پہلے جنگِ بدر میں قریش شکست کھا چکے تھے اور احد میں قریش کو شکست دیئے بغیر مسلمانوں کو واپس ہونا پڑا تھا۔

طرف اشارہ ہے)۔

قیصر: وہ آپ لوگوں کو کیا حکم دیتے ہیں؟

ابوسفیان: وہ فرماتے ہیں کہ صرف اللہ کی عبادت کرو اور کسی بھی چیز کو اس کے ساتھ شریک مت بناؤ اور تمہارے باپ دادا جو (شرکیہ) باتیں کرتے تھے۔ ان کو چھوڑ دو، نیز وہ نماز کا اور سچائی کا اور پاک دامنی کا اور صلہ رحمی کا حکم دیتے ہیں۔

یہاں تک سوال و جواب ہونے کے بعد قیصر نے ترجمان سے کہا کہ اس شخص سے کہو کہ میں نے تم سے مدعیٔ نبوت کے بارے میں پوچھا کہ نسب کے اعتبار سے اس کی کیا حیثیت ہے تو تم نے جواب دیا کہ وہ بڑے نسب والے ہیں اور حقیقتِ حال یہی ہے کہ حضرات انبیاء کرام علیہم السلام جو مبعوث ہوتے رہے ہیں وہ اپنی قوم کے اشراف ہی میں سے ہوتے تھے۔

پھر میں نے سوال کیا کہ کیا یہ بات اس سے پہلے کسی نے کہی ہے جو یہ مدعیٔ نبوت کہتے ہیں۔ تم نے کہا کہ نہیں۔ اگر ان سے پہلے کسی نے یہ بات کہی ہوتی تو میں کہتا کہ یہ شخص ایسی بات کا اتباع کر رہا ہے جو اس سے پہلے کہی جا چکی ہے اور میں نے جو تم سے پوچھا کہ کیا اس کے باپ دادوں میں کوئی بادشاہ گزرا ہے تو تم نے بیان کیا کہ نہیں اگر اس کے دادوں میں کوئی شخص بادشاہ گزرا ہوتا تو میں یہ خیال کرتا کہ یہ شخص اپنے باپ دادا کے ملک کا طالب ہے۔

سلسلۂ کلام جاری رکھتے ہوئے قیصر نے ابوسفیان سے کہا میں نے پوچھا کہ اس سے پہلے تم اس شخص پر کوئی جھوٹ کی تہمت رکھتے تھے تو تم نے جواب میں کہا کہ نہیں اسی سے میں نے سمجھ لیا کہ جو شخص لوگوں پر تہمت نہیں لگا سکتا وہ اللہ پر جھوٹ نہیں بول سکتا (یعنی یوں نہیں کہہ سکتا کہ میں اللہ کا نبی ہوں) پھر میں نے پوچھا کہ دنیاوی اعتبار سے بڑے لوگ اس کا اتباع کرتے ہیں یا کمزور لوگ؟ تم نے بیان کیا کہ ضعیف لوگ اس کا اتباع کرتے ہیں اور حقیقت میں بات یہی ہے کہ رسولوں کے ماننے والے (عموماً) کمزور درجہ کے لوگ ہی ہوتے ہیں میں نے دریافت کیا کہ ان کے ماننے والے

بڑھ رہے ہیں یا کم ہو رہے ہیں؟ تم نے جواب دیا کہ بڑھ رہے ہیں۔ بات یہ ہے کہ ایمان اسی طرح بڑھتا ہے یہاں تک کہ پورا ہو جائے۔ (یعنی تھوڑے تھوڑے افراد یکے بعد دیگرے ایمان کی طرف بڑھتے رہتے ہیں حتیٰ کہ ایمان والوں کی بڑی بھاری تعداد ہو جاتی ہے)۔

قیصر نے سلسلۂ کلام جاری رکھتے ہوئے ابوسفیان سے کہا کہ میں نے تم سے دریافت کیا کہ یہ مدعیٔ نبوّت تمہیں کن چیزوں کا حکم دیتے ہیں؟ اس پر تم نے بتایا کہ وہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کا حکم دیتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ بناؤ اور بتوں کی پوجا مت کرو۔ تم نے یہ بھی بتایا کہ وہ نماز کا اور سچائی اور پاک دامنی کا حکم دیتے ہیں۔ اگر یہ باتیں سچ ہیں جو تم نے بیان کی ہیں تو یہ شخص (مدعیٔ نبوّت) میرے قدموں کی اس جگہ کا مالک ہو جائے گا۔

میں سمجھتا تھا کہ آخری نبی تشریف لانے والے ہیں لیکن میرا یہ خیال نہ تھا کہ وہ تم میں سے (یعنی اہلِ عرب میں سے) ہوں گے۔ اگر میں یہ جان لیتا کہ میں ان کی خدمت میں حاضر ہو سکتا ہوں تو ان کی ملاقات کے لئے تکلیف اٹھا کر پہنچ جاتا۔ (لیکن حکومت کے چلے جانے کے خوف سے یہاں سے نہیں ہل سکتا) اگر میں ان کے پاس ہوتا تو ان کے قدم دھوتا۔

اس کے بعد قیصر نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا والا نامہ طلب کیا جو مجلس میں پڑھا گیا۔ جب پڑھا جا چکا تو مجلس میں بہت شور و شغب ہوا اور آوازیں بلند ہو گئیں۔ ابوسفیان کہتے ہیں کہ ہمیں دربار سے باہر نکال دیا گیا میں نے اپنے ساتھیوں سے کہا کہ او ہو[۱] ابن ابی کبشہ کا معاملہ بہت اہم ہو گیا اور آگے بڑھ گیا اس سے تو بنی الاصفر (یعنی رومیوں) کا بادشاہ بھی ڈرنے لگا۔ جب میں نے یہ ماجرہ دیکھا تو میں نے یقین کر لیا کہ آپ کا جلد ہی غلبہ ہو جائے گا حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے اسلام کی نعمت سے نواز دیا۔

---

[۱] ابوسفیان نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے رضاعی والد یعنی حضرت حلیمہ سعدیہ کے شوہر کی طرف نسبت کر کے ابن ابی کبشہ کہا کیونکہ ادب سے نام لینا نہیں چاہتا تھا اس لئے یہ لفظ استعمال کیا۔

گرامی نامہ کا متن

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

”من محمّد عبد الله ورسوله الى هرقل عظيم الروم سلام على من اتبع الهدى اما بعد فانى ادعوك بدعاية الاسلام اسلم تسلم يؤتك الله اجرك مرتين فان توليت فان عليك اثم الاريسيين[1] و يا اهل الكتب تعالوا الى كلمة سوآء بيننا وبينكم ان لا نعبد الا الله ولا نشرك به شيئا ولا يتخذ بعضنا بعضا اربابا من دون الله فان تولوا فقولوا اشهدوا بانا مسلمون “

ترجمہ: شروع اللہ کے نام سے جو رحمٰن و رحیم ہے ۔

یہ مکتوب محمّد (علیہ الصلوٰۃ والسّلام) کی طرف سے ہے جو اللہ کا بندہ ہے اور اللہ کا رسول ہے روم کا بڑا آدمی جو ہرقل ہے اس کی طرف لکھا گیا ہے جو ہدایت کی اتباع کرے اس پر سلام ۔

امابعد: میں تجھے اسلام کی دعوت دیتا ہوں تو اسلام قبول کرلے باسلامت رہے گا اور اگر تو نے روگردانی کی تو تجھ پر کسانوں کا بھی گناہ ہوگا (یعنی تیرے زیرِ اقتدار علاقہ میں جو لوگ رہتے ہیں تو ان کے اسلام قبول نہ کرنے کا بھی ذریعہ بنے گا لہٰذا اس کا گناہ بھی تجھ پر پڑے گا)

---

[1] یہ لفظ اریس کی جمع ہے اس کا ہمزہ یا سے بدل دیا جاتا ہے۔ حدیث میں دونوں طرح مروی ہے یہ کاشت کار کے معنی میں ہے۔ زمانۂ قدیم میں ملکوں کے اطراف میں زیادہ تر کاشت کار ہی ہوتے تھے اس لئے یہ فرمایا کہ تجھ پر کاشت کاروں کا بھی گناہ ہوگا۔ صرف کاشت کار ہی مراد نہیں ہیں بلکہ ہرقل کی قلمرو میں جو بھی لوگ رہتے تھے، جو بھی مشغلہ رکھتے ہوں وہ سب لوگ مراد ہیں ۔

علامہ خطابی نے فرمایا ہے کہ کاشت کاروں سے وہ ضعفاء اور اتباع کرنے والے مراد ہیں جو اپنے بادشاہ کے اسلام قبول نہ کرنے کی وجہ سے اس کی تقلید میں کفر پر جمے رہے ۔

(اس کے بعد اسی مکتوب گرامی میں سورۂ آل عمران کی آیت کریمہ تحریر فرمائی جس کا ترجمہ ذیل میں درج ہے)۔

"اے اہلِ کتاب! آجاؤ ایسی بات کی طرف جو تمہارے اور ہمارے درمیان مشترک ہے (یعنی تمہارے دین میں بھی یہ بات ہے) کہ اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں اور کسی چیز کو اس کا شریک نہ بنائیں اور اللہ کو چھوڑ کر آپس میں ایک دوسرے کو رب نہ بنائیں (پھر مسلمانوں سے خطاب فرمایا) اگر وہ لوگ روگردانی کریں تو تم گواہی دیتے ہوئے کہہ دو کہ بے شک ہم تو فرمانبردار ہیں"۔[1] (۳: ۶۴)

جب والا نامہ قیصر کے سامنے پڑھا گیا تو وہاں شور و شغب ہونے لگا۔ وہاں اس وقت قیصر کا بھتیجا بھی موجود تھا۔ وہ نہایت غصّہ میں بھر گیا اور کہنے لگا کہ اس خط کو مجھے دو۔ قیصر نے کہا تو کیا کرے گا۔ اس نے کہا یہ خط پڑھنے کے قابل نہیں ہے۔ اس میں آپ کے نام سے ابتداء نہیں کی، اپنے نام سے کی ہے۔ پھر آپ کو بادشاہ کے بجائے روم کا بڑا آدمی لکھا ہے وغیرہ وغیرہ۔ قیصر نے کہا تو بے وقوف ہے یہ چاہتا ہے کہ میں ایسے شخص کے خط کو پھینک دوں جن کے پاس ناموس اکبر (یعنی حضرت جبرائیل) آتے ہوں۔ اگر وہ نبی ہیں تو ان کو ایسے ہی لکھنا چاہئے۔ قیصر نے یہ بھی کہا میں نے اس شان کی تحریر اس سے پہلے کبھی نہیں سُنی۔

ایک روایت کے الفاظ یوں ہیں کہ جب قیصر کے بھائی نے خط کی عبارت سنی کہ محمّد صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے قیصر صاحب روم کے نام ہے۔ تو اس نے ترجمان کے سینے پر بہت زور سے ہاتھ مار کر اس سے خط چھین لیا۔ وہ خط کو پھاڑنا چاہتا تھا کہ قیصر نے اس سے پوچھا تمہیں کیا ہوا؟ وہ کہنے لگا:

"آپ نہیں دیکھتے کہ وہ آپ سے پہلے اپنے نام سے خط شروع کر رہے ہیں۔ آپ کو قیصر صاحب روم لکھ رہے ہیں۔ آپ کے لئے بادشاہ کا لفظ تک نہیں لکھا"۔

---

[1] صحیح بخاری ج ا ص ۵

اس پر قیصر نے کہا کہ:

"تم احمق ہو کہ میرے پڑھنے سے بھی پہلے اس شخص کی تحریر پھاڑنا چاہتے ہو۔ خدا کی قسم جیسا کہ وہ کہہ رہے ہیں اگر وہ اللہ کے رسول ہیں تو وہ میرے مقابلے میں اس سے کہیں زیادہ حقدار ہیں کہ خط کو خود اپنے نام سے شروع کریں اور اگر انہوں نے مجھے صاحبِ رُوم لکھا ہے تو بالکل سچ لکھا ہے۔ میں رومیوں کے ایک محافظ سے زیادہ نہیں۔ میں ان کا مالک نہیں ہوں بلکہ اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کو میرے واسطے مسخر فرما دیا ہے۔ وہ اگر چاہے تو ان ہی رومیوں کو خود میرے اُوپر بھی مسلط فرما سکتا ہے۔[1]

ضغاطر حاکم رُومیہ

جب نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا نامۂ مبارک پڑھا جا چکا تو ہرقل نے حضرت دحیہؓ سے تنہائی میں کہا کہ مجھے یقین ہے کہ جن کی جانب سے تم خط لے کر آئے ہو وہ اللہ تعالےٰ کے سچّے رسول ہیں لیکن جیسا کہ تم دیکھ چکے ہو میری قوم اس معاملہ میں سخت برہم ہے۔ وہ ہرگز میری پیروی نہ کرے گی۔ البتہ تم شہر رومیہ جاؤ۔ وہاں کا حاکم مذہبی حیثیت سے اسقف (پاپا) کا درجہ رکھتا ہے۔ قوم پر اس کا مذہبی اثر بہت زیادہ ہے وہ اگر اس پیغمبر کی رسالت کی تصدیق کر دے گا تو پھر مجھے بھی لوگوں کو سمجھانے کا موقعہ مل سکے گا۔ تم خود رومیہ جاؤ اور ضغاطر کے پاس میرا خط لے جاؤ اور فوراً اس کا جواب لے کر واپس آؤ۔

حضرت دحیہؓ رومیہ پہنچے اور ضغاطر کو قیصر کا خط دیا۔ ضغاطر نے قیصر کو جواب میں لکھا کہ بے شک نبیٔ منتظر کی بعثت کا حال صحیح و درست ہے اور میں تصدیق کرتا ہوں کہ وہ اللہ تعالےٰ کے سچّے رسول ہیں اور حضرت دحیہؓ سے مخاطب ہو کر کہا:

---

[1] السیرة الحلبیه

"صاحبك والله نبي مرسل نعرفه بصفته ونجده في كتبنا باسمه"

ترجمہ: "دحیہؓ! تیرا صاحب محمد صلی اللہ علیہ وسلم بے شک نبیٔ مرسل ہے ہم اس کی صفات سے بخوبی واقف ہیں اور اس کے نام کا تذکرہ آسمانی کتابوں میں پاتے ہیں"

ضغاطر کے نام والا نامہ اور اس کی شہادت

ضغاطر نے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوّت کی تصدیق کی اور پھر کلیسا میں جا کر عبادت کے وقت ایک بہت بڑے مجمع کے سامنے یہ تقریر کی:

"يا معشر الروم ان قد جاءنا كتاب من احمد يدعونا فيه الى الله عزّ وجلّ واني اشهد ان لا اله الا الله وان احمد عبده ورسوله" الخ

ترجمہ: "اے رومیوں کی جماعت! ہمارے پاس عرب کے پیغمبر احمد کا خط آیا ہے۔ اس نے ہم کو اللہ کے دین کی دعوت دی ہے اور میں شہادت دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور احمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے بندے اور اس کے پیغمبر ہیں"

ضغاطر کی اس تقریر کو سن کر تمام رومی سخت برہم ہو گئے اور اپنے اس ہر دلعزیز اسقف کو اتنا زدوکوب کیا کہ وہ بے چارہ جاں بحق ہو گیا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ ۝

حضرت دحیہؓ نے جب یہ واقعہ دیکھا تو فوراً وہاں سے روانہ ہو کر حمص آ گئے اور قیصر کو ضغاطر کا خط سپرد کر کے تمام واقعہ سنایا۔ قیصر نے جب یہ واقعہ سنا تو بہت مایوس ہوا لیکن اس کے باوجود اس نے شاہی محل میں ارکانِ دربار کو جمع کر کے گفتگو کی۔ جس سے اسلام قبول کرنے کی طرف رجحان ہو رہا تھا مگر اسلام قبول نہ کیا۔

اس گفتگو کا تذکرہ ابھی آئے گا۔ انشاراللہ۔

ابن سعد نے طبقات میں یہ روایت نقل کی ہے کہ نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب حضرت دحیہؓ کو قیصر کے پاس روانہ فرمایا تھا تو ساتھ ہی رومیہ کے مشہور عیسائی عالم" ضغاطر" کے نام بھی اسلام کی دعوت کے لئے نامۂ مبارک لکھا تھا اور فرمایا تھا کہ وہ رومیہ جاکر ضغاطر کو پہنچا دیں۔

نامۂ مبارک کے الفاظ یہ ہیں:

"سلام علیٰ من اٰمن اما علیٰ اثر ذٰلك فان عیسٰی بن مریم روح اللّٰه و كلمته القاها الیٰ مریم الزكیة و انی اٰومن باللّٰه وما انزل الینا وما انزل الیٰ ابراھیم و اسمٰعیل و اسحاق و یعقوب و الاسباط وما اوتی موسٰی و عیسٰی وما اوتی النبیون من ربهم لا نفرق بین احد منهم ونحن له مسلمون. والسلام علیٰ من اتبع الهدیٰ"

ترجمہ: " سلام اس پر جو اللہ پر ایمان لایا میں اسی عقیدہ پر ہوں کہ حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام اللہ کی روح اور اس کا کلمہ ہیں۔ اللہ نے ان کو پاک دامن مریم پر القا کیا اور میں اللہ پہ اور ان کتابوں اور احکام پہ ایمان رکھتا ہوں جو ہم پہ نازل ہوئیں اور حضرت ابراہیم، اسمٰعیل، اسحٰق، یعقوب علیہم السّلام اور ان کی اولاد پہ نازل ہوئیں اور ان پر بھی میرا ایمان ہے جو حضرت موسیٰ و حضرت عیسیٰ و دیگر انبیاء علیہم الصّلوٰۃ والسّلام کو ان کے رب کی جانب سے کتابیں دی گئیں اور احکام عطا کئے گئے۔ ہم ایمان و اعتقاد میں کسی ایک نبی کے تسلیم کرنے میں باہمی فرق نہیں کرتے اور ہم تو مسلمان ہیں۔ سلام اس پر جو ہدایت کی پیروی کرے"

معلوم یہ ہوتا ہے کہ جب قیصر کو یہ معلوم ہوا کہ حضرت دحیہؓ رومیہ" ضغاطر" کے پاس بھی جانے والے ہیں اور اسلام کا پیغام سنائیں گے تو ان کو اپنا بھی ایک خط

دیا اور ان سے یہ کہہ دیا کہ وہ اِدھر ہی واپس آئیں تاکہ مجھ کو بھی معلوم ہو جائے کہ ضغاطر اس مدعیٔ نبوت کے متعلق کیا گمان رکھتا ہے۔ قیصر ابھی حمص ہی میں مقیم تھا کہ حضرت دحیہؓ اس کا جواب لے کر واپس آئے اور ضغاطر کا تصدیقِ نبوت کرنا اور اس کی وجہ سے شہید ہو جانا، تمام واقعہ قیصر سے بیان کیا۔

قیصر کا ارکانِ دولت سے خطاب اور ان کا غیظ و غضب

قیصر نے حضرت دحیہؓ کو بڑے اعزاز و اکرام سے ٹھہرایا اور سفر سے واپس ہو کر جب حمص پہنچا تو اس نے اعیان و ارکانِ دولت کو شاہی محل میں جمع کیا اور حکم دیا کہ محل کے تمام دروازے بند کر دیئے جائیں۔ اس کے بعد اہلِ دربار کو مخاطب کر کے کہنے لگا:

"اے اہلِ روم! اگر تم رشد و ہدایت اور فلاح و نجاحِ ابدی کے طالب ہو اور چاہتے ہو کہ تمہارا ملک اسی طرح محفوظ رہے تو عرب کے اس نبی کی پیروی کرو اور اس کے احکام کی تعمیل پر آمادہ ہو جاؤ"۔

قیصر نے گفتگو ختم ہی کی تھی کہ چہار جانب سے شور و شغب شروع ہو گیا اور حاضرین نے اس گفتگو کے خلاف اپنی نفرت و حقارت کا کافی مظاہرہ کیا اور دربار سے غیظ و غضب میں اٹھ کر دروازوں کی طرف بڑھے مگر دیکھا کہ دروازے بند تھے۔ قیصر نے جب یہ رنگ دیکھا تو ان کو واپس بلایا اور کہنے لگا کہ بے وقوفو! میں نے تم سے یہ باتیں محض آزمائش کے لئے کہی تھیں۔ میں یہ دیکھنا چاہتا تھا کہ تم اپنے مذہب میں کس قدر ثابت قدم ہو۔ اہلِ دربار نے قیصر کی جب یہ گفتگو سُنی تو بہت خوش ہوئے اور اظہارِ مسرت میں قیصر کی تخت بوسی کی اور اس کے سامنے سجدہ میں گر گئے۔[1]

قیصر کا کُفر پر جمُود

قیصر نے ظاہراً علی الاعلان اسلام قبول نہیں کیا۔ صحیح بخاری میں پورا واقعہ نقل

---

[1] صحیح بخاری، فتح الباری، السیرۃ الحلبیہ، طبقات ابن سعد۔

کہ کے (جب اس نے اپنے لوگوں کی برہمی دیکھی تو یہ کہہ کر ان کی ناگواری کو دبا دیا کہ میں تو تمہارا امتحان چاہتا تھا) لکھا ہے:

" فکان ذلك آخر شان هرقل " یعنی اوپر جو قصہ بیان ہوا ہے اس میں ہرقل کی آخری ظاہری حالت بتائی ہے۔ (دل سے ایمان لایا یا نہیں۔ صحیح البخاری کی مذکورہ روایت اس سے خاموش ہے)۔

حافظ ابن حجرؒ نے لکھا ہے کہ ہرقل نے بادشاہت کو ترجیح دی اور برابر گمراہی پر جما رہا۔ اس کی ایک دلیل یہ ہے کہ غزوۂ تبوک کے موقعہ پر اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خط لکھا کہ میں مسلمان ہوں۔ آپ نے فرمایا: وہ جھوٹا ہے وہ اپنے دین نصرانیت پر قائم ہے۔ فتح الباری میں یہ روایت مسند احمد اور کتاب الاموال لأبی عبید سے نقل کی ہے۔

والا نامہ کی حفاظت اور اس کی برکات

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بادشاہوں کو جو خط لکھے تھے ان میں قیصر کے نام بھی والا نامہ تحریر فرمایا تھا۔ جس کا ابھی اوپر تذکرہ ہوا ہے۔ قیصر نے اسلام تو قبول نہیں کیا لیکن والا نامہ کا ادب کیا اور اسے حفاظت سے رکھا۔ بعض روایات میں ہے کہ گرامی نامہ کا احترام کرنے کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع ملی تو آپؐ نے فرمایا: ثبت ملکه کہ اس کا ملک ابھی باقی رہے گا۔ چنانچہ اس کی نسل میں ایک عرصہ تک حکومت باقی رہی۔ برخلاف کسریٰ کے کہ اس نے والا نامہ پھاڑ دیا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے لئے بددعا فرمائی۔ لہٰذا اس کی حکومت جلد ہی ختم ہوگئی۔ جس کی کچھ تفصیل ان شاء اللہ آگے آئے گی۔

قیصر نے والا نامہ محفوظ رکھا اور باوجودیکہ ایمان نہ لایا اور اس کی نسل کے بادشاہ بیٹے پوتے بھی ایمان نہ لائے لیکن یہ یقین رکھتے تھے کہ جب تک یہ مبارک والا نامہ ہمارے یہاں محفوظ رہے گا ہماری سلطنت باقی رہے گی۔

السیرۃ الحلبیہ میں لکھا ہے کہ:

بادشاہ منصور قلادون نے ایک مرتبہ اپنے ایک امیر کو شاہِ مغرب کے پاس کچھ ہدایا اور تحائف دے کر بھیجا۔ شاہِ مغرب نے اس امیر کو ایک سفارش کے سلسلے میں شاہِ فرنگ کے پاس بھیجا۔ شاہِ فرنگ نے وہ سفارش قبول کی اور اس امیر کا بہت اعزاز و اکرام کیا اور اس سے کہا:

"میں تمہیں ایک بہت قدیم اور متبرک تحفہ دکھاؤں گا۔"

پھر اس نے سونے کے کام کا ایک صندوق نکالا۔ اس کے اندر اس نے سونے کا ایک خول نکالا (جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ نامۂ مبارک رکھا ہوا تھا) علامہ سہیلیؒ سے بھی روایت ہے کہ میں نے سنا ہے کہ ہرقل نے وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا والا نامہ سونے کے ایک خول میں محفوظ کر لیا تھا۔

غرض شاہ فرنگ نے اس خول میں سے ایک تحریر نکالی۔ جس کے اکثر حروف دھندلا چکے تھے۔ خط ایک ریشمی کپڑے میں لپٹا ہوا تھا۔ وہ خط دکھا کر شاہِ فرنگ نے امیر سے کہا:

"یہ تمہارے نبی کا خط ہے جو میرے دادا قیصر روم کے نام ہے۔ ہم اس کو نسل در نسل وراثت میں حاصل کرتے چلے آرہے ہیں۔ ہمارے باپ دادا نے اپنے باپ دادا کے حوالے سے ہمیں بتایا ہے کہ جب تک یہ والا نامہ ہمارے پاس محفوظ ہے ہماری سلطنت و حکومت ہمارے ہاتھوں سے نہیں جا سکتی۔ اسی لئے ہم اس تبرک کی جان سے زیادہ حفاظت کرتے ہیں اور اس کا بے حد احترام کرتے ہیں۔ ساتھ ہی ہم نصرانیوں یعنی اپنی قوم سے اس کو چھپائے رکھتے ہیں تاکہ ہماری حکومت باقی رہے۔"

نامۂ مُبارک بنامِ کسریٰ (پرویز شاہِ فارس)

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

" من محمد رسول الله الی کسریٰ عظیم فارس سلام علی من اتبع الهدیٰ و اٰمن بالله ورسوله و اشهد ان لا اله الا الله وحده لا شریك له و انی رسول الله الی الناس كافة ادعوك بدعاية ليندزمن كان حياً ويحق القول على الكافرين اسلم تسلم فان ابيت فعليك اثم المجوس .

ترجمہ : شروع اللہ کے نام سے جو رحمٰن و رحیم ہے

" یہ خط اللہ کے پیغمبر محمدؐ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی طرف سے کسریٰ کے نام جو فارس کا بڑا آدمی ہے جو ہدایت کی پیروی کرے اور اللہ پر اور اس کے رسول پر ایمان لائے اس پر سلام اور میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ وہ وحدہ لاشریک ہے اور میں اللہ کا پیغمبر ہوں تمام لوگوں کی طرف تاکہ جو لوگ زندہ ہیں ان تک اللہ کا پیغام پہنچا دیا جائے تو اسلام لے آ، سالم رہے گا۔ پس اگر تو انکار کرے تو تیری گردن پر تمام مجوس (پارسیوں) کا گناہ ہوگا[1] "

حضرت عبداللہ بن حذافہؓ یہ والا نامہ لے کر کسریٰ کے پاس پہنچے اور والا نامہ اس کے حوالے کر دیا۔ جب پرویز سخت غضب ناک ہوا اور کہنے لگا کہ میرے غلام کو یہ جرأت کہ میرے نام اس طرح خط لکھے[2] طیش میں آکر نامۂ مُبارک کو پُرزہ پُرزہ کر دیا۔

---

[1] فارس میں اس وقت آتش پرستوں کا دین رائج تھا یعنی یہ لوگ آگ کی پوجا کرتے تھے۔ اہلِ عرب ان کو مجوس اور مجوسی کہتے تھے۔ قرآن شریف (سورۃ حج) میں بھی ان کا ذکر ہے ۔

[2] کسریٰ غصہ میں بھرا ہوا تو تھا ہی، اس نے اپنے گورنر باذان کو خط لکھا کہ سرزمینِ عرب میں ایک شخص نے نبوت کا دعویٰ کیا ہے تم فوراً دو شخص عرب کے لئے روانہ کر دو جو اس شخص کو گرفتار کر کے لائیں ۔

حضرت عبداللہ بن حذافہؓ اسی وقت دربار سے رخصت ہوکر مدینہ روانہ ہوگئے اور دربارِ نبوی میں حاضر ہوکر تمام واقعہ عرض کردیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس طرح اس نے میرے خط کو چاک کیا حق تعالےٰ جلد ہی اس طرح اس کے ملک کو ٹکڑے ٹکڑے کردے گا۔ بخاری نے اس واقعہ کو اس طرح روایت کیا ہے :

"عن ابنِ عباسؓ انّ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بعث بکتابہ الیٰ کسری فلما قرء کسریٰ مزّقہ فدعا علیھم رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم ان یمزقوا کل ممزّق"

ترجمہ: ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسریٰ کے پاس نامۂ مبارک بھیجا۔ کسریٰ نے جو اس کو پڑھا تو پُرزہ پُرزہ کردیا۔ نبیؐ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بددعا کی کہ خدائے تعالیٰ ایرانیوں کے اقتدار کو بھی اسی طرح پراگندہ کردے۔"

سیرتِ حلبیہ میں ہے کہ ابھی کسریٰ نے نامہ کے مضمون کو پورا سنا بھی نہ تھا کہ غصّہ میں نامۂ مبارک کے پُرزے پُرزے کردیئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سفیر کو دربار سے نکلوادیا۔ عبداللہ بن حذافہؓ نے جب یہ دیکھا تو ناقہ پر سوار ہوکر وہاں سے روانہ ہوگئے کسریٰ کو ہوش آیا تو دریافت کیا کہ سفیر کہاں گیا۔ تلاش کیا گیا تو معلوم ہوا کہ وہ جاچکا۔

باذان نے اپنے میرمنشی بابویہ اور خرخسرہ کو سفارت پر حجاز روانہ کیا۔ جب یہ دونوں سفر طے کرتے ہوئے طائف پہنچے تو قریش کے چند اشخاص سے انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حال دریافت کیا۔ انہوں نے کہا کہ وہ اس وقت مدینہ میں موجود ہیں۔ قریش نے ان سے دریافت کیا کہ وہ ان کو کس لئے دریافت کرتے ہیں۔ ان دونوں نے جواب دیا کہ ہم اس مدعیٔ نبوت سے اس کی جرأت کا سوال کریں گے۔ اس نے فارس کے شہنشاہ کے دربار میں گستاخانہ خط لکھا ہے۔ قریشیوں نے جب یہ سنا تو بے حد خوش ہوئے اور آپس میں کہنے لگے۔ یہ بہت اچھا ہوا کہ فارس کا شہنشاہ اس کے درپئے آزار ہے۔ اب ہم کو اس سے جنگ کرنے کی ضرورت باقی نہ رہے گی۔

نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صحابہ کی جماعت میں رونق افروز تھے کہ بابویہ اور خرخسرہ مدینہ طیبہ پہنچے اور حاضر دربارِ نبوی ہوئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سادہ مگر پُرعظمت دربار کا جو اثر اُن دونوں پر پڑا خسرو پرویز کے پُرہیبت دربار نے بھی کبھی اس قدر ان کو متاثر نہیں کیا تھا۔ دونوں سفیروں نے جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہونے کا مقصد ظاہر کیا تو آپ نے فرمایا کہ ابھی تم قیام کرو، سوچ کر جواب دیا جائے گا۔

اصحابِ سیر نے لکھا ہے کہ آپؐ نے جب بابویہ اور خرخسرہ کے چہرہ کو دیکھا تو طبع مبارک مکدر ہوگئی۔ یہ دونوں ایرانی رسم ورواج کے مطابق داڑھی منڈائے مونچھوں کو متکبرانہ انداز سے بل دیئے ہوئے تھے۔ آپؐ نے ارشاد فرمایا: "یہ متکبرانہ انداز کی تعلیم کہاں سے حاصل کی"؟ بابویہ نے عرض کیا کہ ہمارے سلطان کا یہی طرز ہے اور ہم سب اس طرز کو محبوب رکھتے ہیں۔ آپؐ نے یہ سن کر فرمایا: "ہمارے مالک نے تو ہم کو یہ حکم دیا ہے کہ داڑھی بڑھائیں اور لبیں ترشوائیں"۔ مغرور آدمی اللہ کو پسند نہیں۔ دونوں سفیروں نے چند دن مدینہ منورہ میں قیام کیا پھر آپؐ نے ان کو مجلس میں بلایا اور ارشاد فرمایا کہ:

"تمہارے بادشاہ کو خود اس کے بیٹے شیرویہ نے قتل کر دیا۔ جاؤ تم کو جلد ہی معلوم ہو جائے گا"۔

بابویہ نے جب یہ سنا تو کہنے لگا۔ آپ کہیں مجھ کو دھوکا تو نہیں دے رہے ہیں۔ اگر ایسا ہے تو یاد رکھیئے ہمارا بادشاہ بڑی شان و شوکت رکھتا ہے۔ آپ اس طرح اس کی قلمرو سے جان بچا کر نہیں نکل سکتے۔ آپ نے تبسم فرمایا اور ارشاد فرمایا:

"میں نے جو کچھ کہا ہے وہ سب صحیح ہے تم کو خود اس کا علم ہو جائے گا۔ جب تم یہ جانتے ہو کہ میں اس کی قلمرو سے بھاگ نہیں سکتا تو پھر تم کو کیا خوف ہے"۔

بہرحال نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب باذان کے سفیروں کو واپس ہونے کی اجازت مرحمت فرمائی تو خرخسرہ کو ایک مطلّا پٹکہ مرحمت فرمایا۔ یہ پٹکہ سلطانِ مصر مقوقس نے آپؐ کی خدمت میں ہدیہ بھیجا تھا اور بابویہ کو بھی اسی طرح کچھ عنایت فرما کر دونوں سفیروں کو واپس فرمایا۔

باذان کا اسلام قبول کرنا

عروجِ اسلام سے پہلے اہلِ حبشہ کو شکست دے کر اہلِ فارس نے یمن پر قبضہ کر لیا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے جب کسریٰ کو دعوتِ اسلام کا مکتوب گرامی بھیجا گیا اس وقت اہلِ فارس ہی یمن پر قابض تھے اور یہ فارس ہی کا مقبوضہ صوبہ تھا اس صوبہ کا گورنر باذان تھا۔

باذان کے پاس جب بابویہ اور خرخسرہ واپس پہنچے تو انہوں نے دربارِ نبوی کے تمام حالات بیان کئے اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا جواب اور پیشنگوئی باذان کو سنائی۔ باذان نے جب پیغامِ نبوی سُنا تو کہنے لگا کہ جو حالات تم نے سنائے ہیں اور جو پیغام تم نے لا کر دیا ہے اگر صحیح ہے تو وہ شخص یقیناً اللہ کا سچّا پیغمبر ہے۔

ادھر تو بابویہ اور خرخسرہ "یمن" واپس آئے اور دوسری طرف شیرویہ (کسریٰ کے بیٹے) کا پیغام باذان کے پاس پہنچا کہ کسریٰ قتل کر دیا گیا ہے۔ رعایا کو اس کے ظلم سے نجات مل گئی ہے اور اب میں سریر آرائے سلطنت ہوں۔ تم کو اسی طرح حکومت کا وفادار رہنا چاہیئے جیسا کہ اب تک تمہارا طرزِ عمل رہا ہے اور عرب کے جس شخص کے متعلق کسریٰ نے باز پُرس کا حکم دیا تھا تا اطلاعِ ثانی اس کے ساتھ کوئی تعرض نہ کرنا۔ باذان ان تمام حالات و واقعات کو دیکھنے اور سننے کے بعد صداقتِ اسلام کا قائل ہو گیا اور ایک بڑی جماعت کے ساتھ مشرف باسلام ہوا۔ باقی اہلِ یمن نے ۱۰ھ میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے ہاتھ پر اسلام قبول کیا۔

زوالِ فارس

مؤرخین لکھتے ہیں کہ شیرویہ اپنے باپ کسریٰ کی بی بی شیریں پر عاشق تھا لیکن شیریں کسی طرح شیرویہ کی طرف متوجہ نہ ہوتی تھی۔ شیرویہ نے یہ سمجھا کہ شاید کسریٰ کے قتل کر دینے کے بعد متوجہ ہو جائے اس لئے اس نے باپ کو قتل کر دیا شیریں کو جب کسریٰ کے قتل کا حال معلوم ہوا تو اس نے زہر کھا کر اپنا کام تمام کر لیا۔

تھوڑے ہی عرصے بعد شیرویہ ایک روز شاہی دوا خانہ میں پہنچا اور کسی زہریلی دوا کو مردانہ طاقت کی دوا سمجھ کر کھا گیا۔ ہر چند علاج معالجہ ہوا لیکن جانبر نہ ہو سکا۔ اس کے بعد کسریٰ کی بیٹی بوران تخت نشین ہوئی مگر وہ بھی کچھ زیادہ مدّت تک حکومت نہ کر سکی۔ کسریٰ پرویز کے بعد تختِ فارس پر کسی حکمران کو اطمینان سے حکومت کرنا نصیب نہ ہوا اور حکومت فارس کے اقتدار کا آفتاب جلد ہی غروب ہو گیا۔

۱۶ھ میں خلیفۂ دوم فاروق اعظمؓ کے زمانہ میں لشکرِ اسلام فارس میں داخل ہوا اور فارس فتح ہو کر ممالک اسلامیہ میں شمار ہونے لگا۔ اس طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ بشارت حرف بحرف صحیح ثابت ہوئی:

"اذا هلك كسرىٰ فلا كسرىٰ بعده، و اذا هلك قيصر فلا قيصر بعده"[۱]

ترجمہ: جب کسریٰ ہلاک ہو جائے گا تو پھر اس کے بعد کوئی کسریٰ نہ ہوگا۔"

یعنی فارس کی حکومت کا اقتدار ختم ہو جائے گا اور اس کی حکومت پُرزہ پُرزہ ہو جائے گی اور جب قیصر ہلاک ہوگا تو کوئی قیصر نہ ہوگا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی ارشاد فرمایا تھا:

"والذی نفسی بیدہ لتنفقن کنوزھما فی سبیل اللّٰہ۔"

ترجمہ: "قسم اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے۔ اے مسلمانو! تم ان دونوں سلطنتوں کے خزانے فی سبیل اللہ خرچ کرو گے۔"

صادق و مصدوق صلّی اللہ علیہ وسلّم کی یہ بشارت حرف بحرف صحیح ثابت ہوئی اور قیصر و کسریٰ کی حکومتیں ختم ہوئیں۔ ان کے مقبوضہ ممالک پر مسلمانوں کا قبضہ ہوا اور ان کے خزانے صحابۂ کرامؓ نے فی سبیل اللہ خرچ کئے۔

سراقہ بن مالکؓ نے رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کا سفر ہجرت میں پیچھا کیا اور قریشِ مکّہ سے انعام لینے کے لئے آپؐ کو گرفتار کرنے کے لئے اپنے گھوڑے کو دوڑایا۔ جس کی

---

[۱] صحیح مسلم کتاب الفتن

ٹانگیں بار بار زمین میں دھنس گئی تھیں ان سے خطاب کر کے رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا تھا کہ تیرے ہاتھوں میں کسریٰ کے کنگن پہنائے جائیں گے۔ سراقہ اس وقت تو مسلمان نہیں ہوئے تھے۔ غزوۂ حنین کے وقت اسلام لے آئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوگئی۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ کا زمانہ بھی گزر گیا۔ پھر جب حضرت عمر بن الخطابؓ کا زمانہ آیا اور فارس فتح ہوا تو کسریٰ کے کنگن وغیرہ حاضرِ خدمت کئے گئے۔ سراقہ وہاں موجود تھے۔ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کا ارشاد یاد دلایا گیا کہ آپؐ نے سراقہ کو خوش خبری دی تھی کہ کسریٰ کے کنگن پہنو گے۔ کیسے پہنائے جائیں؟ حاضرین نے یہ اشکال کیا کہ مرد کو سونا چاندی پہننا حرام ہے۔ پھر کسی نے کہا کہ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کا فرمان تو پورا ہو کر رہے گا۔ پھر حضرت سراقہ کو کسریٰ کے کنگن اور اس کا تاج اور اس کا پٹکا پہنایا گیا۔ جب حضرت عمر فاروقؓ یہ چیزیں پہنانے لگے تو بلند آواز سے یہ کلمات ادا کئے۔

" اللہ اکبر الحمد للہ الذی سلبھا کسری بن ھرمز الذی کان یقول انا رب الناس و البسھما سراقۃ بن مالک بن جعشم اعرابی رجل من بنی مدلج "

(نہ کسریٰ رہا نہ قیصر۔ سدا رہے نام اللہ کا)

والا نامہ بنام مقوقس شاہِ مصر

مصر دُنیا کے مشہور ممالک میں سے ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السّلام کے زمانہ میں فرعون یہاں کا مطلق العنان بادشاہ تھا۔ اس نے کہا تھا:

اَنَارَبُّكُمُ الْاَعْلٰى   میں تمہارا سب سے بلند رب ہوں

اس زمانہ میں مصر کے ہر بادشاہ کو فرعون کہا جاتا تھا۔ بنی اسرائیل حضرت یوسف علیہ السّلام کے زمانہ میں یہاں آکر آباد ہوئے تھے۔ پھر ان کی وفات کے بعد وہیں رہ گئے۔ چونکہ وطن کے اعتبار سے اجنبی لوگ تھے اس لئے فرعون نے ان کے ساتھ بُری طرح

بدسلوکی کی۔ ان کے لڑکوں کو قتل کر دیتا تھا اور لڑکیوں کو زندہ چھوڑ دیتا تھا۔ پھر یہ ہوا کہ اللہ جل شانہٗ نے بنی اسرائیل کو فرعون سے نجات دے دی۔ جب یہ لوگ مصر چھوڑ کر اپنے وطن کے لئے روانہ ہوئے تو فرعون اپنے لشکروں کے ساتھ ان کے پیچھے لگ گیا۔ اللہ تعالےٰ کا بنی اسرائیل پر فضل ہوا۔ ان کے بارہ قبیلے سمندر پار ہو گئے اور فرعون اپنے لشکر سمیت ڈوب گیا۔

حالات گزرتے رہے دنیا آگے بڑھتی رہی بادشاہتیں ختم ہوتی رہیں حتیٰ کہ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ آگیا۔ آپؐ کے زمانہ میں جو شخص مصر کا بادشاہ تھا اسے مقوقس کہا جاتا تھا۔ تو یہ بادشاہ قیصرِ روم کے ماتحت تھا۔ یہ خود بھی نصرانی تھا اور عموماً مصر میں رہنے والے اس وقت عیسائی ہی تھے۔ اس زمانہ میں مصر کا پایۂ تخت شہرِ اسکندریہ تھا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مقوقس کو بھی دعوتِ اسلام کا خط بھیجا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دن ارشاد فرمایا:

"اے لوگو! تم میں سے وہ کون شخص ہے کہ میرا یہ مکتوب والیٔ مصر کے پاس لے جائے اور اللہ سے اس کا ثواب پائے"

حضرت حاطب بن ابی بلتعہؓ فوراً آگے بڑھے اور عرض کیا کہ "یا رسول اللہ! میں حاضر ہوں"

آپؐ نے مُہر سے مزین فرما کر والا نامہ حضرت حاطبؓ کے سپرد فرما دیا۔ حضرت حاطبؓ سفر کرتے ہوئے اسکندریہ پہنچے اور ایسا راستہ تلاش کیا جو مقوقس کے دربار تک پہنچا دے۔ "حسن المحاضرۃ" میں لکھا ہے کہ جب حضرت حاطبؓ اسکندریہ پہنچے تو مقوقس دریائی سفر کے لئے نکلا ہوا تھا اور کشتی میں سوار ہو کر دریائے نیل میں سیر کر رہا تھا۔ حضرت حاطبؓ نے تاخیر مناسب نہ سمجھ کر ایک کشتی کرایہ پر لی اور مقوقس کے پاس پہنچ کر نامۂ مبارک اس کے سپرد کر دیا۔ مقوقس نے حضرت حاطبؓ سے پہلے ایک دلچسپ سوال کیا:

مقوقس: مدعیٔ نبوت اگر اپنے دعوئے نبوت و رسالت میں سچا ہے تو اپنے خدا سے یہ دُعا کیوں نہیں مانگتا کہ اس کے ان مخالفوں کو جنہوں نے اس کو مکہ سے نکال دیا تھا

تباہ و برباد کر دے ۔

حاطب : حضرت عیسیٰ تمہارے نزدیک اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں ؟

مقوقس : بے شک ۔

حاطب : جب یہود نے ان کو سُولی پر چڑھایا اور تمہارے عقیدہ میں ان کو سُولی پر ہلاک کر دیا گیا تو انہوں نے اللہ تعالیٰ سے دُعا مانگ کر دشمنوں کو کیوں ہلاک نہ کروایا ۔

مقوقس : سچ کہتا ہے تُو خود بھی دانا ہے اور جس کا تُو سفیر ہے وہ بھی دانا اور حکیم ہے ۔

مقوقس نے اس کے بعد حکم دیا کہ ترجمان حاضر ہو اور نامۂ مُبارک پڑھا جائے ۔

ترجمان نے نامۂ مبارک پڑھنا شروع کیا ۔ جس کی عبارت یہ تھی :

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

من محمّد رسول الله الى المقوقس عظيم القبط سلام على من اتبع الهدىٰ ، اما بعد فانى ادعوك بدعاية الاسلام فاسلم تسلم يؤتك الله اجرك مرتين فان تولّيت فعليك اثم القبط يا اهل الكتاب تعالوا الى كلمةٍ سواءٍ بيننا و بينكم ان لا نعبد الا الله و لا نشرك به شيئا ولا يتخذ بعضنا بعضًا اربابًا من دونِ الله فان تولّوا فقولوا اشهدوا بانا مسلمونؑ ۝

ترجمہ : شروع اللہ کے نام سے جو رحمٰن و رحیم ہے ۔

" یہ خط ہے اللہ کے پیغمبر محمّد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی جانب سے قبطیوں کے سردار مقوقس کے نام جو ہدایت کی پیروی کرے اس پر سلام ۔ بعد حمد و صلوٰۃ میں تجھ کو اسلام کی دعوت دیتا ہوں ۔ اسلام قبول کرلے تو سالم و محفوظ رہے گا اور اللہ تعالیٰ تجھ کو دہرا اجر عطا فرمائے گا اور اگر تُو نے اسلام قبول نہ کیا تو قبطیوں کی گمراہی کا وبال بھی تجھ ہی پر پڑے گا ۔ اے اہلِ کتاب ! آؤ اس کلمہ کی جانب جو ہمارے اور تمہارے درمیان برابر ہے وہ یہ کہ ہم اللہ کے

سوا کسی کی پرستش نہ کریں اور نہ کسی کو اس کا شریک مقرر کریں اور نہ ہم اللہ کے سوا آپس میں ایک دوسرے کو رب تسلیم کریں۔ اگر یہ لوگ روگردانی کریں تو کہہ دو کہ تم گواہ رہو ہم فرمانبردار ہیں "

مقوقس نے جب یہ خط سنا تو حکم دیا کہ اس خط کو ہاتھی دانت کی دو تختیوں کے درمیان رکھ کر سرکاری خزانہ میں محفوظ رکھو اور حضرت حاطب رضی سے کہا کہ تم چند روز یہاں آرام سے رہو۔ بعد میں خط کا جواب دیا جائے گا۔ حضرت حاطب رضی چند روز نہایت اعزاز و احترام کے ساتھ مقیم رہے۔ چند روز کے بعد مقوقس نے ان کو دربار میں بلایا اور نامۂ مبارک کا جواب لکھوا کر ان کے سپرد کیا۔

جوابِ مقوقس شاہِ مصر

" لمحمّد بن عبد الله من المقوقس عظيم القبط سلام عليك اما بعد فقد قرات كتابك وفهمت ماذكرت فيه وماتدعوا اليه وقد علمت ان نبيًا قد بقي وكنت أظن انه يخرج بالشام وقد اكرمت رسولك وبعثت اليك بجاريتين لهما مكان في القبط عظيم وبكسوة واهديت اليك بغلة لتركبها والسلام عليك ۔

ترجمہ: "یہ خط محمد بن عبداللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے قبطیوں کے سردار مقوقس کی جانب سے" بعد حمد" میں نے خط پڑھا اور جو کچھ آپ نے تحریر فرمایا ہے اور جس شے کی طرف آپ نے دعوت دی ہے اس کو میں نے سمجھ لیا بیشک میں یہ جانتا ہوں کہ ایک نبی ابھی آنے سے باقی ہیں۔ لیکن میرا خیال یہ تھا کہ وہ شام میں ظاہر ہوں گے۔ میں نے آپ کے قاصد کا اکرام کیا اور آپ کی خدمت میں دو لڑکیاں روانہ کرتا ہوں۔ قبطیوں میں ان کی بہت بڑی عزت ہے اور آپ کے لئے کپڑا اور سواری کے لئے خچر بھیجتا ہوں۔ اللہ تعالے

آپ پر سلامتی نازل فرمائے۔"

حضرت حاطبؓ دونوں کنیروں "ماریہ" اور "سیرین" اور خچر "دلدل" اور پارچہ جات ہمراہ لے کر بصد اعزاز مصر سے روانہ ہو گئے اور عزیزِ مصر "مقوقس" باوجود اس اقرار کے کہ واقعی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نبی ہیں اسلام سے محروم رہا۔

حضرت حاطبؓ یہ تمام تحائف اور جواب لے کر دربارِ نبوی میں پہنچے تو آپ نے ہدایا کو قبول فرمایا اور مقوقس کا خط سن کر ارشاد فرمایا کہ " بدنصیب کو ملکی ہوا و ہوس نے اسلام سے محروم رکھا اور یہ نہ سمجھا کہ سلطنت ناپائیدار شے ہے۔"

حضرت ماریہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ملکیت میں رکھا۔ حضرت ابراہیم صاحبزادۂ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ان کے بطن سے تولد ہوئے۔ آپ "ام ابراہیمؑ" کہلائیں اور سیرین حضرت حسانؓ کو عطا ہوئیں۔

"البدایہ والنہایہ" میں یہ بھی لکھا ہے کہ مقوقس نے جو ہدایا خدمتِ عالی میں پیش کئے تھے ان میں ایک کالے رنگ کا غلام بھی تھا جس کا نام عابور تھا۔ یہ غلام خصی تھا اور دو سیاہ رنگ کے موزے بھی ہدایا میں شامل تھے اور سواری کے لئے جو خچر بھیجا تھا اس کا رنگ سفید تھا جسے دلدل کہا جاتا تھا۔ بعض روایات میں گدھا عفیر نامی اور ہزار مثقال سونے کا ہدیہ پیش کرنے کا بھی ذکر ہے۔

علامہ جلال الدین سیوطیؒ نے تاریخ مصر میں نقل کیا ہے کہ جب عزیزِ مصر "مقوقس" کے پاس نامۂ مبارک پہنچا اور اس کو مضمونِ خط معلوم ہوا تو نامۂ مبارک سینہ سے لگایا اور کہنے لگا۔ بے شک یہی وقت ہے کہ نبیٔ منتظر ظاہر ہو۔ ہم کو توراۃ و انجیل سے اس کی صفات و حالات معلوم ہیں۔ وہ پیغمبر دو بہنوں کو ایک ساتھ نکاح میں جمع نہ کرے گا۔ وہ صدقہ کا مال نہ کھائے گا اور ہدیہ قبول کرے گا۔ اس کے ہم جلیس مساکین و غرباء ہوں گے اور مہرِ نبوّت اس کے شانوں کے درمیان ہوگی۔

علامہ موصوف نے اپنی کتاب خصائص میں مقوقس کے متعلق واقعہ ذیل بھی نقل کیا ہے۔ وہ یہ کہ حضرت مغیرہ بن شعبہؓ نے بیان کیا کہ قبولِ اسلام سے پہلے میں ایک مرتبہ بنی مالک

کے ساتھ مصر گیا تھا۔ وہاں مقوقس کے دربار میں پہنچے تو مقوقس نے ہم سے دریافت کیا کہ تم یہاں بخیریت کیسے پہنچے۔ تمہارے اور ہمارے درمیان تو محمدؐ صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے رفقاء حائل ہیں۔ کیا انہوں نے کوئی تعرض نہیں کیا؟ ہم نے جواب دیا کہ دریا کے راستہ سے چلے آئے ہیں۔ مقوقس نے اس کے بعد ہم سے آپ کے حالات دریافت کرنے شروع کئے اور سلسلۂ گفتگو اس طرح شروع ہوا۔

مقوقس : تم لوگوں نے کیا کیا جب انہوں نے تمہیں اپنے دین کی طرف بلایا؟

مغیرہ : ہم میں سے کسی نے ان کا اتباع نہیں کیا۔

مقوقس : ایسا کیوں؟

مغیرہ : وہ نیا دین لے کر آئے ہیں جسے ہمارے باپ دادا نہیں جانتے تھے اور نہیں مانتے تھے اور ہم ابھی تک اسی دین پر ہیں جو ہمارے باپ دادا کا دین تھا۔

مقوقس: ان کی قوم نے ان کے ساتھ کیا برتاؤ کیا؟

مغیرہ : نوعمر لڑکوں نے ان کا اتباع کیا اور بہت مرتبہ ان کی مخالفت ہوئی۔ لڑائی ہوئی کبھی ان کو غلبہ ہوا اور کبھی اُن کو!

مقوقس : اچھا یہ بتاؤ کہ وہ کن باتوں کی دعوت دیتے ہیں۔

مغیرہ : وہ اس بات کی دعوت دیتے ہیں کہ ہم صرف اللہ وحدہٗ لاشریک کی عبادت کریں اور ان معبودوں کو چھوڑ دیں جن کی ہمارے باپ دادا عبادت کرتے رہے ہیں اور وہ نماز اور زکوٰۃ ادا کرنے کی دعوت دیتے ہیں۔

مقوقس : کیا نماز اور زکوٰۃ کا کوئی وقت مقرر اور عدد ہے۔

مغیرہ : رات دن میں پانچ نمازیں پڑھتے ہیں جن کے اوقات مقرر ہیں اور سو مثقال سونے میں مقررہ حصہ لیتے ہیں اور پانچ بکریوں میں سے ایک بکری لیتے ہیں۔ اسی طرح دوسرے اموال کے صدقات کا تذکرہ بھی کیا۔

مقوقس : یہ صدقات وصول کر کے کیا کرتے ہیں؟

مغیرہ : فقراء پر تقسیم کر دیتے ہیں۔ نیز صلہ رحمی کا عہد پورا کرنے کا حکم دیتے ہیں۔ زنا اور

سود اور شراب کو حرام قرار دیتے ہیں اور جو جانور غیر اللہ کے نام پر ذبح کیا جائے اسے نہیں کھاتے۔

مقوقس: تمہاری باتوں سے معلوم ہوا کہ وہ واقعی اللہ کے رسول ہیں۔ سارے انسانوں کے لئے مبعوث کئے گئے ہیں۔ اگر قبطیوں اور رومیوں کو ان کا دین پہنچے گا تو ان کا دین قبول کرلیں گے۔ عیسیٰ بن مریمؑ نے ان کو آپ کی اتباع کا حکم دیا تھا اور یہ صفات جو تم بیان کر رہے ہو انبیاء سابقینؑ کی بھی یہی صفات ہیں اور انجام کار انہی کا ہوگا یہاں تک کہ کوئی ان کے مقابل کھڑا ہونے والا نہ ہوگا اور ان کا دین وہاں تک پہنچ جائے گا جہاں تک اونٹ اور گھوڑے پہنچتے ہیں وہاں سمندر ختم ہوتے ہیں۔

مغیرہ: اگر سارے لوگ ان کے دین کو قبول کرلیں تب بھی ہم ان کے ساتھی نہ بنیں گے۔ مقوقس نے یہ سن کر اپنا سر ہلایا اور کہنے لگا کہ تم ابھی تک کھیل ہی سمجھ رہے ہو؟

مقوقس: ان کا نسب کیسا ہے؟

مغیرہ: نسب کے اعتبار سے وہ افضل ہیں۔

مقوقس: انبیاء کرام علیہم السلام جو اپنی قوموں میں بھیجے جاتے رہے ہیں وہ عالی نسب ہی ہوتے تھے۔ پھر مقوقس نے دریافت کیا کہ ان کی سچائی کا کیا حال ہے؟

مغیرہ: ان کی سچائی کی وجہ سے ان کا لقب ہی امین ہے۔

مقوقس: تم غور کرلو کہ ایک شخص تمہارے درمیان رہتے ہوئے سچ بولتا ہے تو کیا وہ اللہ تعالیٰ کے بارے میں جھوٹ بول دے گا؟ پھر مقوقس نے کہا ان کا اتباع کن لوگوں نے کیا ہے؟

مغیرہ: نئے نوجوان ان کا اتباع کر رہے ہیں۔

مقوقس: حضرات انبیاء کرامؑ کا یہی معاملہ رہا ہے۔ (پہلے نوجوان افراد ہی ان کا اتباع کرتے ہیں)۔

مقوقس: یہود نے ان کے ساتھ کیا معاملہ کیا۔ وہ لوگ تو اہلِ توراۃ ہیں۔

مغیرہ: یہود نے ان کی مخالفت کی لہٰذا انہوں نے یہودیوں کو قتل بھی کیا اور قیدی

بھی بنایا اور وہ لوگ متفرق اطراف میں چلے گئے۔

مقوقس: یہودی حاسد لوگ ہیں۔ وہ ان کی نبوّت کے بارے میں خوب اچھی طرح جانتے ہیں جس طرح ہم جانتے ہیں۔

مغیرہ نے بیان کیا کہ اس کے بعد ہم مقوقس کے پاس سے اُٹھ گئے۔ ہم نے محمّد صلی اللہ علیہ وسلم کے اسلام کے بارے میں یہ باتیں سُنیں تو ہمارے قلوب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف جھک گئے اور ہم نے آپس میں کہا کہ عجم کے بادشاہ تو ان کی تصدیق کرتے ہیں اور ان سے ڈرتے ہیں۔ حالانکہ وہ ان کے رشتہ دار بھی نہیں ہیں اور ہم ان کے اقربا اور پڑوسی ہیں پھر بھی ان کی دعوت کو قبول نہیں کرتے۔

مغیرہ نے کہا کہ میں جتنے دن اسکندریہ میں رہا عیسائیوں کے ہر کنیسہ میں گیا اور اس کے پادریوں سے پوچھا جن میں قبطی بھی تھے اور رومی بھی کہ تم محمّد صلی اللہ علیہ وسلم کی کیا صفات جانتے ہو؟ ایک اسقف قبطی تھا۔ اس سے بڑھ کر عبادت میں محنت کرنے والا میں نے کوئی نہیں دیکھا۔ میں نے اس سے کہا کہ مجھے بتاؤ کہ کیا کسی نبی کی بعثت باقی ہے؟ کہنے لگا:

"ہاں ایک نبی آنے والے ہیں وہ آخرالانبیاء ہوں گے۔ عیسیٰؑ کے اور ان کے درمیان کوئی بھی نہ ہوگا۔ عیسیٰؑ نے ان کے اتباع کا حکم دیا ہے۔ اور یہ نبی عربی اور امّی ہوں گے جن کا نام احمد ہوگا۔ نہ تو ان کا قد (بہت زیادہ) طویل ہوگا نہ پست ہوگا۔ رنگ نہ بالکل سفید ہوگا (جیسا یورپ کے لوگوں کا ہوتا ہے) اور نہ پوری طرح گندم گوں ہوگا۔ وہ بالوں کو بڑھائیں گے اور موٹے کپڑے پہنیں گے اور جو کھانا میسّر ہوگا اس پر اکتفا کریں گے۔ ان کی تلوار ان کے کاندھے پر ہوگی جو ان کے مقابل آئے گا اس کی کچھ پرواہ نہ کریں گے۔ وہ بذاتِ خود قتال کریں گے۔ ان کے ساتھی ان پر اپنی جانوں سے فدا ہوں گے اور یہ لوگ اپنے آباء و اولاد سے بھی زیادہ ان سے محبّت کریں گے۔"

پادری نے سلسلۂ کلام جاری رکھتے ہوئے مزید کہا کہ ایک حرم سے وہ روانہ ہو کر دوسرے حرم کو ہجرت کریں گے جہاں کی زمین شور ہو گی۔ وہاں کچھ کھجوروں کے باغات ہوں گے ان کا دین دینِ ابراہیمی ہو گا۔

میں نے کہا ان کے اور کچھ اوصاف بتاؤ۔

پادری نے کہا وہ اپنی کمر پر لنگی باندھیں گے۔ اپنے اطراف بدن کو دھویا کریں گے۔ (یعنی وضو فرمائیں گے) اور ان کی چند ایسی خصوصیات ہوں گی جو پہلے کسی نبی کی نہیں تھیں۔ ان سے پہلے جو نبی مبعوث ہوتا تھا وہ صرف اپنی قوم کی طرف آتا تھا جب کہ یہ آخری نبیؐ تمام انسانوں کی طرف مبعوث ہوں گے اور ساری زمین ان کے لئے سجدہ گاہ ہو گی اور پاک کرنے والی ہو گی۔ جہاں نماز کا وقت ہو گا اور پانی نہ ملے گا تو تیمّم کر کے نماز پڑھ لیں گے۔ ان سے پہلے جو اُمتیں تھیں ان پر احکام کی سختی تھی۔ وہ صرف اپنی عبادت گاہوں میں ہی نماز پڑھ سکتے تھے۔ مغیرہ نے بیان کیا کہ میں نے یہ سب سُن کر یاد کر لیا اور واپس آکر مسلمان ہو گیا۔

مقوقس نے اگرچہ آپؐ کی نبوّت کی تصدیق کی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سفارت کا انتہائی اعزاز و احترام کیا۔ خدمتِ اقدس میں ہدایا بھی بھیجے پاس ہمہ نورِ اسلام سے محروم رہا اور اسلام قبول نہ کیا اور جس ملک کے لالچ میں اس سعادت سے محروم رہا وہ بھی جلد ہی اسلامی حکومت کا ایک صوبہ بن گیا۔ حضرت عمر بن خطابؓ کے ہاتھوں مصر فتح ہوا اور پورے ملک میں اسلام پھیل گیا۔

منذر بن ساویٰ کے نام

منذر بن ساویٰ بحرین کا حاکم تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو بھی دعوتِ اسلام دی اور اس کے نام مکتوب گرامی ارسال فرمایا جس کے پہنچانے کا شرف حضرت علاء بن الحضرمیؓ کو حاصل ہوا۔ مکتوب گرامی کے جواب میں منذر نے خدمتِ عالی میں عریضہ لکھا کہ:

"یارسول اللہ انی قرأت کتابک علی اھل البحرین فمنھم من احب الاسلام واعجبہ ودخل فیہ۔ ومنھم من کرھہ وبارضی مجوس ویھود فاحدث الی فی ذلک امرک"

ترجمہ: "یارسول اللہ میں نے آپ کا مکتوب گرامی پڑھا اور بحرین کے لوگوں کو سُنایا ان میں سے بعض نے اسلام کو پسند کیا اور اسلام میں داخل ہو گئے اور بعض نے بُرا مانا۔ میری سرزمین میں مجوسی بھی ہیں اور یہودی بھی ہیں ان کے ساتھ کیا معاملہ کیا جائے؟"

اس کے جواب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تحریر فرمایا:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

"من محمّد رسول اللہ الی المنذر بن ساوٰی السلام علیک فانی احمد اللہ الیک الذی لا الٰہ الا ھو واشھد ان لا الٰہ الا اللہ وانّ محمّداً عبدہٗ ورسولہ اما بعد فانی اذکرک اللہ عزّوجل فانہ من ینصح انما ینصح لنفسہ وانہ من یطع رسلی ویتبع امرھم فقد اطاعنی ومن نصح لھم فقد نصح لی وان رسلی قد اثنوا علیک خیراً وانی قد شفعتک فی قومک فاترک للمسلمین اسلموا علیہ وعفوت عن اھل الذنوب فاقبل منھم وانک مھما تصلح فلم نعزلک عن عملک ومن اقام علی یھودیۃ او مجوسیۃ فعلیہ الجزیہ۔

ترجمہ: شروع اللہ کے نام سے جو رحمٰن ورحیم ہے

"یہ خط ہے محمّد کی جانب سے جو اللہ کا پیغمبر ہے۔ منذر بن ساوی کے نام۔ تجھ پر خدا کی سلامتی ہو میں اس خدا کی حمد کرتا ہوں جو یکتا ہے اور اس کا کوئی

شریک نہیں اور میں خدا کی یکتائی اور محمدؐ کی رسالت کی گواہی دیتا ہوں۔ بعد حمد وصلوٰۃ میں تم کو اللہ تعالیٰ کی طرف توجہ دلاتا ہوں۔ جو شخص نصیحت قبول کرے گا وہ اپنے ہی حق میں خیر خواہی کرے گا اور جو شخص میرے قاصدوں کی فرمانبرداری کرے گا وہ میرا فرمانبردار ہوگا۔ میرے قاصدوں نے تمہاری تعریف کی ہے۔ میں تمہاری قوم کے بارے میں تمہاری سفارش کرتا ہوں مسلمانوں کو ان کے حال پر چھوڑ دو جب تک وہ اسلام کے فرمانبردار رہیں۔ میں نے خطاکاروں کو معاف کر دیا۔ تم بھی ان کی طرف سے معذرت قبول کر لو اور تم جب تک صالح عمل کرتے رہو گے ہم تمہیں معزول نہیں کریں گے اور جو شخص یہودیت اور مجوسیت پر قائم رہے اس پر جزیہ ہے۔"

حضرت علاء بن الحضرمی کا شاہ سے خطاب

"اے منذر! آپ دنیا میں بڑے عقلمند اور دانشمند آدمی شمار ہوتے ہیں لہٰذا آخرت کے متعلق نادان اور بے عقل نہ بن جانا۔ یہ مجوسیت یعنی آتش پرستی (جس پر تم چلتے ہو) سب سے زیادہ بدترین دین ہے اس دین میں ان عورتوں سے نکاح کر لیتے ہیں جن کے ساتھ نکاح کا خیال بھی قابلِ شرم ہے اور ایسی چیزیں کھا لیتے ہیں جن کو کھانے کے تصوّر سے بھی کراہیت اور گھن آتی ہے۔ اس دین کے لحاظ سے تم دنیا میں اسی آگ کو پوجتے ہو جو قیامت میں تمہیں کھا جائے گی۔ تم نادان اور بے عقل نہیں ہو اس لئے خود غور کرو کہ جو شخص دُنیا میں بھی جھوٹ نہیں بولتا (یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم) کیا اس کی تصدیق نہ کرنا ہمارے لئے مناسب ہے؟ اور جو شخص کبھی خیانت نہیں کرتا کیا اس پر اعتماد نہ کرنا ہمارے لئے مناسب ہے؟ اور جو شخص کبھی غلط بات نہیں کرتا کیا اس پر یقین نہ کرنا درست ہے؟ اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات بابرکت ایسی ہی ہے تو سمجھ لو کہ اللہ کی قسم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم وہی نبی اُمّی ہیں جن کے متعلق کوئی باشعور آدمی یہ نہیں کہہ سکتا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فلاں

چیز سے روکا ہے کاش اس کی اجازت ہوتی یا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فلاں کام کا حکم دیا ہے کاش اس سے روکا ہوتا۔"

یہ سن کر منذر نے کہا:

"میں جس دین پر اس وقت ہوں میں نے اس پر غور کیا تو اسے صرف دنیا کے لئے پایا آخرت کے لئے اس میں کچھ بھی نہیں پھر جب میں نے تمہارے دین پر غور کیا تو اسے میں نے دین اور دنیا دونوں کے لئے پایا لہٰذا اب کیا چیز مجھے ایسے دین کو قبول کرنے سے روک سکتی ہے جس میں زندگی کی تمنائیں بھی ہیں اور موت کے بعد کی راحتیں بھی ہیں۔ کل تک میں ان لوگوں پر حیران ہوا کرتا تھا جو اس دین کو قبول کر رہے ہیں اور آج مجھے ان پر تعجب ہو رہا ہے جو اس دین سے روگردانی کرتے ہیں۔"

یہ تفصیل السیرۃ الحلبیہ اور عیون الاثر میں لکھی ہے۔ عیون الاثر میں یہ بھی ہے کہ منذر مسلمان ہو گیا تھا اور احکامِ اسلامیہ پر خوبی کے ساتھ عمل کرتا تھا۔ وباللہ التوفیق

والا نامہ بنام جبلہ بن ایہم غسانی

جبلہ بن ایہم شام کے بادشاہوں میں سے تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے نام بھی دعوتِ اسلام کا والا نامہ ارسال فرمایا تھا۔ یہ شخص شام کے ایک حصہ کا بادشاہ تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا گرامی نامہ حضرت شجاع بن وہب رضی اللہ عنہ اس کے پاس لے کر گئے تھے۔ حضرت شجاع رضی اللہ عنہ نے اس کو خطاب کر کے تقریر بھی فرمائی جو یہ ہے۔

"جس دین پر تم چل رہے ہو یہ تمہارے باپ دادا کا دین نہیں ہے بلکہ بات یہ ہے کہ تم علاقہ شام کے بادشاہ ہو رومیوں کے پڑوس میں رہتے ہو اس لئے عیسائی ہو گئے اور اگر تم کسریٰ فارس کے پڑوسی ملک میں ہوتے تو فارسی قوم کا دین یعنی مجوسیت اختیار کر لیتے لیکن اگر تم مسلمان ہو جاؤ تو شامی علاقہ کے لوگ تمہارے اطاعت گزار ہوں گے اور رومی تمہاری

ہیبت سے ڈرنے لگیں لیکن اگران لوگوں پر کوئی اثر نہ بھی پڑے تو ان کے حصّے میں دنیا آئے گی اور تمہارے حصّہ میں آخرت آئے گی۔ تم نے مسجدوں کو گرجوں میں بدل رکھا ہے اور اذان کے بجائے ناقوس بجاتے ہو اور جمعہ کے بجائے ان لوگوں کے مذہبی اجتماع کرتے ہو۔ حالانکہ خیر اور باقی رہنے والی چیز وہی ہے جو اللہ کے پاس ہے"!

یہ تقریر سن کر جبلہ نے کہا :

" خدا کی قسم میری آرزو ہے کہ اس نبی کے نام پر تمام لوگ ایک ہو جائیں اور اس طرح سارے انسان آسمان وزمین کے خالق کے نام لیوا بن جائیں قیصر نے جنگِ موتہ کے وقت مجھ سے کہا تھا کہ میں اس پیغمبر کے صحابہ سے جنگ کروں مگر میں نے اس کا حکم ماننے سے انکار کر دیا تھا لیکن میں خود اب تک یہ فیصلہ نہیں کر سکا کہ حق کیا ہے اور باطل کیا ہے۔ ہاں اب میں ضرور اس معاملے پر غور کروں گا"!

جبلہ کا اِسلام

بعض علماء نے لکھا ہے کہ وہ اسی وقت مسلمان ہو گیا تھا۔ اس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خط کا جواب بھیجا جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے مسلمان ہو جانے کی اطلاع دی۔ ساتھ ہی اس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے کچھ ہدایا بھی بھیجے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی خلافت کے زمانے تک اسلام پر ثابت قدم رہا۔ بعض علماء نے لکھا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت کے زمانے میں اس نے فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کو ایک خط لکھا جس میں ان کو اپنے اسلام کی خبر دی اور ان کے پاس حاضری کی اجازت چاہی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس بات سے بہت خوش ہوئے اور جبلہ کو حاضر ہونے کی اجازت دی۔

جبلہ کی مدینہ آمد

چنانچہ جبلہ اپنے خاندان کے دوسو پچاس افراد کو ساتھ لے کر روانہ ہوا۔ مدینہ کے

قریب پہنچ کر وہ اپنے ساتھیوں کی طرف متوجہ ہوا اور ان کو گھوڑوں پر سوار ہونے کا حکم دیا پھر اس نے گھوڑوں کی گردنوں میں سونے چاندی کے ہار پہنوائے اور ان پر ریشم و کمخواب کے ساز ڈلوائے۔ خود جبلہ نے اپنا تاج سر پر سجایا۔ اس سج دھج کی وجہ سے ہر جوان اور بوڑھے کی نگاہیں جبلہ اور اس کی شان و شوکت پر جم کر رہ گئیں۔

حضرت عمرؓ کے ساتھ حج

جب جبلہ حضرت عمر فاروقؓ کے پاس پہنچا تو انہوں نے اس کو خوش آمدید کہا اور اسے اپنے قریب بٹھایا۔ پھر فاروقِ اعظمؓ نے بڑی عزت کے ساتھ مدینہ میں اس کے قیام کا انتظام کیا۔ (چونکہ حضرت عمرؓ حج کو جانے والے تھے اس لئے جبلہ بھی ان کے ساتھ حج کے لئے جانے کی نیت سے آیا تھا)۔

جبلہ اور ایک فزاری شخص

حضرت فاروق اعظمؓ حج کے لئے روانہ ہوئے تو جبلہ بھی ان کے ساتھ گیا۔ حرم میں پہنچ کر بیت اللہ شریف کا طواف کر رہا تھا تو ہجوم میں سے اچانک اس کے لباس کا ایک کونہ بنی فزارہ کے ایک شخص کے پاؤں کے نیچے آگیا۔ کپڑا دبنے کی وجہ سے کھنچ کر کھل گیا۔

جبلہ (چونکہ بادشاہ تھا اس لئے اپنی اس توہین پر اس کو غصہ آگیا اور اس) نے اس فزاری شخص کے اتنی زور سے طمانچہ مارا کہ اس کی ناک سے خون جاری ہوگیا اور سامنے کے دانت ٹوٹ گئے۔ ایک قول کے مطابق اس کی آنکھ پھوٹ گئی۔

فاروقی عدالت

اس فزاری شخص نے حضرت فاروق اعظمؓ سے اس ظلم کے خلاف فریاد کی۔ حضرت عمر فاروقؓ نے بادشاہ کو حاضر کرنے کا حکم دیا۔ جبلہ جب آیا تو حضرت فاروق اعظمؓ نے اس سے کہا:

"تم نے اس کی ناک کیوں توڑی؟ یا یوں کہا کہ" تم نے اس کی آنکھ کیوں پھوڑی"؟

جبلہ نے کہا:

" امیرالمومنین! اس نے تو مجھے برہنہ ہی کر دیا تھا۔ اگر بیت اللہ کا احترام میرے پیشِ نظر نہ ہوتا تو تلوار مار کر اس کی گردن ہی اڑا دیتا"

حضرت فاروق اعظمؓ نے فرمایا:

" تم اپنے جرم کا اقرار کر چکے ہو اس لئے یا تو اس شخص کو راضی کر کے بات ختم کراؤ ورنہ میں اس شخص کو تم سے بدلہ دلاؤں گا"!

ایک روایت کے مطابق فاروقِ اعظمؓ نے فیصلہ کن انداز میں فرمایا کہ یا تو یہ شخص تمہیں معاف کر دے ورنہ تم سے بدلہ لیا جائے گا۔

جبلہ نے پوچھا قصاص کی صورت میں آپ میرے ساتھ کیا کریں گے؟

ایک روایت کے مطابق جبلہ نے کہا:

" کیا آپ مجھ سے برابر کا قصاص اور بدلہ لیں گے حالانکہ میں ایک بادشاہ ہوں اور یہ شخص ایک بازاری و معمولی آدمی ہے"

اسلام میں سب برابر ہیں

حضرت فاروق اعظمؓ نے فرمایا:

" اسلام نے تم دونوں کو برابر کر دیا ہے اس لئے اب تمہیں اس پر کوئی فضیلت و برتری حاصل نہیں ہے۔ برتری صرف تقویٰ کے ذریعہ حاصل ہو سکتی ہے"

جبلہ کی سرکشی

اس پر جبلہ نے کہا:

" اگر اس دین میں میں اور یہ برابر ہیں تو میں پھر نصرانیت اختیار کر لوں گا۔ میں تو یہ چاہتا تھا کہ اسلام میں داخل ہونے کے بعد جاہلیت سے بھی زیادہ معزز ہو جاؤں گا"

امیرالمومنین حضرت فاروقِ اعظمؓ نے فرمایا:

"اگر تم نصرانی اور مرتد ہوئے تو پھر میں تمہاری گردن مار دوں گا۔"

جبلہ نے کہا:

"آپ مجھے آج رات تک مہلت دیجئے تاکہ میں اپنے معاملے پر غور کرلوں۔"

جبلہ کا فرار اور ارتداد

فاروق اعظمؓ نے فرمایا کہ یہ بات تمہارے فریق یعنی فزاری شخص پر منحصر ہے۔ اس شخص نے بات سُنتے ہی کہہ دیا کہ امیرالمومنین میں اس کو مہلت دیتا ہوں۔ چنانچہ حضرت عمرؓ نے جبلہ کو اس کی قیام گاہ پر جانے کی اجازت دے دی۔ جبلہ اسی وقت اپنے پڑاؤ پر گیا۔ وہاں پہنچتے ہی وہ اپنے خاندان یعنی بنی اعمام کے ساتھ سوار ہو کر قسطنطنیہ کی طرف فرار ہو گیا۔

جبلہ کا جو جھگڑا اور اختلاف گزشتہ سطروں میں مذکور ہوا ہے اس کے بارے میں ایک قول یہ ہے کہ یہ جھگڑا حضرت عمرؓ کے سامنے نہیں بلکہ ابو عبیدہ بن جراحؓ کے سامنے ہوا تھا (جو اسلامی فوجوں کے سپہ سالار تھے)۔ چنانچہ بعض مورخوں نے لکھا ہے کہ جبلہ اسلام لانے کے بعد حضرت عمرؓ کے زمانہ تک ثابت قدم مسلمان رہا۔

اسی دوران ایک دن وہ دمشق کے بازار میں گزر رہا تھا کہ قبیلہ مزنیہ کے ایک شخص کا پاؤں اس کے پاؤں کے نیچے آ گیا۔ اس مزنی شخص نے ایک دم پلٹ کر جبلہ کے رخسار پر طمانچہ مارا۔ جبلہ نے اس شخص کو فوراً پکڑوا کر اپنی قوم کے کچھ لوگوں کے ساتھ حضرت ابو عبیدہؓ بن جراحؓ کی خدمت میں بھجوایا۔

ان لوگوں نے اس مزنی شخص کو ابو عبیدہؓ کے سامنے پیش کر کے کہا کہ اس نے جبلہ کے منہ پر طمانچہ مارا ہے۔ حضرت ابو عبیدہؓ نے فرمایا، جبلہ بھی اس کے طمانچہ مار دے۔ ان لوگوں نے کہا اتنی سی سزا کو تو جبلہ نہیں مانے گا۔ ابو عبیدہؓ نے فرمایا، ضرور ماننا پڑے گا۔

ان لوگوں نے کہا کہ اس کا ہاتھ کاٹا جانا چاہیئے۔ ابو عبیدہؓ نے فرمایا:
"نہیں! اللہ تعالیٰ نے برابری کے بدلے کا حکم دیا ہے"
جب جبلہ کو حضرت ابو عبیدہؓ کے اس فیصلے کی اطلاع ہوئی تو اس نے کہا:
"کیا تمہارا خیال ہے کہ میں اس شخص کی خاطر اپنے آپ کو ذلیل وخوار کرلوں۔ یہ تو بہت خراب دین ہے"
اس کے بعد وہ مرتد ہو کر نصرانی یعنی عیسائی ہو گیا اور اپنی قوم کے ساتھ فرار ہو کر رومی علاقے میں شہنشاہ ہرقل کے پاس چلا گیا[1]

والانامہ بنام جیفر اور عبد شاہان عمّان

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو والانامے ارسال فرمائے تھے ان میں عمّان کے دو بادشاہ جیفر اور عبد کے نام بھی والانامہ تحریر فرمایا تھا۔
یہ دونوں بھائی قبیلہ ازد سے تعلق رکھتے تھے اور دونوں جلندی کے بیٹے تھے۔
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے والانامہ لکھوایا جس کی کتابت کا شرف حضرت اُبی بن کعبؓ کو ملا۔ آپؐ نے مُہر لگا کر حضرت عمرو بن عاصؓ کے حوالے فرما دیا تاکہ وہ والانامہ لے جاکر دونوں بھائیوں کو پیش کردیں۔ والانامہ کی عبارت یہ ہے:

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

"من محمّد بن عبد اللہ الی جیفر وعبد ابنی الجلندی سلام علی من اتبع الھدی۔ اما بعد"!
"فانی اُدعوکما بدعایۃ الاسلام۔ اسلما تسلما۔ فانی رسول اللہ الی الناس کافۃ۔ لانذر من کان حیًّا ویحق القول علی الکافرین۔ وانکما ان اقررتما بالاسلام وَلَّیْتُکُمَا۔ وان ابیتما ان تقرا بالاسلام فان ملککما زائل عنکما وخیلی

[1] السیرۃ الحلبیہ

تحل بساحتکما وتظھر نبوتی علی ملککما"

وکتب ابی بن کعب وختم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الکتاب"

ترجمہ: شروع اللہ کے نام سے جو رحمٰن و رحیم ہے

"یہ کتاب ہے محمدؐ بن عبداللہ کی طرف سے جیفر اور عبد کی طرف جو جلندی کے بیٹے ہیں۔ سلام ہو اس پر جو ہدایت کا اتباع کرے"

"امابعد! میں تم دونوں کو اسلام کی دعوت دیتا ہوں تم دونوں اسلام قبول کرلو۔ باسلامت رہو گے۔ میں اللہ کا رسول ہوں سارے انسانوں کی طرف تاکہ اس کو ڈراؤں جو زندہ ہو اور تاکہ کافروں پر حجت پوری ہو جائے۔ اگر تم نے اسلام کا اقرار کرلیا تو میں تمہیں تمہارے منصب پر باقی رکھوں گا اور اگر تم نے اسلام کا اقرار کرنے سے انکار کر دیا تو تمہارے ہاتھ سے تمہارا ملک نکل جائے گا اور میرے گھوڑے تمہارے میدان میں اُتر جائیں گے اور تمہارے ملک کے رہنے والوں پر میری نبوّت ظاہر ہو جائے گی"

حضرت عمرو بن عاصؓ نے بیان فرمایا کہ میں والانامہ لے کر عمان پہنچا میں نے دونوں بھائیوں میں سے پہلے عبد کے پاس پہنچنے کا ارادہ کیا یہ دونوں میں زیادہ عقلمند تھا اور خصلت عادت کے اعتبار سے نرم تھا۔ میں نے اس سے کہا کہ میں رسول اللہ کا قاصد ہوں انہوں نے مجھے تیری طرف اور تیرے بھائی کی طرف بھیجا ہے۔ کہنے لگا میرا بھائی عمر میں مجھ سے بھی بڑا ہے اور بادشاہت کے اعتبار سے بھی مجھ سے زیادہ با اختیار ہے۔ میں خط اس کے پاس پہنچا دیتا ہوں تاکہ وہ تمہارا لایا ہوا خط پڑھ لے پھر اس نے مجھ سے دریافت کیا کہ تم کس بات کی دعوت دیتے ہو۔ میں نے کہا کہ اس بات کی دعوت دیتا ہوں کہ صرف اللہ کی عبادت کرو جو وحدہٗ لاشریک ہے اور اللہ کے سوا ہر معبود کو چھوڑ دو اور یہ گواہی دو کہ محمدؐ صلی اللہ علیہ وسلم اس کے بندے اور رسول ہیں۔

عبد نے دریافت کیا کہ اے عمرو! تم اپنی قوم کے سردار کے بیٹے ہو تمہارے باپ نے کیا طریقہ اختیار کیا میں نے کہا اس کی موت ہو گئی اور وہ محمدؐ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان نہیں

لایا۔ میں چاہتا ہوں کہ کاش وہ ایمان لے آتا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق کرتا میں بھی اسی کے طریقہ پر تھا حتیٰ کہ اللہ تعالٰے نے مجھے اسلام کی ہدایت دے دی۔ اس نے سوال کیا کہ تم نے کب اسلام قبول کیا؟ میں نے کہا کچھ ہی عرصہ گذرا۔ کہنے لگا تم نے کہاں اسلام قبول کیا؟ میں نے کہا کہ میں نے شاہِ حبشہ نجاشی کے پاس اسلام قبول کیا اور خود نجاشی نے بھی اسلام قبول کیا۔ کہنے لگا کہ نجاشی کی قوم نے اس کے ساتھ کیا معاملہ کیا؟ کیا اسے بادشاہت پر باقی رکھا میں نے کہا ہاں اسے انہوں نے بادشاہت پر قائم رکھا اور اس کی اتباع بھی کی کہنے لگا اچھا جو پادری تھے اور راہب تھے انہوں نے کیا رویہ اختیار کیا؟ کیا انہوں نے بھی نجاشی کا اتباع کر لیا؟ میں نے کہا ہاں۔

کہنے لگا اے عمرو! تم کیا کہہ رہے ہو دیکھو جھوٹ سے بڑھ کر کوئی خصلت ایسی نہیں ہے جو انسان کو زیادہ رسوا کر دے۔ میں نے کہا میں نے جھوٹ نہیں بولا اور نہ ہم جھوٹ کو اپنے دین میں حلال سمجھتے ہیں۔ پھر اس نے کہا کہ میرے خیال میں ہرقل کو نجاشی کے اسلام قبول کرنے کا علم نہیں ہوا۔ میں نے کہا ضرور علم ہوا۔ کہنے لگا تمہیں کیسے علم ہوا۔ میں نے کہا نجاشی اسے خراج دیتا تھا۔ جب اس نے اسلام قبول کر لیا تو خراج دینے سے انکار کر دیا اور کہا کہ اللہ کی قسم ایک درہم بھی مانگے گا تو نہیں دوں گا۔ ہرقل کو اس کی یہ بات پہنچی تو ہرقل کے بھائی نے اس سے کہا کیا تو اپنے غلام کو اسی حال میں چھوڑ دے گا کہ وہ تجھے ذرا بھی خراج نہ دے اور نیا دین اختیار کر کے بیٹھ جائے۔ ہرقل نے کہا کہ میں کیا کر سکتا ہوں ایک شخص نے ایک دین اپنے لئے اختیار کر لیا۔ اللہ کی قسم اگر مجھے ملک کے چلے جانے کا خیال نہ ہوتا تو میں بھی ایسا ہی کرتا جیسا نجاشی نے کیا۔

پھر عبد نے کہا اے عمرو! سچ بولو غور کر لو تم کیا کہہ رہے ہو۔ میں نے کہا اللہ کی قسم میں سچ بیان کرتا ہوں۔ عبد نے کہا اچھا بتاؤ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کن باتوں کا حکم دیتے ہیں اور کن باتوں سے روکتے ہیں میں نے کہا وہ اللہ تعالٰے کی فرمانبرداری کا حکم دیتے ہیں اور اللہ تعالٰے کی نافرمانی سے منع فرماتے ہیں۔ نیکی کا، صلہ رحمی کا حکم دیتے ہیں۔ ظلم اور زیادتی سے، زنا سے اور شراب پینے سے اور پتھروں اور بتوں اور صلیب کی عبادت سے منع کرتے ہیں۔ عبد نے یہ باتیں سُن کر کہا کہ یہ باتیں تو بہت ہی اچھی ہیں جن کی وہ

تجھے تیری قوم پر حاکم بنا کر رکھیں گے اور تجھ پر گھوڑوں سے اور لشکر سے حملہ نہیں کریں گے۔ کہنے لگا آج تو مجھے چھوڑ دو کل میرے پاس آنا۔ پھر میں اس کے بھائی کے پاس گیا اس کے بھائی نے کہا کہ اے عمرو! میں امید کرتا ہوں کہ وہ اسلام قبول کرلے گا بشرطیکہ ملک ہاتھ سے جانے کا خیال نہ ہو۔ میں پھر کل کو اس کے پاس گیا تو اس نے ملاقات کی اجازت نہ دی۔ پھر میں اس کے بھائی کے پاس گیا اور اسے بتا دیا کہ میں اس تک نہیں پہنچ سکا اس نے کہا کہ میں نے تمہاری دعوت کے بارے میں غور کیا میں عربوں میں سب سے زیادہ ضعیف ہوں جو کچھ میرے قبضہ میں ہے اس کا مالک اگر کسی دوسرے شخص کو بنا دوں تو تمہارے نبی کے گھوڑے یہاں تک نہیں پہنچ سکتے اور اگر ان کے گھوڑے پہنچ بھی گئے تو ایسی جنگ کروں گا جس کا کوئی جواب نہیں۔

حضرت عمرو بن عاصؓ نے مزید فرمایا میں نے کہا کہ میں کل کو جانے والا ہوں۔ جب میرے جانے کا یقین ہو گیا تو اپنے بھائی کے ساتھ تنہائی میں بات کی کہ دیکھو ہمارے علاوہ جن لوگوں کو خطوط لکھے ہیں ان سب نے ان کی بات مان لی ہے لہٰذا دونوں بھائیوں نے مجھے بلایا اور دونوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق کی اور انہوں نے بتایا کہ جو صدقات لینے کا حکم ہے اس پر عمل کرو اور تحصیل صدقات کے سلسلہ میں وہ دونوں میری اعانت بھی کرتے تھے۔ (عیون الاثر ج ۲ ص ۳۵۳)

والا نامہ بنام حارث ابن ابی شمر غسّانی

حارث ابن ابی شمر غسّانی شام کے بعض علاقوں کا بادشاہ تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو بھی دعوتِ اسلام کا والا نامہ تحریر فرمایا تھا جس کی عبارت یہ ہے:

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

"من محمّد رسول الله الى الحارث ابن ابی شمر سلام علی من اتبع الهدیٰ و آمن به وصدق، و انی ادعوك الی

دعوت دیتے ہیں اگر میرا بھائی میری بات مان لیتا تو ہم دونوں سفر کر کے جاتے محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لاتے اور ان کی تصدیق کرتے لیکن میں سمجھتا ہوں کہ میرا بھائی اپنے ملک کو نہیں چھوڑ سکتا۔

میں نے کہا اگر وہ اسلام لے آئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اسے قوم کی بادشاہت پر برقرار رکھیں گے اور اس علاقہ کے اغنیاء سے صدقہ لے کر فقراء میں تقسیم فرما دیں گے۔ عبد نے کہا یہ تو اچھی بات ہے پھر اس نے سوال کیا۔ صدقہ کیا ہے؟ تو میں نے اموال اور مواشی کے مقررہ صدقات کی تفصیل بتا دی۔ اس کے بعد وہ کہنے لگا۔ اللہ کی قسم میری سمجھ میں تو یہی آتا ہے کہ میری قوم اگرچہ دور رہتی ہے اور ان کی تعداد بھی بہت ہے وہ سب ان باتوں کی فرماں برداری کر لیں گے۔

حضرت عمرو بن عاصؓ نے بیان کیا کہ میں چند دن وہاں مقیم رہا اور عبد اپنے بھائی جیفر کو میری باتیں پہنچاتا رہا۔ پھر ایک دن مجھے بلایا اور کہنے لگا تم کس ضرورت سے آئے ہو، میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا والا نامہ اس کو دے دیا، اس نے مہر کو علیحدہ کیا اور پھر والا نامہ کو اخیر تک پڑھ لیا پھر اپنے بھائی کو دے دیا۔ اس نے بھی پڑھ لیا مجھے اندازہ ہوا کہ اس کا بھائی اس سے زیادہ رقیق القلب ہے پھر اس نے سوال کیا کہ تمہارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ قریش کا کیا معاملہ ہوا۔ میں نے کہا انہوں نے ان کا اتباع کر لیا۔ کسی نے تو دینِ حق میں رغبت کرتے ہوئے قبول کیا اور کسی نے تلوار سے مجبور ہو کر۔ کہنے لگا تمہارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کون لوگ ہیں میں نے جواب میں کہا وہ لوگ ہیں جنہوں نے اسلام میں رغبت کی اور اسلام کو دوسرے دینوں کے مقابلہ میں اختیار کیا اور اپنی عقلوں سے پہچان لیا کہ اب ہم ہدایت پر ہیں اس سے پہلے گمراہی میں تھے۔

حضرت عمرو بن عاصؓ فرماتے ہیں میں نے اس سے یہ بھی کہا کہ دیکھ تیرے اس علاقہ میں کوئی باقی نہیں رہا جس نے اس دین کو قبول نہ کیا ہو اور اگر تُو نے آج اسلام قبول نہ کیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھوڑے تجھے روند ڈالیں گے اور تیری زمین کی سرسبزی کو برباد کریں گے تُو اسلام قبول کر لے۔ باسلامت رہے گا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

ان تؤمن باللہ وحدہ لاشریک لہٗ و یبقی لک ملکک ۔"

ترجمہ : یہ مکتوب ہے محمدؐ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے حارث ابن ابی شمر کے نام، سلام ہو اس پر جو ہدایت کا اتباع کرے اور اس پر ایمان لائے اور تصدیق کرے اور بے شک میں تجھے اسی بات کی دعوت دیتا ہوں کہ تو اللہ تعالےٰ وحدہ لاشریک پر ایمان لائے تیرا ملک باقی رہے گا ۔"

آپ نے والا نامہ شجاع بن وہبؓ کے حوالے کیا وہ مدینہ منورہ سے والا نامہ لے کر روانہ ہوئے ۔

انہوں نے بیان کیا کہ جب میں اس کے دربان کے پاس پہنچا تو معلوم ہوا کہ وہ آج کل قیصر کی مہمانداری کی تیاریوں میں لگا ہوا ہے۔ قیصر اس وقت اپنے پایۂ تخت حمص سے ایلیاء یعنی بیت المقدس آیا ہوا تھا۔ میں اس کے دروازہ پر دو تین دن رہا پھر میں نے دربان سے کہا کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا سفیر ہوں اس کے نام خط لے کر آیا ہوں۔ دربان نے کہا وہ فلاں دن باہر نکلے گا۔ اس دن ملاقات کر لینا۔ اس سے پہلے ملاقات نہیں ہو سکتی ۔

حضرت شجاع ابن وہبؓ نے مزید بیان کیا کہ یہ دربان رومی تھا اس کا نام مری تھا وہ مجھ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی اور آپؐ کی دعوت دینی کے بارے میں دریافت کرتا رہتا تھا۔ میں اس سے بیان کرتا تھا تو وہ رو پڑتا تھا اور کہتا تھا کہ میں نے انجیل میں جس ایک نبی کے آنے کی خبر پڑھی ہے ۔ وہ یہی نبی ہیں جن کا تم ذکر کرتے ہو میرا خیال تھا کہ وہ شام میں ظاہر ہوں گے۔ اب دیکھ رہا ہوں کہ ببول والی زمین میں اس کا ظہور ہوا ہے (ببول والی زمین سے حجاز کی سرزمین مراد ہے) میں ان پر ایمان لاتا ہوں اور ان کی تصدیق کرتا ہوں۔ میں اسلام ظاہر نہیں کرتا کیونکہ حارث ابن ابی شمر مجھے قتل کر دے گا ۔

حضرت شجاع ابن وہبؓ نے بیان کیا کہ یہ دربان جس نے اسلام قبول کر لیا تھا برابر میرا اکرام کرتا رہا اور عمدہ طریقے پر ضیافت کرتا رہا اور اس نے مجھے یہ بھی بتایا کہ حارث کے اسلام قبول کرنے سے ناامید ہو جاؤ اور ساتھ ہی اس نے یہ بھی بتایا ہے کہ حارث قیصر سے ڈرتا ہے ۔

حضرت شجاعؓ نے بیان کیا کہ ایک دن حارث عام دربار میں آیا اور بیٹھ گیا۔ اپنے سر پر تاج رکھا اور مجھے بلایا۔ میں اندر گیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا والا نامہ اسے دے دیا۔ اس نے پڑھ کر پھینک دیا اور کہنے لگا کہ وہ کون ہے جو مجھ سے میرا ملک چھیننا چاہتا ہے میں خود اس کی طرف روانہ ہوتا ہوں اگر میں یمن میں ہوتا تو اس کے پاس پہنچ چکا ہوتا۔ ان لوگوں کو میرے پاس حاضر کرو۔ رات ہونے تک وہ بیٹھا رہا اور ایسی ہی باتیں کرتا رہا اور اس نے حکم دیا کہ گھوڑوں کے نالے لگائے جائیں اور مجھ سے کہا کہ جن صاحب نے تمہیں سفیر بنا کر بھیجا ہے ان کو یہ سب حال بتا دینا ساتھ ہی اس نے قیصر کو خط لکھا جس میں بتا دیا کہ میں اس کے پاس پہنچا ہوا ہوں پھر ایلیا میں قیصر کو اس کا خط مل گیا۔ اس وقت وہاں حضرت دحیہ کلبیؓ موجود تھے جنہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قیصر کے پاس اپنا والا نامہ دے کر بھیجا تھا۔ قیصر نے جب حارث ابن ابی شمر کا خط پڑھا جس میں اس نے اپنا لشکر لے کر جنگ کرنے کا ارادہ ظاہر کیا تھا تو حارث کو لکھا کہ تو ایسا نہ کر اور ان کی طرف سے بے توجہی اختیار کر لے اور مجھ سے ایلیا میں ملاقات کر۔

حضرت شجاعؓ نے فرمایا کہ پھر مجھے بلا کر کہا کہ تم کب واپس ہونا چاہتے ہو۔ میں نے کہا کہ کل کو روانہ ہو جاؤں گا۔ اس نے میرے لئے سو مثقال سونا پیش کرنے کا حکم دیا اور مُری (رومی دربان) نے بھی مجھے خرچہ دیا اور کپڑے دیئے اور کہا کہ رسول اللہ علیہ وسلم کو میرا سلام کہہ دینا اور بتا دینا کہ میں نے آپ کے دین کا اتباع کر لیا۔ میں شام سے روانہ ہوا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر صورت حال بیان کی۔ آپؐ نے فرمایا: باد ملکہ (اس کا ملک ہلاک ہو گیا) اور میں نے مُری دربان کا سلام آپؐ کو پہنچا دیا اور اس کی بات بتا دی۔ آپؐ نے فرمایا: اس نے سچ کہا [1]

والا نامہ بنام ہوذہ بن علی الحنفی

ہوذہ بن علی قبیلہ بنی حنیفہ سے تعلق رکھتا تھا اور علاقہ یمامہ کا صاحبِ اقتدار تھا۔

---

[1] عیون الاثر ج ۲ ص ۳۵۶

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے نام بھی والا نامہ تحریر فرمایا اور مہر لگا کر حضرت سلیط بن عمرو عامریؓ کے ذریعہ ارسال فرمایا۔ والا نامے کی عبارت یہ ہے :

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

"من محمد رسول الله الىٰ هوذة بن علی سلام علىٰ من اتبع الهدی واعلم ان دینی سیظهر الىٰ منتهی الخف والحافر فاسلم تسلم واجعل لک ما تحت یدیك"

ترجمہ : شروع اللہ کے نام سے جو رحمٰن و رحیم ہے

"یہ مکتوب محمدؐ رسول اللہ کی طرف سے ہوذہ بن علی کے نام ہے۔ سلام ہو اس پر جو ہدایت کا اتباع کرے۔ تو جان لے کہ میرا دین وہاں تک پہنچے گا جہاں تک اونٹوں کے پاؤں اور گھوڑوں کے کھُر پہنچتے ہیں۔ (یعنی ہر برِ اعظم میں پہنچ جائے گا) تو اسلام قبول کر لے۔ باسلامت رہے گا اور جو ملک تیرے قبضے میں ہیں میں اس پر تجھے برقرار رکھوں گا۔"

حضرت سلیطؓ نے ہوذہ کو والا نامہ بھی پہنچایا اور اس سے خطاب بھی فرمایا۔

"اے ہوذہ! تجھے پرانی ہڈیوں نے اور دوزخی روحوں یعنی کسریٰ نے سرداری دی ہے (کیونکہ کسریٰ نے اس کو مقرر کیا تھا) دراصل سردار وہ ہے جو ایمان سے بہرہ ور ہو اور پھر تقویٰ و پرہیزگاری سے آراستہ ہو۔ قوم تمہارے ذریعہ خوش بختی سے بہرہ ور ہو سکتی ہے لہٰذا تم اسے بدبختی میں نہ ڈالو۔ میں تجھے ایک بہترین چیز کا حکم دیتا ہوں اور ایک بدترین چیز سے روکتا ہوں یعنی اللہ تعالےٰ کی عبادت کا حکم دیتا ہوں اور شیطان کی عبادت سے روکتا ہوں کیونکہ اللہ تعالےٰ کی عبادت کا صلہ جنّت ہے اور شیطان کی عبادت کا صلہ جہنّم ہے۔ اگر تو نے میری یہ بات قبول کر لی تو تیری آرزوئیں پوری ہوں گی اور تو ہر خوف سے نجات پا جائے گا۔ لیکن اگر تو نے انکار کر دیا تو موت کا ہولناک و ہیبت ناک منظر ہمارے اور تیرے درمیان سے اس پردے کو اٹھا دے گا۔"

ہوذہ بادشاہ نے یہ تقریر سُن کر کہا:

"اے سلیط! مجھے اس نے سردار بنایا ہے جو اگر تجھے سردار بنا دیتا تو تُو بھی اسے باعزت سمجھتا۔ میں ایک ذی رائے آدمی ہوں اور معاملات کو سمجھنے کا شعور رکھتا ہوں مگر اس وقت میری کچھ بھی سمجھ میں نہیں آ رہا ہے اس لئے مجھے کچھ مہلت دو تاکہ میں فکری توانائی کو آواز دے سکوں۔ اس کے بعد انشاء اللہ تمہیں جواب دوں گا"

حضرت سلیطؓ کو ہوذہ نے عزّت سے مہمان بنایا۔ پھر والا نامہ پڑھا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لکھا:

"ما احسن ماتدعو الیہ واجملہ وانا شاعر قومی وخطیبھم والعرب تھاب مکانی فاجعل الی بعض الامر اتبعك"

ترجمہ: "جس بات کی طرف آپ دعوت دے رہے ہیں وہ بہت ہی اچھی اور بہت ہی عمدہ بات ہے۔ میں اپنی قوم کا شاعر اور خطیب ہوں عرب میرے مرتبہ اور مقام سے ہیبت کھاتے ہیں۔ آپ میرے لئے اپنے اقتدار میں کچھ حصّہ کر دیں میں آپ کا اتباع کر لوں گا"

اس کے بعد حضرت سلیط بن عمروؓ کو رخصت کیا اور ہدایا پیش کئے اور ہجر کے کپڑے پہننے کے لئے دیئے۔ (اس زمانہ میں ہجر ایک مشہور بستی تھی جہاں کے بنے ہوئے کپڑے بہت اچھے سمجھے جاتے تھے)۔

حضرت سلیطؓ خدمتِ عالی میں واپس آ گئے اور ہوذہ کا خط پیش کر دیا۔ آپؐ نے اس کا خط پڑھا اور فرمایا کہ اگر اس نے مجھ سے زمین کا ذرا سا حصّہ طلب کیا ہے خواہ کھجور کے برابر ہو۔ پھر فرمایا:

"باد وباد ما فی یدیہ"

ترجمہ: "وہ ہلاک ہوا اور ہلاک ہوا جو کچھ اس کے قبضہ میں ہے"

اس کے بعد جب آپؐ فتح مکہ سے واپس ہوئے تو حضرت جبرائیلؑ تشریف لائے اور

آپ کو خبر دی کہ ہوذہ مرگیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس وقت پیشگوئی فرمائی تھی کہ یمامہ کے علاقہ سے ایک جھوٹا ظاہر ہوگا جو نبوّت کا دعویٰ کرے گا اور مقتول ہوگا۔

واقدی نے لکھا ہے کہ حضرت سلیط رضی ہوذہ کے پاس پہنچے تو اس وقت ارکون نامی ایک شخص جو نصاریٰ کے بڑے پادریوں میں سے تھا ہوذہ کے پاس موجود تھا۔ ہوذہ نے ارکون سے کہا کہ میرے پاس یہ خط آیا ہے جس میں مجھے اسلام قبول کرنے کی دعوت دی ہے۔ میں نے قبول نہیں کی۔ ارکون نے کہا تم کیوں قبول نہیں کرتے؟ کہنے لگا میں اپنی قوم کا بادشاہ ہوں مجھے ڈر ہے کہ اگر صاحبِ مکتوب کا اتباع کرلوں تو میری حکومت جاتی رہے گی۔ ارکون نے کہا ایسا نہیں ہے۔ اللہ کی قسم اگر تو ان کا اتباع کرے گا تو تیری حکومت برقرار رکھیں گے اور تیری بھلائی اسی میں ہے کہ تُو ان کا اتباع کرلے اور میں یقین سے کہتا ہوں کہ یہ وہی نبی عربی ہیں جن کی حضرت عیسیٰؑ بن مریم نے بشارت دی تھی اور جس کا نام نامی اسم گرامی محمدؐ رسول اللہ ابھی تک ہمارے پاس انجیل میں لکھا ہوا موجود ہے۔

ارکون کی اس تائید و تصدیق کے باوجود ہوذہ نے اسلام قبول نہ کیا۔[1]

البدایہ والنہایہ میں لکھا ہے کہ شجاع ابن وہب رضی کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منذر ابن الحارث ابن ابی شمر غسانی کے پاس والانامہ دے کر بھیجا تھا۔[2] جیسا کہ حارث کے تذکرہ میں گزر چکا ہے۔ ممکن ہے شخص واحد کو دو شخصیتوں کے پاس بیک وقت یا مختلف اوقات میں بھیجا ہو۔

والانامہ بنام اہلِ نجران

حافظ ابن القیم نے یونس نامی ایک شخص سے نقل کیا ہے۔ جس کے بارے میں لکھا ہے کہ وہ نصرانی تھا۔ (بعد میں مسلمان ہوگیا) کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اہلِ نجران کی طرف مندرجہ ذیل الفاظ میں گرامی نامہ ارسال فرمایا:

---

[1] عیون الاثر ج ۲ ص ۳۵۵ [2] البدایہ ج ۴ ص ۲۶۸

"باسم الٰہ ابراھیم و اسحاق و یعقوب أما بعد ! فانی أدعوکم الی عبادة اللّٰہ من عبادة العباد و أدعوکم الی ولایة اللّٰہ من ولایة العباد فان ابیتم فالجزیہ فان ابیتم فقد اذنتکم بحرب. والسّلام"

ترجمہ: یہ خط شروع ہے ابراہیم و اسحاق اور یعقوب کے معبود کے نام سے۔ میں تم لوگوں کو بندوں کی عبادت سے نکال کر اللہ کی عبادت کی دعوت دیتا ہوں، ـــــــــــ بندوں کا تقرب حاصل کرنے کے بجائے اللہ کا تقرب حاصل کرنے کی دعوت دیتا ہوں۔ اگر تم انکار کرتے ہو تو جزیہ دو اور اگر اس سے بھی انکاری ہو تو جنگ کا اعلان کرتا ہوں" والسلام!

جب یہ والانامہ نصاریٰ کے ایک پادری کے پاس پہنچا تو اس نے اسے پڑھ لیا اور وہ سخت گھبراہٹ میں پڑ گیا۔ اس نے اہل نجران میں سے ایک شخص کو بلوایا جو ہمدانی تھا اور اس کا نام شرحبیل ابن وداعۃ تھا۔ پادری نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا والانامہ اس کو دے دیا۔ جب اس نے پڑھ لیا تو پادری نے کہا: اے ابومریم! تمہاری کیا رائے ہے؟ شرحبیل نے کہا کہ یہ تو تجھے معلوم ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السّلام سے وعدہ فرمایا تھا کہ اسمٰعیل علیہ السلام کی ذریت میں بھی ایک نبی ہوگا۔ میری سمجھ میں آتا ہے کہ یہ وہی شخص ہے۔ نبوّت (کی علامات اور لوازم) کے بارے میں مجھے علم نہیں ہے۔ اگر کوئی دنیاوی بات ہوتی تو میں اس کے بارے میں کوئی مشورہ دے دیتا اور خوب غور و فکر کے بعد کوئی پختہ رائے ظاہر کرتا۔ پادری نے اس شخص کو ہٹا دیا۔

اس کے بعد علی الترتیب دو آدمی اور بلائے۔ انہوں نے بھی اُسی قسم کا جواب دیا جو شرحبیل نے دیا تھا۔ اس کے بعد اس پادری نے نصرانی مذہب کے ماننے والوں کو جمع کیا۔ جن کی آبادی تہتّر بستیوں پر مشتمل تھی اور ان میں گیارہ سو بیس جنگیں لڑنے والے افراد تھے جب یہ لوگ جمع ہو گئے تو انہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا والانامہ سُنایا۔

اُن لوگوں نے رائے دی کہ تین آدمیوں کو مدینہ منوّرہ بھیجا جائے۔ یہ لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خبر لے کر آئیں۔ تین شخصوں کے نام یہ ہیں۔

۱۔ شرجیل بن وداعہ الہمدانی ۲۔ عبداللہ بن شرجیل ۳۔ جبار بن قیس

یہ لوگ مدینہ منورہ پہنچے اور سفر کے کپڑے اتار کر بڑے عمدہ عمدہ کپڑوں سے ملبوس ہو کر اور سونے کی انگوٹھیاں پہن کر خدمتِ عالی میں حاضر ہوئے۔ سلام کیا۔ آپؐ نے جواب نہیں دیا۔ بات کرنی چاہی تو آپؐ نے دن بھر ان سے کوئی بات نہیں کی۔ یہ لوگ حضرت عثمان بن عفانؓ اور عبدالرحمٰن بن عوفؓ کے پاس پہنچے۔ ان دونوں حضرات سے تجارتی معاملات کی وجہ سے جان پہچان تھی۔ ان دونوں سے عرض کیا کہ ہم خدمتِ عالی میں حاضر ہوئے تھے۔ آپؐ نے ہمارے سلام کا جواب نہیں دیا۔ ہم نے بات کرنی چاہی آپؐ نے دن بھر ہم سے بات کرنا گوارا نہیں کیا۔ اب آپؐ کی کیا رائے ہے۔ کیا ہم واپس چلے جائیں؟

حضرت عثمان غنیؓ نے حضرت علیؓ سے مشورہ لیا کہ ابوالحسن! آپ کی کیا رائے ہے؟ انہوں نے فرمایا: میرے خیال میں یہ بات آئی ہے کہ یہ لوگ اپنے قیمتی جوڑے اتار دیں اور انگوٹھیاں بھی رکھ دیں اور سفر کے کپڑے پہن لیں پھر آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوں۔

نجران کا جو وفد آیا تھا اس نے ایسا ہی کیا۔ پھر خدمت عالی میں حاضر ہوئے اور آپؐ کو سلام کیا تو آپؐ نے سلام کا جواب دیا۔

ان لوگوں نے عرض کیا کہ ہم نصاریٰ ہیں اپنی قوم کی طرف واپس ہوں گے۔ آپ عیسیٰؑ کے بارے میں کیا ارشاد فرماتے ہیں۔ اگر آپ نبی ہیں تو ہمیں بتا دیجئے۔

آپؐ نے فرمایا:

"اس بارے میں آج میرے پاس کوئی جواب نہیں ہے۔ تم میرے پاس قیام کرو۔ مجھے ان کے بارے میں علم دے دیا جائے گا تو میں بتا دوں گا"۔

ان لوگوں نے کل تک قیام کیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ آیات نازل ہو گئیں۔

"اِنَّ مَثَلَ عِیْسٰی عِنْدَ اللّٰهِ كَمَثَلِ اٰدَمَ خَلَقَهٗ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ قَالَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ۝ اَلْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ فَلَا تَكُنْ

مِّنَ الْمُمْتَرِیْنَ ۔ فَمَنْ حَاجَّكَ فِیْهِ مِنْ بَعْدِ مَا جَآءَكَ
مِنَ الْعِلْمِ فَقُلْ تَعَالَوْا نَدْعُ اَبْنَآءَنَا وَاَبْنَآءَكُمْ وَنِسَآءَنَا
وَنِسَآءَكُمْ وَاَنْفُسَنَا وَاَنْفُسَكُمْ ثُمَّ نَبْتَهِلْ فَنَجْعَلْ
لَّعْنَتَ اللّٰهِ عَلَى الْكٰذِبِیْنَ ۔" (۳ : ۶۱)

ترجمہ: "بلاشبہ اللہ کے نزدیک عیسٰی کی مثال ایسی ہے جیسے آدم کی مثال۔ پیدا فرمایا ان کو مٹی سے۔ پھر اُن سے فرما دیا ہو جا۔ بس اُن کی پیدائش ہو گئی۔ حق ہے آپ کے رب کی طرف سے سو آپ شک کرنے والوں میں سے نہ ہو جائیں۔ سو جو شخص اُن کے بارے میں آپ سے جھگڑا کرے اس کے بعد کہ آپ کے پاس علم آگیا ہے تو آپ فرما دیجئے کہ آجاؤ ہم بلالیں اپنے بیٹوں کو اور تم بلالو اپنے بیٹوں کو اور ہم بلالیں اپنی عورتوں کو اور تم بلالو اپنی عورتوں کو اور ہم حاضر کردیں اپنی جانوں کو اور تم بھی حاضر ہو جاؤ اپنی جانوں کو لے کر پھر ہم سب مل کر خوب سچے دل سے اللہ سے دُعا کریں اور لعنت بھیج دیں جھوٹوں پر۔"

سیدنا حضرت عیسٰی علیہ السّلام کی پیدائش جو بغیر باپ کے ہوئی اُس پر یہودیوں نے شک کیا اور حضرت مریم علیہا السّلام پر تہمت لگائی اور آج بھی قرآن کے منکرین اسی لکیر کو پیٹ رہے ہیں ان کی سمجھ میں یہ نہیں آتا کہ بلا باپ کے مریم بتول کے ہاں لڑکا کیسے پیدا ہو گیا؟ اللہ جلّ شانہٗ نے ان سب کے استعجاب اور استبعاد کا جواب دے دیا اور فرمایا:

"اِنَّ مَثَلَ عِیْسٰی عِنْدَ اللّٰهِ كَمَثَلِ اٰدَمَ" (الآیۃ)

ترجمہ: "اللہ تعالےٰ کے نزدیک حضرت عیسٰی کی پیدائش ایسی ہی ہے جیسے آدم کو پیدا فرما دیا۔"

آدم کا پتلا بنایا۔ پھر اُس میں روح پھونک دی۔ بس باذن اللہ بغیر باپ کے ایک جیتی جاگتی مخلوق وجود میں آگئی۔ بغیر ماں باپ کے جو چیز پیدا ہو گئی اس پر تو کوئی تعجب نہیں اور جو صرف ماں سے بغیر باپ کے پیدا ہوا اس پر تعجب ہے اور انکار پر

انکار کر رہے ہیں۔ اللہ تعالےٰ کی قدرتِ کاملہ ہے اس نے ابوالبشر کو بغیر ماں باپ کے پیدا فرمایا اور پھر ابوالبشر کا جوڑا یعنی حضرت حوّا کو انہی کے جسم سے پیدا فرمادیا "خَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا" اور حضرت عیسیٰ کو بغیر باپ کے پیدا فرمادیا۔

اللہ جل شانہٗ نے انسانوں کی عام تخلیق کا سبب والدین کے ملاپ کو بنا دیا ہے اور یہ سلسلہ سب کے سامنے ہے۔ عادۃ مستمرہ ہے اس لئے اس میں کسی کو تعجب نہیں اور ایک جان جو بغیر ماں باپ کے پیدا فرمائی اور ایک جان کو بغیر ماں کے اور ایک جان کو بغیر باپ کے پیدا فرمایا ان سب میں اس کی قدرت کے مظاہرے ہیں جو ذات پاک بغیر ماں باپ کے پیدا فرمائے اس کو اس پر بھی قدرت ہے کہ بغیر باپ کے پیدا فرما دے۔ قرآن و حدیث کی تصریحات ہوتے ہوتے حضرت عیسیٰؑ کی پیدائش بلا باپ کا انکار کرکے کفر اختیار کرنے والوں کو تنبیہ فرمائی کہ حضرت عیسیٰ کی پیدائش حضرت آدم کی طرح سے ہے۔

اسباب النزول ص ۹۸ میں لکھا ہے کہ نجران کے نصاریٰ کا ایک وفد آیا۔ اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ کیا بات ہے آپ ہمارے صاحب (یعنی جن کو ہم مانتے ہیں) بُرا کہتے ہیں۔ آپ نے فرمایا "میں کیا کہتا ہوں"؟ کہنے لگے آپ کہتے ہیں کہ وہ ایک بندہ ہے۔ آپ نے فرمایا: "ہاں وہ اللہ کے بندے اور رسول ہیں اور وہ اللہ کا کلمہ ہیں جسے کنواری عورت بتول کی طرف ڈالا"۔ یہ سُن کر وہ لوگ غصہ ہوگئے اور کہنے لگے، کیا کوئی انسان کبھی بغیر باپ کے پیدا ہوا ہے۔ ہمیں کوئی شخص ایسا دکھاؤ جو بغیر باپ کے پیدا ہوا ہو۔ اس پر اللہ تعالےٰ نے آیت "اِنَّ مَثَلَ عِیْسٰی عِنْدَ اللّٰہِ کَمَثَلِ اٰدَمَ" نازل فرمائی۔

حضرت حسنؓ سے منقول ہے نجران کے دو راہب نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ نے ان پر اسلام پیش فرمایا۔ انہوں نے کہا کہ ہم تو آپ سے پہلے مسلم ہیں۔ آپ نے فرمایا: "تم دونوں جھوٹے ہو۔ اسلام سے تم کو تین چیزیں روکتی ہیں۔ صلیب کی عبادت اور خنزیر کا کھانا اور اللہ کے لئے اولاد تجویز کرنا۔" کہنے لگے عیسیٰؑ کا

باپ کون ہے ؟۔ آپ جواب دینے میں جلدی نہیں فرماتے تھے جب تک اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکم نہ مل جائے۔ اللہ جل شانہٗ نے آیت "اِنَّ مَثَلَ عِیْسٰی عِنْدَ اللّٰهِ كَمَثَلِ آدَمَ" نازل فرمادی جس میں اس کا جواب مذکور ہے۔

نصاریٰ کو دعوتِ مباہلہ

اللہ جل شانہٗ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا: "فَمَنْ حَاجَّكَ فِيْهِ مِنْ بَعْدِ مَا جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ"۔ (الآیۃ) اس میں دعوتِ مباہلہ کا ذکر ہے۔

مفسر ابن کثیرؒ نے ج ا ص ۳۶۸ محمد بن اسحاق بن یسارؒ سے نقل کیا ہے کہ نجران کے نصاریٰ کا ایک وفد جو ساٹھ آدمیوں پر مشتمل تھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ ان میں چودہ اشخاص ان کے اشراف میں سے تھے جن کی طرف ہر معاملہ میں رجوع کیا جاتا تھا۔ اُن میں سے ایک شخص کو سیّد کہتے تھے جس کا نام ایہم تھا اور ایک شخص ابوحارثہ تھا اور بھی لوگ تھے اُن میں عاقب ان کا امیر تھا اور صاحب رائے سمجھا جاتا تھا۔ اُسی سے مشورہ لیتے تھے اور اس کی ہر رائے پر عمل کرتے تھے اور سیّد اُن کا عالم تھا۔ اُن کی مجلسوں اور محفلوں کا وہی ذمہ دار تھا اور ابوحارثہ اُن کا پوپ تھا جو اُن کی دینی تعلیم و تدریس کا ذمہ دار تھا۔ بنی بکر بن وائل قبیلے سے تھا اور عرب تھا لیکن نصرانی ہوگیا تھا۔ رومیوں نے اس کی بڑی تعظیم کی۔ اس کے لئے گرجا گھر بنائے گئے اور اس کی طرح طرح سے خدمت کی۔ اس شخص کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تشریف لانے کا علم تھا۔ کتبِ سابقہ میں آپ کی صفات مذکور ہیں اُن سے واقف تھا۔ لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری پر بھی نصرانیت پر مُصر رہا۔ دنیاوی اکرام اور عزت و جاہ نے اس کو اسلام قبول کرنے سے باز رکھا۔

جب یہ لوگ مدینہ منورہ پہنچے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے آپ نمازِ عصر سے فارغ ہوتے تھے اور مسجد ہی میں تشریف رکھتے تھے۔ ان لوگوں نے بہت ہی بڑھیا کپڑے پہن رکھے تھے اور خوبصورت چادریں اوڑھ رکھی تھیں۔ ان کی اپنی نماز کا وقت آگیا تو انہوں نے مسجدِ نبوی ہی میں مشرق کی طرف نماز پڑھ لی۔ ان میں سے ابوحارثہ

عاقب اور سیّد نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے گفتگو کی اور وہی اپنی شرکیہ باتیں پیش کرنے لگے۔ کسی نے کہا عیسٰی اللہ ہے کسی نے کہا ولد اللہ ہے کسی نے کہا ثالث ثلاثہ (یعنی ایک معبود عیسٰی ہے۔ ایک اس کی والدہ اور ایک اللہ تعالیٰ ہے)۔

ان لوگوں نے گفتگو میں یہ سوال کیا کہ اے محمد! عیسٰی کا باپ کون تھا؟ آپؐ نے خاموشی اختیار فرمائی۔ اللہ تعالیٰ نے سورۂ آلِ عمران کے شروع سے لے کر اَسّی (۸۰) سے کچھ اوپر آیات نازل فرمائیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اللہ کی طرف سے جب تفصیل کے ساتھ حضرت عیسٰی علیہ السّلام کے بارے میں وحی نازل ہوگئی اور اُن سے مباہلہ کرنے کی دعوت کا حکم نازل ہوگیا تو آپ نے اس کے مطابق ان کو مباہلہ کی دعوت دی۔

مباہلہ کا طریقہ

دعوت یہ تھی کہ ہم اپنی اولاد اور عورتوں سمیت آجاتے ہیں تم بھی اپنی اولاد اور عورتوں اور اپنی جانوں کو لے کر حاضر ہوجاؤ اور اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دونوں فریق مل کر خوب سچے دل سے دُعا کریں گے کہ جو بھی کوئی جھوٹا ہے اس پر اللہ کی لعنت ہوجائے۔

جب آنحضرت سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے مباہلہ کی دعوت دی تو کہنے لگے کہ ابوالقاسم! (صلی اللہ علیہ وسلم) ہمیں مہلت دیجئے۔ ہم غور و فکر کرکے حاضر ہوں گے۔

نصاریٰ کا مباہلہ سے فرار

جب آپ کے پاس سے چلے گئے اور آپس میں تنہائی میں بیٹھے تو عبدالمسیح پادری سے کہا کہ تیری کیا رائے ہے۔ اس نے کہا کہ یہ تو تم نے سمجھ لیا کہ محمدؐ نبیٔ مُرسل ہیں اور انہوں نے تمہارے صاحب (یعنی حضرت عیسیٰؑ) کے بارے میں صاف صاف صحیح باتیں بتائی ہیں اور تمہیں اس بات کا بھی علم ہے کہ جس کسی قوم نے کسی نبی سے کبھی مباہلہ کیا ہے تو کوئی چھوٹا بڑا اُن میں باقی نہ رہا۔ اگر تمہیں اپنا بیج ناس کھونا ہے تو مباہلہ کر لو۔ اگر تمہیں اپنا دین نہیں چھوڑنا تو ان سے صلح کر لو اور اپنے شہروں کو واپس ہوجاؤ۔

مشورے کے بعد وہ بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوئے اور کہنے لگے۔ اے ابوالقاسم (صلی اللہ علیہ وسلم) ہمارے آپس میں یہ طے پایا ہے کہ ہم آپ سے مباہلہ نہ کریں۔ آپ کو آپ کے دین پر چھوڑیں اور ہم اپنے دین پر رہتے ہوئے واپس لوٹ جائیں اور آپ اپنے آدمیوں میں سے ایک شخص کو بھیج دیں جو ہمارے درمیان ایسی چیزوں میں فیصلہ کر دے جن میں ہمارا مالیاتی سلسلے میں اختلاف ہے۔ آپؐ نے حضرت ابو عبیدہ بن جراح کو ان کے ساتھ بھیج دیا۔

معالم التنزیل ج ا ص ۱۰۱ میں لکھا ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آیت بالا "نَدْعُ اَبْنَآءَنَا وَاَبْنَآءَكُمْ وَنِسَآءَنَا وَنِسَآءَكُمْ" (۳:۶۱) آخر تک نجران کے نصاریٰ کے سامنے پڑھی اور ان کو مباہلہ کی دعوت دی تو انہوں نے کل تک کی مہلت مانگی۔ جب صبح ہوئی تو وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہوئے۔ آپ پہلے سے حضرت حسینؓ کو گود میں لئے ہوئے اور حضرت حسنؓ کا ہاتھ پکڑے ہوئے تشریف لا چکے تھے۔ حضرت سیدہ فاطمہؓ پیچھے پیچھے تشریف لا رہی تھیں اور حضرت علیؓ اُن کے پیچھے تھے۔ آپؐ نے اپنے گھر والوں سے فرمایا کہ جب میں دُعا کروں تو تم لوگ آمین کہنا یہ منظر دیکھ کر نصاریٰ نجران کا پوپ کہنے لگا کہ اے نصرانیو! میں ایسے چہروں کو دیکھ رہا ہوں کہ اگر اللہ سے یہ سوال کریں کہ وہ پہاڑ کو اپنی جگہ سے ہٹا دے تو اللہ ضرور ہٹا دے گا۔ لہٰذا تم مباہلہ نہ کرو ورنہ ہلاک ہو جاؤ گے اور قیامت تک روئے زمین پر کوئی نصرانی باقی نہ رہے گا۔ یہ سُن کر سب کہنے لگے کہ اے ابوالقاسم (صلی اللہ علیہ وسلم) ہماری رائے یہ ہے کہ ہم مباہلہ نہ کریں اور آپ کو آپ کے دین پر چھوڑ دیں اور ہم اپنے دین پر رہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اگر تمہیں مباہلہ سے انکار ہے تو اسلام قبول کر لو۔ اسلام قبول کرنے پر تمہارے وہی حقوق ہوں گے جو مسلمانوں کے ہیں اور تمہاری وہی ذمہ داریاں ہوں گی جو مسلمانوں کی ہیں"۔ انہوں نے اسلام قبول کرنے سے انکار کیا۔ اس پر آپؐ نے فرمایا: "بس ہمارے اور تمہارے درمیان جنگ ہوگی"۔ وہ کہنے لگے کہ ہم میں جنگ کی طاقت نہیں ہم آپ سے صلح کر لیتے ہیں۔

نصاریٰ نجران سے مال لینے پر صُلح

اور وہ یہ کہ ہر سال دو ہزار جوڑے کپڑوں کے پیش کیا کریں گے۔ ایک ہزار ماہِ صفر میں اور ایک ہزار ماہِ رجب میں۔ اہلِ نجران پر عذاب منڈلا رہا تھا۔ اگر وہ مباہلہ کر لیتے تو مسخ کر دیئے جاتے اور بندر اور خنزیر بنا دیئے جاتے اور ان کے سارے علاقے کو آگ جلا کر ختم کر دیتی اور نجران کے لوگ بالکل ختم ہو جاتے یہاں تک کہ پرندے بھی درختوں پر نہ رہتے اور ایک سال بھی پورا نہ ہوتا کہ تمام نصاریٰ ہلاک ہو جاتے۔

تفسیر ابن کثیر میں ج ۱ ص ۳۶۹ بحوالہ مسند احمد حضرت ابنِ عباسؓ سے نقل کیا ہے کہ یہ لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مباہلہ کرنے کو تیار ہو رہے تھے اگر مباہلہ کے لئے نکل آتے تو (میدانِ مباہلہ سے) اس حال میں واپس ہوتے کہ نہ مال پاتے نہ اہل و عیال میں سے کسی کو پاتے (اور خود بھی مر جاتے)۔

نصاریٰ مباہلہ کے لئے راضی نہ ہوئے اور اپنے باطل دین پر قائم رہے اور یہ جانتے ہوئے کہ محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم واقعی اللہ کے رسُول ہیں ایمان نہ لائے اور ایمان سے روگردانی کر بیٹھے اور آج تک ان کا یہی طریقہ ہے۔ حضرات علماءِ کرام نے بارہا مناظروں میں ان کو شکست دی ہے۔ ان کی موجودہ انجیل میں تحریف ثابت کی ہے اُن کے دین کو مصنوعی خود ساختہ دین بارہا ثابت کر چکے ہیں لیکن وہ اپنے دنیاوی اغراض سیاسیہ اور غیر سیاسیہ کی وجہ سے دینِ اسلام کو قبول نہیں کرتے اور دنیا بھر میں فساد کر رہے ہیں جس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو مباہلہ کی دعوت دی تھی اس وقت سے لے کر آج تک ان کا یہی طریقہ رہا ہے۔

نتائج و عبر

رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو امراء اور ملوک کو والا نامے ارسال کئے ان میں آپؐ نے کسی بادشاہ کو کسی شاہی لقب سے یاد نہیں فرمایا۔ مثلاً عظیم الروم، عظیم القبط وغیرہ سب

کو تحریر فرمایا جیسے روم کا بڑا آدمی ۔قبطیوں کا بڑا آدمی ۔قیصر کے بھائی بھتیجے کو ناگوار بھی ہوا لیکن قیصر نے بات کو دبا دیا کہ اگر یہ نبی ہیں تو انہیں ایسا ہی لکھنا چاہیئے ۔

(۱) آپ کے طرز تحریر سے یہ بات واضح ہوگئی کہ کسی بڑے سے بڑے بادشاہ کو ایسے الفاظ سے یاد کرنا یا مکاتیب میں مخاطب کرنا جن میں جھوٹ ہو اور جس میں شرک کی طرف ذہن جاتا ہو یا ایسی تعریف کرنا اور لکھنا جائز نہیں ہے ۔بعض لوگ سمجھتے ہیں کہ کسی کو مسلمان کرنے یا دعوت کے کام کو آگے بڑھانے کے لئے جھوٹ بولنا یا خود کسی گناہ کا مرتکب ہونا جائز ہے یہ ایسا سمجھنے والوں کی غلطی ہے ۔

(۲) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوری دنیا کو بے نیازی کے ساتھ بے باکانہ طریقہ پر مکاتیب لکھے آپ کے جو سفراء مکاتیب لے گئے تھے انہوں نے بڑی ہمت اور جرأت کے ساتھ مکاتیب بھی پہنچائے اور بادشاہوں کے سامنے دربار میں بڑی بے باکی کے ساتھ حق بات کہی ہے ۔حضرت حاطب بن ابی بلتعہؓ نے جو شاہِ مصر مقوقس کے سامنے بے دھڑک تقریر کی اس کی دوبارہ مراجعت کرلی جائے ۔اسی طرح شاہانِ عمّان کے پاس عبد اور جیفر کے نام جو حضرت عمرو بن عاصؓ مکتوب گرامی لے کر گئے انہوں نے بھی بہت صاف صاف کھل کر باتیں کیں اور ہر سوال کا واضح جواب دیا ۔

(۳) دنیاداروں کو دنیا ہی مطلوب ہوتی ہے وہ مخلص طالب رضاء اللہ کو بھی اپنے ہی جیسا سمجھتے ہیں ۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو مکاتیب تحریر فرمائے ان کے جواب میں بعض بادشاہوں نے یوں کہا کہ مجھے آپ اپنے اقتدار میں شریک کرلیں تو میں مسلمان ہو جاتا ہوں ۔آپ نے ارشاد فرمایا کہ کھجور کے ذرا سے چھلکے کے برابر بھی سوال کرے گا تو میں اسے نہیں دے سکتا اسلام تو اللہ کا دین ہے ۔کوئی دنیاوی دکانداری نہیں ہے جو شخص اسلام قبول کرے گا اس کی آخرت اچھی ہوگی ، دوزخ سے بچ جائے گا اور جنت میں داخل ہوگا ۔اپنی بھلائی کے لئے اسلام قبول کرتا ہے تو کرے ۔اللہ کا نبی یا کوئی اُمتی دنیا کا لالچ اور دنیا کے مفاد کا وعدہ کرکے اسلام کی دعوت کیوں دے ؟ اسلام قبول کرنے کے بعد دنیاوی منافع بھی مل جائیں جو مطلوب و مقصود نہیں تو یہ دوسری بات ہے لیکن

داعیٔ اسلام کا یہ کام نہیں کہ وہ دنیا کا لالچ دے کر اسلام کی دعوت دے جو شخص دنیاوی لالچ کے لئے اسلام قبول کرے گا اس کا کیا بھروسہ کوئی بھی دوسرے مذہب والا عہدہ یا عورت کا لالچ دے گا تو وہ ادھر ڈھل سکتا ہے۔

۴۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قیصر کو جو والا نامہ لکھا اس میں اور مقوقس شاہِ مصر کے خط میں اَسْلِمْ تَسْلَمْ تحریر فرمایا تھا۔ ان الفاظ میں بہت عموم ہے۔ مطلب یہ کہ اگر تو نے اسلام قبول کرلیا تو پوری طرح سلامت رہے گا۔ اس میں دنیا کی سلامتی اور آخرت کی سلامتی اور ملک کی سلامتی سب داخل ہے۔ ان لوگوں کو ڈر تھا کہ اگر اپنے عوام کا دین چھوڑ کر دوسرا دین قبول کرلیا تو عوام ناراض ہوجائیں گے اور حکومت چھین لیں گے۔ آپؐ نے اشارہ فرمادیا کہ تمہاری حکومت باقی رہے گی لیکن انہوں نے اپنی بادشاہت کی بقاء اس میں سمجھی کہ دینِ کفر پر قائم رہیں اور اسلام قبول نہیں کیا۔

حافظ ابنِ حجر عسقلانیؒ فتح الباری میں لکھتے ہیں:

"لو تفطن هرقل لقوله صلی الله علیه وآله وسلم فی الکتاب الذی ارسل الیه اَسْلِمْ تَسْلَمْ وحمل الجزاء علیٰ عمومه فی الدنیا والآخره سلم لو اسلم من کل ما یخافه ولکن التوفیق بید الله"۔

ترجمہ: اگر ہرقل نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے نامۂ مبارک کے جملہ اسلم تسلم "اسلام لے آ محفوظ رہے گا" کی حقیقت سمجھ لیتا اور اس سلامتی کی بشارت کو دنیا و آخرت دونوں کے حق میں یقین کرلیتا تو ضرور مسلمان ہوجاتا اور دنیا کی ہر قسم کی ذلت "زوالِ حکومت" (جس کا اس کو خوف تھا) محفوظ ہوجاتا۔ مگر توفیق خدا کے ہاتھ میں ہے"۔

مطلب یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو اَسْلِمْ تَسْلَمْ فرمایا تھا اس میں دونوں جہاں کی سلامتی مراد تھی۔ مقصد یہ تھا کہ تُو دنیا میں بھی باسلامت رہے گا اور آخرت میں بھی۔ اس کے اسلام قبول کرنے پر رعایا بھی اسلام قبول کرلیتی تو اقتدار سے محروم ہونے کی ظاہری اور کوئی وجہ نہ تھی لیکن اس نے دنیا کے ظاہری اقتدار پر نظر رکھی اور حق سے منہ موڑ لیا۔

(۵) یہ بات بھی تو غور کرنے کی ہے کہ جب دینِ حق واضح ہو گیا اور اس کا فائدہ معلوم ہو گیا کہ اس کے قبول کرنے سے موت کے بعد والے عذاب سے بچ جائیں گے اور دوزخ کے عذاب سے محفوظ ہو جائیں گے جو بہت سخت چیز ہے اور اہلِ کفر کے لئے دواعی بھی ہے تو اس سے ذراسی چند روزہ حقیر دنیا کے لئے ایمان سے باز رہنا اور کفر پر جما رہنا کہاں کی سمجھ داری ہے؟ پھر یہ بھی سمجھنا چاہیئے کہ حق، حق ہے اور باطل، باطل ہے حق کو دنیاوی مفاد کے لئے چھوڑ دینا اور باطل پر جمار ہنا یہ خود انسانی عقلمندی کے خلاف ہے۔ عذاب ثواب اپنی جگہ ہے حق کو حق جانتے ہوئے سمجھتے ہوئے، چھوڑ دینا شرفِ انسانی کے بھی خلاف ہے۔

(۶) ہرقل کے نام جو والانامہ ہے اس میں یہ بھی ہے: "یُؤْتِكَ اللّٰهُ اَجْرَكَ مَرَّتَيْنِ" کہ تو اسلام قبول کرلے۔ تجھے اللہ تعالیٰ دو بار اجر عطا فرمائے گا۔

سورۃ القصص میں بھی یہ مضمون ارشاد فرمایا:

"اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِهٖ هُمْ بِهٖ يُؤْمِنُوْنَ وَاِذَا يُتْلٰى عَلَيْهِمْ قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِهٖٓ اِنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّنَآ اِنَّا كُنَّا مِنْ قَبْلِهٖ مُسْلِمِيْنَ ۝ اُولٰٓئِكَ يُؤْتَوْنَ اَجْرَهُمْ مَّرَّتَيْنِ بِمَا صَبَرُوْا وَيَدْرَءُوْنَ بِالْحَسَنَةِ السَّيِّئَةَ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ط" (۲۸: ۵۴)

ترجمہ: "جن لوگوں کو ہم نے قرآن سے پہلے کتاب دی وہ اس پر یعنی قرآن پر ایمان لاتے ہیں جب اُن پر قرآن کی تلاوت کی جاتی ہے تو کہتے ہیں کہ ہم اس پر ایمان لائے۔ بے شک وہ ہمارے رب کی طرف سے حق ہے۔ بلاشبہ ہم پہلے ہی سے اسے مانتے تھے۔ (یعنی آخری نبی پر کتاب نازل ہو گی ہم اس کی تصدیق کرتے تھے) یہ وہ لوگ ہیں جن کو صبر کرنے کی وجہ سے دو مرتبہ ثواب دیا جائے گا اور وہ لوگ اچھائی کے ذریعہ بُرائی کو دفع کرتے ہیں اور جو کچھ ہم نے دیا ہے اس میں سے خرچ کرتے ہیں۔

سورۃ القصص کی آیت شریفہ سے مؤمنین اہلِ کتاب کو دو مرتبہ اجر عطا فرمانے کی

خوشخبری دی ہے۔ حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تین شخص ایسے ہیں جن کے لئے دو اجر ہیں۔ ایک وہ شخص جو اہلِ کتاب میں سے ہو۔ وہ اپنے نبی پر ایمان لایا اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی ایمان لایا۔ دوسرا وہ غلام جو کسی کا مملوک ہو۔ اس نے اللہ تعالٰے کا حق ادا کیا اور اپنے آقا کا بھی۔ تیسرا وہ شخص جس کے پاس باندی تھی (بحقِ ملکیت) اس سے صحبت کرتا تھا۔ اس نے اس کو ادب سکھایا اور اچھا ادب سکھایا اور اسے تعلیم دی اور اچھی تعلیم دی پھر آزاد کرکے اس سے نکاح کر لیا سو اس شخص کے لئے بھی دو اجر ہیں۔ (صحیح بخاری ص-۲۰)

سورۃ الحدید میں فرمایا ہے:

"یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰہَ وَاٰمِنُوْا بِرَسُوْلِہٖ یُؤْتِکُمْ کِفْلَیْنِ مِنْ رَّحْمَتِہٖ وَیَجْعَلْ لَّکُمْ نُوْرًا تَمْشُوْنَ بِہٖ وَیَغْفِرْ لَکُمْ" (۲۸:۵۷)

ترجمہ: "اے ایمان رکھنے والو! اللہ سے ڈرو اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ۔ اللہ تعالیٰ تم کو اپنی رحمت سے دو حصے دے گا اور تمہیں ایسا نور عطا فرمائے گا کہ تم اس کو لئے ہوئے چلو پھرو گے اور وہ تمہاری بخشش فرما دے گا۔"

مفسرینِ کرامؒ نے لکھا ہے کہ یہ آیت حضرت عیسٰیؑ پر ایمان رکھنے والوں کے بارے میں نازل ہوئی۔ ان سے خطاب کرکے فرمایا کہ تم اللہ سے ڈرو۔ اس کے رسول یعنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لاؤ۔ یہ تمہارا ایمان لانا تمہارے لئے بہت بڑی خیر کا ذریعہ ہوگا یعنی کہ اللہ تعالٰے تمہیں اپنی رحمت سے دو حصے عطا فرمائے گا۔ اہلِ کتاب کو جو زائد اجر دینے کا وعدہ فرمایا ہے اس کے بارے میں سورۂ قصص کی آیت میں مَرَّتَیْنِ فرمایا ہے اور ساتھ ہی بِمَا صَبَرُوْا بھی فرمایا یعنی ان کو صبر کرنے کی وجہ سے دو مرتبہ ثواب دیا جائے گا اور حضرت ابو موسیٰؓ کی روایت کردہ حدیث میں اَجْرَانِ فرمایا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ جو اہلِ کتاب اپنے نبی پر ایمان لائے پھر محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی ایمان لائے ان کے لئے دو اجر ہیں۔

یہاں جو یہ اشکال پیدا ہوتا ہے کہ غیر اہلِ کتاب میں جو حضرات ایمان لائے وہ بھی تو

تمام انبیاء کرام علیہم السّلام پر ایمان لائے لہٰذا ان کا اجر بھی دہرا ہونا چاہیئے۔ اس اشکال کا جواب یہ ہے کہ آیات و احادیث میں مقابلہ کا ذکر نہیں ہے اہلِ کتاب کو دو بار اجر ملے گا یا رحمت کے دو حصے ملیں گے۔ اس میں امتِ محمدیہ کے اجر و ثواب کا مقابلہ نہیں ہے اہلِ کتاب کے اپنے ثواب کا تذکرہ ہے۔ کوئی ضروری نہیں کہ مرّتین اور اجران اور کفلین کا مصداق اس ثواب سے زیادہ ہو جو اُمّتِ محمّدیہ کو دیا جائے گا۔ بات اوّل تو مجمل ہے دوسرے سورۃ قصص میں جو بِمَا صَبَرُوْا فرمایا ہے اس میں ان کے اجر اضافی کا سبب بتا دیا کہ جو اہلِ کتاب اپنے نبی پر ایمان لائے پھر اس پر جمے رہے۔ بہت سی مشکلات کا سامنا رہا اور تکلیفیں اٹھائیں ان کی وجہ سے ان کا اجر بڑھ گیا اور قربانیوں اور مشقت کی وجہ سے فضیلت بڑھ ہی جاتی ہے۔ حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے ایمان پر جمے ہوئے مار پیٹ برداشت کی۔ کیا ان کے ایمان کا ثواب ان لوگوں کے ایمان کے برابر ہو سکتا ہے جنہوں نے یہ تکلیفیں نہیں اٹھائیں؟ ہاں کسی کے ایمان کا ثواب دوسری وجہ سے بڑھ جائے تو وہ اور بات ہے۔

(۷) ہرقل کے نام جو والا نامہ تحریر فرمایا تھا۔ اس میں "فَاِنْ تَوَلَّيْتَ فَاِنَّ عَلَيْكَ اِثْمَ الْاَرِيْسِيِّيْنَ" بھی ہے۔ (اگر تو اسلام سے روگردانی کرے تو تجھ پر کسانوں کا بھی گناہ ہوگا) اور کسریٰ کو جو والا نامہ تحریر فرمایا اس میں تحریر فرمایا: "فَاِنْ اَبَيْتَ فَعَلَيْكَ اِثْمُ الْمَجُوْسِ" (اگر تو اسلام قبول کرنے سے انکاری ہو تو تجھ پر مجوسیوں کا بھی گناہ ہوگا) اور مقوقس کے نام جو خط تحریر فرمایا اس میں لکھا:

"فَاِنْ تَوَلَّيْتَ فَاِنَّ عَلَيْكَ اِثْمَ الْقِبْطِ"

ترجمہ: (اگر تو روگردانی کرے تو تجھ پر قبطیوں کا بھی گناہ ہوگا) اور عوام کو کفر پر جمے رہنے کی وجہ سے مستقل عذاب ہوگا۔

تینوں تحریروں کا مطلب یہ ہے کہ عام طور سے عوام الناس اپنے بڑوں کی طرف دیکھتے ہیں اور ان کے دین پر چلتے ہیں۔ خاص کر جو لوگ سردار یا بادشاہ ہوں ان کی طرف زیادہ ہی جھکتے ہیں کچھ تو اقتدار کا دباؤ ہوتا ہے اور کچھ یہ سوچتے ہیں کہ یہ اگر اللہ تعالیٰ

کا مقبول بندہ نہ ہوتا تو اسے اقتدار کیوں ملتا۔ اگر اصحابِ اقتدار اقوام کے سردار اور چوہدری اسلام قبول کرلیں تو زیرِ اقتدار جو عوام ہوتے ہیں وہ بھی اسلام قبول کرلیتے ہیں۔ جب کسی پر حق واضح ہوگیا اور وہ جانتا ہے کہ میں اسلام قبول کردوں گا تو میری عوام بھی اسلام قبول کرلیں گے۔ اس کے باوجود اسلام قبول نہیں کرتا تو وہ اپنی جان پر بھی ظلم کرنے والا ہے اور اپنی عوام کو بھی اتباعِ حق سے روکنے والا ہے لہٰذا ان کے کفر کا وبال بھی اس پر پڑے گا۔

(۸) ہرقل اور مقوقس کو جو والا نامہ تحریر فرمایا اس میں آیت کریمہ:

"يَآ اَهْلَ الْكِتٰبِ تَعَالَوْا اِلٰى كَلِمَةٍ سَوَآءٍ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ اَنْ لَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰهَ وَلَا نُشْرِكَ بِهٖ شَيْئًا وَّلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُوْلُوا اشْهَدُوْا بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ" (۳:۶۴)

ترجمہ: "اے اہلِ کتاب! آؤ اس چیز کی طرف جو ہمارے تمہارے درمیان برابر ہے جسے ہم بھی تسلیم کرتے ہیں اور تم بھی مانتے ہو اور وہ یہ کہ ہم صرف اللہ کی عبادت کریں اور یہ کہ کسی کو اس کا شریک نہ بنائیں"۔

اس میں یہ بتا دیا کہ ہم جو دین پیش کر رہے ہیں یہ کوئی نیا دین نہیں ہے۔ اللہ تعالےٰ نے جتنے نبی بھیجے وہ سب صرف اللہ تعالےٰ کی عبادت کرنے کی تعلیم دیتے تھے، شرک سے روکتے تھے اور توحید کی تلقین فرماتے تھے۔ حضرت عیسیٰؑ کی بھی یہی دعوت تھی۔ تم میں سے جو اصحابِ حق ہیں اور حقیقت کو جانتے اور مانتے ہیں انہیں اس کا اقرار ہے کہ حضرت عیسیٰؑ نے توحید کی دعوت دی، شرک سے منع فرمایا۔ لہٰذا اس عقیدہ کو مانو جو انہوں نے پیش فرمایا۔ اللہ تعالےٰ کو وحدہٗ لاشریک جانو اور صرف اس کی عبادت کرو۔ اگر عیسیٰؑ کے بعد آنے والا نبی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کسی ایسی بات کی دعوت دیتا ہے جو انبیاء سابقین علیہم الصلاۃ والسلام کی دعوت کے خلاف ہوتی تو تمہیں تامل کرنے کا موقع بھی تھا۔ خوب سمجھو اور حق قبول کرو۔

جب آپ کی دعوت بھی وہی ہے اور دلائل اور معجزات سے بھی آپ کا نبی ہونا ثابت ہوگیا اور قرآنِ کریم کے مقابلہ میں کوئی سورت بنانے سے بھی عاجز ہوگئے تو حق سے کیوں منہ موڑتے ہو اور اسلام کو قبول نہ کرکے گمراہی پر کیوں جمے ہوئے ہو۔

آیتِ کریمہ کے آخر میں مسلمانوں سے خطاب فرمایا:

"فَإِنْ تَوَلَّوْا فَقُولُوا اشْهَدُوا بِأَنَّا مُسْلِمُونَ." (۳:۶۴)

ترجمہ: "اگر اصل کتاب سے روگردانی کریں تو تم علی الاعلان کہہ دو کہ ہم بے شک اسلام والے ہیں (تم جو حق سے منحرف ہو اس سے ہم پر کوئی اثر پڑنے والا نہیں)"۔

(۹) بعض جاہلوں نے آیت کریمہ کا یہ مطلب لیا ہے کہ "اے یہود و نصاریٰ عقیدۂ توحید ہمارے اور تمہارے درمیان مشترک ہے۔ ہم بھی اسی کی دعوت دیں اور تم بھی" اور کہتے ہیں کہ العیاذ باللہ نجات کے لئے توحید کا اقراری ہونا کافی ہے، اسلام قبول کرنا ضروری نہیں۔ یہ ان لوگوں کی گمراہی ہے۔ اگر آیت کا یہ مطلب ہوتا جو ان جاہلوں نے بتایا ہے تو آخر میں یہ ارشاد کیوں ہوتا:

"فَإِنْ تَوَلَّوْا فَقُولُوا اشْهَدُوا بِأَنَّا مُسْلِمُونَ" اور:

"وَمَنْ يَبْتَغِ غَيْرَ الْإِسْلَامِ دِينًا فَلَنْ يُقْبَلَ مِنْهُ وَهُوَ فِي الْآخِرَةِ مِنَ الْخَاسِرِينَ." (۳:۸۵)

میں یہ کیوں ارشاد ہوتا ہے کہ:

"دینِ اسلام کے علاوہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک کوئی دین مقبول نہیں"۔

آج کل دشمنانِ اسلام نے یہ سمجھ کر کہ مسلمانوں کو مرتد بنانا یعنی دینِ کفر میں شامل کرلینا تو مشکل کام ہے۔ لہٰذا کم از کم یہ کرو کہ مسلمانوں کو اسلام سے ہٹادو اور یہ سمجھادو کہ کوئی بھی دین قبول کرلوگے تو نجات ہوجائے گی۔ (العیاذ باللہ) اس نظریہ کی حمایت میں مضامین لکھے جارہے ہیں۔ وحدتِ ادیان کے عنوان سے جلسے ہورہے ہیں اس لئے ہم نے تنبیہ کردی۔

(۱۰) آیتِ کریمہ میں جو "وَلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا أَرْبَابًا مِنْ دُونِ اللَّهِ"

فرمایا۔ اس میں یہ بتا دیا کہ سارے انسان اللہ کے بندے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہی سب کا رب ہے۔ بندے آپس میں ایک دوسرے کو رب بنالیں اس کی اجازت خالق و مالک جل شانہٗ کی طرف سے نہیں ہے۔ اس میں عیسائیوں کی بھی تردید ہے جنہوں نے حضرت عیسیٰؑ اور ان کی والدہ کو معبود بنالیا تھا حالانکہ حضرت عیسیٰؑ نے ان سے فرمایا تھا:

"یَابَنِیْٓ اِسْرَآئِیْلَ اعْبُدُوا اللّٰہَ رَبِّیْ وَرَبَّکُمْ اِنَّہٗ مَنْ یُّشْرِکْ بِاللّٰہِ فَقَدْ حَرَّمَ اللّٰہُ عَلَیْہِ الْجَنَّۃَ وَمَاْوٰہُ النَّارُ" (۵:۷۲)

ترجمہ: "اے بنی اسرائیل! اللہ کی عبادت کرو جو میرا رب ہے اور تمہارا بھی۔ بیشک جو اللہ کے ساتھ کسی کو شریک بنائے گا سو یہ یقینی بات ہے کہ اللہ اس پر جنّت کو حرام کردے گا اور اس کا ٹھکانہ دوزخ ہوگا۔"

نئے مجتہدین سے درخواست ہے کہ اپنی جان پر رحم کریں۔ دشمنوں کو اور نفس و شیطان کو راضی رکھنے اور دنیا آرام سے گزارنے کے لئے دینِ اسلام میں تحریف نہ کریں۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

غزوۂ خیبر

سنہ ۷ ہجری

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم،
نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

خیبر میں جو یہودی آباد تھے ان میں قبیلہ بنو نضیر بھی تھا جسے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ منورہ سے جلاوطن کیا تھا، ان لوگوں نے خیبر میں قیام کر کے اسلام کے خلاف برابر سازشیں جاری رکھیں، غزوۂ خندق کا باعث بھی یہی لوگ بنے، انہوں نے قریش مکہ وغیرہ کو جاکر ورغلایا کہ تم لوگ مدینہ پر چڑھائی کرو اور بنو قریظہ کو بھی نقضِ عہد اور غدر پر آمادہ کر کے جنگِ احزاب میں قریشِ مکہ کا ساتھی بنادیا تھا اور ان لوگوں کو جنگ پر آمادہ کر کے اپنی طرف سے مدد کرنے کا بھرپور یقین دلایا تھا، اور عجیب بات یہ ہے کہ جب مکہ کے مشرکوں نے اُن سے کہا کہ ہم لوگ پڑھے لکھے نہیں ہیں، دین اور مذہب کو تم زیادہ جانتے ہو، یہ تو بتاؤ کہ ہم لوگ جس دین پر ہیں (یعنی بُت پرستی) یہ ہدایت والا دین ہے یا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جس دین کی دعوت دے رہے ہیں یہ دین حق ہے، اس کے جواب میں یہود نے برملا کہا کہ تم صحیح راستہ پر ہو، حالانکہ ان کو معلوم تھا کہ شرک بدترین چیز ہے اور دل سے یہ بھی جانتے تھے کہ حضرت سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے سچے رسول ہیں۔ اسی کو قرآن مجید میں فرمایا :-

أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ أُوتُوا نَصِيبًا مِّنَ الْكِتَابِ يُؤْمِنُونَ بِالْجِبْتِ وَالطَّاغُوتِ وَيَقُولُونَ لِلَّذِينَ كَفَرُوا هٰٓؤُلَآءِ أَهْدَىٰ مِنَ الَّذِينَ آمَنُوا سَبِيلًا ۝ (سورۂ نساء، ۵۱)

کیا تونے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جن کو کتاب کا ایک حصہ ملا ہے، پھر (باوجود اس کے) وہ بُت اور شیطان کو مانتے ہیں اور وہ لوگ (یعنی اہل کتاب) کفار (یعنی مشرکین) کی نسبت کہتے ہیں کہ یہ لوگ (یعنی مشرکین) بہ نسبت مسلمانوں کے زیادہ راہ راست پر ہیں۔

درحقیقت ہٹ دھرمی بہت بُری چیز ہے، یہودی جانتے تھے اور آپس میں

تذکرہ کرتے تھے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالٰے علیہ وسلم نبی آخرالزماں ہیں، لیکن مانتے نہیں تھے، دین سماوی کا علم ہونے کی وجہ سے یہود کو سب سے پہلے اسلام لانا چاہیئے تھا، لیکن وہ اوّلین کافر ہوئے اور جانتے پہچانتے ہوئے حق کو چھپایا اور اسلام اور مسلمانوں کو مٹانے کی کوشش کرتے رہے جو آج تک جاری ہے۔ اھ رحمہم اللہ تعالٰے۔

غزوۂ خیبر کا مفصّل واقعہ

۷ھ میں جب کہ آنحضرت صلی اللہ تعالٰے علیہ وسلم غزوۂ خیبر کے لئے تشریف لے جا رہے تھے حضرت عامرؓ بھی حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ تھے، حضرت عامرؓ شاعر آدمی تھے، اسلامی لشکر میں جو حضرات تھے ان میں سے کسی نے حضرت عامرؓ سے کہا کہ کچھ دل لگی کی چیزیں سناؤ، وہ اپنی سواری سے اُترے اور حُدی پڑھتے ہوئے چلنے لگے اور مندرجہ ذیل اشعار پڑھنے لگے۔

(یہ حضرات صحابہ رضی اللہ تعالٰے عنہم کے دینی مزاج کی بات ہے کہ وقت کاٹنے کے لئے اور سفر کی مسافت قطع کرنے کے لئے بھی ان کا شاعر ایسے اشعار پڑھ رہا تھا جو اللہ کے ذکر اور شکر پر مشتمل ہیں اور جن میں بار بار شجاعت اور بہادری پر ابھارا جا رہا تھا اور اللہ سے مدد کا سوال کیا جا رہا تھا)۔

(۱) اَللّٰھُمَّ لَوْلَا اَنْتَ مَا اھْتَدَیْنَا ۔۔۔ وَلَا تَصَدَّقْنَا وَلَا صَلَّیْنَا
(۲) فَاغْفِرْ فِدَآءً لَّکَ مَا اَبْقَیْنَا ۔۔۔ وَثَبِّتِ الْاَقْدَامَ اِنْ لَّاقَیْنَا
(۳) وَاَلْقِیَنْ سَکِیْنَۃً عَلَیْنَا ۔۔۔ اِنَّا اِذَا صِیْحَ بِنَا اَبَیْنَا
(۴) وَبِالصِّیَاحِ عَوَّلُوْا عَلَیْنَا ٥

ترجمہ: (۱) اے اللہ اگر آپ ہدایت نہ دیتے تو ہم ہدایت نہ پاتے اور نہ صدقہ دیتے نہ نماز پڑھتے۔"

(۲) پس تو بخش دے جو کچھ گناہ ہم نے اب تک کئے ہیں، ہم تیرے دین پر فدا ہیں، اور ہمارے قدم جما دینا اگر (دشمنوں سے) ہماری مڈبھیڑ ہو جائے۔"

(۳) اور تو ہم پر سکون اور اطمینان ڈال دے بلاشبہ جب ہم کو (باطل کے

لئے) بھیج کر بلایا جائے تو ہم انکار کرتے ہیں۔"

(۴) اور (آپس میں) بلند آواز سے (ایک دوسرے کو بلا کر) ہمارے خلاف انہوں نے مدد طلب کی ہے۔"

(صحیح بخاری باب غزوۂ خیبر، ص ۶۰۳ ج ۲ و ص ۹۰۰۰ ج ۱)

یہ اشعار حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی سُن لئے، آپؐ نے فرمایا یہ کون شخص ہے جو (قافلہ کا) سائق ہے (چونکہ یہ صاحب بطور حُدی اشعار پڑھ رہے تھے اور قافلہ کو اشعار سُنا سُنا کر لے کر چل رہے تھے اس لئے ان کو سائق فرمایا)۔

حضرات صحابہ رضی اللہ تعالےٰ عنہم نے عرض کیا کہ یہ سائق عامر بن الاکوع ہیں آپؐ نے فرمایا یَرْحَمُهُ اللّٰهُ (اللہ کی اس پر رحمت ہو) اور بعض روایات میں ہے کہ حضرت عامرؓ نے خود جواب دیا کہ میں عامر ہوں، اس پر آپؐ نے فرمایا غَفَرَ لَكَ رَبُّكَ (اللہ تجھے بخش دے) جب آپؐ نے یہ فرمایا تو حضرت عمرؓ نے کہا کہ (ان کے لئے جنت) واجب ہوگئی، (کیونکہ آپؐ کا یَرْحَمُهُ اللّٰهُ فرمانا اور مغفرت کی دُعا دینا اس بات کا پتہ دیتا ہے کہ عامر عنقریب ہی شہید ہوں گے)۔

پھر عرض کیا کہ یا نبی اللہ! آپ نے ہم کو ان سے (مزید) فائدہ اٹھانے کا موقع کیوں نہ دیا؟ (یعنی آپؐ نے ایسی دُعا فرمائی جس سے مستقبلِ قریب میں شہید ہونے کا پتہ چلتا ہے، یہ دُعا ابھی نہ فرماتے، یا اس کے بجائے درازیِ عمر کی دُعا فرما دیتے۔

اس کے بعد لشکر چلتا رہا، اور آنحضرت سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم لشکر کے ساتھ رات کو خیبر پہنچے، آپؐ کی عادت شریفہ تھی کہ جب کسی قوم کے علاقہ میں رات کو پہنچتے تھے تو صبح تک وہاں کے باشندوں کے قریب نہیں جاتے تھے صبح ہو جانے پر اذان کا انتظار فرماتے تھے، اگر اذان کی آواز آجاتی تو رُک جاتے ورنہ حملہ کر دیتے تھے (لہٰذا آبادی سے دور قیام پذیر رہے) جب صبح ہوگئی تو یہودی آبادی سے اپنے (کسب کے آلات) پھاوڑے اور ٹوکریاں لے کر نکلے، جب حضور اقدس صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کو دیکھا تو بول اُٹھے وَاللّٰهِ مُحَمَّدٌ

قَالَ الْخَمِيْسُ (کہ اللہ کی قسم! محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم لشکر کے ساتھ پہنچ گئے) آپؐ نے اس پر فرمایا: اَللّٰهُ اَكْبَرُ خَرِبَتْ خَيْبَرُ اِنَّا اِذَا نَزَلْنَا بِسَاحَةِ قَوْمٍ فَسَاءَ صَبَاحُ الْمُنْذَرِيْنَ ٥ (اللہ سب سے بڑا ہے، بلاشبہ جب ہم کسی قوم کی سرزمین میں اُتر جائیں تو اُن لوگوں کی صبح بہت بُری ہو گی، جن کو (اللہ کے عذاب سے) ڈرایا گیا (مگر وہ نہ ڈرے اور کفر پر جمے رہے)۔

حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو لشکر کے ساتھ دیکھ کر یہودی قلعوں میں پناہ گزین ہو گئے، ان لوگوں نے متعدد قلعے بنا رکھے تھے، انہی میں رہتے تھے۔ جب یہ لوگ قلعوں میں پناہ گزین ہوئے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اور آپؐ کے صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے ان کے قلعوں کا محاصرہ کر لیا، محاصرہ کے دوران حضرات صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو بہت تکلیف پہنچی اور سخت بھوک سے دوچار ہوئے[1]

ایک ایک کر کے قلعہ فتح ہوتا جاتا تھا۔ سب سے آخر میں یہودیوں نے اپنے قلعہ وطیح اور سلالم میں پناہ لی، یہ دونوں قلعے سب سے آخر میں فتح ہوئے، قلعوں کا محاصرہ دس پندرہ دن رہا (بذل المجہود از تاریخ الخمیس) اور آخری فتح حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں ہوئی جس رات کی صبح کو قلعہ فتح ہونے والا تھا اس رات میں آنحضرت سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میں کل ایسے شخص کو جھنڈا دوں گا جس کے ہاتھوں اللہ فتح یابی نصیب فرمائے گا، یہ ایسا شخص ہے جو اللہ اور اس کے رسولؐ سے محبت کرتا ہے، اور اللہ اور اس کا رسول اس سے محبت کرتے ہیں۔ رات بھر لوگ خیالات دوڑاتے رہے کہ دیکھو کس کو جھنڈا دیا جاتا ہے۔ صبح ہوئی تو بارگاہِ رسالتؐ میں حاضر ہوئے اور ہر ایک کو یہ امید تھی کہ مجھے جھنڈا عطا ہو گا، آنحضرت سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: علی بن ابی طالب کہاں ہیں؟ عرض کیا گیا کہ اُن کی آنکھیں دُکھ رہی ہیں، فرمایا اُن کو بلاؤ، چنانچہ

---

[1] بخاری و مسلم، ۱۲

ان کو لایا گیا، جب وہ حاضر خدمت ہوئے تو سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی آنکھوں میں اپنا لعاب مبارک ڈال دیا اور اسی وقت ان کی آنکھیں اچھی ہوگئیں گویا کہ کوئی تکلیف ہی نہ تھی، ان کو آنحضرت سرور عالم صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم نے جھنڈا دیا اور فرمایا کہ جاؤ ان کو اسلام کی دعوت دو اور اللہ کے حقوق جو ان پر واجب ہیں بتا دو اللہ کی قسم تیرے ذریعہ اللہ تعالےٰ کسی ایک شخص کو بھی ہدایت دے دے تو یہ تیرے لئے سُرخ اُونٹوں سے بہتر ہے [1]

حضرت علی رضی اللہ تعالےٰ عنہ جھنڈا لے کر آگے بڑھے، یہودیوں کا سردار اکڑتے ہوئے اور تلوار کو اوپر نیچے کرتے ہوئے نکلا اور اس نے دست بدست مقابلہ کے لئے چیلنج کیا اور یہ رجزیہ کلمات کہے ؎

قَدْ عَلِمَتْ خَیْبَرُ اَنِّیْ مُرَحَّبٌ   شَاکِی السِّلَاحِ بَطَلٌ مُّجَرَّبٌ
اِذَا الْحُرُوْبُ اَقْبَلَتْ تَلَهَّبٗ

"تحقیق خیبر (والوں) کو معلوم ہے کہ میں مرحب ہوں، ہتھیاروں کے ساتھ مکمل طریقہ پر مضبوط ہوں، آزمایا ہوا پہلوان ہوں جس وقت کہ جنگیں شعلہ زن ہونے لگیں۔"

اُس کا چیلنج سن کر حضرت عامر بن الاکوع رضی اللہ عنہ نکلے اور یہ شعر پڑھا ؎

قَدْ عَلِمَتْ خَیْبَرُ اَنِّیْ عَامِرٌ   شَاکِی السِّلَاحِ بَطَلٌ مُّغَامِرٌ

"تحقیق خیبر (والوں) کو معلوم ہے کہ میں عامر ہوں، ہتھیار لگائے ہوئے پوری طرح مضبوط ہوں، پہلوان ہوں سختیوں میں گھس جانے والا ہوں۔"

اس کے بعد دونوں جانب سے دو وار ہوئے، پھر حضرت عامرؓ کی تلوار مرحب کی ڈھال میں گڑ گئی، حضرت عامرؓ نے چاہا کہ نیچے جھک کر مرحب پر حملہ کریں، لیکن خود ان کی اپنی تلوار اُن کو لگ گئی، جس سے گھٹنے میں سخت چوٹ آئی اور بعض روایات میں

---

[1] صحیح بخاری ۱۲۔ اہل عرب کو سُرخ اونٹ بہت پسند تھے، اگر مفت مل جائیں تو پھر کیا کہنا، اسی کے پیش نظر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ کلمات فرمائے ۱۲۔

ہے کہ ہاتھ کی رگ میں زخم آگیا، کسی روایت میں ہے کہ بہت زیادہ زخمی ہوگئے جس کی وجہ سے اُن کی وفات ہوگئی۔

پھر حضرت علی رضی اللہ تعالےٰ عنہ سے مرحب کا مقابلہ ہوا، مرحب نے وہی رجزیہ کلمات کہہ کر مقابلہ کی دعوت دی، اس کے جواب میں حضرت علی رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے یہ پڑھا۔

أَنَا الَّذِي سَمَّتْنِي أُمِّي حَيْدَرَهْ كَلَيْثِ غَابَاتٍ كَرِيهِ الْمَنْظَرَهْ
أُوفِيهِمْ بِالصَّاعِ كَيْلَ السَّنْدَرَهْ

"میں وہی ہوں جس کی ماں نے حیدر[1] نام رکھا، جنگلوں کے شیر کی طرح ہوں جس کے دیکھنے سے ڈر لگتا ہو، میں دشمنوں کو ان کی خوراک (یعنی قتل) بھرپور پیمانے کے ذریعہ پیش کرتا ہوں"

اس کے بعد حضرت علی رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے مرحب کے سر پر وار کیا اور اس کو قتل کر دیا، یہودیوں کا سردار قتل ہوگیا[2] یہودیوں کو شکست اور مسلمانوں کو فتح ہوئی خیبر فتح ہوا اور غنیمت میں بہت بڑی اراضی اور اموال کثیرہ ہاتھ آئے۔

حضرت سلمہ بن الاکوع رضی اللہ تعالےٰ عنہ فرماتے ہیں کہ فتح خیبر کے بعد جب واپس ہو رہے تھے تو آنحضرت سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے میرا ہاتھ پکڑ لیا اور مجھے غمگین حالت پر دیکھ کر فرمایا کہ تمہیں کیا ہوا (غم کی کیا بات ہے؟) میں نے عرض کیا میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں لوگ یہ کہہ رہے ہیں کہ عامر[ع] کے سب اعمال

---

[1] حیدر لغت میں شیر کو کہتے ہیں۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے والد نے ان کا نام علی اور والدہ نے حیدر رکھا تھا۔ اس موقعہ پر حضرت علی رضی اللہ عنہ کا اپنے اس نام کو ظاہر کرنا اس لئے مناسب تھا کہ مرحب نے خواب دیکھا کہ مجھے ایک شیر قتل کرے گا۔ مقصود یہ تھا کہ اس کو ڈرائیں اور یقین دلائیں کہ تو ابھی مرنے والا ہے ۱۲۔ [2] صحیح مسلم و فتح الباری ۱۲

[ع] حضرت عامر بن الاکوع حضرت سلمہ بن الاکوع کے بھائی تھے اور بعض روایات میں ہے کہ چچا تھے، کما جاء مصرحًا فی صحیح مسلم، امام نووی شرح مسلم میں لکھتے ہیں کہ ممکن ہے کہ نسبی رشتہ میں چچا ہوں اور رضاعی رشتہ سے بھائی ہوں، ۱۲۔

ضبط یعنی ختم ہو گئے (اُن کو کوئی ثواب نہ ملے گا کیونکہ وہ اپنی تلوار سے مقتول ہو گئے) آپؐ نے فرمایا وہ جھوٹا ہے جس نے ایسا کہا ہے بلاشبہ اس کے دو اجر ہیں، اور آپؐ نے دو انگلیاں ملا کر فرمایا کہ بلاشبہ وہ جاہد اور مجاہد تھا (یعنی اللہ کی فرمانبرداری میں مشقت اٹھانے والا اور اس کے دشمنوں سے جنگ کرنے والا تھا اور اسی حال میں اس کی موت واقع ہوئی ہے) ایسے عربی کم ہیں جو اس جیسے ہوں[1]۔

حضرت عامر بن الاکوعؓ کا تیسرا مصراع فَاغْفِرْ فِدَاءً لَّكَ مَا اَبْقَيْنَا ہے اس میں شرّاح نے فِدَاءً لَّكَ پر بہت اشکال کیا ہے کہ "تجھ پر فدا ہوں" یہ تو اس کے لئے بولا جاتا ہے جو فانی ہو جس کی جان جانے والی ہو، اللہ تعالیٰ حیّ و قیوم ہے، اس کے لئے یہ کیسے بولا گیا؟ پھر اس کے کئی جواب دیئے ہیں اور بعض جوابات پر اشکال بھی کیا ہے۔ ہم نے جو ترجمہ کیا ہے اس سے سب اشکالات دُور ہو جاتے ہیں۔ "یعنی اے اللہ ہم تیرے دین پر فداء ہیں، اس کو مٹنے نہ دیں گے اپنی جان پر کھیل جائیں گے، مگر تیرے دین کو باقی رکھیں گے"۔ اس میں صرف مضاف مقدر ماننا پڑتا ہے، تقدیر عبارت یوں ہوئی فِدَاءً لِّدِيْنِكَ مَا اَبْقَيْنَا۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ تعالیٰ فتح الباری میں لکھتے ہیں کہ امام احمدؒ کی روایت میں مذکورہ اشعار کے ساتھ کچھ زائد الفاظ بھی ہیں اور وہ یہ ہیں:۔

اِنَّ الَّذِیْ قَدْ بَغَوْا عَلَيْنَا   اِذَا اَرَادُوْا فِتْنَةً اَبَيْنَا
وَنَحْنُ عَنْ فَضْلِكَ مَا اسْتَغْنَيْنَا

ترجمہ: بے شک اُن لوگوں نے ہم پر ظلم کیا ہے، یہ لوگ جب فتنہ کا ارادہ کریں گے تو ہم انکار کریں گے، اے اللہ ہم تیرے فضل سے مستغنی نہیں ہیں"۔
آخری مصراع صحیح مسلم میں بھی ہے۔

---

[1] صحیح البخاری ۱۲۔

ع یہ ترجمہ "قل عربی مشابہا مثلہ" کا ہے، دوسری روایت یوں ہے "قل عربی مشی بہا مثلہ" اس کا ترجمہ یوں ہے کہ "ایسے عربی کم ہیں جو (اخلاق و اعمال میں) اس کی طرح چلے ہوں" ۱۲

حضرت عامر بن الاکوعؓ رضی اللہ تعالیٰ عنہ خیبر کو جاتے ہوئے راستہ میں جو اشعار پڑھتے تھے اُن کے بعض مصرعے نئے ہیں اور اکثر وہ ہیں جو غزوۂ خندق کے بیان میں گذر چکے ہیں، وہاں عرض کیا گیا تھا کہ یہ عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اشعار ہیں اور یہاں حضرت عامرؓ کی طرف منسوب کئے گئے ہیں، اس کے بارے میں حافظ ابن حجر رحمہ اللہ تعالیٰ فتح الباری میں (باب غزوۂ خیبر) میں تحریر فرماتے ہیں:

یَحْتَمِلُ اَنْ یَکُوْنَ هُوَ وَعَامِر تَوَارَدَا عَلٰی مَاتَوَارَدَا مِنْهُ بِدَلِیْلِ مَّاوَقَعَ لِکُلِّ مِنْهُمَا مِمَّا لَیْسَ عِنْدَ الْاٰخَر اَوْ اسْتَعَانَ عَامِر بِبَعْضِ مَاسَبَقَهُ اِلَیْهِ ابْنُ رَوَاحَة ۔

"یعنی ممکن ہے کہ دونوں کے ذہن میں بطور توارد مشترک اشعار آگئے ہوں، ایک نے دوسرے سے نہ لئے ہوں، اور دلیل اس کی یہ ہے کہ ہر ایک کے اشعار میں کچھ ایسی زیادتی ہے جو دوسرے کے اشعار میں نہیں ہے اور یہ ممکن ہے کہ حضرت عامر نے حضرت عبداللہ بن رواحہ کے بعض مصرعے لے کر اپنے اشعار میں شامل کر لئے ہوں۔"

قتل و قتال اور محاصرہ کے بعد جب یہود کو شکست ہوگئی تو وہ جلاوطن ہونے پر راضی ہوگئے۔ اُن کی یہ بات اس شرط پر آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے تسلیم فرمائی کہ سونا چاندی اور ہتھیاروں کے علاوہ جو کچھ سواریوں پر لے جاسکتے ہوں لے جائیں، اور آپؐ نے یہ شرط بھی لگائی کہ (سونے چاندی میں سے) کچھ چھپائیں گے نہیں، اگر ایسی حرکت کی تو ہم پر کسی قسم کی کوئی ذمہ داری یا عہد کی پابندی نہیں ہوگی۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب بنی نضیر کو مدینہ منوّرہ سے (خیبر کی طرف) جلاوطن کیا تھا اس وقت حُیَیّ بن اخطب چمڑے کے ایک تھیلہ میں یہودیوں کا سونا چاندی اور زیورات لے کر روانہ ہوگیا تھا، یہ مال یہودیوں کے پاس محفوظ تھا اور حُیَیّ غزوۂ خیبر سے پہلے مقتول ہوچکا تھا، آنحضرت سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے

سقیہ نامی یہودی سے دریافت کیا کہ وہ حُییؔ والا تھیلہ کہاں ہے ؟ اس نے کہا اس کو تو لڑائیوں نے اور طرح طرح کے اخراجات نے ختم کر دیا، اس کے بعد حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین نے یہ تھیلہ ایک جگہ پالیا اور اس سے یہود کی بدعہدی ثابت ہو گئی (کیونکہ یہ طے پایا تھا کہ کچھ پوشیدہ نہ کریں گے) لہٰذا آنحضرت سرورِ عالم صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم نے ابن ابی الحقیق کو قتل کر دیا، اور اُن کی عورتوں اور بچّوں کو قیدی بنالیا، اور ان لوگوں کو وہاں سے جلاوطن کرنے کا فیصلہ فرمالیا۔ اس پر وہ کہنے لگے کہ اے محمّد (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ ہم کو یہیں رہنے دیں، ہم زمین میں محنت کریں گے اور پیداوار نصف آپ کی اور نصف ہماری ہو گی اور جب تک آپ کی رائے ہو ہم کو اس معاملہ پر برقرار رکھیں[1]۔

حضورِ اقدس صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم نے یہ بات منظور فرمائی اور فرمایا:

"نقرکم علیٰ ذالك ما شئنا" یعنی ہم تم کو مذکورہ معاملہ پر یہاں ٹھہرنے کا موقع دیتے ہیں، جب تک ہماری مرضی ہو!!

چنانچہ یہ لوگ وہاں ٹھہر گئے، زمین پر اُن کا مالکانہ تصرّف نہ تھا، اور وہاں کی آمدنی حضورِ اقدس صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم اپنی صوابدید سے خرچ فرماتے تھے۔

پھر حضرت ابوبکرؓ بھی اسی طرح انہی مصارف میں خرچ فرماتے رہے جن میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خرچ فرماتے، پھر حضرت عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہ بھی اسی طرح خرچ فرماتے تھے۔ بالآخر حضرت عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے یہودیوں کو خیبر سے نکال دیا۔ اور یہ لوگ تیماء اور ریحا چلے گئے[2] (یہ دونوں جگہیں بلادِ طے کے قریب شام کی جانب ہیں)۔

---

[1] سنن ابی داؤد باب ماجاء فی حکم خیبر ۱۲

غزوۂ ذات الرقاع ۵ھ ہجری

۵ھ ہجری میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع ملی کہ قبیلۂ بنی محارب اور بنی ثعلبہ مسلمانوں سے جنگ کرنے کے لئے لشکر تیار کر رہے ہیں۔ یہ خبر سن کر سیّدِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ساتھ چار سو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کا لشکر لے کر نجد کی طرف روانہ ہو گئے۔ وہاں پہنچ کر قبیلۂ غطفان کے کچھ لوگ ملے (بنی محارب اور بنی ثعلبہ دونوں قبیلۂ غطفان کی شاخیں ہیں) لڑائی کی نوبت نہیں آئی۔

پہلی صلاۃ الخوف

اس موقع پر جب جنگ کے حالات تھے اگرچہ جنگ کی نوبت نہ آئی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صلاۃ الخوف پڑھائی جس کا طریقہ یہ ہے کہ مسلمانوں کے لشکر کا ایک گروہ دشمن کے مقابلے میں ڈٹا رہے اور دوسرا گروہ امام کے ساتھ ایک رکعت پڑھے پھر محاذ پر چلا جائے اور دوسرا گروہ آکر ایک رکعت امام کی اقتدا میں پڑھے پھر یہ گروہ محاذ پر چلا جائے اور پہلا گروہ آکر اپنی نماز پوری کرے۔ پھر دوسرا گروہ آکر نماز پوری کرے۔ ابن سعد کہتے ہیں کہ یہ پہلی صلاۃ الخوف تھی [1]

ذات الرقاع کے کیا معنیٰ ہیں

"رقاع" عربی زبان میں چیتھڑوں (یعنی کپڑے کے ٹکڑوں) کو کہتے ہیں حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اس غزوہ میں چلتے چلتے ہمارے پیر پھٹ گئے تھے پھر ہمیں اپنے پیروں پر کپڑے لپیٹنے پڑے۔ اسی وجہ سے اس غزوہ کو "ذات الرقاع" کہا جاتا ہے۔ [2]

---

[1] عیون الاثر ص۵۲ ج ۲ [2] بخاری شریف۔

اس غزوہ کی تاریخ میں اختلاف ہے محمّد بن اسحاق فرماتے ہیں کہ جمادی الاولیٰ ۴ھ ہجری میں پیش آیا اور امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا قول یہ ہے کہ غزوۂ خیبر کے بعد ۷ھ ہجری میں غزوۂ ذات الرقاع ہوا۔ کیونکہ حضرت ابو موسیٰ اشعری اس میں شریک تھے جو غزوۂ خیبر کے بعد مسلمان ہوئے ہیں نیز حضرت ابو ہریرہؓ کی شرکت بھی ثابت ہے اور وہ بھی غزوۂ خیبر کے بعد آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اس وجہ سے ۷ھ والا قول ہی راجح ہے۔

ایک صحابی کا حیرت انگیز واقعہ

یہاں سے چل کر آپؐ ایک گھاٹی پر ٹھہرے۔ عمّارہ بن یاسر اور عبّاد بن بشر رضی اللہ عنہما کو درہ کی حفاظت کے لئے مقرر فرمایا آپس میں ان دونوں نے یہ طے کیا کہ اوّل نصف شب میں عبّاد اور آخر نصف شب میں عمّار جاگیں اس کے مطابق عمّار بن یاسرؓ تو سو گئے اور عبّاد بن بشیر رضی اللہ عنہ عبادت کے لئے کھڑے ہو گئے اور نماز کی نیّت باندھ لی۔

ایک کافر نے آپ کو دیکھ کر یہ پہچان لیا کہ یہ مسلمانوں کے پاسبان ہیں ایک تیر مارا جو ٹھیک نشانہ پر پہنچا مگر عبّاد بن بشر رضی اللہ تعالٰے عنہ جن کے رگ و ریشہ میں معبودِ حقیقی کی عبودیت اور بندگی سرایت کر چکی تھی اور سر تا پا مولائے حقیقی کی محبّت میں سرشار تھے اور ایمان و احسان کی حلاوت ان کے دل میں اُتر چکی تھی تیر و سنان کب ان کی عبادت میں مخل ہو سکتا تھا۔ برابر اسی طرح نماز میں مشغول رہے اور تیر نکال کر پھینک دیا۔ اس کافر نے ایک دوسرا تیر مارا انہوں نے اس کو بھی نکال کر پھینک دیا اور نماز جاری رکھی۔ اس نے تیسرا تیر مارا۔ اب یہ اندیشہ ہوا کہ کہیں دشمن کمین گاہ سے حملہ نہ کر دے اور جس غرض سے رسُول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے ہم کو یہاں متعیّن کیا ہے وہ غرض نہ فوت ہو جائے اس لئے نماز کو پُورا کیا اور نماز پوری کرنے کے بعد ساتھی کو جگایا کہ اُٹھو زخمی ہو گیا ہوں، دشمن ان کو جگاتے دیکھ کر فرار ہو گیا۔ عمّار بن یاسرؓ

بیدار ہوئے اور دیکھ کر کہ جسم سے خون جاری ہے کہا سُبحان اللہ تم نے مجھ کو پہلے ہی تیر میں کیوں نہ جگایا؟ کہا میں ایک سُورت پڑھ رہا تھا اس کو درمیان میں چھوڑنا اچھا نہ معلوم ہوا۔ جب پے درپے تیر لگے تب میں نے نماز پوری کی اور تم کو جگایا۔ خُدا کی قسم اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کا خیال نہ ہوتا تو نماز ختم ہونے سے پہلے میری جان ختم ہو جاتی۔

عمرۃ القضا ۷ ہجری

۶ ہجری میں صلح حدیبیہ کے مُعاہدہ کے مطابق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم عمرہ کئے بغیر ہدی کا جانور قربان کر کے اور حلق کرا کر واپس مدینہ طیبہ تشریف لے آئے تھے۔ ۷ ہجری میں ذی القعدہ کا چاند نظر آنے کے بعد آپ نے اس عمرہ کی قضا کے لئے روانگی کا حکم فرمایا اور اعلان فرما دیا کہ جو لوگ حدیبیہ کے مقام پر عمرہ سے روک دیئے گئے تھے ان میں سے کوئی پیچھے نہ رہے بلکہ سب اس عُمرہ کی قضا کا احرام باندھیں۔ چنانچہ اس عرصے میں شہید ہونے والے اور وفات پانے والے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے علاوہ سب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ روانہ ہوئے[1] ہدی کے ستّر اونٹ آپ نے ساتھ لئے اور دو ھزار جانثاروں کے ساتھ مکّہ معظّمہ کے لئے روانہ ہوئے جن میں عمرۃ القضا کرنے کے علاوہ دیگر لوگ بھی تھے۔

حضرت عبداللہ بن رواحہؓ کے رجزیہ اشعار

اور عبداللہ بن رواحہؓ آپ کی ناقہ قصوار کی مہار پکڑے ہوئے یہ رجز پڑھتے ہوئے آگے آگے تھے۔

خلّوا بنی الکفار عن سبیلہ   قَدْ اَنزَلَ الرَّحْمٰنُ فِیْ تَنْزِیْلِہٖ

ترجمہ: اے کافرو! آپ کا راستہ چھوڑ دو   اللہ تعالیٰ نے قرآن میں یہ حکم نازل کیا ہے

---

[1] طبقات ابن سعد ص ۸۷ ج ۲ ۔ زرقانی ص ۲۰۴ ج ۲

بان خیر القتل فی سبیلہ نحن قتلناکم علی تاویلہ
کما قتلناکم علی تنزیلہ (رواہ عبدالرزاق عن انسؓ)

ترجمہ: کہ بہترین قتل وہ ہے کہ خدا کی راہ میں ہو، ہم نے تم سے جہاد و قتال کیا اس کا حکم نہ ماننے کی وجہ سے جیسے قرآن منزل من اللہ کے نہ ماننے کی وجہ سے تم سے قتال کیا۔ (یعنی تمہارا کفر اور اسلام دشمنی جنگ کا سبب بنی)۔

اور بیہقی کی روایت میں اس کے بعد یہ زیادہ ہے۔

الیوم نضربکم علی تنزیلہ ضربا یزیل الھام عن مقیلہ

ترجمہ۔ آج اللہ کے حکم کے مطابق ایسا ماریں گے کہ تمہاری کھوپڑی سر سے الگ ہو جائے۔

ویذھل الخلیل عن خلیلہ یارب انی مؤمن بقیلہ

ترجمہ: اور دوست کو دوست سے بے خبر بنا دے، اے اللہ میں اس کے قول پر ایمان رکھتا ہوں۔

حضرت عمرؓ نے کہا اے ابن رواحہ! تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اور اللہ کے حرم میں شعر پڑھتا ہے۔ آپؐ نے فرمایا اے عمرؓ رہنے دو۔ یہ شعر کافروں کے حق میں تیر برسانے سے زیادہ سخت ہیں۔ (رواہ الترمذی والنسائی وقال الترمذی۔ حسن غریب) یہ تمام تفصیل فتح الباری ص ۳۸۳ ج ۷ میں مذکور ہے۔

ابن سعد کی روایت میں ہے کہ آپؐ نے یہ فرمایا اے عمرؓ! میں سن رہا ہوں اور عبداللہ بن رواحہ کو یہ حکم دیا کہ اے ابن رواحہ یہ پڑھو۔

لَآ اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ۔ نَصَرَ عَبْدَهٗ وَاَعَزَّ جُنْدَهٗ۔
وَهَزَمَ الْاَحْزَابَ وَحْدَهٗ۔

ترجمہ: کوئی معبود نہیں اللہ کے سوا وہ یکتا ہے، اسی نے اپنے بندہ (یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) کی مدد فرمائی اور اپنے لشکر (یعنی مسلمان مجاہدین) کو عزت دی اور اسی نے تمام لشکروں (یعنی دشمنانِ اسلام کی فوجوں) کو شکست دی۔

عبداللہ بن رواحہؓ کے ساتھ اور صحابہ بھی ان کلمات کو پڑھتے جاتے تھے۔

آپؐ مسجد حرام میں داخل ہوئے۔ بیت اللہ کا طواف کیا اور سعی بین الصفا والمروہ کر کے ہدی کے جانور قربان کئے اور حلق کرا کر احرام کھول دیا۔ پھر کعبۃ اللہ کے اندر تشریف لے گئے۔ ظہر تک اندر ہی رہے۔ آپؐ کے حکم سے خانہ کعبہ کی چھت پر حضرت بلالؓ نے ظہر کی اذان دی۔[1]

حضرت میمونہؓ سے نکاح

عمرہ ادا فرمانے کے بعد تین روز تک آپؐ نے مکہ معظمہ میں قیام فرمایا اور حضرت میمونہ بنت الحارث سے نکاح فرمایا۔ صحیح بخاری کی روایت کے مطابق آپؐ نے یہ نکاح حالتِ احرام میں کیا تھا اور حافظ ابن حجرؒ نے اسی قول کو صحیح قرار دیا ہے۔ البتہ رخصتی اور ولیمہ احرام کھولنے کے بعد ہوا۔ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم نے قریش سے مہلت طلب فرمائی کہ اگر تم لوگ مہلت دو تو میمونہ بنت الحارث کی عروسی اور دعوتِ ولیمہ مکہ معظمہ میں کر لوں۔ ان لوگوں نے نہایت ترشروئی اور بداخلاقی سے جواب دیا کہ آپ چلے جائیے۔

مکہ معظمہ سے واپسی

قریش کا یہ جواب سن کر آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم نے صحابہ کرام کو کوچ کرنے کا حکم فرمایا اور مقام سرف میں پہنچ کر حضرت میمونہ کی عروسی ہوئی۔[2] ذی الحجہ کے مہینے میں آپؐ واپس مدینہ طیبہ پہنچے اور اللہ تعالیٰ نے سورۃ الفتح کی یہ آیت نازل فرمائی۔

لَقَدْ صَدَقَ اللّٰهُ رَسُوْلَهُ الرُّؤْيَا بِالْحَقِّ لَتَدْخُلُنَّ الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ اٰمِنِيْنَ مُحَلِّقِيْنَ رُءُوْسَكُمْ وَمُقَصِّرِيْنَ لَا تَخَافُوْنَ فَعَلِمَ مَا لَمْ تَعْلَمُوْا فَجَعَلَ مِنْ دُوْنِ ذٰلِكَ فَتْحًا قَرِيْبًا (محمد-۲۷)

---

[1] الطبقات الکبریٰ ج ۲ ص ۸۸ ۔ [2] ابن ہشام ج ۲ ص ۲۰۲

عمرۃ القضاء سے فارغ ہو کر جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مکہ مکرمہ سے روانہ ہونے لگے تو حضرت حمزہؓ کی چھوٹی صاحبزادی آپ کو چچا جان چچا جان پکارتی ہوئی آپ کے پاس آئیں جو اس وقت چھوٹی سی بچی تھیں۔ حضرت علیؓ نے فوراً اُن کو اُٹھا لیا۔ اب حضرت علیؓ اور حضرت جعفرؓ اور حضرت زیدؓ بن حارثہ میں اختلاف ہوا۔ ہر ایک یہ چاہتا تھا کہ میری پرورش میں رہے اور یتیم بچی کی پرورش کا ثواب مجھے ملے۔ حضرت علیؓ نے کہا کہ یہ میرے چچا کی بیٹی ہے اور میں نے اُس کو اٹھا لیا ہے۔ حضرت جعفرؓ نے کہا میرے چچا کی لڑکی ہے اور اس کی خالہ میرے نکاح میں ہے۔ حضرت زیدؓ نے کہا کہ میرے اسلامی اور دینی بھائی کی لڑکی ہے اور میں اس کی کفالت کرنا چاہتا ہوں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فیصلہ فرمایا کہ لڑکی اپنی خالہ کے پاس رہے اور یہ ارشاد فرمایا کہ خالہ کا درجہ ماں کے برابر ہے[1] آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حضرت حمزہ کے بھتیجے ہونے کے ساتھ ان کے رضاعی بھائی بھی تھے۔ اسی وجہ سے حضرت حمزہؓ کی صاحبزادی آپ کو چچا جان کہہ کر پکار رہی تھیں۔

---

[1] رواہ البخاری

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

فتح مکہ ۸ ہجری

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دشمنوں پر غلبہ عطا کرنے کا وعدہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے کیا جا چکا تھا۔ آپؐ کے جانثار صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین عزم و استقلال کے پہاڑ تھے اعلاء کلمۃ اللہ کے لیئے ہر امتحان میں پورے اُترتے تھے اور خود امام الانبیاء حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے دینِ حق کی دعوت و تبلیغ اور فریضۂ رسالت کی ادائیگی میں جو تکلیفیں اٹھائی تھیں وہ کسی اور نے نہیں اٹھائیں۔ اب جبکہ آزمائش و امتحان ہو چکا تو فتح مبین کی خوشخبری سنائی گئی۔

۶ھ ہجری میں حدیبیہ کے مقام پر جو معاہدہ ہوا تھا اس کی ایک شق یہ بھی کہ دس سال تک جنگ نہ ہوگی کوئی فریق دوسرے پر حملہ نہ کرے گا اور جو قبیلہ چاہے وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ معاہدہ میں شامل ہو جائے اور جو چاہے قریش کی طرف مل جائے۔ اس کے موافق بنو خزاعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف اور بنو بکر قریش مکہ کے ساتھ معاہدہ میں داخل ہو گئے تھے۔

ابھی معاہدہ کو دو سال بھی پورے نہ ہوئے تھے کہ قبیلہ بنو بکر نے (جو قریش کا حلیف تھا) بنو خزاعہ پر حملہ کر دیا (جو معاہدہ میں مسلمانوں کے ساتھ شامل تھا)۔

اور بجائے اس کے کہ قریشِ مکہ ان کو عہد شکنی اور ظلم سے روکتے انہوں نے الٹا قبیلہ بنو بکر کی مدد کی اور اسلحہ بھی فراہم کیا۔ سردارانِ قریش خود بھی نقاب پوش ہو کر بنو خزاعہ پر حملے میں شریک ہوئے۔

بنو خزاعہ کے لوگوں نے امان بھی طلب کی اور کعبہ شریف کی طرف بھاگ کر

پناہ حاصل کرنا چاہی لیکن ظالموں نے ہر جگہ ان کا تعاقب کیا اور انہیں تہہ تیغ کیا۔
بنو خزاعہ کے چالیس آدمی جان بچا کر آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوئے اور بنو بکر کے ظلم و ستم اور اپنی مظلومی کی داستان سنائی۔ عمرو بن سالم خزاعی نے ایک درد بھری نظم پیش کی جس کے چند اشعار مندرجہ ذیل ہیں۔

إنَّ قريشا أَخْلَفُوْكَ الموعدا وَنَقَضُوْا ميثاقَكَ المؤكّدا
وهم أضل و أقل عددا هم بيّتونا بالوتير هُجّدا
فقتلونا ركّعا وّسُجّدا

ترجمہ: "قریش نے آپؐ سے وعدہ خلافی کی، انہوں نے اس مضبوط معاہدہ کو توڑ ڈالا جو انہوں نے آپؐ سے کیا تھا، حالانکہ وہ گمراہ اور تعداد میں قلیل ہیں انہوں نے مقام وتیر میں رات کے وقت ہم پر حملہ کر دیا، اور ہمیں رکوع و سجود کی حالت میں بھی قتل کیا۔"

معجم البُلدان میں ہے کہ "وتیر" ایک چشمہ کا نام ہے جس کے ارد گرد بنو خزاعہ آباد تھے۔

اب جبکہ قریش مکّہ اور ان کے حلفاء معاہدہ کو خود توڑ چکے تھے تو رسُول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم اور مسلمانوں پر بھی اس معاہدہ کی پابندی لازم نہ رہی۔ نیز مظلوم کی مدد جو کہ فرض تھی اور معاہدہ کے مطابق تھی اس غرض سے آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم نے اپنے جانثاروں کو لشکر کی تیاری کا حکم دیا کہ مکّہ معظّمہ کو کافروں اور ظالموں کے تسلّط سے آزاد کرانے اور کعبہ شریف کو شرک سے پاک کرنے کے لئے یہ لازم تھا۔
اس دوران ابوسفیان معاہدۂ صلح کی تجدید کے لئے گفتگو کرنے آیا لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم نے جواباً بالکل خاموشی اختیار فرمائی اور وہ بغیر کوئی واضح جواب لئے واپس لوٹ گیا جس پر اس کی قوم نے اس کو بہت ملامت کی۔ نبی اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم دس ہزار صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا لشکر لے کر مدینہ طیّبہ سے روانہ ہوئے [1]

---

[1] بائیبل کی پیشنگوئی بھی یہی تھی کہ اللہ کا محبوب صلّی اللہ علیہ وسلّم دس ہزار کا لشکر (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

ابھی دو منزل ہی چلے تھے کہ ابوسفیان بن الحارث اور عبداللہ بن امیہؓ سے ملاقات ہوئی۔ یہ دونوں آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کو بہت ایذا پہنچا چکے تھے اور اسلام کو مٹانے کی بہت کوششیں کر چکے تھے۔ حضور اقدس صلّی اللہ علیہ وسلّم نے جب انہیں دیکھا تو رُخِ انور پھیر لیا۔ حضرت اُمّ سلمہؓ نے ان کی سفارش کی کہ:

"یارسول اللہ! ابوسفیان آپ کے حقیقی چچا کا بیٹا ہے اور عبداللہ حقیقی پھوپی کا بیٹا ہے آپ ان سے درگزر فرمائیں اور لطف وعنایت سے محروم نہ فرمائیں۔"

حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ نے ان دونوں سے فرمایا کہ دونوں سرکارِ دوعالم صلّی اللہ علیہ وسلّم کی خدمت میں جاکر ان الفاظ میں معافی طلب کرو جن الفاظ میں حضرت یوسف علیہ السّلام کے بھائیوں نے معافی کی درخواست کی تھی امید ہے تم معافی حاصل کرنے میں کامیاب ہو جاؤ گے۔ ان دونوں نے خدمتِ اقدس میں حاضر ہو کر عرض کیا۔

" تاللہ لقد آثرك اللہ علینا وإن كنا لخاطئین۔"

ترجمہ: "تحقیق اللہ تعالےٰ نے ہمارے مقابلے میں آپ کو (عزّت ونصرت کے ذریعے) ترجیح دی اور ہم یقیناً خطاوار تھے۔"

رحمتِ مجسّم صلّی اللہ علیہ وسلّم نے جواب میں فرمایا:

لاتثریب علیکم الیوم۔ یغفر اللہ لکم وھو ارحم الراحمین۔

ترجمہ: "آج تم پر کوئی ملامت نہیں۔ اللہ تعالےٰ تم کو معاف فرمائے اور وہ سب سے بڑھ کر رحم فرمانے والا ہے۔"

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ سے پیوستہ) لے کر فاران کی چوٹیوں سے جلوہ گر ہوگا۔ فاران مکہ معظمہ کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ بائیبل کے جو نئے ایڈیشن شائع ہو رہے ہیں ان میں اس پیشگوئی کو بدل دیا گیا ہے تاکہ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم پر صادق نہ آئے لیکن ظالم یہ نہیں سمجھتے کہ حقائق کو مسخ کرنے سے حقائق بدلتے نہیں۔

ابوسفیان معافی حاصل کر کے اس درجہ خوش ہوا کہ اس نے خوشی میں چند اشعار پڑھے جن کا مفہوم یہ ہے۔

"قسم ہے جب میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف علم اٹھاتا تھا تاکہ بتوں کے لشکران کے لشکر پر غالب آجائیں۔ اس وقت میں اندھیری رات میں ٹکریں کھانے والے کی طرح تھا۔ اب وقت آگیا کہ میں ہدایت کے راستہ پر آجاؤں اس شخص کے ذریعے مجھے ہدایت ملی جس کو میں نے چھوڑ دیا تھا۔"

یہ سن کر رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "ہاں تم تو مجھے چھوڑتے ہی رہے تھے"[۱]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خواہش تھی کہ مکہ معظمہ تک اسلامی فوج کے پہنچنے سے قبل مشرکین کو خبر نہ ہو، اور ایسا ہی ہوا۔ مکہ معظمہ کے قریب پہنچ کر آپؐ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کو حکم دیا کہ اہل مکہ پر اپنی تعداد کی کثرت ظاہر کرنے کے لئے ہر دس آدمی الگ الگ آگ روشن کریں۔ یہ جنگی حکمتِ عملی تھی جو کامیاب رہی۔ مشرکین اس آگ کی روشنی کو دیکھ کر حیرت زدہ بھی ہوئے اور مرعوب بھی۔

مکہ معظمہ میں فاتحانہ داخلہ اور فاتحِ اعظم، محسنِ انسانیت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے رحم و کرم کا اعلان

فاتحِ اعظم رحمتِ مجسم صلی اللہ علیہ وسلم مکہ معظمہ میں ۲۰ رمضان المبارک ۸ھ کو داخل ہوئے، دس ہزار جانثاروں کا لشکر آپؐ کے ہمراہ تھا۔ سبحان اللہ یہ وہی شہر ہے جہاں آپؐ کا جینا دوبھر کیا گیا تھا، جہاں آپؐ پر اور آپؐ کے اصحاب پر مظالم کے پہاڑ توڑے گئے تھے، جہاں اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کا اقرار کرنا سب سے بڑا جرم

---

[۱] زاد المعاد ج ۱ ص ۴۱۳

قرار دیا جاتا تھا، آج جب رسُولِ برحق محمد مصطفےٰ صلّی اللہ علیہ وسلّم فاتح بن کر اس شہر میں داخل ہو رہے ہیں تو انکساری اور تواضع کی وجہ سے گردن جُھکا رکھی ہے، نہ طاقت کا غرور ہے نہ سلطنت کا نشہ ہے اس وجہ سے کہ یہ بادشاہت نہیں نبوّت ہے۔ آسمان نے آج تک ہزاروں فاتحین کا حال دیکھا ہو گا لیکن "فتح مکّہ" جیسے احوال کبھی نہ دیکھے ہوں گے۔

اسلامی فوج کو ہدایاتِ رحم و کرم

رسُول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے اپنے لشکر کو مندرجہ ذیل ہدایات دیں۔

(۱) جو لوگ مقابلہ نہ کریں اور ہتھیار پھینک دیں انہیں قتل نہ کیا جائے۔
(۲) جو شخص اپنے گھر میں رہے اس کو بھی قتل نہ کیا جائے (یعنی گھر میں گھس کر کسی کو نہ مارا جائے)۔
(۳) جو شخص ابوسفیان کے گھر میں پناہ لے لے اس کو بھی امن حاصل ہو گا۔[۱]
(۴) جو شخص حکیم بن حزام کے گھر پناہ لے اسے بھی قتل نہ کیا جائے۔
(۵) جو بھاگ نکلے اس کا پیچھا نہ کیا جائے۔
(۶) جو زخمی ہو جائے اس کو قتل نہ کیا جائے۔
(۷) کسی قیدی کو بھی قتل نہ کیا جائے۔

اس قدر رعایت کا اعلان سُننے کے بعد وہی مارا جا سکتا ہے جو مرنا ہی چاہتا ہو۔

رحمۃ للعالمین صلّی اللہ علیہ وسلّم ۲۰ رمضان المُبارک ۸ ہجری شہر مکّہ میں داخل ہوئے آپؐ نے گردن مُبارک جھکا رکھی تھی اور سورۃ الفتح کی تلاوت فرما رہے تھے اپنے ساتھ سواری پر اپنے آزاد کردہ غلام زید بن ثابت کے بیٹے اُسامہ بن زید کو بٹھا رکھا تھا۔

---

[۱] ابوسفیان نے کئی بار آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کے خلاف فوج کشی کی تھی اور ہمیشہ دشمنی میں پیش پیش رہا تھا لیکن آپؐ نے اس کے گھر کو امن کی جگہ قرار دیا۔

جیش نبوی کے چار دستے | اسلامی لشکر چار دستوں کی شکل میں مکّہ معظّمہ میں داخل ہوا۔ نبی اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم نے ہر دستے کے قائد کو مکّہ معظّمہ میں داخل ہونے کا مخصوص راستہ بتادیا تھا۔ چنانچہ حضرت بن الولید جنوب کی طرف سے مکہ میں داخل ہوئے (دورِ حاضر میں اس کو مِصفلہ کہتے ہیں)

چند جذباتی نوجوانوں نے حضرت خالد بن الولید کے دستے کا مقابلہ کیا اور اچانک ایک تنگ راستے سے گزرتے ہوئے پہاڑوں کی چوٹیوں سے ان پر تیروں کی بارش کردی۔ حضرت خالد بن الولیدؓ نے اپنے لشکر کو جوابی حملہ کرنے سے روکا اور ان حملہ آور لوگوں کو پکار کر کہا کہ میرے آقا محمد مصطفیٰ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے ہمیں کسی کو قتل کرنے سے منع کیا ہے سوائے اس کے جو خود مقابلے میں آجائے اور جنگ شروع کردے۔ حضرت خالد بن الولید نے ان لوگوں کو ہتھیار ڈالنے اور سلامتی کے ساتھ گھروں کو لوٹ جانے کا پورا موقع دیا لیکن ان لوگوں نے کوئی مثبت جواب نہ دیا بلکہ تیر برساتے رہے، چنانچہ حضرت خالد بن الولید جوابی حملہ کرنے پر مجبور ہوئے اور اپنے دستے کو حملہ کرنے کا حکم دیا اور چند ہی لمحوں میں حملہ کرنے والوں کو کچل کر رکھ دیا۔ مشرکین بُری طرح مہزوم ہوئے اور اپنے ۲۸ آدمیوں کی لاشیں میدان میں چھوڑ کر فرار ہوگئے۔ اس معرکہ میں کوئی مسلمان شہید نہ ہوا، دو آدمی راستہ بھول جانے کی وجہ سے بنو بکر کے دیہاتیوں کے ہاتھوں شہید ہوئے[۱]

حضرت زبیرؓ شمال کی جانب سے مکّہ معظّمہ میں داخل ہوئے۔ یہ بھی ایک دستے کی قیادت کر رہے تھے۔ حضرت ابو عبیدۃ بن الجراح رضی اللہ عنہ اپنے دستے کے ساتھ شمال مغرب کی جانب سے داخل ہوئے۔ ان کا دستہ پیادہ تھا۔ حضرت قیس بن سعد بن عبادۃ جنوب مغرب کی طرف سے مکّہ میں داخل ہوئے اور لشکر کے سالارِ اعظم حضرت محمد مصطفیٰ صلّی اللہ علیہ وسلّم کبارِ مہاجرین و انصار کے ساتھ

---

[۱] البدایۃ والنہایۃ ج ۴ صفحہ ۲۹۶

مکّہ معظّمہ کی شمال مغربی جانب سے مسلسل آگے بڑھتے رہے۔ ایک ہزار جانباز و جانثار آپؐ کا احاطہ کئے ہوئے تھے۔ یہاں تک کہ حجون کے مقام پر پہنچ کر ٹھہرے جہاں حضرت زبیر بن العوامؓ اپنے دستے کو لے کر پہنچ چکے تھے۔ [1]

نبی اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم کداء کی جانب سے مکّہ معظّمہ میں داخل ہوئے۔ یہ وہ گھاٹی ہے جو محلاۃ کے پاس ہے اور کدی کی جانب سے جو نشیبی علاقے میں ہے باہر نکلے تھے۔ کُداء بالائی علاقے میں ہے اور کدی نشیبی علاقے میں ہے۔ مکّہ والوں نے اعلان سُن کر مسجد حرام اور اپنے گھروں میں پناہ لے لی اور اس طرح مکّہ معظّمہ میں کرفیو آڈر کا نفاذ ہوگیا یہاں تک مکمل طور پر مسلمان فوج کو کنٹرول حاصل ہو گیا اور حالات پُرامن ہوگئے۔

مسجد حرام کی طرف پیش قدمی

نبی کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم نے اپنی فوج کے چاروں دستوں کے ہمراہ مسجد حرام کی طرف پیش قدمی فرمائی۔ مسلمان فوج کے سپاہی جب نعرۂ تکبیر لگاتے تو ان کی ہیبت اور بڑھ جاتی مکّہ معظّمہ کی پہاڑیاں اللہ اکبر کی صداؤں سے گونج اٹھتیں۔ مشرکین پر لرزہ طاری ہوجاتا جو اس وقت اپنے اقتدار اور سیاہ دور کا خاتمہ ہوتا دیکھ رہے تھے بس اس دن سے آج تک مکّہ معظّمہ میں توحید کے خلاف کوئی آواز بلند نہ ہوئی۔ بہت سے مشرکین پہاڑوں کی چوٹیوں سے اسلامی لشکر کی شان و شوکت کا مشاہدہ کر رہے تھے۔

مسجد حرام میں داخلہ

سرور کونین صلّی اللہ علیہ وسلّم اپنے جانثاروں کے ساتھ مسجد حرام میں داخل ہوئے، کعبہ شریف پر جب نظر پڑی تو آپؐ نے "اللہ اکبر" کا نعرہ لگایا اس کے ساتھ صحابہ کرامؓ نے بھی زوردار تکبیر کہی۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو "فتح مُبین" کا وعدہ ہوا تھا وہ آج پورا ہوا۔

---

[1] مغازی الواقدی ج ۲ صفحہ ۸۲۸

طوافِ کعبہ اور زمزم نوش فرمانا

مسجد حرام میں داخل ہونے کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی اونٹنی قصویٰ پر طواف کیا۔ طواف کے بعد دو رکعتیں پڑھیں۔ پھر زمزم کی طرف تشریف لائے اور زمزم کا پانی نوش فرمایا اور پھر وضو کیا۔ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس درجہ عقیدت و محبت تھی کہ وضو کے پانی کو زمین پر گرنے نہ دے رہے تھے ہر شخص کی کوشش تھی کہ آپؐ کے وضو کا پانی حاصل کرے۔ مشرکین اس کیفیت کو دیکھ کر متحیر تھے اور کہتے تھے کہ کسی کے پیروکار اپنے مقتدا اور پیشوا کا ایسا احترام نہیں کرتے، نہ کسی بادشاہ کی رعایا اس کی ایسی تعظیم کرتی ہے[1]

بُتوں کو توڑنا اور بُت پرستی کو ختم کرنا

طواف کے بعد رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ۳۶۰ بُتوں کو مسمار فرما دیا جو کعبہ شریف کے ارد گرد مشرکین نے نصب کر رکھے تھے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ۳۶۰ بُتوں کو توڑا۔ آپؐ اپنے عصا سے جس بُت کی جانب اشارہ فرماتے وہ اوندھے منہ گر جاتا۔ آپؐ اس وقت یہ آیتِ مُبارکہ تلاوت فرما رہے تھے۔

جَآءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا ۝

ترجمہ: حق آگیا اور باطل مٹ گیا بلاشبہ باطل تو مٹنے ہی کے لئے ہے۔ (سورۃ الاسراء)

کعبہ شریف کی چابی طلب فرمانا

بُتوں کو مسمار کرنے کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عثمان بن ابی طلحہ کو طلب فرمایا۔ کعبہ شریف کی چابی انہی کے خاندان میں نسل در نسل چلی آ رہی تھی۔ ہجرت مدینہ سے پہلے ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے کعبہ شریف کا دروازہ کھولنے کی فرمائش کی تھی تو انہوں نے انکار کر دیا تھا۔

---

[1] البدایۃ والنہایۃ جلد ۴ صفحہ ۳۰۰۔
[2] مغازی الواقدی جلد ۲ صفحہ ۸۳۲۔

آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم نے اسی وقت فرمادیا تھا کہ ایک دن تم دیکھو گے کہ یہ چابی میرے ہاتھ میں ہوگی جس کو چاہوں گا دُوں گا۔ آج عثمان بن ابی طلحہ چابی لے کر خود بارگاہ نبوی میں حاضر ہوئے۔

کعبہ شریف میں داخلہ اور نماز ادا فرمانا

سیّد عالم صلّی اللہ علیہ وسلّم نے کعبہ شریف میں داخل ہونے سے پہلے کعبہ کو بُتوں سے اور تصاویر سے پاک کرنے کا حکم دیا چنانچہ کعبہ شریف کے اندر جو بُت رکھے تھے انہیں نکالا گیا اور جو تصویریں بنی ہوئی تھیں انہیں مٹوایا۔ مشرکین نے حضرت ابراہیم علیہ السّلام اور حضرت مریم علیہا السّلام کی تصاویر بھی بنا رکھی تھیں۔ حضرت اسماعیل علیہ السّلام کی تصویر بھی بنا رکھی تھی۔ آپؐ نے کعبہ شریف کو ان چیزوں سے پاک فرمایا۔ یہ تصویریں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مٹائی تھیں[1]۔

بُت پرستی کے نشانات کو ختم فرمانے کے بعد آپؐ نے کعبہ شریف کے اندر نماز پڑھی۔ حضرت بلال حبشیؓ اور حضرت اسامہؓ آپؐ کے ہمراہ تھے[2]۔ آپؐ نے کعبہ شریف کے ہر گوشہ میں اللہ اکبر کی صدائیں بلند فرمائیں۔

کعبہ شریف کے باہر مکّہ والوں کا اجتماع

اس دوران مکّہ معظّمہ کے باشندے اور سرداران قریش کعبہ شریف کے باہر جمع ہو گئے۔ جب آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم عبادت سے فارغ ہو کر کعبہ شریف سے باہر آئے تو حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے جو آپؐ کے چچا تھے عرض کیا کہ کعبۃ اللہ کی چابی بنی ہاشم کو عطا فرما دیں۔ لیکن آپؐ نے عثمان بن ابی طلحہؓ کو بلا کر چابی دوبارہ عطا فرمادی اور فرمایا "الیوم یوم البرّ والوفا" "آج حسن سلوک اور عطیات دینے کا دن ہے۔" اور حضرت عثمان بن ابی طلحہ سے فرمایا "خذوھا خالدۃ تالدۃ لاینزعھا منکم الّا ظالم (ترجمہ) ہمیشہ ہمیشہ کے لئے یہ اعزاز تمہیں دیا جا رہا ہے یہ تمہارے خاندان میں نسل در نسل باقی

---

[1] البدایہ والنہایۃ جلد ۴ صفحہ ۳۰۳ [2] زاد المعاد جلد ۲ صفحہ ۳۹۵

رہے گا جو تم سے یہ اعزاز چھینے گا وہ ظالم ہوگا۔" آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم نے ان کو وہ واقعہ یاد دلایا جب انہوں نے دروازہ کھولنے سے انکار کر دیا تھا۔ عثمان بن ابی طلحہ نے عرض کیا" اشھد انّك رسول اللہ۔"

تاریخ شاہد ہے کہ کسی بھی حکمران نے یہ اعزاز اس خاندان سے نہیں چھینا۔ آج بھی جب حاکم وقت کعبہ شریف کے اندر داخل ہونا چاہتا ہے تو اسی خاندان کے لوگوں سے چابی طلب کی جاتی ہے۔

دشمنوں کے ساتھ حسن سلوک اور معافی کا اعلان

آج آپؐ کے سامنے وہ لوگ گردنیں جھکائے بیٹھے تھے جنہوں نے ۱۳ برس تک رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم اور صحابہ کرامؓ کو سخت اذیتیں دی تھیں۔ اسلام اور مسلمانوں کو مٹانے کے لئے ہر طرح کی کوششیں کی تھیں۔ ہجرت کے بعد بھی آپؐ کو اور آپؐ کے اصحابؓ کو چین نہ لینے دیا تھا، مدینہ پر حملہ آور ہوتے رہے تھے۔ اکیس ۲۱ سال سے یہ لوگ دشمنی پر کمر باندھے ہوئے تھے۔ سرورِ کونین صلّی اللہ علیہ وسلّم نے ان کو خطاب کر کے فرمایا:

ترجمہ: "اے قریش کے لوگو! بے شک اللہ تعالےٰ نے تمہاری جاہلانہ نخوت اور آباؤ اجداد پر اترانے کا غرور آج ختم کر دیا ہے (حقیقت تو یہ ہے کہ سب لوگ آدم کی اولاد ہیں اور آدم کو مٹی سے بنایا گیا تھا۔"

اس کے بعد آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم نے سورۃ الحجرات کی یہ آیت تلاوت فرمائی:

يَٰٓأَيُّهَا ٱلنَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَٰكُم مِّن ذَكَرٍ وَأُنثَىٰ وَجَعَلْنَٰكُمْ شُعُوبًا وَقَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوٓا۟ ۚ إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِندَ ٱللَّهِ أَتْقَىٰكُمْ ۚ

ترجمہ: "اے لوگو! ہم نے تم کو ایک مرد و عورت سے پیدا کیا ہے اور تمہاری قومیّتیں اور قبیلے صرف پہچان کے لئے بنائے ہیں، اللہ تعالےٰ کے ہاں اس کی عزّت زیادہ ہے جس میں تقویٰ زیادہ ہو۔"

پھر ان سے فرمایا:

اِذھبُوفأنتم الطُّلقاء لَاتَثرِیب علیکم الیوم۔

ترجمہ: "جاؤ تم سب آزاد ہو تم سے کوئی مواخذہ نہیں۔"

اس کے بعد جوق در جوق لوگوں نے اسلام قبول کیا اور کوہِ صفا پر بیٹھ کر آپؐ نے لوگوں کو بیعت فرمایا۔ یہ وہی پہاڑی ہے جہاں سے آپؐ نے علی الاعلان دعوتِ اسلام کا آغاز فرمایا تھا۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ ایک ایک شخص کو آپؐ کی خدمت میں پیش کرتے تھے اور آپؐ ان سے مندرجہ ذیل عہد لیتے تھے۔

(۱) اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کروں گا (نہ ذات میں نہ صفات میں نہ عبادت و استعانت میں)۔

(۲) چوری نہ کروں گا۔

(۳) بدکاری نہ کروں گا۔

(۴) کسی کا ناحق خون نہ کروں گا۔

(۵) لڑکیوں کو جان (بوجھ سمجھ کر یا عار سمجھ کر) قتل نہ کروں گا۔

(۶) کسی پر بہتان نہ لگاؤں گا۔

(۷) جہاں تک ممکن ہو گا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کروں گا۔

عورتوں کو بیعت فرمانا

اس موقع پر بہت سی خواتین بھی مسلمان ہوئیں جس کا ذکر سورۃ الممتحنہ میں ہے ان کو بیعت کرتے وقت آپؐ صرف زبانی طور پر اقرار لیتے تھے جبکہ مردوں نے آپؐ کے ہاتھ میں ہاتھ دے کر بیعت کی تھی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی کسی نامحرم عورت سے مصافحہ نہ فرمایا۔

فضالہ بن عمیر کا بُرا ارادہ اور نبی اکرمؐ کو اس کی اطلاع

فتح مکہ کے دن نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم طواف کر رہے تھے کہ فضالہ بن عمیر

نے موقع دیکھ کر آپؐ کو شہید کرنے کا ارادہ کیا۔ جب وہ آپؐ کے قریب پہنچا تو آپؐ نے فرمایا "تم اپنے دل میں ابھی کیا ارادہ کر رہے تھے؟" فضالہ نے کہا کچھ نہیں میں تو اللہ کو یاد کر رہا تھا۔ یہ سُن کر نبی کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم ہنس پڑے اور فرمایا: "تم اللہ تعالیٰ سے اپنے لئے معافی طلب کرو"۔ اور اس کے بعد اپنا ہاتھ فضالہ کے سینے پر رکھ دیا اور فضالہ مسلمان ہو گیا۔

فضالہ کہتے ہیں کہ آپؐ کے ہاتھ رکھنے سے مجھے بہت سکون حاصل ہوا اور اسی وقت میرے دل میں آپؐ کے لئے ایسی محبّت پیدا ہو گئی کہ آپؐ سے بڑھ کر مجھے کوئی محبوب نہ رہا۔[1]

واضح رہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپؐ کو اس وقت فُضالہ کے ارادہ کی اطلاع ہو گئی۔ اللہ تعالیٰ جب چاہتا ہے تو مطلع فرما دیتا ہے اور جب نہ چاہے تو خبر نہیں ہوتی کیونکہ عالم الغیب صرف اللہ کی ذات ہے۔

بعض مَردوں اور عورتوں کو قتل کرنے کا حکم

مکّہ معظّمہ میں داخلہ کے وقت آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم نے اپنے لشکر کو ہدایت فرمائی تھی کہ کسی پر حملہ کرنے میں پہل نہ کرنا لیکن بعض مردوں اور عورتوں کے بارے میں حکم دیا کہ ان کو قتل کر دیا جائے کیونکہ اپنے سابقہ جرائم کی وجہ سے وہ قتل کے حقدار بن چکے تھے۔ ان میں سے ایک ابن خطل تھا، یہ شخص پہلے مسلمان ہو چکا تھا پھر ایک روز اس نے اپنے غلام کو کھانا وقت پر تیار نہ کرنے کی وجہ سے قتل کر دیا تھا لہٰذا ناحق خون کرنے کی وجہ سے اس سے قصاص لینا واجب تھا۔ یہ شخص بھاگ کر مکّہ معظّمہ آ گیا تھا اور مُرتد ہو گیا تھا۔ اس کو قصاصاً قتل کیا گیا۔

دوسرے نمبر پر عکرمہ بن ابی جہل تھا۔ یہ مسلمانوں کا سخت دشمن رہا تھا اور بنو خزاعہ جو مسلمانوں کے حلیف تھے ان کو تباہ کرنے کا باعث بنا تھا۔ عکرمہ نے

---

[1] زاد المعاد ج ۱ ص ۴۱۷۔

معافی طلب کی اور اسلام قبول کیا لہٰذا عکرمہ کو معاف کر دیا گیا۔

تیسرے نمبر پر ہبار تھا۔ اس نے حضرت زینب بنتِ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کو اس وقت نیزہ مارا تھا جب وہ ہجرت کر کے اپنے شفیق باپ محمد مصطفیٰ صلّی اللہ علیہ وسلّم کے پاس مدینہ طیبہ جا رہی تھیں۔ ان کو خوف زدہ کیا اور سواری سے گرا دیا تھا جس کی وجہ سے ان کا حمل ساقط ہو گیا تھا اور بالآخر اس صدمہ و تکلیف کی وجہ سے ان کا انتقال ہوا تھا۔ ہبار کو بھی رحمتِ مجسّم صلّی اللہ علیہ وسلّم نے معاف فرما دیا۔

چوتھے نمبر پر عبداللہ بن ابی سرح تھا۔ یہ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کی شان میں گستاخی کا مرتکب ہوا تھا اور کہتا تھا کہ وحی تو میرے پاس آتی ہے۔ ان سب کو آپؐ نے معاف فرما دیا۔ اللہ اکبر! ایسے مجرموں کو معاف فرمانا رحمتِ دو عالم صلّی اللہ علیہ وسلّم کا کام تھا۔ عورتوں میں سے ایک کو قصاصاً قتل کیا گیا تھا کیونکہ وہ قتل عمد کا ارتکاب کر چکی تھی۔

نبی الرحمۃ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے ہند[1] زوجۂ ابو سفیان کو بھی معاف فرما دیا جس نے آپؐ کے پیارے چچا حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو شہید کرایا تھا اور ان کا کلیجہ نکال کر دانتوں سے چبایا تھا۔ وحشی کو بھی معاف فرما دیا جس نے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کو ہند زوجۂ ابو سفیان کے کہنے پر دھوکے سے شہید کیا تھا اور نعش کی بے حُرمتی کی تھی۔ تاریخِ انسانیت ایسی رحمت و شفقت و عفو و درگزر کی مثال پیش نہیں کر سکتی۔

انصار کا اندیشہ اور رسُول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کا اُن کو تسلّی دینا

فتح مکّہ کے بعد رسُول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کوہِ صفا پر کھڑے ہوئے اور خوب دُعا

---

[1] اُردو بولنے والے ہند کو ہندہ کہتے اور لکھتے ہیں اصل نام ہند ہے اسی طرح حضرت ہاجَر ام اسمٰعیل علیہ السّلام کو "ہاجرہ" لکھتے ہیں۔

فرمائی۔ انصار آپؐ کے ارد گرد جمع تھے ان میں سے بعض نے آپس میں کہا کہ اب جبکہ آپؐ کا آبائی شہر فتح ہو گیا ہے تو ہو سکتا ہے کہ آپؐ اب یہیں ٹھہر جائیں۔ حُبِّ نبی سے سرشار یہ لوگ ڈر رہے تھے کہ کہیں اس نعمت عظمیٰ سے محرومی نہ ہو جائے۔ جب آپؐ دُعا سے فارغ ہوئے تو ان سے دریافت فرمایا کہ تم لوگ کیا اندیشہ ظاہر کر رہے تھے؟ پھر ان کو تسلّی دیتے ہوئے فرمایا" المحیا محیاکم والممات مماتکم۔" یعنی اب تو جینا اور مرنا تمہارے ہی ساتھ ہو گا[1] اس حدیث سے مدینہ طیّبہ کی اور انصار کی فضیلت معلوم ہوئی۔

عُزّیٰ نامی بُت توڑنے کیلئے حضرت خالد بن الولید کو ایک دستہ کے ساتھ روانہ فرمانا

نخلۃ مکّہ و طائف کے درمیان ایک مقام ہے وہاں بُت پرستوں کی ایک دیوی کا بُت تھا جس کو عُزّیٰ کہا جاتا تھا۔ حضرت خالد بن الولید آپؐ کے حکم کے مطابق ۲۰ رمضان المبارک ۸ ہجری کو تیس گھڑ سواروں کے ساتھ اس کو توڑنے کے لئے روانہ ہوئے۔ بُت توڑ کر واپس ہوئے تو نبی کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم نے ان سے دریافت فرمایا کہ بُت توڑنے کے بعد تم نے کچھ دیکھا؟ انہوں نے عرض کیا نہیں، تو فرمایا کہ تم نے ابھی تک عُزّیٰ کو نہیں توڑا دوبارہ جاؤ اور اس کو توڑ کر آؤ۔ دوسری بار جب حضرت خالد الولیدؓ وہاں پہنچے اور تلوار نکالی تو ایک کالی عورت ننگی حالت میں ظاہر ہوئی جس کے بال بکھرے ہوئے تھے۔ حضرت خالد بن الولیدؓ نے اس پر زور دار وار کیا اور اس کے دو ٹکڑے کر دیئے۔ واپس آکر نبی کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم کو اس کی خبر دی تو آپؐ نے فرمایا ہاں یہی تو عُزّیٰ تھی اور اب وہ اس بات سے ناامید ہو گئی ہے کہ تمہاری سرزمین پر اُس کی پُوجا ہو گی۔ عُزّیٰ قریش کے بڑے بُتوں میں سے یہ بُت تھا[2]

---

[1] عیون الاثر صفحہ ۲۴۲ جلد ۲۔ [2] الطبقات الکبریٰ جلد ۲ صفحہ ۱۴۵ و ۱۴۶۔

اس واقعہ سے واضح طور پر معلوم ہوا کہ بُت پرستی درحقیقت شیاطین کی پُوجا کا نام ہے وہ جنّات اور جناتنیاں ہوتی ہیں مشرکین ان سے ڈرتے ہیں اور ان کے نام کی مورتیاں بناکر پُوجا کرتے ہیں ۔

دیگر بُتوں کو توڑنے کے لئے دستوں کو روانہ فرمانا

اسی طرح آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم نے سُواع نام کا بُت توڑنے کے لئے حضرت عمرو بن العاصؓ کو ایک دستہ کے ساتھ روانہ فرمایا اور انہوں نے اس کا کام تمام کیا[۱] اسی طرح "مناۃ" نام کا بُت توڑنے کے لئے حضرت سعد بن زید اشہلیؓ کو روانہ فرمایا۔ یہ ساحل کی جانب مقام مشلّل میں قدید کے قریب واقع تھا وہاں بھی ایک کالی عورت برہنہ حالت میں ظاہر ہوئی اس کو قتل کردیا گیا اور بُت کو مسمار کرنے کے بعد واپس ہوئے[۲]

اس طرح خاتم النّبیین، امام المرسلین صلّی اللہ علیہ وسلّم نے توحید کو عملی طور پر نافذ فرمایا اور شرک وکفر کو مٹایا[۳]

فصلّی اللہ علیہ وعلیٰ آلہٖ واصحابہٖ وبارك وسلّم تسلیمًا کثیرا ۔

---

[۱] الطبقات الکبریٰ جلد ۲ صفحہ ۱۴۶ ۔ [۲] عیون الاثر جلد ۲ صفحہ ۲۵۰

[۳] ۔ آج بروز بدھ ۱۹ شعبان ۱۴۲۴ھ بوقت ساڑھے تین بجے شب غزوۂ فتح مکّہ کے واقعات لکھ کر فارغ ہوا۔ فالحمد للہ علیٰ ذالك ۔

احقر عبداللہ البرنی المدنی غفرلہ

غزوۂ حُنین

کا

مُفصّل واقعہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

اس واقعہ کی تفصیل اس طرح سے ہے کہ جب قبیلہ ہوازن کو یہ معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ فتح کرلیا ہے تو مالک بن عوف نصری نے جو ان کا سردار تھا بنی ہوازن کو جمع کیا اس کے ساتھ بنو ثقیف، بنو نصر، بنو جشم بنو سعد بن بکر اور کچھ بنی ہلال میں سے جمع ہوگئے ان لوگوں کا ارادہ تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے قتال کریں۔ ان کے ارادوں کی خبر ملنے پر جب آپؐ نے ان کی طرف تشریف لے جانے کا ارادہ کیا تو مالک بن عوف نے اپنی جمعیت اور اپنے اموال اور عورتوں اور بچوں کو مقامِ حنین میں جمع کردیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابن ابی حدرد اسلمی رضی اللہ عنہ کو ان کی خبر لینے کے لئے بھیجا اور فرمایا کہ تم ان کے اندر جاکر رہو اور صحیح حال معلوم کرکے ان کی خبر لے آؤ۔ حضرت عبداللہ بن ابی حدرد رضی اللہ عنہ تشریف لے گئے اور ان میں داخل ہوکر ان کی خبریں لیں اور حالات معلوم کئے۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو صورتِ حال سے باخبر کیا اور بتایا کہ ان لوگوں کی نیت جنگ کرنے کی ہے۔ آپؐ نے مکہ معظمہ سے جب ان کے مقابلہ کے لئے سفر شروع فرمایا تھا تو آپؐ کے ساتھ دس ہزار افراد تو وہ تھے جو فتحِ مکہ کے لئے مدینہ منورہ سے ہمراہ آئے تھے اور دو ہزار آدمی مزید اہلِ مکہ میں سے ساتھ ہوگئے تھے۔ حضرت سہل ابن حنظلیہ نے بیان کیا کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ چل رہے تھے۔ اسی اثنا میں نمازِ ظہر کا وقت آگیا اس وقت ایک گھڑ سوار آدمی آیا اس نے کہا کہ یارسول اللہ! میں آپ کے آگے چلا گیا تھا میں فلاں فلاں پہاڑ پر چڑھ گیا تو میں نے دیکھا کہ بنی ہوازن سب کے سب اپنی عورتوں اور اپنے اموال اور اپنی بکریوں کو لے کر حنین میں جمع ہوگئے ہیں آپؐ نے مسکرا کر فرمایا ان شاء اللہ کل کو یہ سب مسلمانوں کے لئے مالِ غنیمت ہوں گے۔ آنے والی رات میں حضرت انس بن ابی مرثدؓ چوکیداری کرتے رہے اور اِدھر اُدھر مختلف

گھاٹیوں میں گھوڑے پر سوار ہو کر پھرتے رہے تاکہ دشمن کی خبر رکھیں۔

جب صبح ہوئی تو مسلمانوں کے لشکر اور بنی ہوازن کی جمعیت کا مقابلہ شروع ہوا۔ پہلے لکھا جا چکا ہے کہ بعض مسلمانوں کی زبان سے یہ بات نکل گئی تھی کہ اس وقت ہماری تعداد بہت ہے افراد کی کمی کی وجہ سے آج شکست نہیں کھائیں گے۔ بنی ہوازن کے لوگ تیر اندازی میں بہت ماہر تھے۔ انہوں نے تیر اندازی شروع کی تو مسلمان پشت پھیر کر بھاگ لئے۔ دشمن کے مقابلہ میں صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے ساتھ چند افراد رہ گئے تھے جن میں حضرت ابوبکرؓ حضرت عمرؓ حضرت علی اور حضرت عباس رضی اللہ تعالےٰ عنہم بھی تھے۔ آپ برابر پکارتے رہے۔

أَيُّهَا النَّاسُ هَلُمُّوا إِلَيَّ أَنَا رَسُولُ اللّٰهِ أَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ ٥

اے لوگو! میری طرف آجاؤ۔ میں رسول اللہ ہوں، میں محمد بن عبد اللہ ہوں۔

اس موقعہ پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سفید خچر پر سوار تھے اور بطور رجز یہ پڑھ رہے تھے:

٥ أَنَا النَّبِيُّ لَا كَذِبْ   أَنَا ابْنُ عَبْدِ الْمُطَّلِبْ

اس موقعہ پر آپؐ نے اللہ تعالےٰ سے دعا مانگی اور عرض کیا:

اَللّٰهُمَّ نَزِّلْ نَصْرَكَ۔ اے اللہ اپنی مدد نازل فرما۔

آپؐ نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ لوگوں کو پکارو کہ اے انصار کی جماعت ادھر آؤ اے اصحابِ شجرہ (جنہوں نے حدیبیہ میں درخت کے نیچے بیعت کی تھی) ادھر آؤ۔ یہ حضرات آواز سن کر لبیک لبیک کہتے رہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوتے رہے یہاں تک کہ سو آدمی جمع ہو گئے اور دوبارہ جنگ شروع ہو گئی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کنکریوں کی ایک مٹھی بھر کر مشرکین کی طرف پھینک دی اور فرمایا شَاهَتِ[1] الْوُجُوهُ۔ اللہ کا کرنا ایسا ہوا کہ یہ کنکریاں دشمنوں کی آنکھوں میں پڑ گئیں اور ان میں سے ایسا کوئی بھی

---

[1] ان کی صورتیں بگڑ جائیں ۱۲۔

باقی نہ رہا جس کی آنکھ میں مٹی نہ پڑی ہو۔ تھوڑی ہی دیر گزری تھی کہ بنی ہوازن اور ان کے ساتھ جمع ہونے والے قبائل کو شکست ہوگئی۔ ان میں بہت سے مقتول ہوئے اور بڑی تعداد میں قید کر کے خدمتِ عالی میں حاضر کئے گئے جن کی مشکیں بندھی ہوئی تھیں۔ ان لوگوں کے اموال اور عورتیں اور آل اولاد سب مسلمانوں کو بطورِ غنیمت مل گئے۔ (جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ ان کے اموال ان شاء اللہ کل کو مسلمانوں کے لئے مالِ غنیمت ہوں گے۔)

جن لوگوں نے فتحِ مکہ کے بعد اسلام قبول نہیں کیا تھا یُوں ہی ساتھ چلے آئے تھے انہوں نے جب اللہ کی مدد دیکھی تو اس موقعہ پر اسلام قبول کر لیا۔

جب اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فتح یابی نصیب فرمائی تو آپ نے مالِ غنیمت کو (جس میں اونٹ، بکریاں اور غلام باندیاں سبھی تھے۔ مقام جعرانہ پر لے جانے کا حکم فرمایا اور فرمایا کہ وہاں لے جا کر سب جمع کر دیئے جائیں اور حضرت مسعود بن عمرو انصاریؓ کو ان اموال کو لے جانے کا ذمہ دار بنا دیا۔

مقام اوطاس میں مشرکین سے مقابلہ اور ان کی شکست

اس کے بعد میدان سے بھاگنے والے دشمنوں کی ایک جماعت نے مقام اوطاس پر پڑاؤ ڈالا، اندازہ تھا کہ یہ لوگ جنگ کریں گے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے مقابلہ کے لئے حضرت ابو عامر رضی اللہ عنہ کو بھیجا، ان سے جنگ ہوئی تو ان پر غلبہ پالیا۔ لیکن حضرت ابو عامر رضی اللہ عنہ وہیں شہید ہوگئے ان کے بعد ان کے چچا زاد بھائی حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ نے جھنڈا سنبھالا اور قتال کیا اللہ تعالیٰ نے فتحیابی نصیب فرمائی اور انہی کے ہاتھوں وہ شخص مقتول ہوا جس نے حضرت ابو عامرؓ کو شہید کیا تھا۔ جنگ اوطاس کے موقعہ پر بھی مال غنیمت ملا جن میں مشرکین کی بہت سی عورتیں بھی تھیں۔

طائف کا محاصرہ پھر وہاں سے واپسی

غزوۂ حنین سے فارغ ہو کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم طائف کی طرف روانہ ہوئے وہاں مالک بن عوف بنی ہوازن کا سردار

اور اس کے ساتھی اور دوسرے لوگ قلعہ بند ہو گئے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چوبیس دن اور ایک روایت کے مطابق سترہ دن ان کا محاصرہ کیا، قلعہ کے اندر رہتے ہوئے وہ لوگ تیر پھینکتے رہے اور باہر نہ آئے۔

مسلمانوں میں بہت سے لوگ زخمی ہو گئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منجنیق استعمال فرمائی اور اس کے ذریعہ قلعہ کے اندر پتھر پھینکے (یہ اس زمانہ میں پتھر پھینکنے کا ایک آلہ تھا، دور حاضر کی توپ اس کی ترقی یافتہ ایک شکل ہے) واقدی کا بیان ہے کہ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ نے اپنے ہاتھ سے منجنیق بنائی تھی اور استعمال کرنے کا مشورہ دیا تھا۔ جب فتح یابی کی کوئی صورت نہ بنی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہم کل کو واپس ہو جائیں گے۔ چنانچہ آپؐ اگلے دن وہاں سے واپس ہو گئے اور چلتے وقت یوں دعا کی :

"اے اللہ! ان کو ہدایت دے اور ہمارے لئے تُو کافی ہو جا تاکہ ہمیں ان سے نپٹنا نہ پڑے۔"

اللہ تعالیٰ نے آپؐ کی دعا قبول فرمائی اور بنی ثقیف کا وفد (جو طائف کے رہنے والے تھے) آئندہ سال رمضان المبارک میں مدینہ منورہ حاضر ہوا اور اسلام قبول کیا اور پورا قبیلہ مسلمان ہو گیا۔ (یاد رہے کہ طائف والے وہی تھے جنہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو زخمی کیا تھا۔ پھر بھی آپؐ انہیں ہدایت کی دعا دے کر تشریف لے آئے۔)

جعرانہ میں تقسیم غنائم

آپؐ طائف سے واپس ہوئے تو مقام جعرانہ میں پہنچے آپؐ کے ساتھ مسلمانوں کا لشکر عظیم تھا۔ وہاں پہلے سے غنیمت کے اموال بھیج دیئے تھے جن میں بنی ہوازن کے قیدی بھی تھے۔ اُن قیدیوں کی تعداد چھ ہزار تھی جن میں بچے اور عورتیں بھی تھیں اور بہت بڑی تعداد میں اونٹ بھی تھے اور بکریاں بھی تھیں۔ آپؐ نے ان کو اپنے لشکر میں تقسیم فرما دیا۔ پھر ان کی

درخواست پر غانمین سے اجازت لے کر ان کے قیدی واپس کر دیئے کیونکہ بنی ہوازن نے اسلام قبول کر کے اس کی درخواست کی تھی۔

جیسا کہ پہلے عرض کیا گیا مالک بن عوف جو بنی ہوازن کا سردار تھا وہ طائف میں قلعہ بند ہو گیا تھا۔ آپؐ نے اس کو خبر بھیجی کہ اگر اسلام قبول کر کے میرے پاس آجائے تو اس کے کنبہ کے لوگ اور اس کا مال واپس کر دوں گا اور اس کو سو اونٹ بھی دے دوں گا۔ جب مالک بن عوف کو یہ بات پہنچی تو اس نے اسلام قبول کر لیا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے وعدہ کے مطابق اس کے اہل و عیال واپس کر دیئے اور سو اونٹ بھی عنایت فرما دیئے۔ اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جعرانہ سے عمرہ کا احرام باندھا اور مکہ معظمہ پہنچ کر عمرہ ادا کیا۔ پھر مدینہ منورہ عافیت اور سلامتی کے ساتھ تشریف لے آئے۔ (من البدایۃ والنہایۃ للحافظ ابن کثیر ص ۳۲۲ تا ص ۳۶۸ مختصراً وملتقطاً)

حُنین میں فرشتوں کا نزول

مسلمانوں کو اول شکست ہوئی اور ایسی شکست ہوئی کہ زمین ان کے لئے تنگ ہو گئی اور سبب اس کا وہی ہوا کہ بعض مسلمانوں نے یہ کہہ دیا کہ آج تو ہم تعداد میں بہت ہیں شکست کا احتمال ہی نہیں۔ پھر اللہ تعالیٰ نے مدد فرمائی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر سکینہ نازل فرمائی جس کی وجہ سے آپؐ خوب اطمینان اور سکونِ قلب کے ساتھ بلا خوف و خطر اپنے خچر پر سوار رہے اور صحابہؓ کو اپنی طرف بلاتے رہے۔ اللہ تعالیٰ نے آپؐ کے صحابہؓ پر بھی سکینت نازل فرمائی اور سکون و اطمینان کے ساتھ دوبارہ جنگ کرنے لگے جس سے دشمنوں نے شکست کھائی۔

قرآن مجید میں غزوۂ حنین کا ذکر کرتے ہوئے وَاَنْزَلَ جُنُوْدًا لَّمْ تَرَوْهَا بھی فرمایا (اور اللہ نے لشکر اُتارے جنہیں تم نے نہیں دیکھا) صاحب معالم التنزیل ص ۲۸۱ ج ۲ میں فرماتے ہیں یعنی:

الملائكة قيل لا للقتال ولكن لتجبين الكفار وتشجيع المسلمين لأنه يُروى أن الملائكة لم يقاتلوا الا يوم بدر

یعنی لشکروں سے فرشتے مراد ہیں۔ اس بارے میں کہا جاتا ہے کہ فرشتے جنگ کرنے کے لئے نہیں بلکہ کافروں کو بزدل بنانے کے لئے اور مسلمانوں کو دلیر کرنے کے لئے نازل کئے گئے تھے کیونکہ یہ بات روایت کی جاتی ہے کہ فرشتوں نے بدر کے موقعہ کے علاوہ اور کسی موقعہ پر قتال میں حصّہ نہیں لیا۔

صاحب روح المعانی نے بھی ج۱۰ص۷۵ میں جنودا لّم تروھا کی تفسیر فرشتوں سے کی ہے اور لکھا ہے کہ جمہور نے اسی کو اختیار کیا ہے کہ فرشتوں نے بدر کے علاوہ کسی اور موقعہ پر قتال نہیں کیا وہ مومنین کے قلوب کی تقویت کے لئے اور مشرکین کے قلوب میں رعب ڈالنے کے لئے آئے تھے۔ پھر ایک قول یہ ذکر کیا ہے کہ انہوں نے قتال بھی کیا تھا لیکن اخیر میں لکھا ہے ولیس لہ سند یعول علیہ یعنی اس کی سند معتمد نہیں ہے۔

فرشتوں کے اتارنے کا ذکر فرمانے کے بعد فرمایا: وَعَذَّبَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا کہ اللہ نے کافروں کو عذاب دیا (جو مقتول ہوئے اور قیدی بنے) وَذٰلِكَ جَزَاءُ الْكَافِرِيْنَ۔ اور یہ کافروں کی سزا ہے (جو دنیا میں ہے) اور آخرت میں جو سزا ہے وہ دنیاوی سزا کے علاوہ ہے جو کفر پر مرے گا وہاں دائمی عذاب میں مبتلا ہوگا آخر میں فرمایا:

ثُمَّ يَتُوْبُ اللّٰهُ مِنْ بَعْدِ ذٰلِكَ عَلٰى مَنْ يَّشَاءُ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝

پھر اس کے بعد اللہ جس کی چاہے توبہ قبول فرمائے اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔

جو کافر مقتول ہو جائیں وہ تو دنیا کا عذاب یہیں چکھ لیتے ہیں اور آخرت کے دائمی عذاب کی طرف منتقل ہو جاتے ہیں لیکن جو لوگ قتل سے بچ جائیں اللہ تعالےٰ ان میں سے جس کو چاہے توبہ کی توفیق دے دیتا ہے جو کفر چھوڑ کر اسلام میں داخل ہو جاتا ہے۔ انہیں میں سے مالک بن عوف بھی تھا جو بہت بڑی جمعیت کو لے کر مقابلہ کے لئے حنین میں آیا تھا جب شکست ہوئی تو طائف جا کر قلعہ بند ہو گیا لیکن آنحضرت سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا پیغام پہنچنے پر واپس آیا اور مسلمان ہو گیا۔ آپؐ نے

اس کو اس کی قوم پر عامل بھی بنا دیا۔ نیز اور بھی بہت سے بنی ہوازن کے لوگ مسلمان ہوئے جو جنگ میں قتل ہونے سے بچ گئے تھے۔ طائف میں جاکر آپؐ نے محاصرہ فرمایا پھر محاصرہ کے بعد واپس تشریف لے آئے بعد میں وہ لوگ بھی مسلمان ہو گئے۔ اسلام کے بڑے بڑے دشمنوں نے اسلام قبول کیا اور مستحقِ جنّت ہوئے۔ زمانۂ کفر میں جو کیا تھا اللہ تعالیٰ نے سب معاف فرما دیا۔

مالک بن عوف نے اسلام قبول کر کے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صفت بیان کرتے ہوئے چند اشعار کہے اہلِ علم کی دلچسپی کے لئے نقل کئے جاتے ہیں۔

ما إن رأيت ولا سمعت بمثله　　في الناس كلهم بمثل محمّد

أوفى وأعطى للجزيل إذا اجتدي　　ومتى تشأ يخبرك عما في غد

وإذا الكتيبة عردت أنيابها　　بالسمهري وضرب كل مهند

فكأنه ليث على أشباله　　وسط الهباءة خادر في مرصد

جن کا ترجمہ یہ ہے:

۱. میں نے تمام لوگوں میں محمّد (صلی اللہ علیہ وسلم) جیسا نہ دیکھا اور نہ سُنا۔

۲. خوب مالِ کثیر کا دینے والا جب کہ وہ سخاوت کرے اور جب تو چاہے تو تجھے اس بات کی خبر دے دے جو کل ہونے والی ہے (وہ جو آپ نے فرما دیا تھا کہ بنی ہوازن کے مال انشاء اللہ کل مسلمانوں کے لئے مالِ غنیمت ہوں گے اس کی طرف اشارہ ہے۔)

۳،۴. اور جب لشکر اپنے دانتوں کو پیسنے لگے نیزوں کے ساتھ اور ہر تلوار استعمال کرلی جائے تو گویا وہ شیر ہے اپنے بچوں (کی نگرانی) پر غبار کے درمیان ہر گھات کی جگہ میں۔

(ذکرها الحافظ ابن کثیر فی البدایه ص۳۶۱ ج ۴

والخادر (بالخاء) الاسد الذی اختفی فی اجمته کما فی القاموس)

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّمَا الْمُشْرِكُوْنَ نَجَسٌ فَلَا يَقْرَبُوا الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ بَعْدَ عَامِهِمْ هٰذَا ۚ وَاِنْ خِفْتُمْ عَيْلَةً فَسَوْفَ يُغْنِيْكُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖٓ اِنْ شَآءَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ۝

اے ایمان والو! مشرکین پلید ہی ہیں سو وہ اس سال کے بعد مسجد حرام کے پاس نہ آئیں اور اگر تم فقر سے ڈرتے ہو تو عنقریب اللہ تمہیں اپنے فضل سے غنی کر دے گا اگر چاہے، بے شک اللہ جاننے والا اور حکمت والا ہے۔

مشرکین نجس ہیں لہٰذا مسجد حرام کے پاس نہ جائیں

تفسیر یہ آیت بھی سورۂ براءت کی شروع کی اُن چالیس آیات میں سے ہے جن کا اعلان ۹ھ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ذریعہ حج کے موقعہ پر کرایا گیا تھا جس میں حضرت ابو بکرؓ امیر الحج تھے۔ جن چیزوں کا اعلان کیا تھا ان میں یہ بھی تھا کہ اس سال کے بعد کوئی مشرک حج نہ کرے اور کوئی شخص ننگا ہونے کی حالت میں طواف نہ کرے (جیسا کہ مشرکین کیا کرتے تھے) اس آیت میں جو یہ فرمایا ہے کہ "مشرکین پلید ہی ہیں سو وہ اس سال کے بعد مسجد حرام کے پاس نہ آئیں۔ اس میں حضرت امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک یہ حکم دیا گیا ہے کہ آئندہ مشرکین کو حج نہ کرنے دیا جائے۔ مسجد حرام میں نہ آنے دینے کا یہی مطلب ہے۔ اگر کسی کافر کو مسجد حرام میں یا کسی بھی مسجد میں داخل ہونے کی اجازت دی جائے تو حضرت امام صاحب کے نزدیک یہ جائز ہے۔

اور پلید ہونے سے مراد اُن کی اندرونی ناپاکی یعنی عقائد شرکیہ اور کفریہ ہیں۔ ہاں اگر ان میں کوئی مرد و عورت جنابت والا ہو یا کوئی عورت حیض والی ہو یا جسم پر کوئی ظاہری نجاست لگی ہوئی ہو تو ان نجاستوں کی وجہ سے داخل نہ ہونے دیا جائے گا اور اس میں مومن اور کافر کا حکم ایک ہی ہے دیگر ائمہ کا مذہب اس سے مختلف ہے۔ صاحب روح المعانی نے حضرت امام شافعی اور حضرت امام مالک اور حضرت امام احمد بن حنبل رحمہم اللہ تعالیٰ کا یہ مذہب نقل کیا ہے کہ کسی کافر کو خواہ ذمی

ہو یا دیزہ لے کر آیا ہو، کسی بھی صورت میں مسجد حرام میں داخل کرنے کی اجازت نہیں ہے۔ اگر کافروں کی طرف سے کوئی قاصد آئے تو امام المسلمین مسجد سے باہر نکل کر اس سے گفتگو کرے۔

یہ تو ان حضرات کا مذہب مسجد حرام کے داخلہ کے بارے میں ہے۔ رہا دوسری مساجد کا مسئلہ تو حضرت امام شافعیؒ دوسری مسجدوں میں کافر کے داخلہ کی اجازت دیتے ہیں اور امام مالکؒ سے ایک روایت یہ ہے کہ تمام مسجدوں کا حکم برابر ہے کسی بھی مسجد میں کافر کا داخلہ جائز نہیں۔

حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے جو آیت کا یہ مطلب بتایا ہے کہ کافروں کو حج اور عمرہ کرنے سے روکا جائے اور بعض حالات میں کافروں کے مسجد حرام میں داخل ہونے کی اجازت ہے اس کی دلیل میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ کا یہ ارشاد پیش کیا جاتا ہے جیسے درمنثور ص۲۲۶ ج ۳ میں مصنّف عبدالرزاق وغیرہ سے نقل کیا ہے۔ فلا یقربوا المسجد الحرام بعد عامهم هذا الا أن يكون عبداً أو أحد من أهل الذمة (کہ مشرکین اس سال کے بعد مسجد حرام کے قریب نہ جائیں مگر یہ کہ کوئی شخص غلام یا ذمّی ہو) اور یہ معلوم ہے کہ کافر مشرک ہونے میں غلام یا ندی اور ذمّی اور دوسرے مشرکین سب برابر ہیں۔ جب غلام اور ذمّی کو اجازت دے دی گئی تو معلوم ہوا کہ ہر کافر کے داخلہ کی اجازت ہے۔ البتہ اس بات کی ممانعت ہے کہ ان کو حج یا عمرہ کرنے کی اجازت دی جائے۔

حدیث بالا درمنثور میں موقوفاً ہی نقل کی ہے لیکن علامہ ابوبکر جصاص نے احکام القرآن ص۸۹ ج ۳ میں مرفوعاً اور موقوفاً دونوں طرح نقل کی ہے۔ پھر لکھا ہے کہ ہو سکتا ہے دونوں طرح صحیح ہو۔ حضرت جابرؓ نے بعض اوقات ارشاد نبوی کے طور پر نقل کر دیا اور کبھی اپنی طرف سے فتویٰ دے دیا۔

لَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ فِيْ مَوَاطِنَ كَثِيْرَةٍ ۙ وَّيَوْمَ حُنَيْنٍ ۙ اِذْ اَعْجَبَتْكُمْ كَثْرَتُكُمْ فَلَمْ تُغْنِ عَنْكُمْ شَيْـًٔا وَّ ضَاقَتْ عَلَيْكُمُ الْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ ثُمَّ وَلَّيْتُمْ مُّدْبِرِيْنَ ۝ ثُمَّ اَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَهٗ عَلٰى رَسُوْلِهٖ وَعَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ وَاَنْزَلَ جُنُوْدًا لَّمْ تَرَوْهَا ۚ وَعَذَّبَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ؕ وَذٰلِكَ جَزَآءُ الْكٰفِرِيْنَ ۝ ثُمَّ يَتُوْبُ اللّٰهُ مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝

ترجمہ: یہ واقعی بات ہے کہ اللہ نے بہت سے مواقع میں تمہاری مدد فرمائی اور حنین کے دن بھی، جب تمہیں اپنی کثرت پر گھمنڈ ہوگیا۔ پھر اس کثرت نے تمہیں کچھ بھی فائدہ نہ دیا اور زمین اپنی فراخی کے باوجود تم پر تنگ ہوگئی۔ پھر تم پیٹھ پھیر کر بھاگ کھڑے ہوئے پھر اللہ نے اپنے رسولؐ پر اور مؤمنین پر اطمینان قلبی نازل فرمایا اور ایسے لشکر اتار دیئے جنہیں تم نہیں دیکھ رہے تھے، اور اللہ تعالےٰ نے کافروں کو عذاب دیا اور یہ سزا ہے کافروں کی، پھر اس کے بعد اللہ جس کی چاہے توبہ قبول فرمائے اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

غزوۂ تبوک ۹ سنہ ہجری

حضورِ اقدس صلّی اللہ علیہ وسلّم کو اطلاع ملی کہ ہرقل شاہِ روم نے ایک بہت بڑا لشکر تیار کیا ہے اور فوج کو سال بھر کی تنخواہیں بھی تقسیم کر دی ہیں [1]

تقریباً چالیس ہزار رومیوں کا لشکرِ جرار مسلمانوں سے جنگ کرنے کے لئے تیار ہو گیا ہے [2] آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم نے حکم دیا کہ فوراً سفر کی تیاری کی جائے اور رومیوں کو ان کی سرحد پر ہی روک دیا جائے، تبوک پہنچ کر ان دشمنانِ اسلام سے جنگ کی جائے۔ اس وقت مدینہ طیبہ میں کھجوروں کے پکنے کا موسم تھا اور مدینہ طیبہ سے تبوک تک طویل مسافت سخت گرمی کے موسم اور بے سروسامانی کے عالم میں طے کرنا بڑا مشکل کام تھا لیکن جانثار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین آپؐ کا حکم سُن کر جان و مال سے تیاری میں مصروف ہو گئے۔ اسی موقع پر حضرت ابوبکر صدیقؓ نے اپنا سارا مال لا کر حضورِ اقدس صلّی اللہ علیہ وسلّم کی خدمت میں پیش کر دیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنا آدھا مال پیش کیا۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف نے چالیس اوقیہ چاندی لا کر پیش کی [3] حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے تین سو اونٹ مع ساز و سامان اور ایک ہزار دینار لا کر آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کی بارگاہ میں پیش کئے۔ آپؐ نے فرمایا "اے اللہ! میں عثمان سے راضی ہوا تو بھی اس سے راضی ہو جا۔"

آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم تیس ہزار کا لشکر لے کر مدینہ طیبہ سے روانہ ہوئے حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کو مدینہ طیبہ میں اہل و عیال کی دیکھ بھال کے لئے چھوڑا کیونکہ حضرت علیؓ کو آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم سے قرابت داری اور دامادی کا شرف حاصل تھا اور وہی اہل و عیال کی صحیح خبر گیری اور سرپرستی فرما سکتے تھے۔

---

[1] طبقات ابن سعد ج ۲ ص ۱۱۹ - [2] مجمع الزوائد ج ۵ ص ۱۹۱ -
[3] زرقانی ج ۳ ص ۶۴

اور حضرت محمد بن مسلمہ انصاری رضی اللہ عنہ کو مدینہ کا والی مقرر فرمایا۔
تبوک پہنچ کر بیس روز قیام فرمایا کوئی دشمن مقابلے کے لئے نہ آیا۔ رومیوں کے اور دیگر دشمنوں کے دل مرعوب ہو گئے اور آس پاس کے قبائل نے آکر سر تسلیم خم کیا۔ بیس روز قیام کرنے کے بعد مدینہ طیبہ واپس ہوئے۔

منافقین کی بدباطنی کا تذکرہ

یہ لوگ ایمان کے مدعی تھے کہنے کو آپؐ کے ساتھ ہونے کا دعویٰ کرتے تھے لیکن اندر سے اُن کا یہ حال تھا کہ اگر آپؐ کو کوئی اچھی حالت پہنچ جاتے مثلاً دشمن کے مقابلہ میں کامیابی ہو جائے، مال غنیمت مل جائے تو انہیں یہ بات بُری لگتی تھی۔ وہ اس سے ناخوش ہوتے کہ آپ کو دشمنوں پر غلبہ حاصل ہو یا کسی بھی طرح کی کوئی خیر مل جائے اور اگر آپ کو کبھی کوئی تکلیف پہنچ گئی تو اپنی سمجھداری کی تعریف کرتے اور کہتے کہ دیکھو ہم کیسے اچھے رہے، ہم نے پہلے ہی احتیاط کا پہلو اختیار کر لیا تھا ان کے ساتھ لگتے تو ہم بھی مصیبت میں پڑتے، یہ باتیں کرتے ہوتے اپنے گھروں کو واپس ہوتے تھے اور خوش ہوتے ہوئے پُشت پھیر کر چل دیتے تھے مومن کی شان تو یہ ہے کہ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کے ساتھ ہر حال میں رہے۔ خوشحالی میں بھی آپؐ کا ساتھی ہو اور مصیبت میں بھی۔

روح المعانی ص۱۱۲ ج۱۰ میں بحوالہ ابن ابی حاتم حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ جو منافقین غزوۂ تبوک کے موقعہ پر آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کے ساتھ نہ گئے۔ وہ لوگوں سے کہتے رہے کہ بس جی محمد صلّی اللہ علیہ وسلّم اور ان کے ساتھی تو بڑی مصیبت میں پڑ گئے۔ بڑی مشقت کا سفر اختیار کیا۔ اب یہ ہلاک ہو کر رہیں گے۔ پھر جب انہیں یہ خبر ملی کہ دشمن مرعوب ہو گیا اور آپؐ صحیح سالم اپنے صحابہؓ کے ساتھ واپس آرہے ہیں تو انہیں یہ بُرا لگا۔

منافقین جھوٹے عذر پیش کر کے غزوۂ تبوک کی شرکت سے رہ گئے

منافقین نے تبوک نہ جانے کا فیصلہ تو کر ہی لیا تھا لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کی خدمت میں حاضر ہو کر عذر پیش کر کے شریک نہ ہونے کی اجازت لیتے رہے آپؐ نے اجازت دے دی۔ اس اجازت پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے عتاب ہوا۔ لیکن عتاب میں بھی ایک لطف ہے۔ اوّل یوں فرمایا عَفَا اللّٰہُ عَنْکَ۔ (یعنی اللہ نے آپ کو معاف فرمایا) اس کے بعد عتاب فرمایا، اور یوں فرمایا کہ آپ نے لوگوں کو اجازت کیوں دی، یہ موقعہ سچّوں اور جھوٹوں کے جاننے کا تھا آپ اجازت دینے میں جلدی نہ فرماتے تو معلوم ہو جاتا کہ سچّا عذر پیش کرنے والے کون ہیں اور جھوٹے کون ہیں۔ صاحب روح المعانی فرماتے ہیں کہ یہ عتاب ترکِ اولیٰ پر ہے۔ آپ اجازت دینے میں توقف فرماتے تو اچھا تھا۔

اس کے بعد اللہ تعالےٰ نے اوّلاً اہلِ ایمان کا حال بیان فرمایا ہے لَا یَسْتَاْذِنُکَ الَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰہِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ اَنْ یُّجَاهِدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ (جو لوگ اللہ پر اور آخرت پر ایمان رکھتے ہیں وہ آپ سے اس بات کی اجازت نہیں لیتے کہ اپنے جانوں اور مالوں کو جہاد میں لگائیں) کیونکہ وہ تو حکم سنتے ہی تیار ہو جاتے ہیں وَاللّٰہُ عَلِیْمٌ بِالْمُتَّقِیْنَ۔ (اللہ تعالیٰ تقویٰ والوں کو خوب جانتا ہے۔ پھر منافقین کا ذکر فرمایا اِنَّمَا یَسْتَاْذِنُکَ الَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰہِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ وَارْتَابَتْ قُلُوْبُهُمْ (جہاد میں نہ جانے کی وہی لوگ آپ سے اجازت مانگتے ہیں جو اللہ پر اور آخرت کے دن پر ایمان نہیں رکھتے اور اُن کے دلوں میں شک ہے) فَهُمْ فِیْ رَیْبِهِمْ یَتَرَدَّدُوْنَ (سو وہ اپنے شک میں حیران ہو رہے ہیں) کبھی یہ خیال آتا ہے کہ ساتھ چلے جائیں تو اچھا ہے تاکہ منافقت کا بھرم نہ کھلے اور کبھی سوچتے ہیں کہ سفر اور دھوپ کی مصیبت بہت بڑی ہے اس لئے نہ جائیں تو اچھا رہے گا۔

مومنین مخلصین کی توبہ کا تذکرہ جو غزوۂ تبوک میں نہیں گئے تھے

جو منافقین غزوۂ تبوک میں شرکت کے لئے جانے سے رہ گئے تھے پھر آنحضرت سرور عالم صلّی اللہ علیہ وسلّم کے واپس تشریف لانے پر جھوٹے عذر پیش کرتے رہے۔ (جن میں اہلِ مدینہ اور مدینہ منوّرہ کی آس پاس کی بستیوں کے رہنے والے دیہاتی بھی تھے) ان کا تذکرہ فرمانے کے بعد اُن چند مومنین مخلصین کا تذکرہ فرمایا جو اپنے ایمان میں سچّے ہوتے ہوئے سستی اور کاہلی کی وجہ سے غزوۂ تبوک میں شریک نہیں ہوئے تھے۔ اس وقت تو رہ گئے اور ساتھ نہ گئے لیکن بعد میں پچھتائے اور نادم ہوئے کہ ہم عورتوں کے ساتھ سایوں میں زندگی گزار رہے ہیں اور رسُول اللہ صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلّم دُھوپ کی گرمی اور سفر کی مشقّت اور تکلیف میں ہیں ہمارے لئے پیچھے رہ جانا کسی طرح درست نہ تھا۔ جب ان حضرات کو رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کے واپس تشریف لانے کی خبر ملی تو انہوں نے اپنی جانوں کو ستونوں سے باندھ دیا اور کہنے لگے کہ ہم اپنی جانوں کو نہیں کھولیں گے جب تک رسُول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم ہی اپنے دستِ مُبارک سے ہمیں نہ کھولیں۔ آپؐ کا جب ان کی طرف گذر ہوا تو دریافت فرمایا کہ یہ کون لوگ ہیں؟ عرض کیا گیا کہ یہ وہ لوگ ہیں جو جہاد میں جانے سے رہ گئے تھے انہیں اپنی غلطی کا احساس ہوا اور انہوں نے اللہ تعالےٰ سے عہد کیا ہے کہ جب تک آپ ان کو نہ کھولیں گے اور ان سے راضی نہ ہوں گے اس وقت تک وہ بندھے ہی رہیں گے۔ آپؐ نے فرمایا اللہ کی قسم میں بھی انہیں نہیں کھولوں گا جب تک کہ مجھے اللہ تعالےٰ کی طرف سے ان کے کھولنے کا حکم نہ ہوگا۔ ان لوگوں نے میرا ساتھ چھوڑا اور مسلمانوں کے ساتھ جہاد میں نہ نکلے۔ لہٰذا اب مجھے ان کے بارے میں اللہ تعالےٰ کے حکم کا انتظار ہے جیسا حکم ہوگا اس پر عمل کروں گا۔ اس پر اللہ تعالےٰ نے آیتِ کریمہ وَآخَرُوْنَ اعْتَرَفُوْا۔ (الآیۃ) نازل فرمائی اور آپؐ نے ان کو کھول دیا۔ چونکہ یہ حضرات مخلص مومن تھے اور اپنے گناہ کا اقرار بھی کر لیا جو توبہ کا جزءِ اعظم

ہے اور جہاد سے پیچھے رہ جانے والے عمل سے انہوں نے توبہ بھی کرلی اور پہلے سے بھی نیک عمل کرتے تھے اور آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کے پیچھے بھی ادا لئے فرائض اور دیگر نیک کاموں میں لگے رہے اس لئے ان کے بارے میں یہ فرمایا کہ کچھ لوگ ایسے ہیں جنہوں نے اپنے گناہوں کا اقرار کرلیا اور نیک عمل کو بُرے عمل کے ساتھ ملادیا۔

اللہ تعالیٰ نے ان کی توبہ قبول فرمانے کی خوشخبری دی عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّتُوْبَ عَلَيْهِمْ کہ عنقریب اللہ ان کی توبہ قبول فرمائیں گے (چنانچہ ان کی توبہ قبول ہوگئی)۔ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ٥ بلاشبہ اللہ مغفرت فرمانے والا اور رحم کرنے والا ہے۔)

جب ان لوگوں کی توبہ قبول ہوگئی تو رسُول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی کہ ہمارے پاس جو یہ اموال ہیں ان ہی نے ہم کو پیچھے ڈالا اور جہاد کی شرکت سے روکا۔ لہٰذا ہم ان کا صدقہ کردیتے ہیں۔ آپؐ نے فرمایا مجھے اموال میں سے کچھ لینے کا حکم نہیں ہوا۔ اس پر آیتِ کریمہ خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ بِهَا نازل ہوئی یعنی آپ ان کے مالوں میں سے صدقہ لے لیجئے جس کے ذریعہ آپ ان کو پاک اور صاف کردیں۔ وَصَلِّ عَلَيْهِمْ اِنَّ صَلٰوتَكَ سَكَنٌ لَّهُمْ۔ (اور آپ ان کے لئے دُعا کیجئے بلاشبہ آپ کی دُعا ان کے لئے باعثِ سکون ہوگی۔

تین حضرات کا مفصّل واقعہ جو غزوہ تبوکؑ میں جانے سے رہ گئے تھے

اب ہم ان تین حضرات کی توبہ قبول ہونے کا واقعہ لکھتے ہیں جو مخلص بھی تھے اور غزوۂ تبوک میں ساتھ نہ گئے تھے انہوں نے بالکل سچ بولا اور رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کی خدمتِ عالی میں صاف صاف عرض کردیا کہ ہم بغیر عُذر کے رہ گئے تھے۔ یہ حضرات کعبؓ بن مالک، ہلال بنؓ اُمیہؓ اور مرارہ بن ربیع تھے۔ آیتِ کریمہ وَآخَرُوْنَ مُرْجَوْنَ لِاَمْرِ اللّٰهِ میں اجمالی طور پر ان کا ذکر ہوچکا ہے۔ یہاں دوبارہ ان کا تذکرہ فرمایا ہے

کہ اللہ نے ان تین شخصوں پر بھی اپنی مہربانی سے توجّہ فرمائی جن کا معاملہ ملتوی کردیا گیا تھا۔ ان تینوں حضرات کو زمین تنگ معلوم ہونے لگی اور اپنے نفسوں میں بھی تنگی محسوس کرنے لگے یعنی ان کا جینا بہت زیادہ دشوار اور دوبھر ہوگیا۔ اوّل تو اللہ تعالےٰ کی اور اس کے رسول صلّی اللہ علیہ وسلّم کی ناراضگی اور اُوپر سے مقاطعہ کا حکم کہ کوئی ان سے نہ بولے۔ یہ سب باتیں مل کر بہت بڑی مصیبت میں مبتلا ہوگئے تھے جس کا واقعہ تفصیل سے حضرت کعب بن مالکؓ کی زبانی امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب المغازی ص ۶۳۴ ج ۲ میں یوں بیان کیا ہے۔

حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ نے بیان فرمایا کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم غزوہ سے فارغ ہوکر واپس تشریف لانے لگے تو مجھے بہت زیادہ فکر لاحق ہوگئی میں سوچتا رہا کہ میں آپؐ کی ناگواری سے کیسے نکلوں گا۔ اس بارے میں یہ بھی خیال آتا تھا کہ جھوٹے عذر پیش کردوں گا اور اپنے گھروالوں سے بھی اس بارے میں مشورہ کرتا تھا۔ جب آپؐ بالکل ہی مدینہ منوّرہ کے قریب پہنچ گئے تو جھوٹ بولنے کا جو خیال آیا تھا وہ بالکل ختم ہوگیا اور میں نے یہ طے کرلیا کہ سچ ہی بولوں گا اور سچ ہی کے ذریعہ میں آپ کی ناراضگی سے نکل سکتا ہوں۔ یہاں تک کہ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم تشریف لے ہی آئے۔ آپؐ کی عادتِ مبارکہ تھی کہ جب سفر سے تشریف لاتے تھے تو اوّل مسجد میں جاتے تھے وہاں دو رکعتیں پڑھ کر تشریف فرما ہوجاتے تھے۔ جب آپؐ اپنے اس عمل سے فارغ ہوگئے تو وہ لوگ آگئے جو غزوۂ تبوک میں شریک ہونے سے پیچھے رہ گئے تھے۔ یہ لوگ حاضرِ خدمت ہوئے اور اپنے اپنے عُذر پیش کرتے رہے اور قسمیں کھاتے رہے۔ یہ لوگ تعداد میں اسّی ۸۰ سے کچھ اُوپر تھے۔ آپؐ ظاہری طور پر ان کے عذر قبول فرماتے رہے۔ ان کو بیعت بھی فرمایا اور اُن کے لئے استغفار بھی کیا اور ان کے باطن کو اللہ کے سُپرد فرمادیا۔

حضرت کعبؓ نے بیان کیا کہ میں بھی حاضرِ خدمت ہوا۔ میں نے سلام عرض کیا۔ آپؐ مسکرائے جیسے کوئی غصّہ والا شخص مسکراتا ہو پھر فرمایا آجا۔ میں آپؐ کی خدمت

میں حاضر ہو گیا۔ آپؐ نے فرمایا تمہیں کس چیز نے پیچھے ڈالا (غزوۂ تبوک میں کیوں شریک نہیں ہوئے؟) کیا تم نے سواری نہیں خرید لی تھی؟ میں نے عرض کیا واقعی میں نے سواری خرید لی تھی۔ اللہ کی قسم اگر اصحابِ دُنیا میں سے کسی کے پاس بیٹھتا تو میں اس کی ناراضگی سے عذر پیش کر کے نکل سکتا تھا۔ میں بات چیت کرنے کا ڈھنگ جانتا ہوں لیکن میں یہ سمجھتا ہوں اور اس پر قسم کھاتا ہوں کہ اگر آج میں آپ کے سامنے جھوٹی بات پیش کر کے آپ کو راضی کر لوں گا تو عنقریب ہی اللہ تعالےٰ (صحیح بات بیان فرما کر) آپ کو مجھ سے ناراض کر دے گا۔ اور اگر میں سچی بات بیان کر دوں تو آپ غصّہ تو ہوں گے لیکن میں اس میں اللہ سے معافی کی امید رکھتا ہوں، اللہ کی قسم مجھے کوئی عُذر نہ تھا اور جتنا قوی اور غنی میں اس موقعہ پر تھا جبکہ آپ سے پیچھے رہ گیا، ایسی قوت والا اور مال والا میں کبھی بھی نہیں ہوا۔ میری بات سُن کر رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے ارشاد فرمایا اس شخص نے سچ کہا۔ پھر فرمایا کھڑے ہو جاؤ یہاں تک کہ اللہ تمہارے بارے میں فیصلہ فرمائے۔

حضرت کعبؓ فرماتے ہیں کہ میں وہاں سے اٹھا اور قبیلہ بنی سلمہ کے لوگ میرے ساتھ ہو لئے۔ انہوں نے کہا اللہ کی قسم جہاں تک ہمارا علم ہے اس سے پہلے تم نے کوئی گناہ نہیں کیا۔ کیا تم یہ نہ کر سکے کہ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کی خدمت میں اسی طرح عذر پیش کر دیتے جیسے دوسرے لوگوں نے اپنے عذر پیش کئے اور پھر رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کا استغفار فرمانا تمہارے لئے کافی ہو جاتا، اللہ کی قسم ان لوگوں نے مجھے اتنی ملامت کی کہ میں نے یہ ارادہ کر لیا کہ واپس جا کر اپنے بیان کو جھٹلا دوں (اور کوئی عذر پیش کر دوں) پھر میں نے ان لوگوں سے کہا یہ تو بتاؤ میرا شریکِ حال اور کوئی شخص بھی ہے؟ انہوں نے کہا ہاں دو آدمی ہیں انہوں نے بھی اسی طرح اپنا بیان دیا ہے جیسا تم نے بیان دیا اور اُن کو وہی جواب دیا گیا جو تم کو دیا گیا۔ میں نے پوچھا وہ دونوں کون ہیں؟ انہوں نے بتایا کہ مُرارہ بن ربیع اور ہلال بن اُمیہؓ ہیں۔ ان لوگوں نے میرے سامنے ایسے دو شخصوں کا ذکر کیا جو صالحین میں سے تھے۔ میں نے

کہا کہ میں ان دونوں کی اقتدا کرتا ہوں جو اُن کا حال ہوگا وہی میرا حال ہو جائے گا۔

حضرت کعبؓ نے سلسلہ کلام جاری رکھتے ہوئے مزید بیان فرمایا کہ رسُول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے مسلمانوں کو ہم تینوں سے بات چیت کرنے سے منع فرمادیا۔ لہٰذا لوگ ہم سے بچ کر رہنے لگے اور یکسر بدل گئے۔ میرا تو یہ حال ہوا کہ زمین بھی مجھے دوسری زمین معلوم ہونے لگی گویا کہ میں اس زمین میں رہتا ہوں جسے جانتا بھی نہیں۔ رات دن برابر گزر رہے تھے میں مسلمانوں کے ساتھ نمازوں میں حاضر ہوتا تھا اور بازاروں میں گھومتا تھا لیکن مجھ سے کوئی بات نہیں کرتا تھا۔ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کی خدمت میں میری حاضری ہوتی تھی۔ آپؐ نماز کے بعد تشریف فرماتے تو میں سلام عرض کرتا اور اپنے دل میں یہ خیال کرتا تھا کہ سلام کے جواب کے لئے آپؐ نے ہونٹ ہلائے ہیں یا نہیں؟ پھر میں آپؐ کے قریب نماز پڑھتا تھا اور نظر چرا کر آپؐ کی طرف دیکھتا تھا۔ جب میں نماز پڑھتا تھا تو آپؐ میری طرف توجہ فرماتے تھے اور جب میں آپ کی طرف متوجّہ ہوتا تو آپؐ اعراض فرماتے تھے۔ یہ تو میرا حال تھا لیکن میرے جو دو ساتھی تھے وہ بالکل ہی عاجز ہو کر اپنے گھروں میں بیٹھ رہے اور برابر روتے رہے۔

اس مقاطعہ کے زمانہ میں ایک یہ واقعہ پیش آیا کہ میں اپنے چچا زاد بھائی ابُو قتادہ کے باغ کی دیوار پر چڑھا جن سے مجھے بنسبت اور لوگوں کے سب سے زیادہ محبّت تھی۔ میں نے سلام کیا تو انہوں نے جواب نہیں دیا۔ میں نے کہا اے ابوقتادہؓ! میں تمہیں اللہ کی قسم دیتا ہوں کیا تمہیں معلوم نہیں کہ میں اللہ اور اس کے رسُولؐ سے محبّت کرتا ہوں۔ یہ سُن کر وہ خاموش ہو گئے۔ میں نے پھر اپنی بات دُہرائی اور اُن کو قسم دلائی وہ پھر خاموش ہو گئے۔ میں نے پھر اپنی بات دہرائی اور اُن کو قسم دلائی تو انہوں نے اتنا کہہ دیا اَللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ اَعْلَمُ (اللہ اور اس کا رسُول ہی زیادہ جاننے والے ہیں) یہ بات سُن کر میری آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے اور میں واپس ہو گیا اور دیوار پھاند کر چلا آیا۔

اور دُوسرا واقعہ یہ پیش آیا کہ میں مدینۂ منوّرہ کے بازار میں جا رہا تھا کہ شام

کے کاشت کاروں میں سے ایک شخص جو غلّہ بیچنے کے لئے مدینہ منورّہ آیا ہوا تھا لوگوں سے پوچھ رہا تھا کہ کعب بن مالک کون شخص ہے ؟ لوگ میری طرف اشارہ کرنے لگے۔ وہ میرے پاس آیا اور غسان کے بادشاہ کا ایک خط مجھے دیا جس میں لکھا تھا کہ مجھے یہ بات پہنچی ہے کہ تمہارے آقا نے تمہارے ساتھ سختی کا معاملہ کیا ہے اور اللہ نے تمہیں گرا پڑا آدمی نہیں بنایا۔ لہٰذا تم ہمارے پاس آجاؤ ہم تمہاری دلداری کریں گے۔ یہ خط پڑھ کر میں نے اپنے دل میں کہا کہ یہ ایک اور آزمائش سامنے آگئی۔ میں نے اس خط کو لے کر تنور میں جھونک دیا۔

مقاطعہ کے سلسلہ میں ایک یہ واقعہ بھی پیش آیا کہ رسُول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے ہم تینوں کو حکم بھیجا کہ اپنی بیویوں سے علیحدہ رہیں۔ بلال بن اُمیّہؓ کی بیوی تو حاضر خدمت ہو کر یہ عذر پیش کر کے اجازت لے آئی کہ وہ بہت زیادہ بوڑھے ہیں ان کا کوئی خادم نہیں ہے آپؐ نے خدمت کی اجازت دے دی اور ساتھ ہی یہ فرما دیا کہ وہ میاں بیوی والا جو خاص تعلق ہے اس کو کام میں نہ لایا جائے۔ میرے خاندان والوں نے مجھے بھی مشورہ دیا کہ تم بھی اجازت طلب کر لو کہ تمہاری بیوی تمہاری خدمت کر دیا کرے۔ میں نے کہا کہ میں جوان آدمی ہوں میں ایسا نہیں کر سکتا۔

جب اس مقاطعہ پر پچاس راتیں گزر گئیں تو نمازِ فجر کے بعد جبکہ میں اپنے گھر کی چھت پر بیٹھا ہوا تھا اور میرا حال وہ ہو چکا تھا جس کا قرآن مجید میں ذکر ہے کہ اپنی جان سے بھی تنگ آگیا اور زمین بھی میرے لئے اپنی کشادگی کے باوجود تنگ ہو گئی تو میں نے ایک بُلند آواز سُنی جبلِ سلع پر چڑھ کر کوئی شخص بُلند آواز سے پکار رہا تھا کہ اے کعب بن مالک خوش ہو جاؤ۔ یہ آواز سُن کر میں سجدہ میں گر پڑا اور میں نے یہ سمجھ لیا کہ مصیبت دُور ہونے کی کوئی صُورت سامنے آئی ہے رسُول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے اس بات کا اعلان فرما دیا کہ اللہ تعالیٰ نے ہماری توبہ قبول فرما لی۔ یہ اعلان نمازِ فجر کے بعد فرمایا تھا۔ اعلان سُن کر لوگ ہمیں خوشخبری دینے کے لئے روانہ ہوئے۔ میرے ساتھیوں کی طرف بھی خوشخبری دینے والے چلے اور ایک

صاحب اپنے گھوڑے پر سوار ہو کر میری طرف چلے۔ لیکن قبیلہ بنی اسلم کے ایک صاحب دوڑ کر پہاڑ پر چڑھ گئے اور بلند آواز سے پکار کر توبہ کی خوشخبری سُنا دی۔ اس شخص کی آواز گھوڑے سوار سے پہلے پہنچ گئی۔ جب وہ شخص میرے پاس پہنچا جس کی آواز میں نے سُنی تھی تو اُسے میں نے اپنے دونوں کپڑے اتار کر دے دیئے۔ اس وقت میرے پاس یہی دو کپڑے تھے (اگرچہ مال بہت تھا) میں نے دونوں کپڑے دے دیئے اور خود دو کپڑے مانگ کر پہن لئے۔

میں رسُول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کی طرف روانہ ہوا۔ صحابۂ کرام مجھ سے فوج در فوج ملاقات کرتے تھے اور توبہ قبول ہونے پر مُبارکباد دیتے تھے۔ میں مسجد میں داخل ہوا تو دیکھا کہ رسُول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم مسجد میں تشریف فرما ہیں آپؐ کے چاروں طرف حاضرین موجود ہیں۔ میری طرف طلحہ بن عبید اللہ دوڑتے ہوئے آئے یہاں تک کہ مجھ سے مصافحہ کیا اور مبارکباد دی۔ میں ان کے اس عمل کو کبھی نہیں بھُولوں گا۔ اس کے علاوہ مہاجرین میں سے کوئی بھی میری طرف اُٹھ کر نہیں آیا (وجہ اس کی یہ تھی کہ اگر سبھی اُٹھتے تو مجلسِ نبوی جو سکون و اطمینان کے ساتھ جمی ہوئی تھی وہ ٹوٹ جاتی، سب کی طرف سے ایک شخص کا کھڑا ہونا کافی ہو گیا)۔

میں نے رسُول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کو سلام کیا۔ اس وقت آپؐ کا چہرہ مُبارک خوشی سے چمک رہا تھا۔ آپؐ نے فرمایا کہ تم خوشخبری قبول کرو۔ جب سے تمہاری پیدائش ہوئی ہے تم پر آج سے بہتر کوئی دن نہیں گزرا (اس سے اسلام لانے کا دن مستثنیٰ ہے۔

(کما فی حاشیہ البخاری عن القسطلانی)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کو جب کوئی خوشی کا موقعہ آتا تھا تو آپؐ کا چہرۂ انور ایسا روشن ہوجاتا تھا جیسے چاند کا ٹکڑا ہے۔ ہم آپ کی خوشی کو اسی سے پہچان لیتے تھے۔ جب میں آپ کے سامنے بیٹھ گیا تو میں نے عرض کیا یا رسُول اللہ! میں نے اپنی توبہ میں اس بات کو بھی شامل کر لیا کہ میں اپنا سارا مال اللہ تعالٰے اور اس کے رسول صلّی اللہ علیہ وسلّم کی رضا کے لئے خرچ کر دوں گا۔ آپؐ نے فرمایا کچھ مال رکھ لو، تمہارے

لئے بہتر ہوگا۔ میں نے کہا اچھا تو میں اپنا وہ حصّہ روک لیتا ہوں جو مجھے خیبر کے مالِ غنیمت سے ملا تھا۔

پھر میں نے عرض کیا یا رسُول اللہ! اللہ نے مجھے سچ ہی کے ذریعہ نجات دی ہے اور میں نے اپنی توبہ میں اس بات کو بھی شامل کر لیا ہے کہ جب تک زندہ رہوں گا سچ ہی بولوں گا کہنے کو تو میں نے کہہ دیا لیکن میرے علم میں مسلمانوں میں کوئی ایسا نہیں جو سچ بولنے کے بارے میں مجھ سے زیادہ مُبتلا کیا گیا ہو۔ میں آج تک اس پر قائم ہوں، جب سے میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سچ بولنے کا عہد کیا اس وقت سے لے کر آج تک کبھی میں نے جان کر جھوٹ نہیں بولا اور اللہ تعالیٰ سے اُمید کرتا ہوں کہ باقی زندگی میں بھی میری حفاظت فرمائے گا۔ اللہ تعالیٰ شانہٗ نے توبہ قبول فرمانے کی بشارت دیتے ہوئے آیت شریفہ لَقَدْ تَّابَ اللّٰهُ عَلَى النَّبِيِّ وَالْمُهَاجِرِيْنَ سے لے کر وَكُوْنُوْا مَعَ الصَّادِقِيْنَ تک آیات نازل فرمائیں) حضرت کعبؓ نے یہ بھی فرمایا کہ نعمتِ اسلام کے بعد اس سے بڑی کوئی نعمت مجھے حاصل نہیں ہوئی کہ میں نے رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر سچ بات کہہ دی تھی۔ اگر میں جھوٹ کہہ دیتا تو میں بھی ہلاک ہو جاتا جیسے دوسرے لوگ جھوٹے عذر پیش کر کے ہلاک ہو گئے۔

فوائد ضروریہ

حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ اور ان کے دونوں ساتھیوں کے واقعہ سے بہت سے فوائد مستنبط ہوتے ہیں۔

(۱) مومن بندوں پر لازم ہے کہ ہمیشہ سچ بولیں، سچی بات کہیں، سچ ہی میں نجات ہے اور جھوٹ میں ہلاکت ہے۔ منافقین نے غزوۂ تبوک کے موقعہ پر جھوٹے عذر پیش کر کے دنیا میں اپنی جانیں چھڑا لیں لیکن آخرت کا عذاب اپنے سر لے لیا اور مخلصین مومنین نے سچ بولا اور سچی توبہ کی۔ اللہ تعالیٰ شانہٗ نے ان کی توبہ قبول فرمانے کا

اعلان فرما دیا۔ اگر کوئی شخص اپنے اکابر سے اور متعلقین سے جھوٹ بولے تو چند دن ممکن ہے کہ اس کا جھوٹ چل جائے لیکن پھر اس کا پول کھل ہی جاتا ہے اور ذِلّت کا منہ دیکھنا پڑتا ہے۔

(۲) امیر المومنین اگر مناسب جانے تو بعض افراد کے بارے میں مقاطعہ کا فیصلہ کر سکتا ہے۔ عامۃ المسلمین کو حکم دے سکتا ہے کہ فلاں فلاں شخص سے سلام کلام بند رکھیں۔ جب وہ صحیح راہ پر آجائے تو مقاطعہ ختم کر دیا جائے۔

(۳) بعض مرتبہ ابتلاء پر ابتلاء ہو جاتا ہے۔ حضرت کعب بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کی ناراضگی میں اور مقاطعہ کی مصیبت میں مبتلا تو تھے ہی اُوپر سے شاہ غسان کا یہ خط ملا کہ تم ہمارے پاس آجاؤ ہم تمہاری قدر دانی کریں گے اللہ تعالیٰ نے انہیں ایمان پر استقامت بخشی اور انہوں نے اللہ اور اس کے رسُول صلی اللہ علیہ وسلّم کی رضامندی ہی کو سامنے رکھا اور بادشاہ کے خط کو تنور میں جھونک دیا۔ اگر وہ اس وقت اپنے عزائم میں کچّے پڑ جاتے اور شاہِ غسان کی طرف چلے جاتے تو اس وقت کی ظاہری مصیبت بظاہر دُور ہو جاتی لیکن ایمان کی دولت سے محروم ہو کر آخرت برباد ہو جاتی۔ اس قسم کے ابتلاءات اور امتحانات سامنے آتے رہتے ہیں۔ ہمیشہ اللہ تعالیٰ سے استقامت کی دُعا کرے اور استقامت پر رہے۔

(۴) حضرت کعب رضی اللہ عنہ مقاطعہ کے باوجود مسجد میں حاضر ہوتے رہے نمازیں پڑھتے رہے۔ رسُول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کی خدمت میں سلام بھی پیش کرتے رہے۔ یہ نہیں سوچا کہ چلو آپ رُوٹھے ہم چھُوٹے جیسا کہ ان لوگوں کا طریقہ ہوتا ہے جن کا تعلق اصلی نہیں ہوتا۔

(۵) جب اللہ اور اس کے رسُول کا حکم آجائے تو اس کے مقابلہ میں کسی عزیز قریب کی کوئی حیثیت نہیں رہتی۔ حضرت قتادہؓ جو حضرت کعبؓ بن مالک کے چچا زاد بھائی اور انہیں سب سے زیادہ محبوب تھے جب انہیں سلام کیا تو انہوں نے جواب نہیں دیا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کی طرف سے سلام کلام

کی ممانعت تھی۔

(۶) جب آیت کریمہ نازل ہوئی جس میں تینوں حضرات کے توبہ فرمانے کا ذکر تھا تو حضراتِ صحابہؓ نے حضرت کعبؓ بن مالک اور ان کے دونوں ساتھیوں کو جلد سے جلد بشارت دینے کی کوشش کی۔ اس سے معلوم ہوا کہ دینی معاملات میں کسی کو کوئی کامیابی حاصل ہو جائے جس کا اُسے علم نہ ہو تو اُسے بشارت دینی چاہیئے اور اس میں جلدی کرنی چاہیئے۔

(۷) پھر جب حضرت کعب رضی اللہ عنہ توبہ کا اعلان سننے کے بعد اپنے گھر سے نکلے تو حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم نے جوق در جوق اُن سے ملاقاتیں کیں اور برابر انہیں مبارکبادیں دیتے رہے یہ مُبارک باد توبہ قبول ہونے پر تھی۔ معلوم ہوا کہ دینی امور میں اگر کسی کو کامیابی حاصل ہو جائے تو اُسے مُبارک باد دینی چاہیئے۔

(۸) جب رسُول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کی خدمت میں حضرت کعبؓ پہنچے تو حضرت طلحہ بن عبید اللہ کھڑے ہوئے اور دوڑ کر اُن سے مصافحہ کیا اور مُبارک باد دی۔ اس سے معلوم ہوا کہ زبانی مُبارک باد کے ساتھ عملی طور پر مُبارک باد دینا بھی مستحب ہے۔

(۹) آئندہ کے لئے گناہ نہ کرنے کا عہد کرنا اور جو کچھ گناہ کیا ہو اس پر سچے دل سے نادم ہونے سے توبہ قبول ہو جاتی ہے (اور حقوق اللہ اور حقوق العباد کی تلافی کرنا بھی لازم ہوتا ہے) لیکن توبہ کو اقرب الی القبول بنانے کے لئے مزید کوئی عمل کرنا مستحب ہے اور توبہ قبول ہونے کے بعد بطورِ شکر کچھ مال خیرات کرنا بھی مستحب ہے۔ صلوٰۃ التوبہ جو مشروع ہے اس میں یہی بات ہے کہ توبہ کی قبولیّت جلد ہو جائے اور قبول کرانے کے لئے ندامت کے ساتھ کوئی اور عمل بھی شامل ہو جائے۔ حضرت کعبؓ نے توبہ قبول ہو جانے کے بعد جو یہ عرض کیا کہ میں نے اللہ کی رضا کے لئے بطورِ صدقہ اپنا پورا مال خرچ کرنے کی نیّت کی ہے۔ یہ نیّت اگر پہلے سے تھی تو صلوٰۃ التوبہ کی طرح ایک عمل ہے اور اگر بعد میں نیّت کی تھی تو بطورِ ادائے

شکر تھی۔

(۱۰) حضرت کعبؓ نے عرض کیا کہ میری توبہ کا یہ بھی جز و ہے کہ میں اپنا پورا مال بطورِ صدقہ خرچ کر دوں۔ اس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سب خرچ نہ کرو کچھ مال روک لو۔ اس پر انہوں نے کہا کہ تو میں اپنا خیبر والا حصہ روک لیتا ہوں۔ اس سے معلوم ہوا کہ پورا مال صدقہ کر کے پریشانی میں نہ پڑنا چاہیئے۔ البتہ اگر کسی نے پورا مال صدقہ کرنے کی نذر مان لی (جو زبان سے ہوتی ہے) تو اس کو پورا مال صدقہ کرنا واجب ہے لیکن اس سے بھی یوں کہا جائے گا کہ اپنے بال بچوں کے لئے بقدرِ ضرورت کچھ روک لے اور آئندہ جب مال تیری ملکیت میں آجائے تو جو مال روک لیا تھا اسی جنس کا مال صدقہ کر دینا تاکہ نذر پر پوری طرح عمل ہو جائے۔ حضرت کعبؓ کے واقعہ میں چونکہ نذر نہیں تھی محض نیّت تھی، اس لئے جتنا مال روک لیا تھا اس کے برابر میں صدقہ کرنے کا ذکر حدیث میں نہیں ہے۔

(۱۱) جو شخص جس قدر کسی گناہ سے بچنے کا اہتمام کرنے کا عہد کر لیتا ہے اُسے عموماً ایسے مواقع پیش آتے رہتے ہیں جن میں اس گناہ کے کرنے کی ضرورت محسوس ہوتی ہے اور یہ ایک بڑا امتحان ہوتا ہے۔ حضرت کعبؓ نے چونکہ ہمیشہ سچ بولنے کا عہد کر لیا تھا اس لئے اس بارے میں ان کا بار بار امتحان ہوتا رہتا تھا۔ قول و عمل میں سچّا ہونا اللہ والوں کی صفت ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے۔

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَكُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِيْنَ ۝

ترجمہ: اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور سچّوں کے ساتھ ہو جاؤ۔

(التوبہ۔ آیت نمبر ۱۱۹)

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا امیرِ حج مقرر ہونا ۹ سنہ ہجری

۹ سنہ ہجری میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو امیرِ حج بنا کر روانہ فرمایا۔ ذی القعدہ کے مہینے میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ساتھ تین سو آدمی مدینہ طیبہ سے روانہ ہوئے۔ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو امیرِ حج بنانے کا مقصد یہ تھا کہ مسلمانوں کو شریعت کے مطابق حج کرائیں اور سورۃ توبہ کی جو آیات ان مشرکین کے بارے میں نازل ہوئی تھیں جنہوں نے اپنے عہد و پیمان کو توڑا تھا ان کا اعلان کریں۔ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی روانگی کے بعد آپ کو یہ خیال ہوا کہ عہد اور نقض عہد کے متعلق جو اعلان کیا جائے مناسب یہ ہے کہ اس کا اعلان و اظہار ایسے شخص کی زبانی ہونا چاہیے کہ جو عہد کرنے والے کے خاندان اور اہلِ بیت سے ہو اس لئے کہ عرب ایسے امور میں خاندان اور اقارب ہی کی بات کو قبول کرتے ہیں اس لئے آپ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بلایا اور اپنی ناقہ عضباء پر سوار کر کے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پیچھے روانہ کیا کہ سورۂ برأت کی آیات موسم حج میں تم سناؤ اور بعض روایات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ آیاتِ برأت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے روانہ ہونے کے بعد نازل ہوئیں اس لئے بعد میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کو آیاتِ برأت کا پیغام سنانے کے لئے روانہ فرمایا۔

ایک حدیث میں ہے کہ جب حضرت علی رضی اللہ عنہ ذوالحلیفہ پہنچ کر ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے ملے اور کہا کہ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان آیات کے اعلان کے لئے بھیجا ہے تو ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو یہ خیال ہوا کہ شاید میرے بارے میں کوئی حکم نازل ہوگیا ہے اس لئے فوراً ہی مدینہ واپس ہوئے اور عرض کیا یا رسول اللہ کیا میرے بارے میں کوئی حکم نازل ہوا ہے آپ نے فرمایا تم تو میرے یارِ غار ہو، غارِ ثور کے ساتھی ہو اور حوضِ کوثر پر بھی میرے ساتھ ہوگے لیکن برأت کا اعلان سوائے میرے یا میرے خاندان کے کسی شخص کے اور کوئی نہیں کر سکتا اس لئے آیات برأت سنانے کے لئے میں نے علی رضی اللہ عنہ کو بھیجا ہے[1]

---

[1] فتح الباری ج ۸، ص ۶۵

چنانچہ حج تو حضرت ابوبکر صدیقؓ نے ہی کرایا اور حج کے خطبے بھی انہوں نے ہی دیئے۔ اور حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہٗ نے یوم النحر کو جمرۃ العقبۃ کے پاس کھڑے ہو کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا پیغام لوگوں کو سُنایا۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے چند آدمی مقرر کئے جنہوں نے حضرت علیؓ کے پیغام کو پورے مجمع تک پہنچایا۔ اس اعلان میں حضرت علیؓ نے فرمایا:

"جنت میں کوئی کافر داخل نہ ہوگا اور آئندہ سال سے کوئی مُشرک حج نہ کرپائے گا اور کسی کو برہنہ حالت میں طواف کرنے کی اجازت نہ ہوگی۔"

اور جن لوگوں کا کوئی عہد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے اس کی مدت پوری کی جائے گی اور جن لوگوں سے کوئی عہد نہیں ہے یا عہد کی کوئی میعاد مقرر نہیں ہے تو ان کو چار مہینے تک امن ہے اگر اس دوران انہوں نے اسلام قبول نہ کیا تو جہاں ملیں گے قتل کئے جائیں گے۔ (فتح الباری)

سنہ ۹ ہجری کے دیگر اہم واقعات

(۱) اسی سال شاہِ حبشہ نجاشی کا انتقال ہوا اور آپؐ کو وحی کے ذریعہ اس کی اطلاع ملی۔ آپؐ نے اپنے صحابہؓ کو جمع فرماکر حضرت نجاشی کی غائبانہ نماز جنازہ ادا فرمائی اللہ تعالیٰ کی کروڑوں رحمتیں ہوں نجاشی پر۔

(۲) اسی سال سود کی حرمت کا حکم نازل ہوا اور پھر حجۃ الوداع کے موقع پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سودی معاملات کے حرام ہونے کا عام اعلان فرمایا۔

(۳) اسی سال لعان کا حکم نازل ہوا۔

(۴) جزیہ کے احکام بھی اسی سال نازل ہوتے۔

(۵) رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی بن سلول کی موت بھی اسی سال واقع ہوئی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی نماز جنازہ پڑھائی۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے

ممانعت نازل ہوئی کہ آئندہ کسی منافق کا جنازہ نہ پڑھائیں۔ چنانچہ حق تعالےٰ کا فرمان ہے۔

وَلَا تُصَلِّ عَلٰٓى اَحَدٍ مِّنْهُمْ مَّاتَ اَبَدًا وَّلَا تَقُمْ عَلٰى قَبْرِهٖ ؕ اِنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَمَاتُوْا وَهُمْ فٰسِقُوْنَ ۝ وَلَا تُعْجِبْكَ اَمْوَالُهُمْ وَاَوْلَادُهُمْ ؕ اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يُّعَذِّبَهُمْ بِهَا فِى الدُّنْيَا وَتَزْهَقَ اَنْفُسُهُمْ وَهُمْ كٰفِرُوْنَ ۝ (التوبہ آیت ۸۴ و ۸۵)

ترجمہ: اور ان میں سے جو کوئی شخص مر جائے آپ اُس پر کبھی نماز نہ پڑھیں اور اس کی قبر پر کھڑے نہ ہوں، بے شک ان لوگوں نے اللہ اور اس کے رسُول ؐ کے ساتھ کفر کیا اور وہ اس حال میں مر گئے کہ نافرمان تھے اور آپ کو ان کے اموال اور اولاد تعجّب میں نہ ڈالیں اللہ یہی چاہتا ہے کہ ان کو ان چیزوں کے ذریعہ دنیا میں عذاب دے اور ان کی جانیں اس حالت میں نکل جائیں کہ وہ کافر ہوں۔

صحیح بخاری ص ۳، ۶، ۴، ۶ ج ۲ میں ہے کہ جب عبداللہ بن اُبی (رئیس المنافقین) مر گیا تو اس کا بیٹا عبداللہ بن عبداللہ خدمت عالی میں حاضر ہوا (جو خالص مسلمان تھا) اور اس نے کہا کہ میرے باپ کی موت ہو گئی ہے آپ اپنا کُرتہ عنایت فرما دیں جو اُسے بطورِ کفن پہنا دیا جائے آپ ؐ نے اپنا کُرتہ عنایت فرما دیا پھر عرض کیا کہ آپ نماز بھی پڑھائیں آپ نماز پڑھانے کے لئے کھڑے ہوئے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے آپ ؐ کا کپڑا پکڑ لیا اور عرض کیا کہ آپ اس کی نماز پڑھاتے ہیں حالانکہ وہ منافق ہے آپ نے پھر بھی اس کی نماز پڑھائی اس پر آیت بالا وَلَا تُصَلِّ عَلٰٓى اَحَدٍ مِّنْهُمْ مَّاتَ اَبَدًا ۝ (آخر تک) نازل ہوئی۔

فتح الباری ص ۳۶ ج ۸ میں ہے کہ آپ ؐ نے اس کے بعد کسی منافق کی نماز جنازہ نہیں پڑھائی، باقی رہی یہ بات کہ عبداللہ بن اُبی کی نماز جنازہ پڑھانے میں کیا مصلحت تھی؟ اس کے بارے میں فتح الباری میں لکھا ہے کہ اس کے بیٹے عبداللہ

کی خوشی کے لئے اور قبیلہ خزرج کی قوم کی تالیف قلب کے لئے ایسا فرمایا۔ نیز یہ بھی لکھا ہے کہ نبی اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا کہ میرا کرتہ اسے کیا فائدہ دے گا۔ میں نے تو یہ عمل اس لئے کیا ہے کہ اس کی قوم کے ہزار آدمی مسلمان ہو جائیں اھ۔

روح المعانی ص ۱۵۴ ج ۱۰۔ اس میں ہے کہ آپؐ نے فرمایا کہ میں اُمید کرتا ہوں کہ میرے اس عمل سے قبیلہ بنی خزرج کے ایک ہزار سے زیادہ افراد مسلمان ہو جائیں گے۔ پھر لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی اُمید پوری کی اور ان لوگوں نے اسلام قبول کر لیا۔ عبداللہ بن اُبی کو جو آپؐ نے اپنا کُرتہ عطا فرمایا تھا اس کی وجہ تفسیر و حدیث کی کتابوں میں یہ لکھی ہے کہ آپؐ کے چچا عباسؓ کو جب بدر کے قیدیوں میں لایا گیا تھا اس وقت اُن کے بدن پر کپڑا نہ تھا۔ قد آور اور بھاری ہونے کی وجہ سے کسی کا کپڑا اُن کے جسم پر نہیں آتا تھا۔ اس وقت عبداللہ بن اُبی نے اپنا کُرتہ پہنا دیا تھا۔ لہٰذا آپؐ نے اس کی مکافات کے لئے اپنا کُرتہ کفن میں شامل کرنے کے لئے عنایت فرما دیا۔

(روح المعانی ص ۱۵۴ ج ۱۰)

دربارِ رسالتؐ میں وفود کی آمد ۱۰ سنہ ہجری

جب قریش مسلمان ہوگئے تو عرب کے دیگر قبائل بھی تیزی سے اسلام قبول کرنے لگے کیونکہ وہ اسی بات کے منتظر تھے کہ قریش کا معاملہ کیسے پنپتا ہے۔ قریش کی فہم و فراست، سخاوت و شجاعت عرب میں مشہور تھی اور بیت اللہ کے نگران ہونے کی وجہ سے عرب کے دیگر قبائل ان کو قابلِ تقلید سمجھتے تھے جب مکہ معظمہ فتح ہوگیا اور قریش کے لوگوں نے اسلام قبول کرلیا اور کعبۃ اللہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کی نگرانی میں آگیا تو دیگر عرب قبائل سمجھ گئے کہ یہ دینِ حق ہے اور اس پر کوئی غالب نہیں آسکتا۔ چنانچہ ہر طرف سے عرب قبائل کے سفیر اور وفود آپؐ کی خدمت میں آنے لگے۔ یہ لوگ خود اسلام قبول کرتے، اسلام کی حقیقت کو سمجھتے، پھر داعی بن کر اپنی قوم کی طرف لوٹتے اس طرح سارے عرب میں دینِ حق کا بول بالا ہوا۔ جو وفود آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے ان میں سے چند کے نام مندرجہ ذیل ہیں۔

(۱) وفد ہوازن۔ سب سے پہلے یہ وفد حاضر ہوا تھا۔
(۲) وفد ثقیف۔ یہ طائف کے باشندے تھے۔
(۳) وفد بنی عامر بن صعصعہ۔
(۴) وفد عبد القیس۔
(۵) وفد بنی حنیفہ۔
(۶) وفد طی
(۷) وفد کندہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
نحمدہٗ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

حجۃ الوداع سنہ ۱۰ھ ہجری

حج کی فرضیت کس سال ہوئی؟ اس میں مختلف اقوال ہیں۔ امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے سنہ ۱۰ ہجری میں حج کی فرضیت والے قول کو ترجیح دی ہے کہ اگر اس سے قبل فرض ہوتا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس کی ادائیگی میں تاخیر نہ فرماتے۔ امام ابن القیم نے اسی قول کو ترجیح دی ہے [1]

حج پر روانگی کے لئے اعلانِ عام

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ۱۰ سنہ ہجری میں سفرِ حج کا ارادہ فرمایا اور عام اعلان کرا دیا۔ مدینہ کے اطراف سے بھی جانثاروں کے قافلے آپؐ کی رفاقت میں حج کرنے کے لئے مدینہ طیبہ پہنچ گئے۔ ان کی تعداد بہت زیادہ تھی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے روانگی سے قبل مدینہ طیبہ کے انتظامی امور سنبھالنے کے لئے حضرت ابو دجانہ ساعدی رضی اللہ عنہ کو قائم مقام مقرر فرمایا۔ ایک روایت میں حضرت سباع بن عرفطہ رضی اللہ عنہ کا نام آیا ہے [2]

مدینہ طیبہ سے روانگی

پچیس ۲۵ ذوالقعدہ سنہ ۱۰ھ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ طیبہ سے حج کے سفر پر روانہ ہوئے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ جب آپؐ روانہ ہوئے تو ذوالقعدہ

---

[1] زاد المعاد ص ۵۹۵ ج ۳۔

[2] سیرت ابن ہشام ص ۲۳۰ ج ۴

کے پانچ دن باقی تھے۔ (بخاری شریف)
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز ظہر کی چار رکعات مدینہ طیبہ میں ادا فرمائیں۔ پھر آپؐ نے بالوں کو سنوارا۔ تیل لگایا۔

ذوالحلیفہ میں قیام

ظہر و عصر کے درمیان آپؐ مدینہ طیبہ سے روانہ ہوئے۔ ذوالحلیفہ (جس کو ابیار علی کہا جاتا ہے) پہنچ کر نماز عصر قصراً یعنی دو رکعت ادا فرمائی۔ پھر وہیں قیام فرمایا اور رات کو بھی وہیں مقیم رہے[۱] آپؐ نے مغرب و عشاء اور اگلے دن کی فجر و ظہر کی نمازیں بھی ذوالحلیفہ میں ہی ادا فرمائیں اس سفر میں تمام ازواج مطہراتؓ بھی آپؐ کے ساتھ تھیں۔

احرام کے لئے غسل

جامع ترمذی میں ہے کہ جب آپؐ نے احرام باندھنے کا ارادہ فرمایا تو غسل کیا[۲] جب آپؐ نے غسل فرما لیا تو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے آپؐ کے جسم مبارک اور سر پر خوشبو لگائی جس کا اثر آپؐ کے سر کے بالوں اور داڑھی مبارک پر نظر آرہا تھا، یہ خوشبو مشک اور ذریرہ تھی۔ (مسلم والبیہقی)

قربانی کے جانوروں پر علامت لگانا

اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہدی کے جانوروں کے گلوں میں قلادے ڈالے، اونٹوں کی کوہانوں کو دائیں جانب سے ذرا سا شق کر کے جو خون نکلا وہیں مل دیا جس کو "اشعار" کہتے ہیں۔ یعنی اس بات کی علامت کہ یہ قربانی کے جانور ہیں[۳]

احرام اور تلبیہ

اس کے بعد حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے دو رکعت احرام کے نفل ادا فرمائے[۴] اس کے بعد آپ اپنی سواری

---

[۱] بخاری شریف ج ۱ ص ۱۹۰ زاد المعاد ج ۲ ص ۱۰۶۔ [۲] ترمذی باب ما جاء فی الاغتسال عند الاحرام
[۳] صحیح مسلم باب تقلید الہدی و اشعارہ عند الاحرام
[۴] زرقانی ج ۸ ص ۱۴۵ -

پر بیٹھے اور قبلہ کی طرف رخ کرکے تلبیہ پڑھا جس کے الفاظ مندرجہ ذیل ہیں۔

لَبَّیْکَ اَللّٰهُمَّ لَبَّیْکَ ۔ لَبَّیْکَ لَاشَرِیْکَ لَکَ لَبَّیْکَ ۔ اِنَّ الْحَمْدَ وَالنِّعْمَةَ لَکَ وَالْمُلْکَ لَاشَرِیْکَ لَکَ ۔[1]

ترجمہ: میں حاضر ہوں اے اللہ میں حاضر ہوں، تیرا کوئی شریک نہیں میں تیری بارگاہ میں حاضر ہوں، بے شک تمام تعریفیں تیرے ہی لئے ہیں نعمت اور بادشاہت بھی تیری ہے تیرا کوئی شریک نہیں۔

ذرا تلبیہ کے الفاظ و معانی پر غور کریں تو معلوم ہوتا ہے کہ انسان توحید کے سمندر میں غوطہ لگا رہا ہے۔ آپؐ نے بلند آواز سے تلبیہ پڑھا اور اپنے صحابہؓ کو بھی یہی حکم فرمایا کہ تلبیہ اونچی آواز سے پڑھیں۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے احرام کے نفل پڑھنے کے بعد تلبیہ پڑھا۔ پھر سواری پر بیٹھ کر بھی تلبیہ پڑھا۔ پھر جب آپؐ روانہ ہوئے اور مقام بیداء پر پہنچے تو پھر آپؐ نے تلبیہ پڑھا۔ روایت کرنے والے صحابہ میں سے جس نے جس وقت آپؐ کی زبان مبارک سے تلبیہ سنا اس کو نقل کر دیا۔ اہل علم نے یہ تفصیل لکھی ہے۔

مکہ معظمہ میں داخلہ

اہل ایمان کا یہ قافلہ امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی قیادت میں بلند آواز سے اللہ تعالیٰ کی توحید اور اپنی بندگی کا اعلان کرتا ہوا ذوالحجہ کی چار تاریخ کو وادیٔ ذی طویٰ میں پہنچا جو مکہ معظمہ سے بالکل قریب ہے۔ اس کے بعد سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز فجر ادا فرمائی اور اس کے بعد حرم مکہ میں داخلہ کے لئے غسل فرمایا اور ثنیۃ العلیا کی طرف سے مکہ معظمہ میں داخل ہوئے[2] (ثنیۃ العلیاء کو آج کا معاہدہ کہا جاتا ہے)۔

---

[1] بخاری والنسائی باب کیفیۃ التلبیۃ۔

[2] حجۃ الوداع و عمرات النبی ص ۶۶ ج ۷

مسجدِ حرام میں داخلہ چاشت کے وقت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مسجد حرام میں باب السلام سے داخل ہوئے (اس وقت اس کو باب عبد مناف کہا جاتا تھا)۔ جب آپؐ کی نظر مبارک بیت اللہ پر پڑی تو آپؐ نے اللہ اکبر کہا اور یوں دُعا فرمائی:

اَللّٰهُمَّ أنت السّلام و منك السّلام، فحيّنا ربّنا بالسّلام، اللّٰهُمَّ زِدْ هذا البيت تشريفًا وتعظيمًا و تكريمًا ومهابةً، وزد من عظمه ومن حجّه أو اعتمره تكريمًا وتشريفًا وتعظيمًا وبرًّا[1]

ترجمہ: اے اللہ! تو ہی سلامتی کا مالک ہے اور تیری ہی جانب سے سلامتی عطا ہوتی ہے، بس اے ہمارے رب! تو ہمیں سلامتی کے ساتھ زندہ رکھ! اے اللہ! تو اس گھر (یعنی کعبہ شریف) کی تشریف و تعظیم و تکریم اور ہیبت میں اضافہ فرما اور جو شخص اس کی تعظیم کرتے ہوئے حج یا عمرہ کرے اس کو بھی عظمت و بزرگی اور شرافت و بھلائی عطا فرما۔"

طوافِ کعبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد حرام میں داخل ہونے کے بعد طواف کیا۔ تحیۃ المسجد کی دو رکعت نہیں پڑھیں کیونکہ مسجد حرام کا تحیہ طواف ہے۔ آپؐ نے حجرِ اسود کے مقابل کھڑے ہو کر اس کا استلام کیا۔ پھر طواف شروع فرما دیا، رکن یمانی اور حجرِ اسود کے درمیان یہ دُعا پڑھی:

رَبَّنَا اٰتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّ فِي الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّ قِنَا عَذَابَ النَّارِ (البقرة)

ترجمہ: اے ہمارے رب! ہمیں دنیا میں بھی خیر و بھلائی عطا کر اور آخرت میں بھی خیر و بھلائی عطا کر اور ہمیں دوزخ کے عذاب سے بچا لے۔"

طواف کے پہلے تین چکروں میں رمل بھی فرمایا جس کے معنی ہیں چھوٹے

---

[1] البیہقی ج ۵، ص ۱۵۸

چھوٹے قدم اٹھانا اور کندھوں کو پہلوانوں کے انداز میں حرکت دینا۔ نیز آپؐ نے اضطباع بھی کیا جس کے معنیٰ ہیں کہ دائیں کندھے کو کھلا رکھنا اور احرام کی اوپر والی چادر کو دائیں بغل کے نیچے سے گزار کر بائیں کندھے پر ڈال دینا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے رکن یمانی کو بوسہ نہیں دیا (رکن یمانی کو ہاتھ لگانا مسنون ہے لیکن اس کا بوسہ لینا ثابت نہیں ہے)۔

جب آپؐ حجرِ اسود پر پہنچے تو ازدحام کی وجہ سے اس کی طرف ہاتھوں سے اشارہ کر کے ان کو چوم لیتے یا چھڑی سے اشارہ فرماتے۔ اسی طرح آپؐ نے سات چکر پورے فرمائے۔[1]

دوگانہ طواف کی ادائیگی

طواف سے فارغ ہو کر آپؐ مقامِ ابراہیم پر آئے اور اس کے سامنے قبلہ رُخ کھڑے ہو گئے یعنی مقامِ ابراہیم آپؐ کے اور کعبہ کے درمیان آگیا۔ اس موقع پر آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم نے یہ آیت تلاوت فرمائی:

واتّخذوا من مقامِ ابراھیم مُصلّی[2]

ترجمہ: (اور ہم نے حکم دیا کہ) مقامِ ابراہیم کو مُصلّی بنالو (یعنی وہاں نماز ادا کرو)۔

آپؐ نے دو رکعت تحیۃ الطواف ادا فرمائیں[3] (جو ہر طواف کے بعد ادا کرنا واجب ہے)۔

صفا و مروہ کی سعی

اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صفا کا رُخ فرمایا اور صفا پہاڑی کے پاس پہنچ کر یہ آیتِ مبارکہ تلاوت فرمائی:

"إِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَائِرِ اللّٰهِ" (البقرۃ: ۱۵۸)

ترجمہ: بے شک صفا و مروہ اللہ تعالیٰ کے شعائر (یعنی نشانیوں) میں سے ہیں۔

---

[1] زاد المعاد ج ۲ ص ۲۲۵۔ [2] البقرۃ آیت نمبر ۱۲۵۔

[3] زاد المعاد ج ۲ ص ۲۲۵ تا ۲۲۷

اور فرمایا کہ ہم وہیں سے ابتدا کرتے ہیں جہاں سے اللہ تعالیٰ نے ابتدا فرمائی (یعنی آیت مبارکہ میں پہلے صفا کا ذکر ہے پھر مروہ کا اس لئے ہم صفا سے سعی کی ابتدا کرتے ہیں)۔

اس کے بعد حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم صفا کی پہاڑی پر چڑھے یہاں تک کہ کعبہ شریف نظر آنے لگا۔ کعبہ شریف کی طرف رُخ کرکے اللہ رب العزت کی حمد و ثنا بیان فرمائی اور اللہ اکبر کہا۔ پھر مندرجہ ذیل کلمات پڑھے:

لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ، لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ اَنْجَزَ وَعْدَهٗ وَنَصَرَ عَبْدَهٗ وَهَزَمَ الْاَحْزَابَ وَحْدَهٗ ۝

ترجمہ: "کوئی معبود نہیں اللہ کے سوا وہ ایک ہے اس کا کوئی شریک نہیں۔ بادشاہت اسی کی ہے اور حمد کا مستحق بھی صرف وہی ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے، اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں وہ ایک ہے اس نے اپنا وعدہ پورا فرمایا اور اپنے بندہ کی مدد فرمائی اور (کفار کی) جماعتوں کو تنہا اسی نے شکست دی۔"

تین بار یہ کلمات پڑھے اور دیگر دعائیں بھی پڑھیں اس کے بعد سعی شروع فرمادی اور صفا سے مروہ کی جانب چلے۔ سبز ستونوں کے درمیان تیزی سے گزرے اور باقی حصے میں عام چال چلے۔ جب مروہ پہاڑی پر پہنچے تو کعبہ شریف کی طرف رُخ فرماکر تکبیر کہی اور اللہ تعالیٰ کی بڑائی اور عظمت بیان فرمائی اور صفا کی طرح مروہ پر بھی دُعائیں پڑھیں۔ پھر صفا کی طرف روانہ ہوگئے اور اسی طرح سات چکر پورے فرمائے (یعنی صفا سے مروہ تک ایک اور مروہ سے صفا تک دوسرا) اس طرح مروہ پر ساتواں چکر ختم ہوا[1]

---

[1] سیرۃ حلبیہ ص ۳۱۱ ج ۳ - زاد المعاد ج ۲ ص ۲۲۷، ۲۲۸ -

مکّہ معظّمہ میں قیام

سعی سے فارغ ہو کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے احرام نہیں کھولا کیونکہ آپؐ کا حج قران تھا البتہ صحابہ کرامؓ کو حلق یا قصر کرا کر احرام کھولنے کا حکم فرمایا اور فرمایا کہ اگر مجھے پہلے سے وہ بات معلوم ہوتی جو بعد میں معلوم ہوئی تو میں ہدی ساتھ نہ لاتا [1]

چار ذی الحجہ سے آٹھ ذی الحجہ تک آپؐ نے مکّہ معظّمہ میں ہی قیام فرمایا، اور اسی قیام کے دوران کعبہ شریف کے دروازہ پر خطبہ بھی دیا۔

مکّہ معظّمہ سے منیٰ کو روانگی

آٹھ ذی الحجہ کی صبح کو سورج بلند ہو جانے کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صحابہؓ کے ساتھ منیٰ کی طرف روانہ ہوئے۔ منیٰ میں آپؐ نے ظہر، عصر، مغرب اور عشار کی نمازیں ادا فرمائیں اور رات کو بھی وہیں قیام فرمایا [2] روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یوم الترویہ یعنی آٹھ ذی الحجہ کو ایک خطبہ بھی دیا جس میں لوگوں کو مناسک حج کی تعلیم دی (یعنی حج کے مسائل اور طریقہ بتایا)۔

۹ ذی الحجہ، وقوفِ عرفات

۹ ذی الحجہ کو نماز فجر ادا کرنے کے بعد جب آفتاب طلوع ہو گیا تو آپؐ عرفات کی طرف روانہ ہو گئے۔ حضراتِ صحابہ کرامؓ تلبیہ اور تکبیر پڑھتے ہوئے سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ میدانِ عرفات میں پہنچے۔ عرفات کے مشرقی جانب ایک مقام تھا جس کو نمرہ کہتے تھے، آپؐ نے حکم دیا کہ میرا خیمہ وہیں نصب کیا جائے (اب اس مقام پر بڑی وسیع و عریض مسجد "مسجدِ نمرہ" کے نام سے تعمیر کر دی گئی ہے جہاں امامِ حج خطبہ دیتا ہے۔)

سورج ڈھلنے یعنی نمازِ ظہر کا وقت ہونے تک آپؐ نے یہاں قیام فرمایا اس کے بعد آپؐ اپنی اونٹنی پر سوار ہو کر بطن وادی میں تشریف لائے اور جبلِ رحمت کے پاس اونٹنی پر بیٹھے ہوئے وہ خطبہ ارشاد فرمایا جو تاریخِ اسلام

---

[1] زاد المعاد ج ۲ ص ۲۳۳ ۔ [2] عیون الأثر ج ۲ ص ۳۶۲

میں خطبہ حجۃ الوداع کے نام سے مشہور ہے۔

خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کا خطبہ حجۃ الوداع

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالےٰ کی حمد و ثنا اور اپنی نبوت اور رسالت کی گواہی دینے کے بعد تقویٰ اختیار کرنے کی وصیت فرمائی اور اپنی رحلت کے قرب کی طرف اشارہ فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا:

① یاایھاالناس انی لا ارانی وایاکم نجتمع فی ھذا المجلس ابدًا۔	لوگو! میں خیال کرتا ہوں کہ میں اور تم پھر کبھی اس مجلس میں اکٹھے نہیں ہوں گے۔

مسلمانوں میں باہمی محبت و الفت اور ایک دوسرے کی عزت و آبرو اور جان و مال کی حفاظت کے بارے میں تاکید فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا:

② ان دماءکم واموالکم واعراضکم حرامٌ علیکم کحرمۃ یومکم ھذا فی بلدکم ھذا فی شھرکم ھذا۔ وستلقون ربکم فیسئلکم عن اعمالکم الا فلا ترجعوا بعدی ضلا لًا یضرب بعضکم رقاب بعضٍ ۔	لوگو! تمہارے خون، تمہارے مال اور تمہاری عزتیں ایک دوسرے پر ایسے ہی حرام ہیں جیسا کہ تم آج کے دن کی، اس شہر کی، اس مہینہ کی حرمت کرتے ہو۔ لوگو! تمہیں عنقریب خدا کے سامنے حاضر ہونا ہے اور وہ تم سے تمہارے اعمال کی بابت سوال فرمائے گا۔ خبردار! میرے بعد گمراہ نہ بن جانا کہ ایک دوسرے کی گردنیں کاٹنے لگو۔

۱؎ رواہ ابن عساکر عن رضی اللہ تعالےٰ عنہ

۲؎ صحیح البخاری، باب حجۃ الوداع۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سلسلۂ کلام جاری رکھتے ہوئے تمام جاہلی قوانین اور جاہلیت کے اقتصادی نظام کو ختم کرنے کا اعلان ان الفاظ میں فرمایا:

(۳) الا کل شیءٍ من امر الجاهلیة تحت قدمی موضوعٌ. ودماء الجاهلیة موضوعة وانّ اوّل دمٍ اضع من دمائنا دمُ ابن ربیعة بن الحارث کان مسترضعًا فی بنی سعدٍ فقتلهٗ هذیلٌ وربا الجاهلیة موضوعة واوّل ربًا اضع من ربانا ربا عبّاس بن عبد المطلب فانه موضوعٌ کلّهٗ ۔

لوگو! جاہلیت کی ہر اک بات میں اپنے قدموں کے نیچے پامال کرتا ہوں۔ جاہلیت کے قتلوں کے تمام جھگڑے ملیامیٹ کرتا ہوں۔ پہلا خون جو میرے خاندان کا ہے یعنی ابن ربیعہ بن الحارث کا خون جو بنی سعد میں دودھ پیتا تھا اور ہذیل نے اُسے مار ڈالا تھا میں چھوڑتا ہوں۔ جاہلیت کے زمانہ کا سُود ملیامیٹ کر دیا گیا۔ پہلا سُود اپنے خاندان کا جو میں مٹاتا ہوں وہ عباس بن عبدالمطلب کا سود ہے وہ سارے کا سارا چھوڑ دیا گیا۔

عورتوں کے ساتھ بھلائی اور خوبی کا برتاؤ کرنے اور ظلم و زیادتی سے روکتے ہوئے ارشاد فرمایا:

(۴) فاتقوا اللہ فی النساء فانکم اخذتموهن بامان اللہ واستحللتم فروجهن بکلمة اللہ ولکم علیهن الا یوطئن فروشکم احدًا تکرهونه فان

لوگو! اپنی بیویوں کے متعلق اللہ سے ڈرتے رہو۔ خدا کے نام کی ذمّہ داری سے تم نے اُن کو بیوی بنایا اور خدا کے کلام سے تم نے اُن کا جسم اپنے لئے حلال بنایا ہے۔ تمہارا حق عورتوں پر اتنا ہے کہ وہ تمہارے بستر پر کسی غیر کو (کہ اس کا آنا تم کو ناگوار ہے) نہ آنے

فعلن ذلك فاضربوهن ضرباً غير مبرّح — دیں۔ لیکن اگر وہ ایسا کریں تو ان کو ایسی مار مارو جو نمودار نہ ہو ۔

ولهنّ عليكم رزقهنّ وكسوتهنّ بالمعروف ۔ — عورتوں کا حق تم پر یہ ہے کہ تم ان کو اچھی طرح کھلاؤ اچھی طرح پہناؤ ۔

قرآن مجید کو سرچشمہ ہدایت قرار دیتے ہوئے اور اپنی امّت کو صرف اللہ تعالیٰ[1] کی عبادت، نماز کی پابندی، زکوٰۃ اور فریضۂ حج کی ادائیگی اور اولیائے امور وحکام کی اطاعت کا حکم دیتے ہوئے فرمایا:

(۵) وقد تركت فيكم مالن تضلوا بعدهٗ ان اعتصمتم به كتاب الله ۔ — لوگو! میں تم میں وہ چیز چھوڑ چلا ہوں کہ اگر اسے مضبوط پکڑ لوگے تو کبھی گمراہ نہ ہوگے وہ قرآن اللہ کی کتاب ہے۔

(۶) ايها الناس انه لا نبي بعدي ولا امة بعدكم الا فاعبدوا ربكم وصلوا خمسكم وصوموا شهركم وادّوا زكاة اموالكم طيّبة بها انفسكم وتحجون بيت ربكم و اطيعوا اولات امركم تدخلوا جنّة ربكم[1] — لوگو! نہ تو میرے بعد کوئی پیغمبر ہے اور نہ کوئی جدید اُمّت پیدا ہونے والی ہے سُن لو کہ اپنے پروردگار کی عبادت کرو اور پنجگانہ نماز ادا کرو۔ سال بھر میں ایک مہینہ رمضان کے روزے رکھو۔ اپنے مالوں کی زکوٰۃ نہایت دِلی خوشی کے ساتھ دیا کرو۔ نماز خدا کا حج بجالاؤ اور اپنے اولیائے امور وحکام کی اطاعت کرو جس کی جزا یہ ہے کہ تم لوگ یہ بجالا کر پروردگار کے فردوسِ بریں میں داخل ہوگے۔

---

[1] ابن جریر و ابن عساکر عن ابی امامۃ ۔

اور آخر میں اپنی امّت کو گواہ بناتے ہوئے ارشاد فرمایا :

⑦ وانتم تسئلون عنّی فما انتم قائلون .	لوگو! قیامت کے دن تم سے میری بابت بھی دریافت کیا جائے گا۔ مجھے ذرا بتادو کہ تم کیا جواب دوگے ۔
قالوا نشهد انّك قد بلغت وادّیت ونصحت فقال باصبعه السبابة یرفعها الی السماء وینکتها الی النّاس .	سب نے کہا۔ ہم اس کی شہادت دیتے ہیں کہ آپ نے اللہ کے احکام ہم کو پہنچادیئے۔ آپؐ نے رسالت ونبوّت کا حق ادا کردیا۔ آپؐ نے ہم کو کھوٹے کھرے کی بابت اچھی طرح بتا دیا (اس وقت) نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنی انگشتِ شہادت کو اٹھایا۔ آسمان کی طرف اُنگلی کو اٹھاتے تھے اور پھر لوگوں کی طرف جھکاتے تھے
اللّٰهم اشهد	(فرماتے تھے) اے اللہ سُن لے (تیرے بندے کیا کہہ رہے ہیں) اے اللہ گواہ
اللّٰهم اشهد اللّٰهم اشهد ثلاث مرّاتٍ [1] .	رہنا کہ (یہ لوگ کیا کہہ رہے ہیں) اے اللہ! شاہد رہ (کہ یہ سب کیسا صاف اقرار کررہے ہیں) ۔
⑧ الا لیبلغ الشاهد الغائب فلعل بعض من یبلغه ان یکون اوعی له من بعض من سمعه [2]	دیکھو جو لوگ موجود ہیں وہ اُن لوگوں کو جو موجود نہیں ہیں ان کی تبلیغ کرتے رہیں ممکن ہے کہ بعض سامعین سے

وہ لوگ زیادہ تر اس کلام کو یاد رکھنے اور حفاظت کرنے والے ہوں جن پر تبلیغ کی جائے ۔

---

[1] صحیح مسلم باب حجۃ النبیؐ ۔

[2] صحیح البخاری باب حجۃ الوداع، عن ابی بکرۃ رضی اللہ عنہ ۔

اتمامِ نعمت کا اعلان

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس عظیم خطبہ کو سننے والوں کی تعداد ایک لاکھ سے زیادہ تھی۔ آپؐ نے اپنی اونٹنی قصواء پر سوار ہو کر مندرجہ بالا خطبہ دیا اور اس کے بعد اسی جگہ یہ آیت مبارکہ نازل ہوئی۔

اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا (المائدۃ آیت نمبر۳)

ترجمہ: آج میں نے تمہارے دین کو تمہارے لئے کامل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت کو پورا کر دیا اور میں نے تمہارے لئے اسلام کو بطور دین پسند کر لیا [1]

نمازِ ظہر و عصر کی جمع و قصر کے ساتھ ادائیگی

خطبے کے بعد آپؐ نے حضرت بلال حبشی کو حکم دیا کہ اذان دیں انہوں نے اذان دی، پھر اقامت کہی اور آپؐ نے نمازِ ظہر کی دو رکعتیں قصراً ادا فرمائیں (کیونکہ آپؐ مسافر تھے) اس کے بعد دوسری اقامت ہوئی اور آپؐ نے عصر کے دو فرض پڑھائے۔ واضح رہے کہ یہ جمعہ کا دن تھا لیکن آپؐ نے جمعہ نہیں پڑھایا۔ اس سے معلوم ہوا کہ اگر یوم عرفہ جمعہ کے دن ہو تو حجاج کرام میدانِ عرفات میں نماز جمعہ نہیں پڑھیں گے [2]

مسئلہ: حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت امام حج تھے۔ اس وجہ سے آپؐ نے اور آپؐ کے پیچھے نماز ادا کرنے والوں نے ظہر و عصر کو جمع کر کے پڑھا۔ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے اس سے یہ مسئلہ مستنبط کیا ہے کہ ظہر و عصر کو جمع کر کے ایک وقت میں پڑھنے کے لئے یہ شرط ہے کہ حاجی امام حج کی اقتدار میں نماز ادا کر رہا ہو۔ (امام حج حکومتِ وقت کی طرف سے متعین کیا جاتا ہے اور مسجد نمرہ میں خطبہ دیتا ہے اور ظہر و عصر پڑھاتا ہے)۔

---

[1] صحیح البخاری، عن عمر بن الخطاب

[2] عیون الاثر ص ۳۶۳ ج ۲ - وزاد المعاد ج ۲ ص ۲۳۵ -

اللہ تعالیٰ کے سامنے گریہ وزاری اور دُعا

نماز کے بعد آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم جبلِ رحمت کے نیچے صخرات کے پاس تشریف لائے اور قبلہ کی جانب رُخ کیا۔ آپؐ اونٹنی پر سوار تھے اور نہایت گریہ وزاری اور تضرّع و ابتہال کے ساتھ سورج غروب ہونے تک دُعا میں مشغول رہے۔[۱]

غروبِ شمس کے بعد مزدلفہ کو روانگی

غروب آفتاب کے بعد جب شفق کی زردی ختم ہوگئی تو آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم نے حضرت اسامہ بن زید کو اپنے ساتھ اونٹ پر بٹھایا اور اپنے جانثار صحابہؓ کے ساتھ مزدلفہ کو روانہ ہوگئے۔ آپؐ ہلکی رفتار سے چلے اور صحابہ کرامؓ کو بھی تیز رفتاری سے منع فرمایا۔ درمیانہ چال چلتے ہوئے آپؐ مزدلفہ پہنچے۔ پورے راستہ میں آپؐ تلبیہ پڑھتے رہے۔[۲]

مزدلفہ پہنچ کر نمازِ مغرب وعشار کی ادائیگی

مزدلفہ پہنچ کر وضو فرمایا اور اذان کا حکم دیا۔ اذان کے بعد پہلی اقامت ہوئی اور آپؐ نے نمازِ مغرب ادا فرمائی۔ پھر دوسری اقامت ہوئی اور آپؐ نے نمازِ عشار قصراً دو رکعت ادا فرمائی (مغرب وعشار مزدلفہ پہنچ کر جمع کرکے پڑھنا تمام اہلِ علم کے نزدیک متفق علیہ ہے اور اس جمع کے لئے امامِ حج کی اقتدار میں ادا کرنا شرط نہیں ہے)

نمازِ عشار سے فارغ ہوکر آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم سو گئے اور عام عادت کے خلاف نمازِ تہجّد کے لئے نہ اُٹھے بلکہ نمازِ فجر کے لئے ہی بیدار ہوئے۔[۳]

(اس سے معلوم ہوا کہ مزدلفہ والی رات کو آرام کرنا سنّت ہے اس رات تہجّد

---

۱ عیون الاثر صفحہ ۳۶۳ ج ۲ - وزاد المعادر ج ۲ ص ۲۳۵ -

۲ صحیح البخاری ج ۳ ص ۳۰ - ومسند الطیالسی ج ۲ ص ۱۰۸ -

۳ زاد المعاد ج ۲، ص ۲۴۷ وعیون الأثر ج ۲ ص ۳۶۳ -

پڑھنا ثابت نہیں ہے)۔

مزدلفہ میں نماز فجر کی ادائیگی اور پھر دُعا و گریہ وزاری

صبح صادق ہوجانے کے بعد فجر کے اوّل وقت میں اذان دی گئی پھر اقامت کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلّم نے نماز فجر ادا فرمائی۔ نماز سے فارغ ہوکر آپؐ سوار ہوکر مشعرِ حرام کے پاس تشریف لائے اور دُعا و مناجات اور گریہ وزاری میں مشغول ہوگئے۔ اپنے پروردگار کے سامنے عاجزی کے ساتھ بندگی کا اظہار کرتے رہے اور دُعائیں مانگتے رہے۔ تکبیر و تہلیل بھی پڑھتے رہے۔ آپؐ نے یہ بھی فرمایا کہ پورے مزدلفہ میں کہیں بھی وقوف کیا جا سکتا ہے[1]۔ واضح رہے کہ وقوفِ مزدلفہ کا وقت صبح صادق سے طلوعِ شمس تک ہے۔ جو شخص اس وقت میں مزدلفہ پہنچ گیا اس نے وقوفِ مزدلفہ کو پالیا۔ مزدلفہ میں رات کا قیام سُنّت ہے اور صبح صادق کے بعد وقوف واجب ہے۔

طلوعِ شمس سے پہلے مزدلفہ سے منیٰ کو روانگی

جب اُجالا خُوب ہوگیا لیکن سُورج ابھی طلوع نہ ہوا تھا تو سیدِ عالم صلی اللہ علیہ وسلّم منیٰ کے لئے روانہ ہوگئے۔ آپؐ کی سواری پر حضرت فضل بن عباسؓ سوار تھے (جو حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلّم کے چچازاد بھائی تھے) اور اسامہؓ بن زید آپؐ کے ساتھ ساتھ پیدل چل رہے تھے۔ پورے راستے حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلّم تلبیہ پڑھتے رہے[2]

وادیٔ محسّر جہاں اصحابِ فیل ہلاک ہوئے تھے

جب حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلّم وادیٔ محسّر پر پہنچے (جو مزدلفہ اور منیٰ کے درمیان ہے) تو آپؐ نے اپنی سواری کو

[1] زاد المعاد ۲۵۲ - ۲۵۴ ج ۲ - وعیون الاثر ص ۲۶۴ ج ۲ -
[2] زاد المعاد ج ۲ ص ۲۵۴، وعیون الاثر ج ۲ ص ۲۶۴ -

تیز کر دیا تاکہ اس مقام سے تیزی کے ساتھ گزر جائیں جہاں اصحابِ فیل پر عذاب نازل ہوا تھا[1]

منیٰ پہنچ کر جمرۃ العقبہ کی رمی

حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ راستہ اختیار فرمایا جو جمرۃ العقبہ کے پاس پہنچتا ہے۔ (جمرۃ العقبہ کو اردو بولنے والے "بڑا شیطان" کہتے ہیں) یہاں پہنچ کر آپؐ نے سواری پر بیٹھے ہوئے ہی جمرۃ العقبہ کو کنکریاں ماریں، تلبیہ پڑھنا بند کر دیا۔ اس وقت حضرت اسامہ بن زیدؓ اور حضرت بلال حبشیؓ آپؐ کے ساتھ تھے۔ ایک نے آپؐ کی سواری کی مُہار تھام رکھی تھی اور دوسرے نے دھوپ کی شدّت سے بچانے کے لئے کپڑے سے آپؐ پر سایہ کر رکھا تھا[2]

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مناسکِ حج زیادہ تر سواری پر ادا فرمائے اس میں یہ حکمت تھی کہ آپؐ کے اُمّتی مناسکِ حج کی ادائیگی کا سُنّت طریقہ سیکھ لیں۔ رمی سے فارغ ہو کر آپؐ اپنی قیامگاہ پر تشریف لے گئے (یہ قیامگاہ (خیمہ) وہاں تھا جہاں مسجد خیف تعمیر کی گئی ہے)۔ وہاں پہنچ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک خطبہ دیا اور مہاجرین و انصار کو جمع فرما کر مناسکِ حج کی تعلیم دی۔ آپؐ کے خطبہ کا ایک اقتباس درج ذیل ہے۔ خطبہ دیتے ہوئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"بلاشبہ تمہارا خون، تمہارے اموال اور عزّت و آبرو کی حُرمت ایک دوسرے کے لئے ایسی ہی ہے جیسے کہ آج کے دن کی حُرمت ہے اس مہینے اور شہر میں اور عنقریب تم اپنے پروردگار سے ملاقات کرو گے وہ تم سے تمہارے اعمال کے بارے میں پوچھے گا۔ خبردار! تم لوگ میرے بعد گمراہ نہ ہو جانا کہ ایک دُوسرے کی گردنیں

---

[1] زاد المعاد ج ۲ ص ۲۵۵۔

[2] مسند الامام أحمد ج ۷، ص ۵۰۔

اڑانے لگو لیے کیا میں نے پیغام پہنچا دیا؟ غور سے سنو، جو لوگ حاضر ہیں وہ ان تک یہ بات پہنچا دیں جو یہاں موجود نہیں۔"[2]

قربانی یہ دس ذی الحجہ کا دن تھا جو عید الاضحیٰ کا دن کہلاتا ہے۔ حجاج کے لیے اس کا نام "یوم النحر" ہے یعنی قربانی کا دن۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم قربان گاہ تشریف لے گئے اور سو اونٹوں کی قربانی فرمائی جن میں سے تریسٹھ اونٹ خود اپنے ہاتھ سے قربان کئے اور باقی ۳۷ اونٹوں کے بارے میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو حکم دیا کہ ان کو نحر کر دیں اور آپ نے فرمایا کہ پورے منیٰ میں کہیں بھی قربانی کی جا سکتی ہے۔[3]

حلق یعنی سر منڈوانا قربانی کے بعد حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے حلق کرایا۔ معمر بن عبد اللہؓ نے آپ کے سر مبارک کے بال مونڈے (جیسا کہ بخاری شریف کی روایت میں ہے) آپ کے حکم کے مطابق پہلے انہوں نے آپ کے سر مبارک کی داہنی طرف کے بال مونڈے جو آپ نے جانثار صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین میں تقسیم فرما دیئے۔ اس کے بعد بائیں طرف کے بال مونڈے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو طلحہؓ کو عنایت فرما دیئے۔[4]

طوافِ زیارت طوافِ زیارت کو طوافِ افاضہ اور طوافِ صدر بھی کہا جاتا ہے۔ یہ حج کا اہم رکن ہے۔ قربانی اور حلق سے فارغ ہو کر امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم مکہ معظمہ کی طرف روانہ ہو گئے اور نماز ظہر سے قبل ہی طوافِ زیارت کیا۔[5] یہ طواف بھی آپ نے سواری

---

[1] مسلمانوں کے باہمی اتحاد و الفت و محبت اور ایک دوسرے کے جان و مال کی حفاظت کی کس درجہ اہمیت ہے وہ اس خطبہ سے ظاہر ہوتا ہے۔

[2] رواہ مسلم۔ باب تغلیظ تحریم الدماء۔

[3] زاد المعاد ۲۵۹، ۲۶۷ ج ۲ - وعیون الاثر ۳/۳۶۵

[4] صحیح مسلم، کتاب الحج باب بیان ان السنۃ یوم النحر یرمی ثم ینحر۔

[5] زاد المعاد ص ۲۷۰ ج ۲۔

پر کیا جس کا مقصد اُمّتِ مسلمہ کو طواف کا سُنّت طریقہ بتلانا تھا کہ کہاں کیا کرنا ہے۔ اور یہ آپ کی خصوصیّت تھی۔ اسی وجہ سے اہلِ علم نے سواری پر طواف کرنے کو سُنّت نہیں لکھا البتّہ جو شخص بیمار ہو یا کوئی اور عذر ہو تو وہ سواری پر (یعنی وہیل چیئر) یا کھٹولے پر طواف کر سکتا ہے۔

طواف کے بعد زمزم پینا

طوافِ زیارت سے فارغ ہو کر سرکارِ دو عالم صلّی اللہ علیہ وسلّم زمزم کے کنویں کے پاس تشریف لائے۔ حضرت عباسؓ اور ان کی اولاد حجاج کو زمزم پلانے کے ذمّہ دار تھے۔ آپؐ کے حکم کے مطابق زمزم کا ایک ڈول نکالا گیا آپؐ نے بیٹھے بغیر اس میں سے زمزم پیا۔

طوافِ زیارت کے بعد سعی

حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم کا حج قِران تھا اور قارن کو دو مرتبہ سعی کرنی ہوتی ہے ایک بار عمرہ کی سعی جو وقوفِ عرفات سے قبل ہوتی ہے اور دوسری سعی حج کی۔ حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ طوافِ افاضہ (یعنی طوافِ زیارت) سے فارغ ہو کر حضورِ اقدس صلّی اللہ علیہ وسلّم نے زمزم نوش فرمایا پھر صفا کی طرف تشریف لے گئے اور سعی کی۔

مِنیٰ کو واپسی

طواف و سعی سے فارغ ہو کر آپؐ واپس مِنیٰ تشریف لے گئے اور وہاں قیام فرمایا۔

۱۱ ذی الحجہ کی رمی

پھر اگلے روز زوال کے بعد آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم نے رمی کی۔ آپؐ پیدل چل کر جمرۂ اولیٰ کے پاس تشریف لے گئے اور ایک ایک کر کے اس کو سات کنکریاں ماریں۔ ہر کنکری مارتے ہوئے آپؐ نے اللہ اکبر پڑھا۔ سات کنکریاں مارنے کے بعد آپؐ نے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں ہاتھ اٹھا کر کافی دیر تک دُعا کی۔ پھر جمرہ وسطیٰ کے قریب پہنچ کر اسی طرح رمی کی اور اللہ تعالیٰ سے دُعا کی۔ پھر جمرۃ العقبۃ کے پاس پہنچ کر

اسی طرح سات کنکریاں ماریں، لیکن یہاں رُک کر دُعا نہیں کی بلکہ رمی کر کے واپس ہو گئے۔[1]

منیٰ میں آپؐ کا دُوسرا خُطبہ

گیارہ ذی الحج بروز اتوار آپؐ نے دُوسرا خطبہ دیا جس میں آپؐ نے ارشاد فرمایا:

"بے شک تمہارا رب ایک ہے، اور تمہارا باپ ایک ہے (یعنی آدم علیہ السّلام) خبردار! کسی عربی کو عجمی پر کوئی فضیلت نہیں ہے اور نہ کسی عجمی کو کسی عربی پر کوئی فضیلت حاصل ہے (یعنی تم سب اللہ کے بندے اور آدم کی اولاد ہو نسب اور قوم کی وجہ سے کسی کو برتری حاصل نہیں ہے) نہ سُرخ رنگت والے کو کالی رنگت والے پر اور کالی رنگت والے کو سُرخ رنگت والے پر کوئی فوقیت ہے سوائے تقویٰ کے (یعنی معیارِ فضیلت اللہ کے ہاں تقویٰ ہے)۔ بلاشبہ اللہ تعالےٰ کے نزدیک تم میں سے زیادہ عزّت والا وہ ہے جو زیادہ پرہیزگار ہے (یعنی اللہ سے ڈرنے والا ہے اور گناہوں سے بچنے والا ہے)۔"

پھر آپؐ نے اپنے اُمّتیوں سے خطاب کر کے فرمایا:

"بتاؤ کیا میں نے پیغام پہنچا دیا؟"

حاضرین نے عرض کیا "جی ہاں، اے اللہ کے رسُولؐ آپ نے پیغام پہنچا دیا۔"

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا:

"جو حاضر ہیں وہ ان لوگوں تک بات پہنچا دیں جو غائب ہیں۔"[2]

منیٰ کے قیام کے دَوران رات کو مکّہ معظّمہ آنا

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ منیٰ میں قیام کے دوران ہر

---

[1] زاد المعاد ج ۲ ص ۲۸۵ ۔ [2] الترغیب والترہیب، کتاب الادب

رات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مکہ معظمہ جایا کرتے تھے [۱]

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی رحلت کا اشارہ

سورۃ النصر کا نزول

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم پر وسط ایام تشریق میں ہی "إِذَا جَاءَ نَصْرُ اللهِ وَالْفَتْحُ" نازل ہوئی۔ اسی سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سمجھ گئے کہ یہ وداع یعنی دنیا سے جانے کا پیغام ہے۔ اس سورت کے نزول کے بعد آپ نے اپنی اونٹنی پر سوار ہو کر خطبہ ارشاد فرمایا [۲] (جو پہلے گزر چکا ہے)۔

۱۲ اور ۱۳ ذی الحجہ کی رمی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بارہ ذی الحج کو بھی زوال کے بعد رمی کی اور پھر منیٰ ہی میں ہی قیام فرمایا۔ تیرہ ذی الحج کو زوال کے بعد رمی کی اور پھر منیٰ سے روانہ ہو گئے اور مقام ابطح (جس کا دوسرا نام محصب بھی ہے) پہنچ کر اس قبہ میں قیام فرمایا جو آپ کے لئے ایک صحابی نے نصب کیا تھا اور وہیں ظہر، عصر، مغرب اور عشاء کی نمازیں ادا فرمائیں اور تھوڑی دیر سوئے [۳]

طواف الوداع پھر رات کے کسی حصہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مکہ معظمہ تشریف لے گئے اور طواف وداع کیا [۴] اس طواف میں آپ نے رمل نہیں کیا [۵]

مکہ معظمہ سے مدینہ طیبہ کیلئے روانگی اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ معظمہ کے نشیبی علاقے سے

[۱] رواہ البخاری تعلیقا ۔ [۲] البیہقی جلد ۷ ص ۳۳۰ [۳] زاد المعاد، جلد ۲ ص ۲۹۰۔

[۴] طواف وداع آفاقی پر واجب ہے (یعنی جو حاجی میقات کے باہر سے آیا ہو)۔

[۵] زاد المعاد ج ۲ ص ۲۱۰ ۔

مدینہ طیبہ روانہ ہو گئے جس کو "کدی" کہا جاتا ہے[1]

نبی کریم علیہ افضل الصلاۃ والتسلیم نے اس حج میں تقریباً ایک لاکھ چوالیس ہزار برگزیدہ بندوں کے سامنے توحید کی تعلیم اور حق کا پیغام پہنچایا اور اس کے بعد مدینہ طیبہ کے لئے روانہ ہو گئے۔ چونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حج میں امت کو آخری تبلیغ فرمائی تھی اس وجہ سے اس کا نام "حجۃ البلاغ" بھی ہے۔

اس حج میں آپؐ نے شعائر اللہ کی تعظیم اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کی سُنن کا احیاء فرمایا، مشرکانہ رسموں کو ختم فرمایا اور توحید خالص کا اعلان فرمایا، رنگ و نسل کی تفریق کو باطل قرار دیا اور تقویٰ اختیار کرنے کا حکم فرمایا۔ سودی لین دین کے نظام کو ختم فرمایا۔ عورتوں کے ساتھ حسن سلوک اور اچھا برتاؤ کرنے کا حکم دیا۔ اللہ تعالیٰ ہم سب امتیوں کی طرف سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو افضل ترین جزا عطا فرمائے۔ آمین۔

غدیر خُم کا خطبہ

راستہ میں رابغ کے قریب "غدیر خُم" نامی مقام پر حضرت بریدہ اسلمی رضی اللہ عنہ نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کی کچھ شکایت کی۔ اس شکایت کا تعلق حکومتِ یمن میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف سے مالِ غنیمت کی تقسیم سے تھا۔ درحقیقت اس شکایت کی بنیاد حضرت بریدہ کا قصورِ فہم تھا (یعنی معاملہ کو پوری طرح نہ سمجھنا) شکایات سُن کر رسُولِ برحق صلی اللہ علیہ وسلم نے غدیر خم پر ایک خطبہ پڑھا اور اس خطبہ میں اہلِ بیت رضوان اللہ علیہم اجمعین کی شان و منزلت کو بیان فرمایا اور حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا ہاتھ پکڑ کر ارشاد فرمایا:

"مَن کُنتُ مولاہ فعلیٌّ مولاہ"

ترجمہ: میں جس کا مولا ہوں علیؓ بھی اس کے مولا ہیں۔

---

[1] زرقانی ج ۸ ص ۲۱۲۔

"مولا" کا لفظ عربی زبان میں مختلف معانی کے لئے استعمال ہوتا ہے جب "مولا" اللہ تعالےٰ کے لئے استعمال ہو تو اس کا معنیٰ ہوتا ہے" پروردگار و مددگار" لیکن جب کسی انسان کے لئے استعمال ہو تو اس کے معنی ہوں گے" وہ شخص جس سے محبّت و عقیدت ہو" اور یہ" موالات" سے مشتق ہے جو" عداوت" کی ضد ہے۔
جو لوگ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو" مشکل کشا" کے معنیٰ میں" مولا" کہتے ہیں وہ شرک میں مبتلا ہیں اور اللہ کے نبی صلّی اللہ علیہ وسلّم ہر شرک سے بری ہیں۔ حضورِ اقدس صلّی اللہ علیہ وسلّم کے اس فرمان کا مطلب یہ ہے کہ جو مجھ سے محبّت و عقیدت رکھتا ہے وہ ضرور حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بھی محبّت و عقیدت رکھے گا۔ جب کسی سے محبّت و عقیدت ہو اس پر اعتراض نہیں کیا جاتا۔

حضرت عمر فاروقؓ کی طرف سے حضرت علیؓ کو مبارکباد

اس خطبہ کے بعد حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اس شرف کے حاصل ہونے پر مبارک باد دیتے ہوئے فرمایا: أصبحت مولا کل مؤمن ومؤمنة۔ (ترجمہ) آپ ہر مومن مرد و عورت کے لئے مولا یعنی واجب الاحترام بن گئے ہیں۔
اس سے واضح طور پر معلوم ہوا کہ ان حضرات میں بے حد محبّت و عقیدت کا تعلق تھا اور کیسے نہ ہوتا جبکہ قرآن مجید گواہی دیتا ہے:

مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗٓ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ (سورۃ فتح آیت ۲۹)

ترجمہ: محمد صلّی اللہ علیہ وسلّم اللہ کے رسُول ہیں اور جو لوگ ان کے ساتھی ہیں (یعنی صحابہ کرامؓ) وہ کافروں کے لئے بڑے سخت ہیں اور آپس میں بڑے رحم دل ہیں۔"

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شکایت کرنے والے صحابی حضرت بریدہؓ نے

جب حضورِ اقدس صلّی اللہ علیہ وسلّم کا فرمان سُنا تو اس کے بعد ہمیشہ حضرت علی رضی اللہ تعالےٰ عنہ کی محبّت و متابعت کا فرض نبھایا۔ بالآخر یہ بزرگوار جنگِ جمل[1] میں شہید ہوئے۔ رضی اللہ عنہ و اُرضاہ۔

ذوالحلیفہ میں رات کو قیام

سفر جاری رہا۔ یہاں تک کہ جب آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم ذوالحلیفہ (ابیارعلی) پہنچے تو وہاں رات کو قیام فرمایا۔ یہ مقام مدینہ طیبہ سے چند میل کے فاصلے پر ہے اور اہلِ مدینہ کی میقات ہے یہیں سے آپؐ نے احرام باندھا تھا۔

مدینہ طیبہ کو دیکھ کر خوشی کا اظہار

پھر اگلے دن آپؐ مدینہ طیبہ کے لئے ذی الحلیفہ سے چلے تو جب مدینہ کی آبادی نظر آئی تو آپ بہت مسرور ہوئے۔ آپؐ کی عادت شریفہ تھی کہ مدینہ طیبہ کو دیکھ کر سواری کی رفتار بڑھا دیتے تھے جو مدینہ طیبہ سے آپؐ کی محبّت کی دلیل تھی۔ جب مدینہ طیبہ پر نظر پڑی تو آپؐ نے تین بار اللہ اکبر کہا۔ پھر مندرجہ ذیل کلمات پڑھے۔

لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ٥ آئبون تائبون عابدون ساجدون لربنا حامدون، صدق الله وعده ونصر عبده وهزم الأحزاب وحده۔

ترجمہ: اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں وہ اکیلا ہے اس کا کوئی شریک نہیں، کائنات

---

[1] واضح رہے کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا حضرت معاویہؓ و حضرت علیؓ کے درمیان صلح کرانے کی نیت سے تشریف لے گئی تھیں لیکن منافقین نے جنگ کی صورت بنادی۔ اس جنگ کے بعد حضرت عائشہ صدیقہ ہمیشہ اپنے سفر پر نادم رہیں اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بھی ان کے احترام و عقیدت میں کوئی کمی نہ کی کسی بھی صحابی یا صحابیہ سے بغض رکھنا نفاق کی علامت ہے۔ اس جنگ کو جنگِ جمل کہتے ہیں۔

پر اسی کی بادشاہت ہے اور ساری حمد اسی کے لئے ہے اور وہی ہر چیز پر قادر ہے۔ ہم اپنے رب کی طرف رجوع کرنے والے ہیں اور اسی کی عبادت کرنے والے ہیں اور اسی کو سجدہ کرتے ہیں اور اپنے رب کی حمد بیان کرتے ہیں۔ اللہ تعالٰی نے اپنا وعدہ سچ کر دکھایا اور اپنے بندہ ﷺ کی مدد فرمائی اور تمام (باطل کے) لشکروں کو تنہا اسی نے شکست دی [1]

اور اس طرح حجۃ الوداع کا سفر مکمل ہوا اور آپ ﷺ واپس مدینہ طیبہ پہنچ گئے [2]

---

[1] زاد المعاد ۲ صفحہ ۳۰۰۔

[2] احقر مرتب عبداللہ البرنی المدنی عفا اللہ عنہ عرض کرتا ہے کہ حجۃ الوداع کے بارے میں مزید تفصیل جاننے کے لئے حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا نوّر اللہ مرقدہ کی کتاب "حجۃ الوداع وعمرات النبی صلّی اللہ علیہ وسلم" کا مطالعہ فرمائیں۔ اللہ کا بے انتہا شکر ہے کہ اس نے بندہ کو یہ واقعات لکھنے کی توفیق بخشی جس میں کافی تفصیل آ گئی ہے فلہ الحمد والشکر، وما توفیقی الّا باللہ علیہ توکّلت وإلیہ أنیب۔

رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کی شانِ رحمت پر ایک نظر

اس مضمون میں رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم
کی شانِ رحمت کو اجمالاً بیان کیا گیا ہے آپؐ
کی بعثت سے پورے عالم کو کیا فائدہ پہنچا منکرین
کے لیے آپؐ کا وجود کیونکر رحمت ہوا اور اہل ایمان
کو آپؐ کے واسطہ سے کیا کیا برکات نصیب ہوئیں
آپؐ کا رحمت اور شفقت کا جو برتاؤ تھا اس کا
تذکرہ کیا گیا ہے۔

رحمۃ للعٰلمین صلی اللہ علیہ وسلم کی شانِ رحمت پر ایک نظر

سورۂ توبہ میں ارشاد ہے:

لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ؕ

"بلاشبہ تمہارے پاس رسول آیا ہے جو تم میں سے ہے تمہیں جو تکلیف پہنچے وہ اس کے لئے نہایت گراں ہے وہ تمہارے نفع کیلئے حریص ہے مومنین کے ساتھ بڑی شفقت اور مہربانی کا برتاؤ کرنے والا ہے۔"

اور سورۃ الانبیاء میں ارشاد ہے:

وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ "اور ہم نے آپ کو نہیں بھیجا مگر رحمت بنا کر۔"

پہلی آیت میں اللہ جل شانہٗ نے سید الانبیاء محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا رؤف، رحیم کے بلند لقب کے ساتھ ذکر فرمایا اور دوسری آیت میں فرمایا ہے کہ ہم نے آپ کو جہانوں کے لئے رحمت ہی بنا کر بھیجا ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپؐ نے فرمایا:

"اِنَّمَا اَنَا رَحْمَةٌ مُّهْدَاةٌ" "یعنی میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے مخلوق کی طرف بطور ہدیہ بھیجا گیا ہوں اور سراپا رحمت ہوں۔"

ایک حدیث میں ارشاد ہے۔ آپؐ نے فرمایا:

اِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى بَعَثَنِىْ رَحْمَةً لِّلْعَالَمِيْنَ وَهُدًى لِّلْعَالَمِيْنَ وَاَمَرَنِىْ رَبِّىْ بِمَحْقِ الْمَعَازِفِ وَالْمَزَامِيْرِ وَالْاَوْثَانِ وَالصُّلُبِ وَاَمْرِ الْجَاهِلِيَّةِ ۝

"بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے مجھے سارے جہانوں کے لئے ہدایت بنا کر بھیجا اور میرے رب نے مجھے حکم دیا ہے کہ گانے بجانے کی چیزوں کو مٹادوں اور بتوں کو اور صلیب کو (جس کی نصرانی پرستش کرتے ہیں) اور جاہلیت کے کاموں کو مٹادوں۔"[1]

---

[1] مشکوٰۃ المصابیح ص ۳۱۸

رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کی رحمت عام ہے آپ کی تشریف آوری سے پہلے سارا عالم کفر وشرک کی دلدل میں پھنسا ہوا تھا آپ تشریف لائے سوتوں کو جگایا، حق کی طرف بلایا۔ اس وقت سے لے کر آج تک کروڑوں انسان اور جنات جنت کے مستحق ہو چکے ہیں ساری دنیا کفر وشرک کی وجہ سے ہلاکت اور بربادی کے دہانہ پر کھڑی تھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے تشریف لانے سے دنیا کی زندگی آگے بڑھی اور جب تک دنیا میں اہلِ ایمان رہیں گے قیامت نہیں آئے گی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ قیامت قائم نہیں ہوگی جب تک کہ دنیا میں اللہ اللہ کہا جاتا رہے گا[۱] یہ اللہ کی یاد آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی محنتوں کا نتیجہ ہے۔ یہ جو ایک حدیث میں آیا ہے کہ طالب علم کے لئے آسمانوں کے، زمین کے رہنے والے حتیٰ کہ چیونٹیاں اپنے بلوں میں اور مچھلیاں پانی میں استغفار کرتی ہیں اس کی وجہ بھی یہی ہے[۲] کہ جب تک علومِ نبوت اور اس کے مطابق اعمال دنیا میں موجود ہیں اس وقت تک قیامت نہیں آئے گی۔ لہٰذا آسمان زمین کے درمیان کی چیزیں سمجھتی ہیں کہ چونکہ ہماری بقا ان علوم واعمال کے وجود سے ہے اگر یہ نہ ہو تو قیامت آجائے اس لئے ہمیں دینی علوم کے طلباء کے لئے دعا کرنی چاہیئے۔ ایک حدیث میں ہے کہ ایک پہاڑ دوسرے پہاڑ کا نام لے کر پوچھتا ہے کہ کیا آج تیرے اوپر کوئی ایسا شخص گذرا ہے جس نے اللہ کا نام لیا ہو، اگر وہ پہاڑ جواب میں کہتا ہے کہ ہاں ایک ایسا شخص گذرا تھا تو یہ جواب سُن کر سوال کرنے والا پہاڑ خوش ہوتا ہے۔ (ذکرہ ابن الجزری فی الحصن الحصین)

اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنے والا ایک شخص ایک پہاڑ پر گذرا اور دوسرے پہاڑ کو یہ بات معلوم کر کے خوشی ہوئی اس کی وجہ بھی وہی ہے کہ عموماً مومن بندے جو اللہ کا ذکر کرتے ہیں اس سے عالم کی بقا ہے۔ مجموعہ عالم میں آسمان زمین چرند پرند چھوٹے بڑے حیوانات اور جمادات سب ہی ہیں قیامت آئے گی تو کچھ بھی نہ رہے گا۔ سب کی بقا اہلِ ایمان کی وجہ سے ہے اور ایمان کی دولت رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم سے ملی ہے اسی اعتبار سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا رحمۃ للعالمین ہونا ظاہر ہے۔

اور اس اعتبار سے بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم سارے جہانوں کے لئے رحمت ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایمان اور ان اعمال کی دعوت دی جن کی وجہ سے دنیا میں اللہ کی رحمت متوجہ ہوتی ہے اور آخرت میں بھی ایمان اور اعمالِ صالحہ والوں کے لئے رحمت ہے جو لوگ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر

---

[۱] رواہ مسلم۔ [۲] مشکوٰۃ المصابیح کتاب العلم۔

ایمان نہیں لائے انہوں نے رحمت سے فائدہ نہیں اٹھایا جیسا کہ نابینا آدمی آفتاب کے طلوع ہونے سے روشنی کا فائدہ نہیں ہوتا۔ روشنی سے نابینا کا محروم ہونا سورج کے تاریک ہونے کی دلیل نہیں ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم سارے جہانوں کے لئے رحمت ہیں وہ اس طرح کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے حضراتِ انبیاء کرام علیہم السلام کی امتیں جب اسلام قبول نہیں کرتی تھیں تو ان پر عذاب آجاتا تھا اور نبی کی موجودگی میں ہی ہلاک کر دی جاتی تھیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے رحمۃ للعالمین ہونے کا اس بات میں بھی مظاہرہ ہے کہ عمومی طور پر سب ہی منکرین اور کافرین ہلاک ہو جائیں ایسا نہیں ہے۔ آخرت میں کافروں کو کفر کی وجہ سے جو عذاب ہوگا وہ آخرت سے متعلق ہے دنیا میں سارے ہی کفار ایمان نہ لانے کی وجہ سے ہلاک ہو جائیں ایسا نہیں ہوگا۔

دنیا میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو کیسی کیسی تکلیفیں دی گئیں اور کس طرح ستایا گیا۔ آپؐ کی سیرت کا مطالعہ کرنے والے جانتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیشہ رحمت ہی کا برتاؤ کیا۔ صحیح مسلم میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا گیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ مشرکین کے لئے بددعا کیجئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

اِنِّیْ لَمْ اُبْعَثْ لَعَّانًا وَ اِنَّمَا بُعِثْتُ رَحْمَةً ۔ "میں لعنت کرنے والا بنا کر نہیں بھیجا گیا، میں رحمت بنا کر بھیجا گیا ہوں"

آپ طائف تشریف لے گئے وہاں دینِ حق کی دعوت دی وہ لوگ ایمان نہ لائے اور آپؐ کے ساتھ بدخلقی کا بہت بُرا برتاؤ کیا۔ پہاڑوں پر مقرر فرشتہ نے خدمتِ عالی میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ آپ فرمائیں تو ان لوگوں کو پہاڑوں کے بیچ میں کچل دوں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایسا نہیں کرنا میں امید کرتا ہوں کہ ان کی نسل سے ایسے لوگ پیدا ہوں گے جو اللہ کی وحدانیت کا اقرار کریں گے[1]

سورۃ توبہ کی آیت جو اوپر ذکر کی گئی ہے اس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی صفات بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا ہے، عَزِیْزٌ عَلَیْهِ مَا عَنِتُّمْ یعنی اُمت کو جس چیز سے تکلیف ہو وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو شاق گزرتی ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس سے تکلیف ہوتی ہے۔ حَرِیْصٌ عَلَیْکُمْ آپ صلی اللہ علیہ وسلم امت کے نفع کے لئے حریص ہیں، اہل ایمان کو اعمالِ صالحہ سے بھی متصف دیکھنا چاہتے ہیں

[1] مشکوٰۃ المصابیح ص ۵۲۳

اور یہ بھی حرص ہے کہ ان کے دنیاوی حالات درست ہو جائیں۔ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی امّت کے ساتھ رأفت اور رحمت کا تعلق ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا تعلق صرف اتنا نہیں تھا کہ بات کہہ کہہ بے تعلق ہو جاتے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنی امّت سے قلبی تعلق تھا ظاہراً بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے ہمدرد تھے اور باطناً بھی۔ امّت کو جو تکلیف ہوتی اس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم بھی شریک ہوتے تھے اور جس کسی کو کوئی تکلیف پہنچتی آپ کو اس سے کڑھن ہوتی تھی۔

ایک مرتبہ رات کو مدینہ منورہ کے باہر سے کوئی آواز آئی اہلِ مدینہ کو اس سے خوف محسوس ہوا۔ چند آدمی اس طرف روانہ ہوئے۔ دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پہلے ہی سے ادھر روانہ ہو چکے تھے۔ یہ لوگ جا رہے تھے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم واپس آ رہے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"لم تراعوا" ڈرو نہیں کوئی فکر کی بات نہیں[1]

حضراتِ صحابہ میں سے کسی کو تکلیف ہو جاتی تھی تو اس کے لئے فکرمند ہوتے تھے عیادت کے لئے تشریف لے جاتے تھے، دوا بتاتے تھے مریض کو تسلی دینے کی تعلیم دیتے تھے۔ تکلیفوں سے بچانے کے لئے ان امور کی تعلیم دیتے تھے جن سے تکلیف پہنچنے کا اندیشہ تھا اور جن سے انسان کو خود ہی بچنا چاہیئے لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شفقت کا تقاضا یہ تھا کہ ایسے امور کو بھی واضح فرماتے تھے اسی لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی ایسی چھت پر سونے سے منع فرمایا جس کی منڈیر بنی ہوئی نہ ہو (مشکوٰۃ المصابیح ص ۴۰۴) اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی فرمایا کہ:

"جو شخص (ہاتھ دھوئے بغیر) اس حالت میں سو گیا کہ اس کے ہاتھ میں چکنائی لگی ہوئی تھی پھر اسے کوئی تکلیف پہنچ گئی (مثلاً کسی جانور نے ڈس لیا) تو وہ اپنی ہی جان کو ملامت کرے۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۲۶۶)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی فرمایا کہ:

"جب تم میں سے کوئی شخص رات کو سونے کے بعد بیدار ہو تو ہاتھ دھوئے بغیر پانی میں ہاتھ نہ ڈالے کیونکہ اسے نہیں معلوم کہ رات کو اس کا ہاتھ کہاں جاتا رہا ہے (ممکن ہے اسے کوئی ناپاک چیز لگ گئی ہو یا اس پر زہریلا جانور گذر گیا ہو)"۔ (رواہ البخاری و مسلم)

---

[1] صحیح بخاری ص ۳۱۷

جوتے پہننے کے بارے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ:

" زیادہ تر جوتے پہنے رہا کرو کیونکہ آدمی جب تک جوتے پہنے رہتا ہے وہ ایسا ہی ہے جیسے کوئی شخص سوار ہو (جیسے جانور پر سوار ہونے والا زمین کے کیڑوں مکوڑوں اور گندی چیزوں اور کانٹوں اور اینٹ پتھر کے ٹکڑوں سے محفوظ رہتا ہے ایسے ہی ان چیزوں سے جوتے پہننے والے کی بھی حفاظت رہتی ہے ")" (رواہ مسلم)

نیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی فرمایا کہ:

" جب چلتے چلتے کسی کے چپل کا تسمہ ٹوٹ جائے تو ایک چپل میں نہ چلے یہاں تک کہ دوسرے چپل کو درست کرے (پھر دونوں کو پہن کر چلے)"

اور یہ بھی فرمایا کہ:

" ایک موزہ پہن کر نہ چلے[1] (کیونکہ ان صورتوں میں ایک قدم اونچا اور ایک قدم نیچا ہو کر توازن صحیح نہیں رہتا)۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم امت کو اسی طرح تعلیم دیتے تھے جیسے ماں باپ اپنے بچوں کو سکھاتے اور بتاتے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

" میں تمہارے لئے باپ ہی کی طرح ہوں میں تمہیں سکھاتا ہوں (پھر فرمایا کہ) جب تم قضاء حاجت کی جگہ جاؤ تو قبلہ کی طرف نہ منہ کرو، نہ پشت کرو اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تین پتھروں سے استنجاء کرنے کا حکم فرمایا، اور فرمایا کہ لید سے اور ہڈی سے استنجا نہ کرو اور دائیں ہاتھ سے استنجا کرنے سے منع فرمایا۔ (مشکوٰۃ ص ۴۲)

اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی فرمایا:

" جب تم میں سے کوئی شخص پیشاب کرنے کا ارادہ کرے تو جگہ کو دیکھ بھال لے (مثلاً پکی جگہ نہ ہو جہاں سے چھینٹیں اڑیں اور ہوا کا رخ نہ ہو وغیرہ" (مشکوٰۃ ص ۴۲)

نیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سوراخ میں پیشاب کرنے سے منع فرمایا۔ (کیونکہ ان میں جنات اور کیڑے مکوڑے رہتے ہیں)۔

---

[1] رواہ مسلم۔

اگر کتبِ حدیث میں زیادہ وسیع نظر ڈالی جائے تو اس طرح کی بہت سی تعلیمات سامنے آ جائیں گی جو سراسر شفقت پر مبنی ہے۔ اسی شفقت کا تقاضا تھا کہ آپ کو یہ گوارا نہ تھا کہ کوئی بھی مومن عذاب میں مبتلا ہو جائے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ:

"میری اور تمہاری مثال ایسی ہے جیسے کسی شخص نے آگ جلائی جب چاروں طرف روشنی ہو گئی تو پروانے اس آگ میں آکر گرنے لگے وہ شخص ان کو روکتا ہے کہ آگ میں نہ گریں لیکن وہ اس پر غالب آجاتے ہیں اور آگ میں گرتے ہیں اسی طرح میں بھی تمہیں کمر سے پکڑ پکڑ کر آگ سے بچانے کی کوشش کرتا ہوں اور تم زبردستی اس میں گرتے ہو (یعنی جو لوگ گناہ نہیں چھوڑتے وہ اپنے اعمال کو دوزخ میں ڈالنے کا سبب بناتے ہیں) اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو گناہوں پر وعیدیں بتائی ہیں اور عذاب کی جو خبریں دی ہیں ان پر دھیان نہیں دیتے۔ (رواہ البخاری ومسلم)

سورہ آل عمران میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی صفات بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا ہے:

فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ	سو اللہ کی رحمت کے سبب آپ ان کے لئے
لِنْتَ لَهُمْ وَلَوْ كُنْتَ	نرم ہو گئے اور اگر آپ سخت مزاج اور سخت دل
فَظًّا غَلِيْظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوْا	ہوتے تو یہ لوگ آپ کے پاس سے منتشر ہو جاتے
مِنْ حَوْلِكَ فَاعْفُ	سو آپ ان کو معاف فرما دیجئے اور ان کے لئے
عَنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمْ	استغفار کیجئے اور کاموں میں ان سے مشورہ
وَشَاوِرْهُمْ فِي الْاَمْرِ فَاِذَا	لیجئے پھر جب آپ پختہ عزم کرلیں تو اللہ پر
عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ	توکل کیجئے بے شک توکل کرنے والے اللہ کو
اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَوَكِّلِيْنَ ۝	محبوب ہیں۔

اللہ جل شانہ ارحم الراحمین ہے اس نے اپنی رحمت سے ایسا نبی بھیجا جو رحم دل، نرم مزاج اور اخلاقِ عالیہ سے متصف ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:

"جو شخص نرمی سے محروم ہو گیا وہ خیر سے محروم ہو گیا۔" (رواہ مسلم)

آیاتِ بالا میں جہاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خوش خلقی اور نرم مزاجی اور رحمت و شفقت کا ذکر ہے وہاں اس امر کی بھی تصریح ہے کہ اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم سخت مزاج اور سخت دل ہوتے تو صحابہؓ جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جمع ہیں جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے بے پناہ محبّت کرتے ہیں وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سے چلے جاتے اور منتشر ہو جاتے اور حضرت سعدی رحمۃ اللہ علیہ نے کیا اچھا فرمایا:

کس نہ بیند کہ تشنگان حجاز
برلب آب شور گرد آیند
ہر کجا چشمہ بود شیریں
مردم و مرغ و مور گرد آیند

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاقِ عالیہ میں شفقت اور رحمت کا ہمیشہ مظاہرہ ہوتا رہتا تھا جب کوئی شخص آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے مصافحہ کرتا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کے ہاتھ میں سے اپنے ہاتھ نہیں نکالتے تھے یہاں تک کہ وہی اپنا ہاتھ نکالنے کی ابتدا کرتا تھا اور جس سے ملاقات ہوتی تھی اس کی طرف سے خود چہرہ نہیں پھیرتے تھے یہاں تک کہ وہی اپنا رُخ پھیر کر جانا چاہتا تو چلا جاتا تھا[1]

حضرت انس رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ:

"میں نے کسی کو نہیں دیکھا جو اپنے اہل و عیال سے شفقت کرنے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑھ کر ہو" (رواہ مسلم)

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ بھی بیان فرمایا کہ:

"میں نے دس سال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کی مجھ سے کبھی نقصان ہو گیا تو مجھے کبھی ملامت نہیں فرمائی اگر آپ کے گھر والوں میں سے کسی نے ملامت کی تو فرمایا کہ رہنے دو اگر کوئی چیز اللہ کے قضاو قدر میں ہے تو وہ ہو کر ہی رہے گی" (مشکوٰۃ المصابیح)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم رحمۃ للعالمین تھے دوسروں کو بھی رحم کرنے کا حکم فرمایا۔ ایک حدیث میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"اللہ اس پر رحم نہیں فرماتا جو لوگوں پر رحم نہیں کرتا" (رواہ البخاری)

---

[1] مشکوٰۃ المصابیح۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

" مومنین کو ایک دوسرے پر رحم کرنے اور آپس میں محبت اور شفقت کرنے میں ایسا ہونا چاہیئے جیسے ایک ہی جسم ہو، جسم کے کسی عضو میں تکلیف ہوتی ہے تو سارا ہی جسم جاگتا رہتا ہے اور سارے ہی جسم کو بخار چڑھ جاتا ہے۔" (رواہ البخاری ومسلم)

صابرین کی فضیلت

پھر صبر کرنے والوں کی تعریف فرمائی اور فرمایا وَالصّٰبِرِیْنَ فِی الْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ وَحِیْنَ الْبَاْسِ ط اس میں سختی اور تکلیف کے زمانہ میں صبر کرنے والوں کو نیکی اور تقویٰ والا کام بتایا ہے اور جنگ کے وقت جب کافروں سے مقابلہ ہو اس وقت جم کر ثابت قدمی کے ساتھ مقابلہ کرنے کو نیکی اور تقویٰ کے کاموں میں شمار فرمایا ہے۔ سورۃ انفال میں فرمایا:

یَآاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا لَقِیْتُمْ فِئَۃً فَاثْبُتُوْا وَاذْکُرُوا اللّٰہَ کَثِیْرًا لَّعَلَّکُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝

"اے ایمان والو! جب تم کو کسی جماعت سے مقابلہ کا اتفاق ہو تو ثابت قدم رہو اور اللہ کا خوب کثرت سے ذکر کرو۔ امید ہے کہ تم کامیاب ہو گے۔"

سورہ صف میں فرمایا:

اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ الَّذِیْنَ یُقَاتِلُوْنَ فِیْ سَبِیْلِہٖ صَفًّا کَاَنَّھُمْ بُنْیَانٌ مَّرْصُوْصٌ ۝

بے شک اللہ تعالیٰ ان کو پسند فرماتا ہے جو اس کی راہ میں اس طرح مل کر لڑتے ہیں کہ گویا وہ ایک عمارت ہے جس میں سیسہ پلایا گیا ہو۔

آخر میں فرمایا:

اُولٰٓئِکَ الَّذِیْنَ صَدَقُوْا وَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الْمُتَّقُوْنَ کہ یہ حضرات (جن کی صفات اوپر مذکور ہوئیں) وہ لوگ ہیں جو اپنے ایمان میں سچے ہیں (کیونکہ ایمان قلبی کے ساتھ ایمان کے تقاضوں کو بھی پورا کرتے ہیں) اور یہ لوگ تقویٰ والے بھی ہیں (کیونکہ حرام سے بچتے ہیں، اور گناہوں سے پرہیز کرتے ہیں)۔

سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی

معاشرت اور سیرت کی ایک جھلک

اس مضمون میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی
نشست و برخاست، زائرین اور حاضرین سے
ملاقات، گھریلو حالات اور دیگر اعمال و اشغال
لکھے گئے ہیں۔

سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی مُعاشرت اور سیرت کی ایک جھلک

حضرت حسینؓ رضی اللہ عنہ نے بیان فرمایا کہ میں نے اپنے والد ماجد حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے مکان میں تشریف رکھنے کے حالات دریافت کئے تو فرمایا کہ:

"آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مکان میں تشریف فرما ہونے کے وقت اپنے وقت کے تین حصے فرما لیتے تھے۔ ایک حصہ اللہ تعالیٰ کے لئے (کہ اس میں نماز وغیرہ پڑھتے) دوسرا حصہ گھر والوں کے لئے (کہ ان کے حقوق ادا فرماتے مثلاً ہنستے بولتے اور ضروریات معلوم کرتے)۔ تیسرا حصہ اپنے نفس کے لئے پھر اس اپنے والے حصہ کو بھی اپنے اور زائرین کے درمیان تقسیم فرما لیتے تھے کہ اس وقت خاص خاص اصحاب حاضر ہوتے تھے جن کے ذریعہ عام حضرات تک مجلس کے مضامین پہنچاتے تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم حاضرین سے کوئی چیز (کھانے پینے یا دین کی بات) پوشیدہ نہ رکھتے تھے۔ وقت کے اس حصہ میں جو امت کے لئے تھا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا طرزِ عمل یہ تھا کہ ان آنے والوں میں اہلِ فضل کو ترجیح دیتے تھے اور اس وقت کو ان کے فضل دینی کے لحاظ سے ان پر تقسیم فرماتے تھے۔ بعض آنے والے ایک حاجت لے کر بعض دو حاجتیں اور بعض بہت سی حاجتیں لے کر آتے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کی حاجتیں پوری فرماتے اور ان کو ایسے امور میں مشغول رکھتے جو ان کے لئے اور تمام امت کے لئے مصلح ہوتے مثلاً وہ حضرات آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کرتے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کو مناسب جوابات دیتے اور حاضرین سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرما دیا کرتے تھے کہ جو لوگ موجود نہیں ہیں یہ باتیں ان کو پہنچا دینا اور یہ بھی فرمایا کرتے کہ اس کی حاجت مجھ تک پہنچا دیا کرو جو خود (شرم وغیرہ کی وجہ سے) مجھ تک نہ پہنچا سکتا ہو' اس لئے کہ جو شخص کسی صاحبِ اقتدار تک اس کی حاجت پہنچائے جو خود نہیں پہنچا سکتا خدا اس کو قیامت کے روز ثابت قدم رکھے گا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں اس قسم کا تذکرہ ہوتا تھا اور اس کے علاوہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کوئی بات گوارہ نہ فرماتے تھے۔

حاضرین آپ صلی اللہ تعالےٰ علیہ و آلہ وسلم کے پاس طالب

بن کر آتے تھے اور کچھ چکھے بغیر جدا نہ ہوتے تھے اور وہاں سے ہادیٔ خیر بن کر نکلتے تھے۔

یہ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مکان میں تشریف رکھنے وقت کے حالات تھے۔ حضرت حسین رضی اللہ تعالےٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے والد ماجد سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے باہر تشریف رکھنے کے متعلق دریافت کیا تو فرمایا کہ:

"آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی زبان کو محفوظ رکھتے تھے الا یہ کہ کوئی کام کی بات ہو آنے والوں کو مانوس فرمایا کرتے تھے اور ان کو متنفر نہ کرتے تھے اور قوم کے معزز شخص کا اکرام فرماتے تھے اور اس کو اس کی قوم کا سردار مقرر فرما دیتے تھے۔ لوگوں کو (اللہ سے) ڈراتے تھے اور خود مخلوق کی ایذا رسانی سے اپنی حفاظت فرماتے تھے لیکن کسی کے سامنے خندہ پیشانی اور خوش خلقی میں فرق نہ آتا تھا۔ اپنے اصحاب کی خبر گیری فرماتے تھے (یعنی معلوم فرماتے تھے کہ آج فلاں صاحب کہاں ہیں کیوں نہیں آئے؟) لوگوں کے آپس کے معاملات دریافت فرماتے تھے اور اچھی چیز کو اچھی بتاتے تھے اور اس کی تقویت فرماتے تھے اور بری چیز کو بری بتاتے تھے اور اس کو ناقابل عمل بناتے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہر معاملہ میں میانہ روی سے کام لیتے تھے تلون نام کو نہ تھا۔ لوگوں کی اصلاح سے غفلت نہ فرماتے تھے کہ کہیں وہ غافل نہ ہو جائیں یا کسی امر میں حد سے بڑھ جانے کے سبب دین سے اُکتا جائیں۔ ہر صورتِ حال کا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک پورا انتظام تھا۔ امر حق میں کوتاہی نہ فرماتے تھے اور نہ حق سے آگے بڑھتے تھے۔ بہترین حضرات آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب بیٹھتے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک افضل وہی ہوتا تھا جس کی خیر خواہی عام ہو۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک بڑے رتبے والا وہی ہوتا تھا جو مخلوق کی غمگساری اور مدد میں زیادہ حصہ لے"۔

حضرت حسین رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ پھر میں نے اپنے والد صاحب رضی اللہ عنہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس کے حالات دریافت کئے تو انہوں نے فرمایا کہ:

"آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نشست و برخاست سب اللہ کے ذکر کے ساتھ ہوتی تھی جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کسی جگہ تشریف لے جاتے تو جہاں جگہ ملتی وہیں بیٹھ جاتے تھے اور دوسروں

کو بھی اس کا حکم فرماتے تھے۔ اپنے ہر ہم نشین کو اس کا حق دیتے تھے (کہ سب کی طرف متوجہ ہوتے تھے) آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھنے والوں میں سے کوئی بھی یہ نہ سمجھتا تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم فلاں شخص کو مجھ سے زیادہ عزیز رکھتے ہیں۔ جو شخص آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھتا یا کسی معاملہ میں گفتگو کرتا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم ساتھ بیٹھے رہتے اور گفتگو فرماتے رہتے (اور اس کو چھوڑ کر نہ جاتے تھے) جب تک کہ وہ خود ہی نہ چلا جائے۔ جو شخص آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کرتا تو عنایت فرما دیتے تھے یا نرمی کے ساتھ مناسب جواب دیتے تھے (جبکہ ہر چیز موجود نہ ہوتی تھی) آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سخاوت اور خوش خلقی سب کے لئے عام تھی جس کی وجہ سے آپ صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم شفقت اور مہربانی میں گویا سب کے باپ تھے۔ آپ صلّی اللہ تعالےٰ علیہ وآلہ وسلم کے یہاں حق میں سب برابر تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس علم اور حیا، صبر اور امانت کی مجلس تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں نہ شور ہوتا تھا نہ کسی کی بے عزتی ہوتی تھی اور اگر اس مجلس میں کسی سے لغزش ہو جاتی تو اس کو شہرت نہ دی جاتی تھی۔ حاضرین مجلس سب برابر سمجھے جاتے تھے مگر تقویٰ کی وجہ سے ایک کو دوسرے پر فضیلت ہوتی تھی سب آپس میں تواضع کرتے تھے۔ بڑوں کا ادب کرتے تھے اور چھوٹوں پر رحم کرتے تھے۔ صاحب حاجت کو اپنے نفسوں پر ترجیح دیتے تھے اور مسافر کی خبر گیری کرتے تھے۔"

حضرت حسین رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے والد صاحب رضی اللہ عنہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کے بارے میں سوال کیا تو فرمایا:

"آپ صلی اللہ علیہ وسلم خوش خلق اور ہشاش بشاش رہتے تھے۔ آپ نرم خو تھے، نرم طبیعت تھے (کہ بخوشی سب کی حاجت میں مشغول ہو جاتے تھے) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نہ بدخو تھے نہ سخت گو تھے، نہ چلا کر بولتے تھے نہ بدکلامی فرماتے تھے، نہ کسی کو عیب لگاتے تھے نہ بخل فرماتے تھے اپنی ناپسند چیز سے اعراض فرماتے تھے۔ دوسروں کی کوئی خواہش آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ناپسند ہوتی تو اس کو مایوس بھی نہ فرماتے تھے اور صاف جواب بھی نہ دیتے تھے۔ اپنی جان کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے (خاص طور سے) تین چیزوں سے بچا رکھا تھا (۱) جھگڑنا (۲) تکبر اور (۳) لایعنی چیزیں اور

دوسروں کو تین باتوں سے (خصوصی طور سے) اپنی جانب سے بچا رکھا تھا (۱) کسی کی بُرائی نہ کرتے تھے (۲) کسی کو عیب نہ لگاتے تھے اور (۳) کسی کا عیب تلاش نہ فرماتے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم صرف وہی کلام فرماتے جس میں ثواب کی امید ہوتی۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کلام فرماتے تو حاضرین مجلس سر جھکائے بیٹھے رہتے تھے۔ گویا ان کے سروں پر پرندے ہیں۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم خاموش ہوتے تو حاضرین بولتے تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں کسی بات میں جھگڑا نہ کرتے تھے۔ مجلس میں جب کوئی بولتا تو اس کے خاموش ہونے تک سب خاموش رہتے تھے۔ سب کی بات اسی توجہ سے سنی جاتی تھی جیسی افضل حضرات کی سنی جاتی تھی۔ سب ہنستے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم بھی ہنستے اور سب تعجب کرتے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم بھی تعجب کرتے (یہ نہیں کہ سب سے الگ چپ چاپ بیٹھے رہیں) مسافر آدمی کی سخت گفتگو اور اس کے بیجا سوالوں پر صبر فرماتے تھے لہٰذا حضراتِ صحابہ مسافروں کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں خود لایا کرتے تھے کہ وہ کچھ معلوم کریں گے تو ہم کو بھی معلوم ہو جائے گا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کرتے تھے کہ جب کوئی صاحبِ حاجت ملا کرے تو اس کی مدد کر دیا کرو۔ اور اگر کوئی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف کرتا تو اس کو گوارہ نہ فرماتے تھے الایہ کہ بطور شکریہ کے کوئی آپ کی تعریف کرتا تو خاموش رہتے کسی کی قطع کلامی نہ فرماتے (اور کسی بات کے درمیان نہ بولتے تھے) ہاں اگر وہ بے جا باتیں کرنے لگتا تو منع فرما دیتے تھے یا وہاں سے کھڑے ہو جاتے تھے۔" (رواہ الترمذی فی الشمائل)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ:

"آپ صلی اللہ علیہ وسلم نہ فحش گو تھے اور نہ فحش گوئی کرنا چاہتے تھے۔ نہ بازاروں میں شور مچاتے تھے (جو خلاف وقار ہے) بُرائی کا بدلہ بُرائی سے نہ دیتے تھے بلکہ معاف فرما دیتے تھے اور درگذر فرماتے تھے۔" (ترمذی)

نیز فرماتی ہیں کہ:

"آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جہاد فی سبیل اللہ کے علاوہ کبھی کسی کو اپنے دستِ مبارک سے نہیں مارا نہ کسی خادم کو نہ کسی بیوی کو۔"

نیز فرماتی ہیں کہ:

"آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ذات کے لئے کسی سے بدلہ نہیں لیا ہاں اگر اللہ کے دین کی حرمتوں میں کسی کی بے حرمتی ہوتی تھی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم سب سے زیادہ غصہ کرنے والے ہوتے تھے۔" (مشکوٰۃ)

حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ:

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بُرے سے بُرے انسان سے بھی تالیف قلب کے لئے اپنی توجہ فرماتے تھے اور اس سے گفتگو فرماتے تھے۔" (مشکوٰۃ المصابیح)

حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی طویل روایت میں ہے کہ:

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی کی طرف توجہ فرماتے تو پوری توجہ فرماتے تھے۔ (کیونکہ ادھوری توجہ متکبرین کا خاصہ ہے) نظر نیچے کو رکھتے تھے۔ اپنے اصحاب کے پیچھے چلتے تھے اور پہلے سلام کرتے تھے۔" (جمع الفوائد)

حضرت انس رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ:

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی سے مصافحہ فرماتے تو جب تک وہ اپنا ہاتھ نہ کھینچتا آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنا ہاتھ نہ کھینچتے تھے اور اس کی طرف سے منہ نہ پھیرتے تھے جب تک وہ خود منہ پھیر کر نہ جاتا۔ کبھی یہ نہیں دیکھا گیا کہ اہل مجلس کی طرف آپ صلی اللہ علیہ وسلم پیر پھیلائے بیٹھے ہوں۔" (مشکوٰۃ المصابیح)

اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے میں غلاموں کی طرح کھاتا ہوں اور غلاموں کی طرح بیٹھتا ہوں۔ (ایضاً)

یہ ہیں صاحب خلق عظیم صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق عالیہ جنہیں اختیار کرنے کی ضرورت ہے اور عموماً مسلمانی کا دعویٰ کرنے والے ان سے غافل ہیں۔

رفیقِ اعلیٰ کی طرف رحلت

قَالَ اللّٰہُ تعَالیٰ: وَ لَلْاٰخِرَۃُ خَیْرٌ لَّکَ مِنَ الْاُوْلٰی [۱]

حضرات انبیاء کرام علیہم الصّلوٰۃ والسّلام کو اختیار دیا جاتا ہے کہ اگر چاہیں تو دنیا میں رہیں اور چاہیں تو اپنے پروردگار سُبحانہ وتعالےٰ کی طرف رحلت فرمائیں۔ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کو بھی اختیار دیا گیا اور آپؐ نے رفیقِ اعلیٰ کو اختیار فرمایا۔ ایک روز آپؐ نے خطبہ دیتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ:

"اللہ تعالےٰ نے اپنے ایک بندے کو اختیار دیا ہے کہ چاہے تو وہ دنیا میں رہے اور چاہے تو اپنے رب کے پاس جو انعام واکرام ہے اس کی طرف کوچ کر جائے تو اللہ کے اس بندہ نے اپنے رب کے پاس جانے کو اختیار کر لیا ہے۔"

یہ سُن کر حضرت ابوبکر صدّیق رضی اللہ تعالےٰ عنہ پھُوٹ پھُوٹ کر رونے لگے اور سمجھ گئے کہ سیّد عالم صلّی اللہ علیہ وسلّم اپنے بارے میں خبر دے رہے ہیں اور آپؐ اس عالمِ فانی کو خیر باد کہنے والے ہیں [۱]

بیماری کی ابتداء ۱۱ھ ہجری ماہ صفر کے آخر میں یا ربیع الاوّل کی پہلی تاریخ کو آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم رات کے وقت بقیع تشریف لے گئے (بقیع مدینہ منوّرہ کا معروف قبرستان ہے جس کو عرف عام میں جنّت البقیع کہا جاتا ہے۔ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم اہلِ بقیع پر سلام پڑھنے اور ان کے لئے دُعائیں کرنے تشریف لے جاتے تھے) جب آپ وہاں سے واپس ہوئے تو اگلی صبح مرض کی ابتدا ہوئی۔ پہلے سر میں درد کی

---

[۱] بخاری جلد ۲ صفحہ ۱۹۶

شکایت ہوئی اور پھر آپؐ کو تیز بخار ہو گیا [۱]

ابن سعد نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ بیماری کا آغاز بدھ کے دن ہوا اور تیرہ دن بیمار رہنے کے بعد آپؐ کی رحلت ہوئی [۲]

سات دن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کے گھر مقیم رہے اور بیماری کے باوجود انصاف و کرم کے طور پر باری باری ازواجِ مطہراتؓ کے یہاں تشریف لے جاتے رہے۔ جب تکلیف زیادہ بڑھ گئی تو ازواجِ مطہراتؓ کی اجازت سے آپؐ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے گھر مقیم ہو گئے۔ حضرت فضل بن عباس اور حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہما کا سہارا لے کر آپؐ حضرت میمونہؓ کے گھر سے حضرت عائشہؓ کے گھر تشریف لائے [۳]

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جب آپؐ بیمار ہوتے تھے تو یہ دُعا پڑھ کر اپنے ہاتھوں پر دم کر کے جسم مُبارک پر پھیر لیتے تھے:

اَللّٰھُمَّ رَبَّ النَّاسِ۔ اَذْھِبِ الْبَأْسَ۔ اَنْتَ الشَّافِیْ لَا شِفَاءَ اِلَّا شِفَاءُکَ، اِشْفِ شِفَاءً لَّا یُغَادِرُ سَقَمًا۔

ترجمہ: "اے مخلوق کے رب! اس تکلیف کو ہٹا دے۔ تو ہی شفا دینے والا ہے نہیں ہے کوئی شفا، مگر اے اللہ آپ کی شفا ہے، آپ شفا عنایت فرمائیں ایسی شفا جو بیماری و تکلیف کو نہ چھوڑے۔"

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں مرض الوفات کے دنوں میں میں نے یہ دُعا پڑھ کر آپؐ کے ہاتھوں پر دم کر کے آپؐ کے جسم مُبارک پر پھیرنا چاہا تو آپؐ نے اپنے ہاتھ ہٹائے اور یوں دُعا فرمائی:

"اَللّٰھُمَّ اغْفِرْلِیْ وَاَلْحِقْنِیْ بِالرَّفِیْقِ الْاَعْلٰی"

ترجمہ: "اے اللہ! تو میری مغفرت فرما اور مجھے رفیقِ اعلیٰ کی طرف بُلا لے" [۴]

---

[۱] عیون الاثر جلد ۲ صفحہ ۴۴۵ [۲] طبقات ابن سعد ج ۲ صفحہ ۳۵۳
[۳] بخاری شریف ج ۳ صفحہ ۶ [۴] بخاری، فتح الباری جلد ۸ صفحہ ۱۷۷، ۱۸۱۔

حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو وصیّت حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ مرض الوفات میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں طلب فرمایا اور اپنی وفات کے قریب کی خبر دی اور فرمایا:

"اللہ تعالیٰ تمہیں خوش رکھے اور ہدایت پر قائم رکھے اور تمہاری نُصرت فرمائے۔"

نیز فرمایا:

"میں تمہیں تقویٰ اختیار کرنے کی وصیّت کرتا ہوں اور تمہیں اللہ کے سپرد کرتا ہوں۔"

حضراتِ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے دریافت کیا:

"یا رسول اللہ آپ کو غسل کون دے گا؟"

آپ نے فرمایا:

"میرے اہلِ بیت میں سے جو رشتہ میں زیادہ قریب ہوں وہ بہت سے فرشتوں کے ساتھ مجھے غسل دیں گے۔ وہ فرشتے تمہیں دیکھ رہے ہوں گے مگر تم ان کو نہ دیکھ سکو گے۔"

نماز جنازہ کے بارے میں فرمایا:

"جب تم مجھے غسل اور کفن دے دو تو چارپائی پر لٹا کر قبر کے کنارے رکھ دینا اور کچھ دیر کے لئے وہاں سے ہٹ جانا، کیونکہ سب سے پہلے مجھ پر نماز میرے دوست حضرت جبریل علیہ السّلام پڑھیں گے۔ ان کے بعد حضرت میکائیل علیہ السّلام، پھر حضرت اسرافیل علیہ السّلام۔ پھر ان کے بعد ملک الموت نماز پڑھیں گے۔ ان کے ساتھ فرشتوں کا بڑا لشکر ہوگا۔ اس کے بعد میرے گھر کے مرد نماز پڑھیں، پھر گھر کی عورتیں اور اس کے بعد تم لوگ گروہ در گروہ تنہا تنہا داخل ہونا اور نماز پڑھنا، رونے دھونے اور چلّانے سے بچنا ورنہ مجھے

اذیّت ہو گی۔ جو لوگ موجود نہیں ان کو میرا سلام پہنچا دینا اور گواہی دینا کہ جو لوگ آج سے لے کر قیامت تک دینِ اسلام میں داخل ہوں گے اُن پر میرا سلام ہے[1]

حقوق العباد کی اہمیّت

اس بیماری کے دوران آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم حضرت فضل بن عباس رضی اللہ عنہ کا ہاتھ پکڑ کر منبر پر تشریف لائے۔ آپؐ کے سرِ مُبارک پر پٹی بندھی ہوئی تھی۔ پھر آپؐ نے حکم فرمایا کہ لوگوں کو بلاؤ۔ حضرت فضلؓ نے آواز دے کر لوگوں کو جمع کیا۔ اس کے بعد رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے اللہ تعالےٰ کی حمد وثنا بیان فرمانے کے بعد ارشاد فرمایا:

"اے لوگو! میں عنقریب تم لوگوں کے پاس سے جانے والا ہوں۔ لہٰذا اگر کسی کو میں نے مارا ہو تو میری کمر حاضر ہے وہ بدلہ لے لے۔ اور اگر کسی کو میں نے بُرا بھلا کہا ہو تو وہ بھی بدلہ لے لے، کوئی مالی مطالبہ ہو تو میرا مال حاضر ہے۔ کوئی شخص یہ خیال نہ کرے کہ بدلہ لینے سے میرے دل میں اس کے لئے بغض پیدا ہو جائے گا، تم جانتے ہو کہ بغض رکھنا میری فطرت میں نہیں۔ وہ شخص مجھے محبوب ہے جو بدلہ لے لے یا معاف کر دے۔"

اس کے بعد رسُول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم منبر شریف سے اُتر آئے اور پھر نماز ظہر کے بعد دوبارہ منبر پر تشریف لے گئے اور وہی اعلان دُہرایا۔ ایک شخص نے عرض کیا، یارسول اللہ! ایک روز آپؐ کے پاس ایک سائل آیا تھا اور آپؐ کے پاس اس کو دینے کے لئے کچھ مال نہ تھا آپؐ نے مجھے حکم دیا تھا کہ تین درہم اس کو دے دو۔ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم نے حضرت فضلؓ سے فرمایا کہ اس کے تین درہم ادا کر دو[2]

---

[1] سیرت ابن کثیر ج ۴ صفحہ ۵۰۲، ۵۰۳ و طبقات ابن سعد ج ۲ صفحہ ۲۷۷
[2] مجمع الزوائد، مختصراً۔

صدیقِ اکبرؓ کی امامت

تکلیف و بیماری کے باوجود آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم مسجدِ نبوی میں تشریف لاتے رہے اور امامت کراتے رہے۔ جب مرض میں شدّت آگئی تو اپنے یارِ غار اور رفیقِ اسفار حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالےٰ عنہ کو پیغام بھجوایا کہ نماز پڑھائیں۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ نے عرض کیا کہ ابو بکر صدیقؓ نہایت رقیق القلب ہیں آپؐ کے مصلّے پر کھڑے ہوں گے تو ان پر اس قدر گریہ طاری ہوگا کہ امامت نہ کرا سکیں گے لہٰذا آپ حضرت عمرؓ کو حکم دے دیں کہ وہ امامت کریں۔ آپؐ نے اس تجویز کو رد فرمادیا اور دوبارہ تاکیداً حکم دیا کہ ابو بکرؓ ہی امامت کریں۔ چنانچہ حضرت ابو بکرؓ نے نماز پڑھائی۔[1]

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ مرضِ وفات میں رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے اپنی جگہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو امامت کا حکم فرمایا حالانکہ نہ میں غیر حاضر تھا نہ ہی بیمار تھا۔ پس جب اللہ کے پیارے رسولؐ نے ابو بکرؓ کو ہمارے دین کے لئے پسند کرلیا تو ہم نے انہیں اپنی دُنیا کے لئے بھی پسند کیا (یعنی ان کی خلافت کو حق مانا)[2]

صحابہ کرامؓ کو نماز میں مشغول دیکھ کر اظہارِ مُسرّت

پیر کے دن جب صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نمازِ فجر ادا کر رہے تھے اور صدیق اکبرؓ امامت کرا رہے تھے کہ سیّد المرسلین، خاتم النّبیّین صلّی اللہ علیہ وسلّم نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حُجرہ سے پردہ ہٹا کر اپنے جانثاروں کو نماز میں صف بستہ کھڑے دیکھا تو فرطِ مسرّت سے آپؐ نے تبسّم فرمایا۔ حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کے دیدار کی خوشی میں قریب تھا کہ صحابہ کرامؓ نماز کے بارے میں آزمائش میں پڑ جاتے آپؐ نے ہاتھ سے اشارہ فرمایا کہ نماز پوری کر لو۔ پھر آپؐ نے پردہ ڈال لیا۔[3]

---

[1] صحیح البخاری، کتاب الصلاۃ۔ [2] تاریخ الخلفاء، للسیوطی۔ [3] صحیح البخاری ج ۳ ص ۶۴۔ ابن ماجہ، باب ما جاء فی ذکر مرض رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن انس رضی اللہ عنہ۔

لاڈلی بیٹی کے کان میں سرگوشی سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بیٹی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو بلوایا اور ان کے کان میں کچھ فرمایا جس سے وہ رونے لگیں۔ پھر دوبارہ ان کے کان میں سرگوشی کی جس سے وہ ہنسنے لگیں۔ جب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اس کے بارے میں حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالے عنہا سے دریافت کیا تو انہوں نے بتایا کہ پہلی بار آپؐ نے فرمایا کہ میری وفات کا وقت قریب آچکا ہے۔ یہ سُن کر میں رونے لگی۔ دوسری بار آپؐ نے فرمایا کہ تم میرے اہلِ بیت میں سے سب سے پہلے مجھ سے آملوگی۔ یہ سُن کر خوشی سے میں ہنسنے لگی[1]

رسُول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کا آخری عمل اور آخری کلام

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم میرے سینے سے ٹیک لگائے ہوئے بیٹھے تھے کہ عبدالرحمٰن بن ابوبکرؓ حاضر ہوئے ان کے ہاتھ میں ایک تازہ مسواک تھی۔ آپؐ اس مسواک کو دیکھنے لگے میں سمجھ گئی کہ آپ صلّی اللہ علیہ وسلّم مسواک کرنا چاہتے ہیں، میں نے اپنے بھائی سے وہ مسواک لی اور اپنے دانتوں سے نرم کر کے آپؐ کو دے دی آپؐ نے اس سے خوب اچھی طرح مسواک کی۔ اس کے بعد آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم نے ہاتھ اٹھا کر آسمان کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا "فی الرفیق الأعلیٰ" یعنی میں اپنے پروردگار کے پاس جانا چاہتا ہوں اور اسی طرح رُوح پُرنور جسمِ اطہر سے پرواز کر گئی[2]

اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ۔ اَللّٰهُمَّ اَحْيِنَا عَلٰى سُنَّةِ نَبِيِّكَ مُحَمَّدٍ صلّی اللہ علیہ وسلم وتوفّنا علیٰ ملتہ واحشرنا تحت لوائہ واسقنا من حوضہ بیدہ الشریفۃ واجمعنا بہ فی جَنَّةِ الخُلد یارب العالمین۔ آمین۔

جمہور مورخین متفق ہیں کہ آپؐ کی وفات ماہِ ربیع الاوّل میں بروز پیر ہوئی۔

---

[1] صحیح البخاری ج ۳ ص ۶۷ - [2] صحیح البخاری جلد ۳ صفحہ ۶۶ -

مشہور قول کے مطابق ۱۲ ربیع الاوّل کو دوپہر کے وقت یہ واقعہ پیش آیا [1]

وفات کی خبر سُن کر صحابہ کرامؓ کو ناقابل بیان صدمہ

سرورِ کونین صلّی اللہ علیہ وسلّم کی رحلت کی خبر صحابہ کرام رضوان اللہ تعالٰے علیہم اجمعین کے لئے ایسی تھی کہ غموں کے پہاڑ ان پر ٹوٹ پڑے۔ یہ صدمہ ناقابلِ تحمّل تھا۔ انسانی تاریخ میں کسی مقتدا اور رہنما کے ماننے والوں نے اس سے وہ محبّت نہیں کی جو اصحابِ رسول صلّی اللہ علیہ وسلّم کو اپنے آقاؐ سے تھی۔ غم و حیرانگی کی وجہ سے زبانیں گُنگ ہوگئیں، آوازیں بند ہوگئیں۔ حضرت عثمان ذی النورینؓ پر ایسا سکتہ طاری ہوا کہ کوئی بات نہ کر سکتے تھے۔ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ غم سے نڈھال ہو کر بیٹھ گئے، حرکت کرنے کی ہمّت نہ تھی۔ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے حُبِّ رسُولؐ سے مغلوب ہو کر تلوار کھینچ لی اور فرمایا جو یہ کہے گا کہ میرے محبوب صلّی اللہ علیہ وسلّم کا وصال ہوگیا اس کی گردن اڑا دُوں گا [2]

حضرت ابوبکر صدیق کی ہمّت و حوصلہ اور دانشمندی

یہ وقت تھا جب اُمّتِ محمّدیہ علیٰ صاحبہا الصلٰوۃ والسّلام کو ایسے رہنما و قائد کی ضرورت تھی جو امّت کو انتشار و خلفشار سے بچائے اور رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کے مشن کی تکمیل کرے، اللہ تعالٰے نے اس عظیم کام کے لئے حضرت ابوبکر صدّیقؓ کو منتخب فرمایا جو ہر اعتبار سے اس کے اہل تھے۔ یارِ غار رفیق اسفار اور امینِ اسرار تھے۔ سفر و حضر میں رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کے ساتھ رہنے والے اور سب سے بڑھ کر دین کا علم رکھنے والے تھے۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت عائشہ صدیقہؓ کے حُجرے میں داخل ہوئے جہاں نبی اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم آرام فرما تھے آپؐ کے جسمِ اطہر پر ایک

---

[1] سیرت ابن کثیر جلد ۴ صفحہ ۵۵ ۔ [2] روض الانف جلد ۴ صفحہ ۲۷۲ ۔

یمنی چادر تھی۔ صدیقِ اکبرؓ نے اپنے حبیب و خلیل صلّی اللہ علیہ وسلّم کے چہرۂ انور سے چادر ہٹائی اور پیشانی مُبارک کو فرطِ عقیدت کے ساتھ چُوما اور بولے:

"میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں آپ کی وفات سے نبوّت اور وحی کا سلسلہ منقطع ہوگیا۔ آپؐ کی تعریف کا حق ادا نہیں کیا جا سکتا۔ اگر آپؐ نے رونے سے منع نہ کیا ہوتا تو ہم اپنی آنکھوں کے آنسو آپؐ پر ختم کر دیتے"۔[1]

صدّیقِ اکبرؓ کا خُطبہ

اس کے بعد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالےٰ عنہ لوگوں کی طرف نکلے اور انہیں جمع فرما کر ایک خطبہ دیا جس میں فرمایا:

"اے لوگو! جو شخص حضرت محمّد مصطفےٰ صلّی اللہ علیہ وسلّم کی عبادت کرتا تھا وہ جان لے کہ آپؐ کی وفات ہو چکی ہے اور جو شخص اللہ تعالےٰ کی عبادت کرتا تھا وہ یاد رکھے کہ اللہ تعالےٰ "حَیٌّ لَا یَمُوْتُ" ہے اسے کبھی موت نہ آئے گی۔ پھر یہ آیت تلاوت فرمائی۔

وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ ۭ اَفَا۟ىِٕنْ مَّاتَ اَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰٓى اَعْقَابِكُمْ ۭ وَمَنْ يَّنْقَلِبْ عَلٰي عَقِبَيْهِ فَلَنْ يَّضُرَّ اللّٰهَ شَـيْـــًٔـا ۭ وَسَيَجْزِي اللّٰهُ الشّٰكِرِيْنَ ۝ (آل عمران۔ ۱۴۴)

ترجمہ: اور محمدؐ تو بس اللہ کے رسُول ہیں، ان سے قبل بھی بہت سے رسُول گذر چکے ہیں، تو کیا اگر ان کی رحلت ہو جائے یا وہ شہید کر دیئے جائیں تو کیا تم (دین اسلام سے) پھر جاؤ گے؟ اور جو کوئی (دین سے) پھر جائے گا تو وہ اللہ تعالےٰ کو ہرگز کوئی نقصان نہ پہنچائے گا اور اللہ تعالےٰ شکرگزار بندوں کو عنقریب جزا دے گا۔"

---

[1] صحیح البخاری ج ۳ ص ۶۸، مختصراً۔

سلسلۂ کلام جاری رکھتے ہوئے فرمایا:

"اللہ تعالٰی نے اپنے نبیؐ کے بعد تمہاری رہنمائی کے لئے اپنی کتاب اور اپنے نبیؐ کی سُنّت کو باقی رکھا ہے۔ شیطان کو اتنی مہلت نہ دو کہ تم سے آکر ملے اور تمہیں کسی فتنہ میں مبتلا کر دے۔"[1]

حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب میں نے ابوبکرؓ سے یہ آیت سُنی (جو اوپر لکھی گئی ہے) تو مجھ پر سکتہ طاری ہو گیا اور ایسا نڈھال ہوا کہ یوں لگا کہ میرے قدم میرا بوجھ اب اٹھا نہ سکیں گے اور میں زمین پر گر جاؤں گا۔[2]

غسل رحمت مجسّم صلّی اللہ علیہ وسلّم کو حضرت علی المرتضیٰ اور حضرت عباس رضی اللہ عنہما نے غسل دیا۔ غسل دینے کے لئے بئر غرس کا پانی لایا گیا (غرس نامی کنواں مدینہ طیبہ میں مسجد قبا کے قریب واقع ہے آج کل عوالی کے آخر میں شمار ہوتا ہے) آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم اس کنویں کا پانی پسند فرماتے تھے۔ تین بار بیری کے پتّے ملے ہوئے پانی سے غسل دیا گیا۔ آپؐ کے کپڑے نہیں اتارے گئے بلکہ ان کے اُوپر سے ہی پانی ڈال کر جسمِ اطہر کو مَلا گیا۔[3]

تکفین جس لباس میں غسل دیا گیا تھا اُس کو اتار کر تین کپڑوں میں کفن دیا گیا۔[4]

نمازِ جنازہ جسمِ اطہر و اعطر حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے حجُرہ میں ہی رکھا رہا اور پہلے قرابت داروں نے یعنی اہلِ بیت نے پھر مہاجرین نے پھر انصار نے پہلے مردوں نے پھر عورتوں نے پھر بچوں نے نمازِ جنازہ ادا کی حجُرہ مبارکہ میں دس دس افراد داخل ہوتے۔ نمازِ جنازہ ادا کرتے اور باہر آجاتے۔ پھر مزید دس افراد جاتے۔ یہ سلسلہ لگاتار شب و روز جاری رہا۔ تدفین مُبارک شبِ چہارشنبہ کو ہوئی۔

---

[1] بخاری شریف جلد ۳ صفحہ ۶۸، جمہرۃ قطب العرب مختصراً [2] بخاری، ایضاً
[3] بیہقی جلد ۵ ص ۱۴۱، [4] شرح مسلم للنووی

يَارَبِّ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا اَبَدًا
عَلٰى حَبِيْبِكَ خَيْرِ الْخَلْقِ كُلِّهِمِ

نمازِ جنازہ میں آپؐ پر کیا دُعا پڑھی گئی؟

زرقانی کی روایت میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نمازِ جنازہ میں صحابہ کرام یہ پڑھتے رہے:

إِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ يَا أَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا۔ اَللّٰهُمَّ رَبَّنَا لَبَّيْكَ وَسَعْدَيْكَ صلوات الله البرّ الرّحيم والملائكة المقرّبين، والنّبيّين والصّدّيقين والصّالحين وما سبّح لك من شئٍ يا ربّ العالمين على محمد بن عبد الله، خاتم النّبيّين وسيّد المرسلين وامام المتقين ورسول ربّ العالمين، الشاهد البشير الداعي إليك بإذنك، السراج المنير وبارك عليه وسلم[1]

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے بیعتِ خلافت

حضرات انصار رضی اللہ عنہم اجمعین سقیفۂ بنی ساعدہ میں جمع ہوئے اور خلافت کے معاملے میں بحث و مشورہ شروع ہوا۔ حضرات شیخین یعنی حضرت ابوبکر و حضرت عمر رضی اللہ عنہما کو اطلاع ملی تو یہ حضرات بھی وہاں پہنچ گئے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے مہاجرین و انصار کے فضائل بیان فرمائے اور فرمایا کہ عرب لوگ قریش کے سوا کسی کی امارت کو تسلیم نہ کریں گے لہٰذا امیر قریش میں سے ہونا چاہیئے اور انصار ان کے وزراء اور مشیر ہوں۔ یہ فرما کر حضرت

---

[1] زرقانی جلد ۸ صفحہ ۲۹۳۔ مطبوعہ مصر۔ کذا فی کتاب رحمۃ للعالمین۔

صدیق اکبرؓ نے حضرت ابو عبیدہ بن الجراحؓ اور حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کا نام پیش کیا کہ ان دونوں میں سے کسی کو منتخب کر لو۔

ان دونوں حضرات نے عرض کیا کہ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی کے لئے یہ مناسب نہیں کہ وہ صدیق اکبرؓ کے مقابلے میں کسی کو فوقیت و ترجیح دے کیونکہ آپؓ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کے یارِ غار ہیں اور ثانی اثنین ہیں اور علالت کے ایّام میں رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے اپنی جگہ امامت کے لئے آپؓ کو ہی منتخب کیا تھا لہٰذا خلافت کے بھی آپؓ ہی زیادہ حق دار ہیں [۱]

مسند احمد کی روایت میں ہے کہ حضرت ابوبکر صدّیق رضی اللہ عنہ نے انصار کو نبی کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم کا فرمان مبارک یاد دلایا کہ "قریش ہی خلافت سنبھالیں گے"۔ یہ سن کر انصار کے سردار حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے عرض کیا "آپ سچ فرماتے ہیں۔ بس آپ لوگ اُمراء ہوں گے اور ہم وزراء [۲]

حضرت عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے عرض کیا کہ ہاتھ بڑھائیے۔ انہوں نے ہاتھ بڑھایا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان سے بیعت کر لی۔ بس اس کے بعد سب لوگ بیعت کے لئے ٹوٹ پڑے۔ پہلے مہاجرین نے بیعت کی پھر انصار نے بیعت کی۔ پھر اگلے روز مسجد نبوی میں عام بیعت ہوئی جو لوگ سقیفۂ بنی ساعدہ میں بیعت نہ ہو سکے تھے انہوں نے مسجد نبوی میں بیعت کی [۳]

بیعتِ خلافت کے بعد صدّیق اکبرؓ کا خطبہ

خلیفۃ الرسول صلّی اللہ علیہ وسلّم حضرت ابوبکر صدیقؓ نے بیعت کے بعد ایک خطبہ دیا جو ذیل میں درج کیا جاتا ہے۔

---

[۱] فتح الباری جلد ۷ صفحہ ۳۶، ۳۸۔ [۲] مسند احمد جلد ۵ صفحہ ۱۱۔
[۳] سیرت ابن کثیر ج ۴ صفحہ ۴۹۳۔

أيّها النّاس إنّي ولّيت عليكم ولستُ بخيركم فإن أحسنت فأعينوني وإن اسأت فقوّموني أطيعوني ما أطعت الله فيكم فان عصيت فلا طاعة لي عليكم، القويّ منكم ضعيف عندي حتّي اخذ منه الحق والضعيف منكم قوي عندي حتي اخذ له الحق، أقول قولي هذا واستغفر الله لي ولكم ۔

ترجمہ: "اے لوگو! میں تم پر والی مقرر کیا گیا ہوں اور میں تم میں بہترین شخص نہیں ہوں، بس اگر میں حق پر قائم رہوں تو میری مدد کرنا اور اگر دیکھو کہ میں غلطی پر ہوں تو میری اصلاح کرنا۔ جب تک میں اللہ تعالےٰ کی اطاعت کرتا رہوں تم میری اطاعت کرنا اور اگر اللہ کی نافرمانی کروں تو تم میری فرمانبرداری ہرگز نہ کرنا۔ تم میں سے طاقت ور آدمی میرے نزدیک کمزور ہے۔ جب تک کہ میں اس سے کمزور کا حق وصول نہ کرلوں اور کمزور میرے نزدیک طاقت ور ہے تاکہ میں اس کا حق دلاسکوں۔ بس مجھے یہی کہنا ہے اور میں اپنے لئے اور تمہارے لئے مغفرت کا طلب گار ہوں۔"

ایک روایت کے مطابق اس کے بعد حضرت ابوبکر صدّیقؓ نے تین دن تک شہر میں اعلان کرایا کہ مسلمان اگر چاہیں تو کسی اور موزوں شخص کا انتخاب کرسکتے ہیں[1] لیکن صدّیق اکبرؓ کے مقابلے میں کسی مسلمان نے کسی اور شخصیّت کو رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کی جانشینی کے لئے موزوں نہ سمجھا۔

غلط فہمیوں کا ازالہ بعض فرقے جو راہِ حق سے ہٹے ہوئے ہیں ان کا دعویٰ ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے خلافت پر قبضہ کرلیا حالانکہ اس کے صحیح حقدار حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ تھے۔ ان لوگوں کا یہ دعویٰ ہر اعتبار سے غلط ہے۔ پہلی بات یہ ہے کہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے کبھی ایسا نہیں فرمایا نہ انہوں نے خلافت طلب کی۔

---

[1] انساب الاشراف جلد ۱ ص ۵۸

دوسری بات یہ ہے کہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ شیرِ خدا تھے۔ وہ حق بات کہنے میں اور حق کی جنگ لڑنے میں کسی کی پرواہ کرنے والے نہ تھے۔ جرأت اور بہادری میں بے مثال تھے۔ اگر وہ صدیق اکبرؓ کو اس منصب کا حقدار نہ جانتے تو بزورِ بازو بھی ان کو ہٹا سکتے تھے اس کے برعکس انہوں نے صدیق اکبرؓ سے بیعت کی اور ڈھائی سال تک ان کی اقتدا میں نمازیں ادا فرماتے رہے۔ اس بات کا انکار یہ لوگ بھی نہیں کرتے۔

تیسری بات یہ کہ اگر حضرت ابوبکر صدیق نے اقتدار اور منصب کے لالچ میں خلافت کو قبول کیا ہوتا تو ان کی زندگی پُر تعیش ہوتی۔ وہ اپنے لئے عالی شان محل بناتے اور کھانے پینے میں خوب عمدہ غذائیں استعمال فرماتے اور عیش و آرام کو ترجیح دیتے لیکن تاریخ شاہد ہے کہ انہوں نے ایسا نہیں بلکہ ان کی زندگی نہایت سادہ تھی اور اُمّتِ مسلمہ کے امور سنوارنے اور اپنے رب کی عبادت اور گریہ وزاری و فکرِ آخرت میں مشغول رہتے تھے۔ بیت المال سے صرف اتنا خرچہ ان کو ملتا تھا جس سے بھوک مٹا سکیں تو ظاہر ہے کہ ایسا آدمی اقتدار کی لالچ میں منصب قبول نہیں کر سکتا بلکہ انہوں نے یہ محسوس کیا کہ اگر اس وقت میں اس بارِ گراں کو نہ اٹھاؤں گا تو اُمّت کا شیرازہ بکھر جائے گا۔ نیز ان کی خلافت کے ڈھائی سال اس بات کے شاہدِ عدل ہیں کہ اس وقت ان سے بہتر اُمّتِ مسلمہ کو سنبھالنے والا کوئی نہ تھا۔

اللہ تعالیٰ ہمارے دلوں کو نورِ ہدایت عطا فرمائے۔

حُلیہ مُبارک

چہرۂ انور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کے چہرۂ مبارک میں قدرے گولائی تھی، رنگت سُرخ و سفید تھی، آنکھیں سیاہ تھیں اور پلکیں لمبی تھیں، کندھے چوڑے تھے۔[1]

[1] جامع ترمذی رقم الحدیث ۳۶۵۸ - مختصراً

بال مُبارک آپؐ کے بال نہ بالکل سیدھے تھے نہ بہت پیچدار تھے بلکہ بالوں میں ہلکا سا خم تھا[1] یہ بالوں کی انتہائی خوبصورتی کی علامت ہے۔ آپؐ کے بال کانوں کی لوتک تھے[2]

ریش مُبارک سرکار دو عالم صلّی اللہ علیہ وسلّم کی داڑھی مُبارک خوب گھنی تھی۔ آخر عمر میں آپؐ کی ٹھوڑی مُبارک کے چند بال سفید ہو گئے تھے۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آپؐ کی داڑھی مُبارک میں تقریباً بیس بال سفید تھے[3]

(اللہ تعالیٰ حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو ہماری طرف سے جزائے خیر دے جنہوں نے قیامت تک آنے والے انسانوں کے لئے خاتم النّبیّین صلّی اللہ علیہ وسلّم کی ہر بات کو محفوظ کر دیا۔ یہاں تک کہ سفید بالوں کی تعداد تک گن کر اُمّت کے لئے نقل فرمائی۔)

ہاتھ پاؤں اور سینہ مُبارک حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسُول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نہ زیادہ لانبے تھے نہ پستہ قد (یعنی قد مُبارک درمیانہ تھا) آپؐ کی ہتھیلیاں اور دونوں پاؤں گوشت سے پُر تھے (یہ صفات مردوں میں قوّت وشجاعت کی علامت ہیں) آپؐ کا سر مُبارک بھی بڑا تھا اور جسم کے جوڑوں کی ہڈیاں بھی چوڑی تھیں (یہ بھی قوت کی علامت ہے) سینہ مُبارک سے لے کر ناف تک بالوں کی ایک باریک دھاری تھی۔ آپؐ کی چال ایسی تھی کہ گویا اونچائی سے اُتر رہے ہیں (یعنی تیز چلتے تھے) حضرت علی رضی اللہ عنہ نے یہ بیان فرمانے کے بعد فرمایا: "میں نے آپؐ جیسا حسین نہ آپؐ سے پہلے دیکھا نہ آپؐ کے بعد"[4]

---

[1] جامع ترمذی رقم الحدیث ۳۶۵۸۔ مختصرًا۔

[2] شمائل۔ [3] ابن ماجہ، باب من ترك الخطاب۔

[4] جامع ترمذی، باب ماجاء فی صفۃ النّبی صلّی اللہ علیہ وسلّم۔

ہاتھوں کی نرمی حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہتھیلی اس قدر نرم تھی کہ اس سے زیادہ نرم کوئی ریشم و دیباج بھی میں نے کبھی نہ چھوا[1]

دندانِ مُبارک حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اگلے دانت بالکل ملے ہوئے نہ تھے بلکہ ان میں کچھ فصل تھا۔ جب آپؐ گفتگو فرماتے تو ایک نور سا ظاہر ہوتا جو سامنے کے دانتوں کے درمیان سے نکلتا تھا[2]

مُسکراہٹ حضرت جابر بن سمرۃ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہنستے نہ تھے بلکہ صرف مسکراتے تھے جب میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف دیکھتا تو ایسا معلوم ہوتا کہ آپؐ نے آنکھوں میں سُرمہ لگایا ہوا ہے حالانکہ ایسا نہ ہوتا تھا (بلکہ یہ آنکھوں کا قدرتی حُسن تھا)[3]

کاندھوں کے درمیان مُہرِ نبوّت حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے دونوں شانوں کے درمیان مہرِ نبوّت دیکھی جو سُرخ تھی اور کبوتر کے انڈے کے برابر تھی[4]

مونچھیں تراشنا رسول اللہ صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم داڑھی کو نہ تراشتے تھے۔ داڑھی مُبارک گھنی تھی۔ مونچھوں کو ترشوا دیتے تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی اُمّت کو داڑھی بڑھانے اور مونچھیں ترشوانے کا حکم دیا ہے اور اس کو تمام انبیاء کی سنّت فرمایا ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "مونچھیں کتروا دیا کرو اور داڑھی کو بڑھاؤ"[5]

---

[1] صحیح البخاری ج ۲ صفحہ ۱۸۵ [2] دارمی ج ۱ ص ۴۴۔
[3] جامع ترمذی، باب ما جاء فی صفۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم۔
[4] جامع ترمذی ج ۵ ص ۲۶۸ [5] صحیح البخاری ج ۴ ص ۲۸۔

تنبیہ: دورِ حاضر کے مسلمانوں میں داڑھی مونڈانے کا رواج عام ہو گیا ہے یوں تو عشقِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے بلند بانگ دعوے کئے جاتے ہیں لیکن اپنے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کی صورت مبارکہ پسند نہیں والعیاذ باللہ جبکہ معلوم ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے داڑھی منڈوں کو دیکھ کر نفرت کا اظہار فرمایا تھا جس کا جی چاہے اس واقعہ کی تفصیل سیرت کی کتابوں میں پڑھ سکتا ہے کہ کسریٰ کے حکم پر جو آدمی آپؐ کے پاس آئے تو ان کی داڑھیاں مونڈی ہوئی دیکھ کر آپؐ نے نفرت و غصہ کا اظہار فرمایا [۱]

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پسینے کی خوشبو

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رنگت کھلتی ہوئی صاف و شفاف تھی اور آپ کا پسینہ موتیوں کی مانند تھا۔ جب آپؐ چلتے تو اگلی جانب جھکاؤ ہوتا اور میں نے کوئی دیباج وریشم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہتھیلی سے زیادہ نرم نہ چھوا اور کسی مُشک و عنبر کی خوشبو کو میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بدن مُبارک کی خوشبو سے بڑھ کر نہ پایا [۲]

لباسِ مُبارک

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو لباس میں کُرتہ زیادہ پسند تھا [۳] آپ ٹوپی اور عمامہ پہنتے تھے اور تہبند استعمال فرماتے تھے، پاجامے کو بھی پسند فرمایا اور اس کے متعلق آپؐ نے فرمایا کہ اس میں ستر یعنی پردہ پوشی کا زیادہ اہتمام ہے۔ آپؐ کا لباس عام طور پر سادہ اور سُوتی ہوتا تھا۔ کبھی کبھی دوسرے ملکوں کے بنے ہوئے قیمتی جُبّے بھی زیب تن فرما لیتے تھے۔

---

[۱] مفصّل واقعہ "وجوب اعفاء اللحیۃ" (مؤلفہ حضرت شیخ الحدیث رحمۃ اللہ علیہ) میں ملاحظہ فرمالیں۔ [۲] بخاری و مسلم، مشکوٰۃ المصابیح ص ۵۱۷۔
[۳] ابوداؤد شریف، کتاب اللباس۔ باب ما جاء فی القمیص۔

حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ تعالٰی عنہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ آنحضرت صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم نے شامی جُبہ پہنا جس کی آستینیں تنگ تھیں[۱]

فائدہ: رسُول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے علاقائی لباسوں میں سے کسی کے پہننے سے منع نہیں فرمایا ہاں البتہ جو لباس کافروں کا شعار ہو یا جس میں بے شرمی ہو مثلاً چُست پاجامہ یا چُست پتلون تو ایسا لباس ممنوع ہے اور ٹخنے سے نیچا پہننا مردوں کے لئے قطعاً جائز نہیں۔ حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم نے ٹخنے سے نیچا پہننے والے کے لئے سخت وعید ذکر فرمائی اور اس کو دوزخ میں لے جانے کا ذریعہ بتایا ہے[۲]

اللہ تعالےٰ ہم سب کی حفاظت فرمائے۔ آمین

---

[۱] صحیح البخاری ج ۴ ص ۱۹۔

[۲] صحیح البخاری

قَالَ اللّٰہُ عَزَّوَجَلَّ اَلنَّبِیُّ اَوْلٰی بِالْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ اَنْفُسِھِمْ وَاَزْوَاجُہٗ اُمَّھٰتُھُمْ

مومنین سے نبیؐ کا تعلق اس سے زیادہ ہے جو ان کا اپنے نفوس سے ہے اور آپؐ کی بیویاں اُن کی مائیں ہیں۔ (احزاب: ۶)

اُمّتِ مُسلمہ کی مائیں رضؓ

یعنی

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہنّ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ الذی لم یزل ولا یزال حیا سمیعا قادرا بصیرا اشهد انه لا الٰه الا هو وحدهٗ لاشریک له واکبره تکبیرا و اومن بان سیدنا و سندنا محمدا عبده ورسوله الذی ارسل الی کافة الناس بشیرا ونذیرا وداعیا الی اللہ باذنه وسراجا منیرا صلی اللہ تعالٰی علیه وعلٰی اٰله وصحبه وازواجه وبارک وسلم تسلیما کثیرا کثیرا ۰

امابعد! اس مضمون میں حضرت سیّد عالم ہادیٔ ثقلین محبوب رب العالمین صلی اللہ علیہ وسلم کی پاک بیبیوں کے حالات لکھے ہیں جس کا مقصد یہ ہے کہ مسلمان عورتیں اور مسلم بچیاں اپنی زندگی گذارنے میں ان مطہر بیبیوں کی زندگی کو نمونہ بنائیں جن کو اللہ رب العزت نے اپنے مقدس پیغمبر صلی اللہ تعالٰے علیہ وسلم کی زوجیت کے لئے چنا تھا اور جنہوں نے نبوت کے گھرانے میں رہ کر اپنی زندگی دین سیکھنے سکھانے اور مولائے حقیقی سے لو لگانے اور اپنے دلوں میں آخرت کی فکر بسانے کے لئے وقف کردی تھی ۔

اس مضمون میں خصوصیت کے ساتھ ازواجِ مطہرات رضوان اللہ تعالیٰ علیہن کے ایسے حالات لکھے گئے ہیں جن کا اتباع کرنا اور اتباع کے لئے تیار رہنا ہر مسلم عورت کے لئے ضروری ہے ۔ مضمون پڑھتے پڑھتے کسی بیوی کی ہجرت کا دردناک واقعہ سامنے آئے گا اور کسی بیوی کے تذکرہ میں ملے گا کہ انہوں نے دین کے لئے دو مرتبہ ہجرت کی اور حرم نبوت میں رہنے والی برگزیدہ خواتین کے حالات میں کثرت نماز اور کثرت ذکر کا تذکرہ ملے گا ۔

حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالٰے عنہا کے تذکرہ میں دین کے لئے مال قربان کردینا اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اور تسلی اور ڈھارس بندھانے کی خدمت

انجام دینا ملے گا۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے حالات میں علم وافر، تفقہ کامل اور اشاعتِ علوم دینیہ میں زندگی خرچ کر دینا نظر آئے گا۔ حضرت زینبؓ بنت خزیمہ اور حضرت زینبؓ بنت جحش اور حضرت عائشہ رضی اللہ تعالےٰ عنہن کے حالات میں عظیم الشان سخاوت ملے گی۔ حضرت زینبؓ محنت کر کے پیسہ حاصل کرتیں اور پھر صدقہ کرتی تھیں۔

ایک بہت بڑی بات ازواجِ مطہراتؓ کے حالات میں یہ ملے گی کہ انہوں نے آپس میں سوکن ہونے کے باوجود ایک دوسری کی علمی عظمت برقرار رکھی اور جب کسی نے ایک مسئلہ پوچھا تو خود کو معلوم نہ ہوا تو دوسری کے پاس سائل کو بھیج دیا۔ نیز ان مقدس بیویوں کی یہ بات بھی بہت زیادہ قابلِ تقلید ہے کہ سوکن ہوتے ہوئے بھی دوسری سوکن کے اخلاق حمیدہ اور اچھی خصلتوں کی تعریف کرتی تھیں۔ بعض بیویوں کے حالات میں آپ پڑھیں گے کہ وفات کے وقت اپنی سوکنوں سے کہے سُنے کی معافی مانگی اور حقوق العباد سے پاک ہو کر عالمِ بالا کا سفر اختیار کیا۔

آج کل بیاہ شادی کے لئے ایسے طریقے اور ایسی رسمیں ایجاد کر رکھی ہیں جو سنتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے ہٹی ہوئی ہونے کی وجہ سے مصیبت اور وبال بنی ہوئی ہیں۔ لوگ پریشان نظر آتے ہیں کہ جوان بیٹی بیٹھی ہے اس کی شادی کیسے کریں ہم روپیہ کہاں سے لائیں۔ بیٹا بیاہنے جانا ہے سینکڑوں رسمیں برتنا ہے۔ روپیہ نہیں زیور نہیں کسی کی بیٹی لینے کیسے جا کھڑے ہوں؟۔

ان مصیبتوں سے چھٹکارہ کی صرف یہی ایک شکل ہے کہ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقہ پر بیاہ شادی کرنے لگیں جو سادگی کی اصل تصویر ہے اور جس میں مصیبت و پریشانی کا نام نہیں ہے۔ اس مضمون کے پڑھنے سے حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی گیارہ شادیوں کے حال معلوم ہوں گے۔ ان کی سادگی اُمّت کے لئے نمونہ ہے۔ اُمّت کو چاہئے کہ اس طرز پر اپنے بیٹوں، بیٹیوں کی شادی کریں۔ حضرت میمونہ اور حضرت صفیہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا کے حالات آپ پڑھیں گے تو معلوم ہوگا کہ سیّد عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان بیبیوں سے سفر ہی میں نکاح کیا اور سفر ہی میں پہلی ملاقات ہوگئی اور وہیں ولیمہ

ہوگیا۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ بیاہ شادی مصیبت بنانے کی چیز نہیں ہے، سادگی کے ساتھ ایک مرد وعورت کا رشتہ شرعی ایجاب وقبول کرا کے جوڑ دینا ہی کافی ہے۔ اس کے لئے گھر پر مقیم ہونا بھی ضروری نہیں ہے۔ پھر بھلا رسموں اور ریاو نمود کا تو ذکر ہی کیا ہے۔ لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَن كَانَ يَرْجُو اللَّهَ وَالْيَوْمَ الْآخِرَ وَذَكَرَ اللَّهَ كَثِيرًا ہ

اس مضمون سے معلوم ہوگا کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم نے جن بیبیوں سے شادی کی وہ (حضرت عائشہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا کے علاوہ سب بیوہ تھیں اور بعض ایسی تھیں جو آپ سے پہلے دو شوہروں کی زوجیت میں رہ چکی تھیں۔ بعض قوموں میں جو یہ رواج ہے کہ عورت کی دوسری شادی کو عیب سمجھتے ہیں یہ گناہِ کبیرہ ہے اور عقیدہ کی خرابی ہے جس چیز کو خدائے وحدہٗ لاشریک کے مقدس رسول (صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم) نے خود کیا اس کو بُرا سمجھنا ایمان والوں کا طریقہ نہیں ہو سکتا۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم
نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم

حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا

حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی سب سے پہلی بیوی ہیں جو حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا کی والدہ اور حضرت حسن وحسین رضی اللہ تعالےٰ عنہما کی نانی تھیں۔ ان کے والد کا نام خویلد دادا کا نام اسد اور والدہ کا نام فاطمہ اور نانی کا نام زائدہ تھا۔ نسباً قریشیہ تھیں۔ چالیس سال کی عمر میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے شادی کی۔ اس وقت جناب رسالت مآب صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کی عمر شریف ۲۵ سال تھی[۱]

سیّد عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح میں آنے سے پہلے یکے بعد دیگرے دو شوہروں سے نکاح کر چکی تھیں اور ہر ایک سے اولاد بھی ہوئی تھی۔ ایک شوہر ابو ہالہ اور دوسرے عتیق بن عائذ تھے۔ اس میں سیرت نگاروں کا اختلاف ہے کہ ان دونوں میں اوّل کون تھے اور دوئم کون؟ صاحب استیعاب اس اختلاف کو نقل کرنے کے بعد ابو ہالہ کو اوّل اور عتیق کو دوئم قرار دینے کو ترجیح دیتے ہوئے فرماتے ہیں۔ والقول الاوّل اصح انشاء اللہ تعالیٰ۔

حرمِ نبوّت میں کیوں کر آئیں

جب حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے دونوں شوہر یکے بعد دیگرے فوت ہو گئے تو ان کی شرافت اور مال داری کی وجہ سے مکّہ کا ہر شریف اس کا متمنی ہوا کہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے عقد کرے لیکن ہوتا وہی ہے جو منظورِ خدا ہوتا ہے۔ خدا کا کرنا ایسا ہوا کہ حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا کو اشرف الخلائق صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے نکاحِ پُر فلاح میں آنا نصیب ہوا اور ام المومنین کے مکرم لقب سے نوازی گئیں۔

---

[۱] از استیعاب واصابہ ۱۲

سیّد عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر شریف جب پچیسویں برس کو پہنچی تو آپ کے چچا ابو طالب نے کہا کہ میں مال والا آدمی نہیں ہوں جو میں تم کو مال دے کر تجارت کراؤں اور چونکہ یہ دن سختی سے گزر رہے ہیں اس لئے کسب معاش میں لگنے کی ضرورت ہے، لہٰذا تم ایسا کرو کہ جس طرح تمہاری قوم کے دوسرے لوگ خدیجہؓ کا مال شام لے جا کر بیچتے ہیں اور اس میں سے نفع کماتے ہیں اسی طرح تم بھی ان کا مال شام لے جا کر فروخت کر کے نفع حاصل کرو۔

جب حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کو اس کی خبر ہوئی کہ محمد بن عبداللہ الامین کو ان کے چچا میرا مال شام لے جا کر فروخت کرنے کو فرما رہے ہیں تو انہوں نے آنحضرت صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی دیانت و امانت داری اور معاملہ کی راست بازی کی وجہ سے خود ہی آپؐ کے پاس یہ پیغام بھیجا کہ آپؐ میرا مال شام لے جائیں۔ دوسروں کو جو نفع دیتی ہوں آپ کو اس سے دوگنا نفع دوں گی۔ چنانچہ آپؐ نے منظور فرمایا اور اسباب تجارت لے کر شام کو روانہ ہوئے حضرت خدیجہؓ نے اپنا ایک غلام بھی آپ کے ساتھ کر دیا تھا جس کا نام میسرہ تھا۔ آپ نے نہایت دانشمندی سے حضرت خدیجہؓ کے مال کی تجارت کی جس کی وجہ سے ان کو گذشتہ پچھلے سالوں کی بنسبت اس سال بہت زیادہ نفع ہوا۔

راستہ میں میسرہ نے آپؐ کی بہت باتیں دیکھیں جو عام آدمیوں کی نہیں ہوتی ہیں جن کو عربی میں خوارق العادۃ کہتے ہیں اور یہ بات بھی پیش آئی کہ جب آپ نے شام کے سفر میں ایک درخت کے نیچے قیام فرمایا تو وہاں ایک راہب بھی موجود تھا اس نے میسرہ سے دریافت کیا کہ یہ کون صاحب ہیں؟ میسرہ نے کہا یہ مکہ کے باشندہ ہیں اور قریشی نوجوان ہیں راہب نے کہا یہ نبی ہوں گے۔ جس کی وجہ یہ تھی کہ اس راہب نے آپ کے اندر نبی آخر الزماں کی وہ علامتیں دیکھ لی تھیں جو پہلی کتابوں میں لکھی تھیں۔

شام سے واپس ہو کر جب مکہ میں داخل ہو رہے تھے تو دوپہر کا وقت تھا۔ اس وقت حضرت خدیجہؓ اپنے بالاخانے میں بیٹھی ہوئی تھیں ان کی نظر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر پڑی تو دیکھا کہ دو فرشتے آپ پر سایہ کئے ہوئے ہیں، اس کے علاوہ انہوں

نے اپنے غلام میسرہ سے بھی (اسی قسم کے) عجیب عجیب حالات سنے اور راہب کا یہ کہنا بھی میسرہ نے سنا دیا کہ یہ نبی آخرالزماں ہوں گے۔ لہٰذا حضرت خدیجہؓ نے خود ہی نکاح کا پیغام آپؐ کی خدمت میں بھیج دیا۔

یعلیٰ بن امیہ کی بہن نفیسہ نامی پیغام لے کر گئیں چنانچہ آپؐ نے منظور فرمایا اور آپؐ کے چچا حضرت حمزہؓ اور ابوطالب نے بھی بخوشی اس کو پسند کیا۔

نکاح کے لئے حضرت حمزہؓ اور ابوطالب اور خاندان کے دیگر اکابر حضرت خدیجہؓ کے مکان پر آئے اور نکاح ہوا۔ اس وقت حضرت خدیجہؓ کے والد زندہ نہ تھے وہ پہلے ہی مر چکے تھے ہاں اس نکاح میں ان کے چچا عمرو بن اسد شریک تھے اور ان کے علاوہ حضرت خدیجہؓ نے اپنے خاندان کے دیگر اکابر کو بھی بلایا تھا عمرو بن اسد کے مشورہ سے ۵۰۰ درہم مہر مقرر ہوا اور حضرت خدیجہؓ ام المومنین کے شرف خطاب سے ممتاز ہوئیں [۱]

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ زمانۂ جاہلیت میں مکہ والوں کی عورتیں ایک خوشی کے موقع پر جمع ہوئیں ان میں حضرت خدیجہؓ بھی موجود تھیں۔ اچانک وہیں ایک شخص ظاہر ہو گیا جس نے بلند آواز سے کہا کہ اے مکہ کی عورتو! تمہارے شہر میں ایک نبی ہوگا جسے احمد کہیں گے تم میں جو عورت ان سے نکاح کر سکے ضرور کر لیوے۔ یہ بات سن کر دوسری عورتوں نے بھول بھلیوں میں ڈال دی اور حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے گرہ باندھ لی اور اس پر عمل کر کے کامیاب ہو کر رہیں [۲]

حضرت خدیجہؓ سب سے پہلے اسلام لائیں اور اسلام کے فروغ میں پوری طرح حصہ لیا

حضرت خدیجہؓ کو یہ منقبت حاصل ہے کہ وہ سب سے پہلے مسلمان ہوئیں یعنی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوتِ اسلام تمام انسانوں سے پہلے انہوں نے قبول کی۔ ان سے پہلے نہ کوئی مرد اسلام لایا نہ عورت نہ بوڑھا نہ بچہ۔ صاحبِ مشکوٰۃ الاکمال فی اسماء الرجال میں لکھتے ہیں:

---

[۱] الاصابہ اسد الغابہ وغیرہ۔ [۲] الاصابہ ۱۲

وھی اوّل من اٰمن من کافۃ الناس ذکرھم وانثاھم۔ — تمام انسانوں سے پہلے حضرت خدیجہؓ اسلام لائیں تمام مردوں سے بھی اور تمام عورتوں سے بھی پہلے،

ومثلہ فی الاستیعاب حیث قال ناقلاً عن عروۃ اوّل من اٰمن من الرجال والنساء خدیجۃ بنت خویلد رضی اللہ تعالیٰ عنہا۔

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ تعالےٰ البدایہ میں محمّد بن کعب سے نقل فرماتے ہوئے لکھتے ہیں۔

اوّل من اسلم من ھذہ الامۃ خدیجۃ واوّل رجلین اسلما ابوبکر وعلی۔ — یعنی امت میں سب سے پہلے حضرت خدیجہ نے اسلام قبول کیا اور مردوں میں سب سے پہلے اسلام قبول کرنیوالے حضرت ابوبکرؓ اور حضرت علیؓ ہیں

ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہؓ کے ایک سوال کے جواب میں فرمایا:

وقد اٰمنت بی اذکفربی الناس وصدقتنی اذکذبونی واٰستنی بمالھا اذحرمنی الناس ورزقنی اللہ ولدھا اذحرمنی اولاد النساء[1] — وہ مجھ پر ایمان لائیں جب لوگ میری رسالت کے منکر تھے اور انہوں نے میری تصدیق کی جبکہ لوگوں نے مجھے جھٹلایا اور انہوں نے اپنے مال سے میری ہمدردی کی جب کہ لوگوں نے مجھے اپنے مالوں سے محروم کیا اور ان سے مجھے اللہ نے اولاد نصیب فرمائی جبکہ دوسری عورتیں مجھ سے نکاح کرکے اپنی اولاد کا باپ بنانا گوارا نہیں کرتی تھیں۔

اسلام کے فروغ میں حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کا بہت بڑا حصّہ ہے۔ نبوت سے پہلے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم تنہائی میں عبادت کرنے کے لئے غارِ حرا میں تشریف لے جایا کرتے تھے اور حضرت خدیجہؓ آپؐ کے لئے کھانے پینے کا سامان تیار کرکے دے دیا کرتی تھیں۔ آپ حرا میں کئی کئی راتیں رہتے تھے۔ جب خورد و نوش کا سامان ختم ہو جاتا تو آپؐ تشریف لاتے اور سامان لے کر واپس چلے جاتے تھے ایک دن حسبِ معمول آپؐ حراء میں مشغولِ عبادت تھے کہ فرشتہ آیا اور اس نے کہا کہ اِقْرَأْ یعنی پڑھیئے۔ آپ نے کہا میں پڑھا ہوا نہیں ہوں۔ فرشتہ نے آپ کو پکڑ کر اپنے سے چمٹا کر خوب زور سے بھینچ کر چھوڑ

---

[1] البدایہ والنہایہ ابن کثیر ۱۲

دیااور پھر کہا اِقْرَأْ (پڑھئے) آپ نے پھر جواب دیا۔ میں پڑھا ہوا نہیں ہوں۔ فرشتہ نے دوبارہ آپ کو اپنے سے چمٹاکر خوب زور سے دباکر چھوڑ دیا اور پھر پڑھنے کو کہا۔ آپ نے پھر وہی جواب دیا کہ میں پڑھا ہوا نہیں ہوں۔ فرشتے نے پھر تیسری مرتبہ آپ کو پکڑ کر اپنے سے چمٹایا اور خوب زور سے دباکر آپ کو چھوڑ دیا اور خود پڑھنے لگا۔ اِقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِیْ خَلَقَ۔ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ۔ اِقْرَأْ وَرَبُّكَ الْاَكْرَمُ الَّذِیْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَالَمْ یَعْلَمْ۔ یہ آیات سن کر آپ نے یاد فرمالیں اور ڈرتے ہوئے گھر تشریف لائے۔ حضرت خدیجہؓ سے فرمایا زَمِّلُوْنِیْ زَمِّلُوْنِیْ (مجھے کپڑا اڑھادو مجھے کپڑا اڑھادو۔) انہوں نے آپ کو کپڑا اڑھادیا اور کچھ دیر بعد وہ خوف کی طبعی کیفیت جاتی رہی۔ اس کے بعد آپ نے حضرت خدیجہؓ کو اپنا سارا واقعہ سناکر فرمایا۔ لَقَدْ خَشِیْتُ عَلٰی نَفْسِیْ (مجھے اپنی جان کا خوف ہے)

عورتیں کچی طبیعت کی ہوتی ہیں اور مرد کو گھبرایا ہوا دیکھ کر اس سے زیادہ گھبراجاتی ہیں لیکن حضرت خدیجہؓ ذرا نہ گھبرائیں اور تسلی دیتے ہوئے خوب جم کر فرمایا:

كَلَّا وَاللّٰهِ لَا یُخْزِیْكَ اللّٰهُ	خدا کی قسم ہرگز نہیں ایسا نہیں ہوسکتا کہ اللہ
اَبَدًا اِنَّكَ لَتَصِلُ الرَّحِمَ	تمہاری جان کو مصیبت میں ڈال کر تم کو رسوا
وَتَحْمِلُ الْكَلَّ وَتَكْسِبُ الْمَعْدُوْمَ	کرے (آپ کی صفات بڑی اچھی ہیں۔ ایسی
وَتَقْرِی الضَّیْفَ وَتُعِیْنُ عَلٰی	صفات والا رسوا نہیں کیا جاتا ہے) آپ صلہ رحمی
نوائب الحق۔	کرتے ہیں اور مہمان نوازی آپ کی خاص صفت

ہے۔ آپ بے بس و بے کس آدمی کا خرچ برداشت کرتے ہیں اور عاجز و محتاج کی مدد کرتے ہیں اور مصائب کے وقت حق کی مدد کرتے ہیں۔

اس کے بعد حضرت خدیجہؓ آپ کو اپنے چچازاد بھائی ورقہ بن نوفل کے پاس لے گئیں اور ان سے کہا کہ اے بھائی سنو یہ کیا کہتے ہیں۔ ورقہ بن نوفل بوڑھے آدمی تھے بینائی جاتی رہی تھی عیسائیت اختیار کئے ہوئے تھے۔ انہوں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ آپ نے کیا دیکھا ہے؟ آپ نے ان کو پوری کیفیت سے آگاہ فرمایا تو

انہوں نے کہا:۔

هٰذَا النَّامُوْسُ الَّذِیْ اَنْزَلَ اللّٰهُ عَلٰى مُوْسٰى يَالَيْتَنِیْ فِيْهَا اَكُوْنُ حَيًّا اِذَا يُخْرِجُكَ قَوْمُكَ [1]

یہ تو وہی رازدار فرشتہ جبریل ہے جسے اللہ نے موسیٰ (علیہ السلام) پر نازل کیا تھا، کاش! میں اس وقت نوجوان ہوتا جب آپ کی دعوتِ دین کا ظہور ہوگا) کاش میں اس وقت تک زندہ رہتا جب آپ کی قوم آپ کو نکال دے گی۔

حافظ ابن کثیرؒ نے البدایہ میں بحوالہ بیہقی یہ بھی نقل کیا ہے کہ حضرت خدیجہؓ نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے نبوت کے بالکل ابتدائی دور میں یہ بھی عرض کیا کہ آپ ایسا کرسکتے ہیں کہ جب فرشتہ آپ کے پاس آئے تو آپ مجھے اطلاع فرمادیں؟ آپ نے فرمایا ہاں ایسا ہوسکتا ہے! عرض کیا اب آئے تو بتلائیے گا۔ چنانچہ جب حضرت جبریلؑ تشریف لائے تو آپؐ نے فرمایا اے خدیجہؓ! یہ ہیں جبریلؑ! انہوں نے عرض کیا اس وقت آپ کو نظر آرہے ہیں؟ فرمایا ہاں! عرض کیا آپ اٹھ کر میری داہنی طرف بیٹھ جائیں۔ چنانچہ آپؐ نے منظور فرمایا اور اپنی جگہ سے ہٹ کر ان کی داہنی طرف بیٹھ گئے۔ حضرت خدیجہؓ نے پوچھا اس وقت بھی آپ کو جبریلؑ نظر آرہے ہیں؟ فرمایا ہاں نظر آرہے ہیں! عرض کیا آپؐ میری گود میں بیٹھ جائیں۔ چنانچہ آپؐ نے ایسا ہی کیا جب آپؐ ان کی گود میں بیٹھ گئے تو دریافت کیا کیا اب بھی آپ کو جبریلؑ نظر آرہے ہیں؟ فرمایا ہاں نظر آرہے ہیں۔ اس کے بعد حضرت خدیجہؓ نے اپنا دوپٹہ ہٹا کر سر کھولا اور دریافت کیا کیا آپ کو اب بھی حضرت جبریلؑ نظر آرہے ہیں؟ فرمایا اب تو نظر نہیں آتے۔ یہ سن کر حضرت خدیجہؓ نے عرض کیا۔ یقین جانیئے یہ فرشتہ ہی ہے آپ ثابت قدم رہیں اور نبوت کی خوشخبری قبول فرمائیں (اگر یہ شیطان ہوتا تو میرا سر دیکھ کر غائب نہ ہوجاتا چونکہ فرشتہ ہی ہے اس لئے شرما گیا) اس واقعہ سے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی دانشمندی کا پتہ چلتا ہے۔

نبوت مل جانے کے بعد جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلام کی دعوت دینی شروع

---

[1] بخاری شریف ۱۲

کی تو مشرکینِ مکہ آپؐ کے دشمن ہو گئے اور طرح طرح سے آپ کو ستانا شروع کر دیا۔ ساری قوم آپ کی دشمن اور عزیز و اقربا بھی مخالف۔ ایسے مصیبت کے زمانہ میں آپ کے غمخوار صرف آپ کے چچا ابو طالب اور اہلیہ محترمہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا تھیں۔ حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ البدایہ میں لکھتے ہیں:۔

وَكَانَتْ أَوَّلَ مَنْ آمَنَ بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَصَدَّقَتْ بِمَا جَاءَ بِهٖ فَخَفَّفَ اللّٰهُ بِذَالِكَ عَنْ رَسُوْلِهٖ لَا يَسْمَعُ شَيْئًا يَكْرَهُهٗ مِنْ رَدٍّ عَلَيْهِ وَتَكْذِيْبٍ لَهٗ فَيَحْزُنُهٗ ذَالِكَ إِلَّا فَرَّجَ اللّٰهُ عَنْهُ إِذَا رَجَعَ إِلَيْهَا تُثَبِّتُهٗ وَتُخَفِّفُ عَنْهُ وَتُصَدِّقُهٗ وَتُهَوِّنُ عَلَيْهِ أَمْرَ النَّاسِ ۔

حضرت خدیجہؓ اللہ و رسولؐ پر سب سے پہلے ایمان لانے والی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دین کی تصدیق کرنے والی تھیں ان کے اسلام قبول کرنے سے اللہ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی مصیبت ہلکی کر دی (اس کی تفصیل یہ ہے کہ) کہ جب دعوتِ اسلام دینے پر آپ کو الٹا جواب دیا جاتا اور آپ کو جھٹلایا جاتا تو اس سے آپ کو رنج پہنچتا۔ حضرت خدیجہؓ کے ذریعہ اللہ تعالیٰ اس رنج کو دُور فرما دیتے تھے جب آپ گھر میں تشریف لاتے تو وہ آپ کی ہمت مضبوط کر دیتی تھیں اور رنج ہلکا کر دیتی تھیں آپ کی تصدیق بھی کرتیں اور لوگوں کی مخالفت کو آپ کے سامنے بے جان بنا کر بیان کرتی تھیں۔

سیرت ابن ہشام میں حضرت خدیجہؓ کے متعلق لکھا ہے۔

وكانت له وزير صدق على الاسلام ۔

حضرت خدیجہؓ اسلام کے لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے مخلص وزیر کی حیثیت رکھتی تھیں۔

ہر وہ مصیبت جو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو دعوتِ اسلام میں پیش آتی حضرت خدیجہؓ پوری طرح اس میں آپ کی شریکِ غم ہوتیں اور آپ کے ساتھ خود بھی تکلیفیں سہتی تھیں آپ کی ہمت بندھانے اور بلند ہمتی کے ساتھ ہر آڑے وقت میں آپ کا ساتھ دینے میں ان کو خاص فضیلت حاصل ہے۔

شعبِ ابی طالب میں رہنا ایک مرتبہ مشرکینِ مکہ نے آپس میں یہ معاہدہ کیا کہ

سارے بنو ہاشم اور بنو عبد المطلب کا بائیکاٹ کیا جائے نہ ان کو کوئی شخص اپنے پاس بیٹھنے دے نہ ان سے بات کرے نہ خرید و فروخت کرے، نہ ان کو اپنے گھر آنے دے اور اس وقت تک صلح نہ کی جائے جب تک یہ لوگ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کرنے کے لئے ہمارے حوالے نہ کریں، یہ معاہدہ زبانی باتوں ہی پر ختم نہیں ہوا بلکہ تحریری معاہدہ لکھ کر کعبہ محترمہ پر لٹکا دیا گیا تاکہ ہر شخص اس کا احترام کرے۔ اس معاہدہ کی وجہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور سارے بنو ہاشم[1] اور بنو عبد المطلب تین سال تک دو پہاڑیوں کے درمیان ایک گھاٹی میں رہے اس تین برس میں ان کو فاقوں پر فاقے گذرے، مرد و عورت سب ہی بھوک سے بے تاب ہو کر روتے اور چیختے چلاتے تھے جس کی وجہ سے ان کے والدین کو اور بھی زیادہ دکھ ہوتا تھا۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی بیوی حضرت خدیجہؓ اور آپ کی اولاد سب ہی اس گھاٹی میں رہے اور دعوت دین کے لئے فاقے جھیلے اور مصیبت کے دن کاٹے۔ آخر تین سال کے بعد معاہدہ والی تحریر کو دیمک کھا گئی تب ان حضرات کو اس گھاٹی سے نکلنا نصیب ہوا[2]۔

اسلام کے فروغ میں حضرت خدیجہؓ کا مال بھی لگا

حضرت خدیجہؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت گزاری اور دلداری میں بھی کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا تھا اور اپنے مال کو بھی اسلام اور داعیٔ اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی ضروریات کے لئے اس طرح پیش کر دیا تھا جیسے اس مال میں خود کو مالکیت کا حق ہی نہیں رہا۔ قرآن مجید میں اللہ جل شانہٗ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جو خطاب فرمایا ہے:۔

وَوَجَدَكَ عَائِلًا فَأَغْنَىٰ (۹۳-۸) اور تم کو اللہ نے بے مال والا پایا پس غنی کر دیا۔

اس کی تفسیر میں مفسرین لکھتے ہیں اَیْ بِمَالِ خَدِیْجَةَ یعنی اللہ تعالےٰ نے آپؐ کو حضرت خدیجہؓ کے مال کے ذریعہ غنی کر دیا۔ حضرت خدیجہؓ کے پاس جو مال تھا،

[1] بنو ہاشم اور بنو عبد المطلب میں جو لوگ کافر تھے وہ بھی حمیت قومی کی وجہ سے اس مصیبت میں شریک ہوئے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کے لئے حوالے کر دینے پر آمادہ نہ ہوئے۔ [2] البدایہ وغیرہ ۱۲

وہ آپ ہی کا سمجھتی تھیں ان کے مال خرچ کرنے کے احسان کا آپ کے دل پر بہت اثر تھا۔ ایک مرتبہ ان کے اس احسان کو ذکر کرتے ہوئے فرمایا وَاَعْطَتْنِیْ مَالَھَا فَاَنْفَقْتُہٗ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ یعنی انہوں نے اپنا مال مجھے دیا جسے میں نے اللہ کی راہ میں خرچ کیا۔

حضرت زید بن حارثہؓ مکہ میں فروخت کئے جا رہے تھے۔ حضرت خدیجہؓ نے ان کو اپنے مال سے خرید کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کر دیا۔ آپ نے ان کو آزاد کر کے اپنا بیٹا بنا لیا تھا۔ حضرت زیدؓ بھی سابقین اوّلین میں سے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تمام غزوات میں شریک رہے۔ ان کو غلامی سے چھڑا کر اسلام کے کاموں میں لگا دینے کا ذریعہ حضرت خدیجہؓ ہی بنیں۔

نماز پڑھنا

حضرت خدیجہؓ کی زندگی میں پنج وقتہ نمازیں فرض نہ ہوئی تھیں۔ ان کی وفات کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو معراج ہوئی تب یہ نمازیں فرض ہوئیں، البتہ مطلق نماز پڑھنا ضروری تھا جسے وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ پڑھا کرتی تھیں۔ حافظ ابن کثیرؒ لکھتے ہیں کہ جب مطلق نماز فرض ہوئی تو حضرت جبریل علیہ السلام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تشریف لائے اور ایک جگہ اپنی ایڑی ماری جس سے چشمہ اُبل نکلا پھر دونوں نے اس میں وضو کیا اور حضرت جبریل علیہ السلام نے دو رکعتیں پڑھیں۔ حضرت جبریلؑ سے وضو اور نماز سیکھ کر آپؐ دولت کدہ پر تشریف لائے اور حضرت خدیجہؓ کا ہاتھ پکڑ کر اس چشمہ پر لے گئے اور حضرت جبریلؑ کی طرح ان کے سامنے وضو کیا اور دو رکعت پڑھیں۔ اس کے بعد آپؐ اور حضرت خدیجہؓ پوشیدہ نماز پڑھا کرتے تھے۔[1]

عفیف کندی کا بیان ہے کہ میں حج کے موقع پر عباس بن عبد المطلب کے پاس آیا وہ تاجر آدمی تھے مجھے ان سے خرید و فروخت کا معاملہ کرنا تھا اچانک نظر پڑی کہ ایک شخص خیمہ سے نکل کر کعبہ کے سامنے نماز پڑھنے لگا۔ پھر ایک عورت نکلی اور ان کے

---

[1] البدایہ ۱۲۔ ع صرح بہ فی البدایۃ ۱۲

پاس آئی وہ بھی (ان کے پاس) نماز پڑھنے لگی اور ایک لڑکا بھی نکل آیا وہ بھی (ان کے پاس) نماز پڑھنے لگا۔ یہ ماجرا دیکھ کر میں نے کہا اے عباس! یہ کون سا دین ہے ہم تو آج تک اس سے واقف نہیں ہیں۔ حضرت عباسؓ نے جواب دیا (جو اس وقت مسلمان نہیں ہوئے تھے) یہ نوجوان محمد بن عبداللہ ہے جو دعویٰ کرتا ہے کہ خدا نے اسے پیغمبر بنا کر بھیجا ہے اور یہ کہتا ہے کہ قیصر و کسریٰ کے خزانے اس کے ہاتھوں فتح ہوں گے اور یہ عورت اس کی بیوی خدیجہ بنت خویلد ہے جو اس پر ایمان لا چکی ہے اور یہ لڑکا اس نوجوان کا چچیرا بھائی علی بن ابی طالب ہے جو اس پر ایمان لا چکا ہے۔ عفیف کہتے ہیں کاش میں اسی روز مسلمان ہو جاتا تو (بالغ مسلمانوں میں) دوسرا مسلمان شمار ہوتا[1]

حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی حضرت خدیجہؓ سے اولاد

حضرت خدیجہؓ کو یہ خصوصیت بھی حاصل ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اولاد صرف ان ہی سے پیدا ہوئی۔ اور کسی بیوی سے اولاد ہوئی ہی نہیں صرف ایک صاحبزادے حضرت ابراہیمؑ آپ کی باندی حضرت ماریہ قبطیہؓ کے بطن سے پیدا ہوئے۔ مؤرخین اور محدثین کا اس پر اتفاق ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے چار لڑکیاں ہوئیں اور اکثر کی تحقیق یہ ہے کہ ان میں سب سے بڑی حضرت زینب پھر حضرت رقیہ پھر حضرت ام کلثوم پھر سیدہ حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ تعالےٰ عنہن تھیں۔

آپ کے لڑکے کتنے تھے اس میں اختلاف ہے جس کی وجہ یہ ہے کہ وہ سب بچپن ہی میں وفات پا گئے اور عرب میں اس زمانہ میں تاریخ کا خاص اہتمام نہ تھا اس لئے یہ امر پوری طرح ایسا محفوظ نہ رہ سکا جس میں اختلاف نہ ہوتا۔

اکثر علماء کی تحقیق ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے تین صاحبزادے پیدا ہوئے دو حضرت خدیجہؓ سے اور ایک حضرت ماریہ قبطیہؓ سے۔ اس اعتبار سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی چھ اولاد حضرت خدیجہؓ سے پیدا ہوئیں۔ دو لڑکے اور ۴ لڑکیاں حضرت خدیجہؓ

---

[1] البدایہ ۱۲

سے جو دو لڑکے پیدا ہوئے ان میں سب سے پہلے حضرت قاسمؓ تھے۔ ان ہی کے نام سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی کنیت ابوالقاسم مشہور ہوئی۔ نبوت سے پہلے مکہ ہی میں پیدا ہوئے اور وہیں انتقال ہوا۔ اس وقت پاؤں چلنے لگے تھے ڈیڑھ دو سال زندہ رہے۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے دوسرے صاحبزادے جو حضرت خدیجہؓ سے پیدا ہوئے ان کا نام عبداللہ تھا انہوں نے بھی بہت کم عمر پائی اور بچپن ہی میں وفات پا گئے۔ ان کی پیدائش نبوت کے بعد ہوئی تھی اس لئے ان کا لقب طیب بھی پڑا اور طاہر بھی۔ (دونوں کے معنی پاکیزہ کے ہیں)۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادیوںؓ کی سوانح حیات میں ہم نے ایک مستقل رسالہ لکھا ہے اس میں حضرت ابراہیمؓ کے حالات بھی تفصیل سے آگئے ہیں۔

فضائل حضرت خدیجہؓ پاکیزگی اخلاق کی وجہ سے اسلام سے پہلے ہی طاہرہ کے لقب سے مشہور تھیں۔ پھر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح میں آکر انہوں نے جو اپنی دانش و عقلمندی اور خدمت گذاری سے فضائل حاصل کئے ہیں ان کا تو کہنا ہی کیا ہے۔

حضرت عائشہؓ روایت فرماتی ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی بیویوں میں سے کسی بیوی پر بھی مجھے اتنا رشک نہیں جتنا حضرت خدیجہؓ پر آتا تھا۔ حالانکہ میں نے ان کو دیکھا بھی نہیں تھا۔ اس رشک کی وجہ یہ تھی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان کو اکثر یاد فرمایا کرتے تھے اور اکثر یہ بھی ہوتا کہ آپؐ بکری ذبح فرماتے تو اس میں سے حضرت خدیجہؓ کی سہیلیوں کو تلاش کر کے گوشت بھجواتے تھے۔ ایسے موقع پر بعض مرتبہ میں نے کہا کہ آپ کو ان کا ایسا خیال ہے جیسے دنیا و آخرت میں ان کے علاوہ آپ کی اور کوئی بیوی ہی نہیں۔ یہ سن کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا وہ ایسی اچھی تھیں ایسی اچھی تھیں اور ان سے میری اولاد ہوئی[1] سبحان اللہ وفاداری اور یادگاری کی یہ مثال کہاں ملے گی کہ صاحبِ محبت کے وفات پا جانے پر اس کے دوستوں سے وہ برتاؤ کیا جائے جیسا

---

[1] بخاری و مسلم ۱۲

وہ خود زندگی میں اپنے دوستوں سے رکھتا اور اس پر خوش ہوتا۔

ایک مرتبہ حضرت خدیجہؓ آپؐ کی خدمت میں کھانا اور سالن لے کر جا رہی تھیں۔ ابھی پہنچنے بھی نہ پائی تھیں کہ حضرت جبریلؑ آپؐ کے پاس آئے اور عرض کیا کہ خدیجہؓ آ رہی ہیں[1] وہ آپ کے پاس[2] پہنچ جائیں تو ان کو اللہ کا اور میرا سلام پہنچا دیجئے اور ان کو جنت[3] کا ایسا مکان مل جانے کی خوشخبری سنا دیجئے جو موتیوں کا ہوگا جس میں نہ ذرا شور شغب ہوگا اور نہ ذرا تکلیف ہوگی۔

جنت میں خلاف طبع اور مکروہ آواز تو کسی کے کان میں بھی نہ آئے گی مگر خصوصیت کے ساتھ حضرت خدیجہؓ کو جو ایسے مکان کی بشارت دی گئی یہ غالباً اس لئے کہ دشمنانِ اسلام اسلام اور داعیٔ اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف جو طرح طرح کی باتیں کرتے تھے وہ ان کے کانوں میں پڑتی تھیں ان کی وجہ سے جو سخت کوفت ہوتی تھی اس کی وجہ سے تسلّی دینے کے لئے یہ خصوصی بشارت دی گئی۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جنت کی عورتوں میں سب سے افضل خدیجہ بنت خویلد اور فاطمہ بنت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اور مریم بنت عمران اور آسیہ بنت مزاحم فرعون کی بیوی ہیں۔

ایک روایت میں ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ

---

[1] الاستیعاب میں لکھا ہے کہ ایک مرتبہ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ خدیجہؓ کو اس کے رب کا سلام پہنچا دیجئے۔ چنانچہ آپؐ نے پہنچا دیا۔ اس کے جواب میں حضرت خدیجہؓ نے کہا اَللّٰہُ السَّلَامُ وَمِنْہُ السَّلَامُ وَعَلٰی جِبْرِیْلَ السَّلَامُ یعنی اللہ کے سلام کا جواب کیا دوں وہ تو خود سلام ہے اور اسی سے سلامتی ملتی ہے۔ سلام لانے والے جبریل پر سلام ہو۔

[2] لمعات میں لکھا ہے کہ یہ کھانا حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا غار حرا میں لے جا رہی تھیں اور یہ نبوت مل جانے کے بعد کی بات ہے کیونکہ نبوت کے بعد بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا غار حرا میں آنا جانا رہا ہے ۱۲ منہ

[3] بخاری ومسلم

علیہ وسلم گھر میں تشریف لاکر گھر سے باہر نہیں جایا کرتے تھے جب تک حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کا تذکرہ نہ فرما لیتے تھے۔ ایک مرتبہ جو آپ نے ان کا ذکر فرمایا تو مجھے عورتوں والی غیرت سوار ہوئی۔ میں نے عرض کیا کہ ایک بڑھیا کو آپ یاد کرتے ہیں تو آپ بہت ناراض ہوئے۔ اس کے بعد میں نے یہ طے کرلیا کہ کبھی خدیجہؓ کو برائی سے یاد نہ کروں گی [1]

جب تک حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا زندہ رہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی اور عورت سے نکاح نہیں کیا۔ ان کی وفات کے بعد حضرت سودہ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے نکاح ہوا۔ رضی اللہ عنہا وارضاہا۔

وفاتؓ

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے ۱۰ھ نبوی میں بماہ رمضان المبارک مکہ میں وفات پائی۔ اس وقت ان کی عمر ۶۵ سال کی تھی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت میں کچھ کم و بیش ۲۵ سال رہیں۔ ۱۵ سال آپ کو نبوت سے پہلے اور ۱۰ برس نبوت مل جانے کے بعد جس وقت ان کی وفات ہوئی نماز جنازہ کا حکم نازل نہیں ہوا تھا کفن دے کر حجون میں دفن کر دی گئیں جسے اب جنت المعلیٰ کہتے ہیں [2] رضی اللہ عنہا وارضاہا۔

[1،2] الاصابہ وغیرہ۔

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا

یہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی ہیں۔ والدہ کے نام میں اختلاف ہے۔ بعض نے زینب بتایا ہے لیکن وہ اپنی کنیت "ام رومان" سے مشہور ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صرف یہی ایک بیوی ہیں جن سے کنوارے پن میں آپؐ نے نکاح کیا۔ ان کے علاوہ آپ کی تمام بیویاں بیوہ تھیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو نبوت ملنے کے چار پانچ سال بعد ان کی ولادت ہوئی اور چھ سال کی عمر میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے نکاح ہوا اور نو سال کی عمر میں رخصتی ہوئی۔ نکاح مکہ معظمہ میں ہوا اور رخصتی ہجرت کے بعد مدینہ منورہ میں ہوئی۔ آنحضرت صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کی خدمت میں نو۹ سال رہیں جب وقت سیّد عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ملاءِ اعلیٰ کا سفر اختیار فرمایا اس وقت ان کی عمر ۱۸ سال کی تھی[۱]

نکاح جب حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی وفات ہو گئی تو حضرت خولہ بنت حکیم رضی اللہ عنہا نے سیّد عالم صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلعم! کیا آپ نکاح نہیں کر لیتے؟ آپؐ نے فرمایا کس سے؟ عرض کیا آپ چاہیں تو کنواری سے کر لیں اور چاہیں تو بیوہ سے! آنحضرت صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم نے سوال فرمایا کنواری کون ہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ مخلوق میں جو آپ کو سب سے محبوب ہیں ان کی بیٹی، یعنی عائشہ بنت ابی بکر (صدیقؓ) آپ نے دوبارہ سوال فرمایا بیوہ کون ہے؟ جواب دیا سودہؓ بنت زمعہؓ جو آپ پر ایمان لا چکی ہے اور آپ کا اتباع کرتی ہے۔

یہ سن کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بہتر ہے جاؤ دونوں جگہ میرا پیغام لے جاؤ۔ چنانچہ خولہ رضی اللہ عنہا پہلے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالےٰ عنہ کے گھر پہنچیں اس وقت حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالےٰ عنہ تشریف نہ رکھتے تھے ان کی بیوی سے

---

[۱] اصابہ مجمع الفوائد و بخاری شریف

کہا کہ اے اُم رومان! کچھ خبر بھی ہے اللہ نے کس خیر و برکت سے تم کو نوازنے کا ارادہ فرمایا ہے؟ انہوں نے سوال کیا وہ کیا؟ جواب دیا مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عائشہ سے نکاح کرنے کا پیغام دے کر بھیجا ہے!

حضرت ام رومان رضی اللہ عنہا نے جواب دیا۔ ذرا ابوبکرؓ کے آنے کا انتظار کرو۔ چنانچہ تھوڑی دیر میں وہ بھی تشریف لے آئے ان سے بھی حضرت خولہ رضی اللہ عنہا نے یہی کہا کہ اے ابوبکر! کچھ خبر بھی ہے اللہ تعالیٰ نے تم کو کس خیر و برکت سے نوازنے کا ارادہ فرمایا ہے؟ بولے وہ کیا؟ جواب دیا مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مقصد کے لئے بھیجا ہے کہ عائشہ سے نکاح کرنے کے بارے میں آپؐ کا پیغام پہنچا دوں!

یہ سن کر حضرت صدیقِ اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ وہ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بھتیجی ہے (کیونکہ میں آپ کا بھائی ہوں) کیا اس سے آپ کا نکاح ہو سکتا ہے؟ اس سوال کا جواب لینے کے لئے حضرت خولہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بارگاہِ رسالت میں واپس پہنچیں اور حضرت صدیقِ اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا اشکال سامنے رکھ دیا۔ اس کے جواب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ابوبکر سے کہہ دو کہ تم اور میں دونوں دینی بھائی ہیں۔ تمہاری لڑکی سے میرا نکاح ہو سکتا ہے (رشتہ کے حقیقی یا باپ شریک یا ماں شریک بھائی کی لڑکی سے نکاح درست نہیں ہے۔ دینی بھائی کی لڑکی سے نکاح جائز ہے) چنانچہ حضرت خولہ رضی اللہ عنہا واپس حضرت صدیقِ اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے گھر آئیں اور شرعی فتویٰ جو بارگاہِ رسالت سے صادر ہوا تھا اس کا اظہار کر دیا۔ جس پر حضرت صدیقِ اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت عائشہؓ سے آپ کا نکاح کر دینے پر راضی ہو گئے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بلا کر اپنی بیٹی عائشہ کا نکاح کر دیا۔ اس کے بعد حضرت خولہ رضی اللہ عنہا حضرت سودہ رضی اللہ عنہا کے پاس گئیں اور ان کے اشارہ سے ان کے والد زمعہ سے گفتگو کر کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے حضرت سودہ رضی اللہ عنہا کا نکاح کر دینے پر راضی کر لیا اور نکاح کرا دیا[1] (جس کی تفصیل حضرت سودہ رضی اللہ عنہا کے تذکرہ میں آئے گی)۔

---

[1] البدایہ عن الامام احمد ۱۲۔

ہجرت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خولہ رضی اللہ عنہا کے مشورہ اور کوشش سے حضرت عائشہ اور حضرت سودہ رضی اللہ عنہا سے نکاح فرمایا لیکن چونکہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی عمر بہت کم (صرف ۶ سال) تھی اس لئے رخصتی ابھی ملتوی رہی۔ البتہ حضرت سودہ رضی اللہ عنہا کی رخصتی بھی ہوگئی اور آپ کے دولت کدہ پر تشریف لے آئیں اور گھر کی دیکھ بھال ان کے سپرد ہوئی۔ اس کے بعد ہجرت کا سلسلہ شروع ہوگیا اور حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم مدینہ منورہ پہنچنے لگے بلکہ اکثر پہنچ گئے۔ حضرت صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ نے بھی بارہا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ہجرت کی اجازت چاہی لیکن آپؐ فرماتے رہے کہ جلدی نہ کرو امید ہے کہ اللہ تعالےٰ کسی کو تمہارا رفیقِ سفر بنادیں۔ یہ جواب سُن کر حضرت ابوبکر رضی اللہ کو امید بندھ گئی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ میرا سفر ہوگا۔ چنانچہ جب اللہ جل شانہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ہجرت کی اجازت دے دی تو آپ حضرت صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ کو ساتھ لے کر مدینہ منورہ کے لئے روانہ ہوگئے۔ دونوں حضرات اپنے اہل وعیال کو چھوڑ کر تشریف لے گئے اور مدینہ منورہ پہنچ کر اپنے اہل وعیال کو مکہ معظمہ سے بلانے کا انتظام فرمایا جس کی صورت یہ ہوئی کہ حضرت زید بن حارثہ اور حضرت ابورافع رضی اللہ عنہما کو دو اونٹ اور ۵۰۰ درہم دے کر مکہ بھیجا تاکہ دونوں کے گھرانوں کو لے آویں چنانچہ وہ دونوں مکہ معظمہ پہنچے اور راستے سے ان حضرات نے تین اونٹ خرید لئے مکہ میں داخل ہوئے تو حضرت طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ سے ملاقات ہوگئی وہ اس وقت ہجرت کا ارادہ کرچکے تھے۔ چنانچہ یہ مُبارک قافلہ مدینہ منورہ کو روانہ ہوا جس میں حضرت زید بن حارثہؓ اور ان کا بچہ اسامہ اور ان کی بیوی ام ایمن اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دو بیٹیاں حضرت فاطمہ اور حضرت ام کلثوم اور آپؐ کی بیویاں حضرت عائشہؓ اور حضرت سودہؓ اور حضرت عائشہؓ کی والدہ حضرت ام رومانؓ اور حضرت عائشہؓ کی بہن اسماء بنت ابی بکر اور ان کے بھائی عبداللہ بن ابی بکر رضی اللہ عنہم اجمعین تھے اس سفر میں حضرت عائشہ اور ان کی والدہ رضی اللہ عنہما دونوں ایک کجاوہ میں اونٹ پر سوار تھیں۔ راستہ میں ایک موقعہ پر وہ اونٹ بدک گیا جس کی وجہ سے حضرت ام رومان رضی اللہ عنہا

کو بہت پریشانی ہوئی اور گھبراہٹ میں اپنی بچی عائشہ کے متعلق پکار اٹھیں" ہائے میری بیٹی۔ ہائے میری دلہن، لیکن اللہ تعالے کی غیبی مدد یہ ہوئی کہ غیب سے آواز آئی کہ اونٹ کی نکیل چھوڑ دو۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالے عنہا کا بیان ہے کہ میں نے اس کی نکیل چھوڑ دی تو وہ آرام کے ساتھ ٹھہر گیا اور اللہ نے سب کو سلامت رکھا۔

جب یہ قافلہ مدینہ منورہ پہنچا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مسجد نبوی (علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام) کے آس پاس اپنے اہل وعیال کے لئے حجرے بنوا رہے تھے۔ حضرت سودہ اور حضرت فاطمہ اور حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہن کو ان ہی حجروں میں ٹھہرادیا اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اپنے ماں باپ کے پاس ٹھہر گئیں[۱]۔ اس کے چند ماہ بعد شوال میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی رخصتی ہوئی۔ حضرت اسمار بنت ابی بکرؓ (حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی بہن) کا زمانۂ ولادت قریب تھا وہ بھی اپنی ماں کے ساتھ ہجرت کرکے آئی تھیں۔ انہوں نے قبا میں قیام فرمایا اور وہیں بچہ پیدا ہوا جس کا نام عبداللہ رکھا گیا۔ حضرت اسمار کے شوہر حضرت زبیر رضی اللہ عنہ تھے اس لئے یہ بچہ عبداللہ بن زبیر کے نام سے مشہور ہوا۔ ہجرت کے بعد مہاجرین میں یہ سب سے پہلا بچہ تولد ہوا۔ ان کے تولد سے مسلمانوں کو بہت ہی زیادہ خوشی ہوئی جس کی وجہ یہ تھی کہ یہودیوں نے مشہور کر دیا تھا کہ ہم نے جادو کر دیا ہے اب مسلمانوں کے اولاد نہ ہوگی۔ جب حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما پیدا ہوئے تو یہودیوں کا دعویٰ جھوٹا ثابت ہوا۔

حضرت اسمار بنت ابی بکر رضی اللہ عنہا کا بیان ہے کہ جب عبداللہ کی پیدائش ہوگئی تو میں اس کو لے کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی آپ نے اس کو اپنی گود میں لے لیا اور ایک کھجور منگا کر اپنے مبارک منہ میں چبائی پھر بچہ کے منہ میں اپنے مبارک منہ میں سے ڈال دی۔ حاصل یہ ہے کہ سب سے پہلے بچہ کے پیٹ میں آپ کا لعاب مبارک گیا اور آپؐ نے دعا بھی دی اور بَارَکَ اللّٰہ بھی فرمایا[۲] حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالے عنہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالے عنہا کے بھانجے تھے ان کے نام

[۱] الاستیعاب والبدایہ۔ [۲] من البدایہ

سے حضرت عائشہ رضی کی کنیت ام عبداللہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مقرر فرمائی تھی [1]

رخصتی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی رخصتی شوال میں ہوئی۔ عرب کے لوگ شوال میں شادی کرنے کو برا سمجھتے تھے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اس جہالت کی تردید کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے شوال میں نکاح کیا اور شوال میں میری رخصتی ہوئی تو اب بتاؤ مجھ سے زیادہ کون سی بیوی آپ کی چہیتی تھی جب آپ نے مجھ سے نکاح بھی شوال میں کیا اور رخصتی بھی شوال میں کی تو اب اس کے خلاف چلنے کا کسی مسلمان کو کیا حق ہے۔ اسی جہالت کو توڑنے کے لئے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا چاہا کرتی تھیں کہ شوال کے مہینہ میں عورتوں کی رخصتی کی جائے [2]۔

بخاری شریف میں ہے کہ سیّد عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا کہ تم مجھ کو خواب میں دو مرتبہ دکھائی گئی تھیں۔ میں نے دیکھا کہ ایک شخص تم کو ریشم کے بہترین کپڑے میں اٹھائے ہوئے ہے۔ میں نے کھول کر دیکھا تو تم نکلیں میں نے (دل میں) کہا کہ اگر یہ اللہ کی طرف سے دکھایا گیا ہے تو اللہ ضرور اس کی تعبیر پوری فرمائیں گے۔ دوسری روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ فرشتہ بصورت انسان ریشم کے کپڑے میں ان کو لے کر آیا تھا [3]۔

رخصتی کی پوری کیفیت اس طرح ہے کہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے بارگاہ رسالت میں عرض کیا کہ یارسول اللہ! آپ اپنی بیوی کو گھر کیوں نہیں بلا لیتے۔ آپ نے فرمایا اس وقت میرے پاس مہر ادا کرنے کے لئے رقم نہیں ہے۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے عرض کیا کہ میں (بطور قرض) پیش کر دیتا ہوں۔ چنانچہ آپ نے ان کی پیش کش قبول فرمائی اور بیوی کے باپ ہی سے قرض لے کر مہر ادا کر دیا۔

مسلم شریف میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ سیّد عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی بیویوں کا مہر (عموماً) ساڑھے بارہ اوقیہ یعنی ۵۰۰ درہم تھا۔ [ع] آج کل مہر میں ہزاروں

---

[1] البدایہ والاصابہ۔ [2] البدایہ عن الامام احمد ۱۲۔ [3] بخاری شریف ص ۶۸، ج ۲۔
[4] ابن سعد ۱۲ [ع] ایک درہم تین ماشہ ایک رتی اور ۱/۵ رتی چاندی کا ہوتا تھا ۱۲۔

روپے مقرر کئے جاتے ہیں اور مہر کی کمی کو باعث ننگ و عار سمجھتے ہیں حالانکہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے بڑھ کر امت میں کوئی بھی معزز نہیں ہے۔ ان کی بیٹی کا مہر ۵۰۰ سو درہم تھا جس سے ان کی عزت کو کچھ بھی بٹہ نہ لگا اور دینے والے سیدِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم تھے۔ آپ نے مہر نہ ہونے کی وجہ سے کم مقرر کرنے کو ذرا بھی عار نہ سمجھا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے واقعۂ رخصتی سے ادائیگی مہر کی اہمیت بھی معلوم ہو گئی۔ کیونکہ مہر کے ادا کرنے کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس قدر ضروری سمجھا کہ مہر کی ادائیگی کا انتظام نہ ہونے کی وجہ سے رخصت کر لینے میں تامل فرمایا۔ امت کے لئے ان باتوں میں نصیحت ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا واقعۂ رخصت کو اس طرح ذکر فرماتی تھیں کہ میں اپنی سہیلیوں کے ساتھ جھولا جھول رہی تھی کہ میری والدہ نے آکر مجھے آواز دی، مجھے خبر بھی نہ تھی کہ کیوں بلا رہی ہیں۔ میں ان کے پاس پہنچی تو میرا ہاتھ پکڑ کر لے چلیں اور مجھے گھر کے دروازہ کے اندر کھڑا کر دیا اس وقت (ان کے اچانک بلانے سے) میرا سانس پھول گیا تھا ذرا دیر بعد سانس ٹھکانے سے آیا۔ گھر کے اندر دروازہ کے پاس والدہ صاحبہ نے پانی لے کر میرا سر اور منہ دھویا۔ اس کے بعد مجھے گھر میں داخل کر دیا۔ وہاں انصار کی عورتیں بیٹھی ہوئی تھیں۔ انہوں نے دیکھتے ہی کہا عَلَى الْخَيْرِ وَالْبَرَكَةِ وَعَلٰى خَيْرِ طَائِرٍ (تمہارا آنا خیر و برکت پر ہے اور نیک فال ہے) میری والدہ نے مجھے ان عورتوں کے سپرد کر دیا (اور انہوں نے میرا بناؤ سنگار کر دیا اس کے بعد وہ عورتیں علیحدہ ہو گئیں) اور اچانک رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم میرے پاس تشریف لے آئے۔ یہ چاشت کا وقت تھا۔ اس وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی نئی بیوی سے ملاقات فرمائی[1]

غور کیجئے کس سادگی سے شادی ہوئی نہ دولہا گھوڑے پر چڑھ کر آیا، نہ آتش بازی چھوڑی گئی، نہ اور کسی طرح کی دھوم دھام ہوئی، نہ تکلف ہوا نہ آرائشِ مکان ہوئی اور نہ فضول خرچی اور یہ بھی قابلِ ذکر بات ہے کہ دلہن کے گھر ہی میں دولہا دلہن مل لئے۔

---

[1] بخاری شریف و جمع الفوائد ۱۲

آج اگر ایسی شادی کر دی جائے تو دنیا نکو بنادے اور سو نام دھرے، خدا بچائے جہالت سے اور اپنے رسولِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا پورا پورا اتباع نصیب فرمائے۔

مصاحبت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے خوب فائدہ اُٹھایا

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے سیّد عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی مصاحبت میں ۹ سال گذارے اور ان ۹ سال میں خوب علم حاصل کیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا احترام پوری طرح ملحوظ رکھتے ہوئے سوالات کرکے علم بڑھاتی رہیں اور آپ خود بھی ان کو علوم سے بہرہ ور فرمانے کا خیال فرماتے رہے۔

حضرت امام زہری رحمہ اللہ تعالےٰ نے فرمایا کہ اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام بیویوںؓ اور ان کے علاوہ باقی تمام عورتوں کا علم جمع کیا جائے تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا علم سب کے علم سے بڑھا ہوا رہے گا۔ حضرت مسروق تابعی رحمہ اللہ تعالےٰ فرماتے تھے جو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے خاص شاگرد تھے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اکابر صحابہؓ کو دیکھا جو عمر میں بوڑھے تھے وہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا سے فرائض کے بارے میں معلومات حاصل کیا کرتے تھے[۱]

حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ہم اصحاب رسول اللہ تعالےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو جب کبھی علمی الجھن پیش آئی اور اس کے متعلق حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے سوال کیا تو ان کے پاس اس کے متعلق ضروری معلومات ملیں[۲] (جس سے مشکل حل ہوئی) روایتِ حدیث میں تابعین کرام رحمۃ اللہ علیہم کے علاوہ بہت سے صحابہؓ بھی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے شاگرد ہیں۔

آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے سوالات

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا برابر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سوالات کرتی رہتی تھیں، ایک مرتبہ سوال کیا کہ یا رسول اللہ! میرے دو پڑوسی ہیں فرمائیے

[۱] و [۲] جمع الفوائد والاصابہ والبدایہ ۱۲

میں ہدیہ دینے میں دونوں میں سے کس کو ترجیح دوں؟ آپ نے ارشاد فرمایا اِلٰی اَقْرَبِھِمَا مِنْكِ بَابًا (کہ دونوں میں سے جس کے گھر کا دروازہ تم سے زیادہ قریب ہو اس کو ترجیح دو[1])

ایک مرتبہ سیّد عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے دُعا کی اَللّٰھُمَّ حَاسِبْنِیْ حِسَابًا یَسِیْرًا (کہ اے اللہ مجھ سے آسان حساب لیجو) یہ دُعا سن کر حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے سوال کیا کہ یا نبی اللہ! آسان حساب کی کیا صورت ہوگی؟ آپ نے فرمایا اعمال نامہ دیکھ کر درگذر کر دیا جائے گا (یہ آسان حساب ہے!) پھر فرمایا کہ) یقین جانو! جس کے حساب میں چھان بین کی گئی اے عائشہ! وہ ہلاک ہوگیا[2] کیونکہ جس کے حساب میں چھان بین ہوگی وہ حساب دے کر کامیاب نہیں ہوسکتا۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا روایت فرماتی ہیں کہ ایک روز میں نے اور حفصہؓ نے (نفلی) روزہ رکھ لیا پھر کھانا مل گیا جو کہیں سے ہدیہ آیا تھا۔ ہم نے اس میں سے کھالیا۔ تھوڑی دیر کے بعد سیّد عالم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے میرا ارادہ تھا کہ آپؐ سے سوال کروں مگر مجھ سے پہلے (جرأت کرکے) حفصہؓ نے پوچھ لیا اور جرأت میں وہ اپنے باپ کی بیٹی تھی۔ یہ پوچھا کہ یا رسول اللہ! میں نے اور عائشہؓ نے نفلی روزہ کی نیّت کی تھی۔ پھر ہمارے پاس ہدیۃً کھانا آگیا جس سے ہم نے روزہ توڑ دیا۔ فرمایئے اس کا کیا حکم ہے؟ سیّد عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم دونوں اس کی جگہ کسی دوسرے دن روزہ رکھ لینا[3]

ایک مرتبہ سیّد عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت کے روز لوگ ننگے پاؤں ننگے بدن بغیر ختنہ اٹھائے جائیں گے (جیسے ماں کے پیٹ سے دنیا میں آئے تھے) یہ سن کر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! (یہ تو بڑے شرم کا مقام ہوگا) کیا مرد عورت سب ننگے ہوں گے؟ ایک دوسرے کو دیکھتے ہوں گے؟ اس کے جواب میں سیّد عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اے عائشہ! قیامت کی سختی اس قدر ہوگی

---

[1] بخاری شریف ۱۲ [2] رواہ احمد ۱۲۔ [3] جمع الفوائد ۱۲

اور لوگ گھبراہٹ اور پریشانی سے ایسے بدحال ہوں گے کہ کسی کو کسی کی طرف دیکھنے کا ہوش ہی نہ ہوگا) مصیبت اتنی زیادہ ہوگی کہ کسی کو اس کا خیال بھی نہ آئے گا[1]

ایک مرتبہ سیّد عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے دُعا کی کہ:۔

اَللّٰھُمَّ اَحْیِنِیْ مِسْکِیْنًا وَّ اَمِتْنِیْ مِسْکِیْنًا وَّ احْشُرْنِیْ فِیْ زُمْرَۃِ الْمَسَاکِیْنِ۔

ترجمہ: اے اللہ! مجھے مسکین زندہ رکھ اور حالت مسکینی میں مجھے دنیا سے اُٹھا اور قیامت میں مسکینوں میں حشر کیجیو۔

یہ دُعا سن کر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے سوال کیا کہ یا رسول اللہ! آپ نے ایسی دعا کیوں کی؟ آپ نے فرمایا (اس لئے کہ) بلاشبہ مسکین لوگ مالداروں سے چالیس سال پہلے جنت میں داخل ہوں گے اس کے بعد فرمایا کہ اے عائشہ! (اگر مسکین سائل ہو کر آئے تو) مسکین کو کچھ دیئے بغیر واپس نہ کر۔ اور کچھ نہیں تو کھجور کا ایک ٹکڑا ہی دے دیا کر۔ اے عائشہ! مسکینوں سے محبت کر اور ان کو اپنے سے قریب کر جس کی وجہ سے اللہ تعالےٰ تجھے قیامت کے روز اپنے سے قریب فرمائیں گے[2]

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا روایت فرماتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ یہ جو اللہ جل شانہٗ نے (قرآن مجید) میں فرمایا ہے:

وَالَّذِیْنَ یُؤْتُوْنَ مَآ اٰتَوْا	اور وہ لوگ جو (اللہ کی راہ میں) دیتے ہیں
وَّقُلُوْبُھُمْ وَجِلَۃٌ اَنَّھُمْ	اور ان کے دل اس سے خوف زدہ ہوتے ہیں
اِلٰی رَبِّھِمْ رٰجِعُوْنَ ۝ (۲۳ : ۶۰)	کہ وہ اپنے رب کے پاس جانے والے ہیں۔

تو ان خوف زدہ لوگوں سے (کون مراد ہیں) کیا وہ لوگ مراد ہیں جو شراب پیتے ہیں اور چوری کرتے ہیں؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے صدیق کی بیٹی! نہیں (ایسے لوگ مراد نہیں ہیں بلکہ اس آیت میں خدا نے ان لوگوں کی تعریف فرمائی ہے) جو روزہ رکھتے ہیں اور نماز پڑھتے ہیں اور صدقہ دیتے ہیں اور (اس کے باوجود)

---

[1] الترغیب والترہیب ۱۲۔ [2] ترمذی۔

اس بات سے ڈرتے ہیں کہ ایسا نہ ہو کہ یہ اعمال قبول نہ کیے جائیں ان ہی لوگوں کے بارے میں اللہ جل شانہ نے فرمایا ہے کہ اُولٰٓئِكَ يُسٰرِعُوْنَ فِي الْخَيْرٰتِ [1] (کہ یہ لوگ نیک کاموں میں تیزی سے بڑھتے ہیں)۔ (۲۳: ۶۱)

ایک مرتبہ سیّد عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کی ملاقات کو محبوب رکھتا ہے اللہ تعالیٰ اس کی ملاقات کو محبوب رکھتے ہیں اور جو شخص اللہ تعالےٰ کی ملاقات کو ناپسند کرتا ہے اللہ تعالےٰ اس کی ملاقات کو ناپسند فرماتے ہیں۔ یہ سن کر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا کہ (یہ تو آپ نے بڑی گھبرا دینے والی بات سنائی۔ کیوں کہ) موت ہم سب کو (طبعًا) بری لگتی ہے (لہٰذا اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ ہم میں سے کوئی شخص بھی اللہ تعالےٰ کی ملاقات کو پسند نہیں کرتا لہٰذا اللہ تعالےٰ بھی ہم میں سے کسی کی ملاقات کو پسند نہیں فرماتے) اس کے جواب میں سیّد عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ جیسے طبعی طور پر موت بری لگے اللہ کو اس سے ملاقات ناپسند ہے بلکہ مطلب یہ ہے کہ جب مومن کی موت کا وقت آپہنچتا ہے تو اس کو اللہ تعالیٰ کی رضا اور اللہ تعالےٰ کی طرف سے اعزاز و اکرام کی خوش خبری سنائی جاتی ہے لہٰذا اس کے نزدیک کوئی چیز اس سے زیادہ محبوب نہیں جو مرنے کے بعد اُسے پیش آنے والی ہے اس وجہ سے وہ اللہ تعالےٰ کی ملاقات کو چاہنے لگتا ہے لہٰذا اللہ تعالےٰ بھی اس کی ملاقات کو چاہتے ہیں اور بلاشبہ کافر کی موت کا جب وقت آتا ہے تو اللہ تعالےٰ کے عذاب اور اللہ تعالےٰ کی طرف سے سزا ملنے کی اس کو خبر دی جاتی ہے لہٰذا اس کے نزدیک کوئی چیز اس سے زیادہ ناپسند نہیں ہوتی جو مرنے کے بعد اس کے سامنے آنے والی ہے اسی وجہ سے وہ اللہ تعالےٰ کی ملاقات کو ناپسند کرتا ہے۔ چنانچہ اللہ تعالےٰ بھی اس کی ملاقات کو ناپسند فرماتے ہیں [2]

ایک مرتبہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا نے دریافت کیا یا رسول اللہ! کیا عورتوں پر جہاد ہے؟ آپ نے فرمایا ہاں عورتوں پر ایسا جہاد ہے جس میں جنگ نہیں ہے یعنی حج اور عمرہ [3]

---

[1] [2] مشکوٰۃ عن البخاری والمسلم ۱۲ [3] مشکوٰۃ شریف ۱۲

ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے سوال کیا کہ یا رسول اللہ (یہ تو واقعہ ہے کہ) کوئی شخص بغیر اللہ تعالیٰ کی رحمت کے جنّت میں داخل نہ ہوگا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ (ہاں) اللہ تعالیٰ کی رحمت کے بغیر کوئی بھی جنّت میں نہ جائے گا۔ تین مرتبہ یوں ہی فرمایا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے دوبارہ سوال کیا کہ اے اللہ کے رسول! آپ بھی اللہ کی رحمت کے بغیر جنّت میں داخل نہ ہوں گے؟ آپ نے ماتھے پر مبارک ہاتھ رکھ کر فرمایا وَلَا اَنَا اِلَّا اَنْ یَّتَغَمَّدَنِیَ اللّٰہُ مِنْهُ بِرَحْمَتِهٖ (میں بھی جنّت میں داخل نہ ہوں گا مگر یہ کہ اللہ مجھے اپنی رحمت میں ڈھانپ لیوے) تین مرتبہ یہی فرمایا[1]

ایک مرتبہ سیّد عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! یہ تو فرمایئے اگر مجھے معلوم ہو جائے کہ لیلۃ القدر کون سی ہے (یعنی یہ علم ہو جائے کہ آج لیلۃ القدر ہے) تو دعا میں کیا کہوں!

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یوں کہنا:

اَللّٰھُمَّ اِنَّکَ عَفُوٌّ تُحِبُّ الْعَفْوَ فَاعْفُ عَنِّیْ[2] (اے اللہ! بلاشبہ تو معاف کرنے والا ہے۔ معاف کرنے کو پسند کرتا ہے لہٰذا تو مجھے معاف فرما۔)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت عائشہؓ سے محبّت

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دیگر تمام بیویوں کی بنسبت زیادہ محبّت تھی۔ حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ سوال کیا کہ یا رسول اللہ! آپ کو سب سے زیادہ کون محبوب ہے؟ آپؐ نے فرمایا عائشہؓ۔ انہوں نے مکرّر سوال کیا یا رسول اللہ! مردوں میں سب سے زیادہ آپ کو کون محبوب ہے؟ فرمایا عائشہ کے والد۔ سائل نے سہ بارہ سوال کیا کہ ان کے بعد؟ فرمایا عمرؓ[3] لیکن اس قدر محبّت کے باوجود کسی دوسری بیوی کی ذرا حق تلفی نہیں فرماتے تھے۔ سب کے حقوق اور دل داری اور شب باشی میں برابری

---

[1] مشکوٰۃ ۱۲۔ [2] مشکوٰۃ ۱۲۔ [3] جمع الفوائد ۱۲۔

رکھتے تھے، چونکہ طبعی محبت اختیاری نہیں ہے اس لئے بارگاہِ خداوندی میں آپؐ نے یہ دعا کی تھی اَللّٰھُمَّ ھٰذَا قَسْمِیْ فِیْمَا اَمْلِکُ فَلَا تَلُمْنِیْ فِیْمَا تَمْلِکُ وَلَا اَمْلِکُ (اے اللہ! یہ میری تقسیم ہے میرے اختیار کی چیزوں میں لہٰذا مجھے ملامت نہ کیجئے اس چیز میں جس کے آپ مالک ہیں اور میرے قبضہ کی نہیں ہے[لہ] یعنی طبعی محبت غیر اختیاری ہے اس میں برابری کرنا میرے اختیار سے باہر ہے۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ جل شانہٗ نے معلم بنا کر بھیجا تھا اس لئے آپ کو اللہ کی طرف سے ایسے حالات میں مبتلا کیا گیا جن سے امت کو راہ مل سکے۔ چونکہ امت کو چار بیویوں تک رکھنے کی اجازت ہے اس لئے جو امتی اس پر عمل کرے اس کے لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی سے سبق مل گیا کہ ایک بیوی سے طبعی محبت زیادہ ہو تو اس پر مواخذہ نہیں لیکن حق کی ادائیگی میں سب کو برابر رکھنا فرض ہے اس میں کوتاہی کی تو پکڑ ہوگی۔ ترمذی شریف میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب ایک مرد کے پاس دو بیویاں ہوں اور وہ ان کے درمیان برابری کا خیال نہ رکھے تو قیامت کے روز اس حال میں آئے گا کہ اس کا ایک پہلو گرا ہوا ہوگا۔

تربیت کا خاص خیال

سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو اگرچہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالٰی عنہا سے بہت محبت تھی اور ان کی تربیت کا بھی خاص خیال فرماتے تھے اور اللہ تعالٰی سے ڈراتے رہتے تھے جہاں لغزش نظر آتی فوراً آگاہ فرماتے اور سرزنش فرماتے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالٰی عنہا روایت فرماتی ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایک غزوہ میں تشریف لے گئے میں نے آپؐ کے پیچھے ایک اچھا سا پردہ لٹکا دیا۔ جب آپ تشریف لائے تو اس پردہ کو اس زور سے پکڑ کر کھینچا کہ اس کو پھاڑ دیا۔ پھر فرمایا کہ بلاشبہ اللہ تعالٰی نے ہم کو یہ حکم نہیں دیا کہ پتھروں

لہ جمع الفوائد ۱۲

کو اور مٹی کو لباس پہنادیں۔[1]

ایک مرتبہ چند یہودی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور انہوں نے دبی زبان سے اَلسَّلامُ عَلَیْکُمْ کے بجائے اَلسَّامُ عَلَیْکُمْ کہا۔ سام موت کو کہتے ہیں۔ ان کا مطلب بددُعا دینا تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اُس کے جواب میں وَعَلَیْکُمْ فرمادیا۔ (یعنی تم پر موت ہو) (آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تو اسی قدر فرمایا لیکن) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سخت برہم ہوئیں اور غصہ سے انہوں نے فرمایا "اَلسَّامُ عَلَیْکُمْ وَلَعَنَکُمْ وَغَضِبَ عَلَیْکُمْ (تم پر موت ہو اور خدا کی لعنت ہو اور خدا کا غضب ٹوٹے) یہ سن کر سیّد عالم صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم نے فرمایا "اے عائشہ! ٹھہر، نرمی اختیار کر اور بدکلامی سے بچ۔" عرض کیا آپ نے سنا نہیں انہوں نے کیا کہا ہے؟ سیّد عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اور تم نے نہیں سُنا میں نے کیا جواب دیا' ان کی بات میں نے ان پر لوٹا دی اب اللہ تعالےٰ میری بددعا ان کے حق میں قبول فرمائیں گے اور ان کی بددُعا میرے حق میں قبول نہ ہوگی۔[2]

ایک مرتبہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا نے حضرت صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی بُرائی کرتے ہوئے کہہ دیا کہ صفیہ اتنی سی ہے یعنی پستہ قد ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فوراً ٹوکا اور فرمایا کہ یقین جان! تُو نے ایسا کلمہ کہہ دیا کہ اسے اگر سمندر میں ملا دیا جائے تو اسے بھی بگاڑ دے۔[3]

ایک روز حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے آٹا پیس کر چھوٹی چھوٹی روٹیاں پکائیں اس کے بعد ان کی آنکھ لگ گئی۔ اسی اثنا میں پڑوسن کی بکری آئی اور وہ روٹیاں کھا گئی آنکھ کھلنے پر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اس کے پیچھے دوڑیں یہ دیکھ کر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے عائشہ! ہمسایہ کو اُس کی بکری کے بارے میں نہ ستاؤ۔[4]

---

[1] مشکوٰۃ شریف ۱۲۔ [2] مشکوٰۃ عن البخاری والمسلم ۱۲۔ [3] مشکوٰۃ شریف ۱۲۔
[4] الادب المفرد باب لا یؤذی جارہ ۱۲۔

مختلف نصائح حضور اقدس صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم اکثر زہد فی الدنیا اور فکر آخرت اور خدا ترسی کی نصیحتیں فرماتے رہتے تھے۔ ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا کو نصیحت فرمائی کہ اے عائشہؓ! چھوٹے گناہوں سے (بھی) بچ کیونکہ اللہ کی طرف سے ان کے بارے میں مواخذہ کرنے والا موجود ہے [1]

ایک مرتبہ سیّد عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے نصیحت فرمائی کہ اے عائشہ! اگر تو (آخرت میں) مجھ سے ملنا چاہتی ہے تو تجھے دنیا میں سے اتنا سامان کافی ہونا چاہیئے جتنا مسافر اپنے ساتھ لے کر چلتا ہے اور مال داروں کے پاس بیٹھنے سے پرہیز کر اور کسی کپڑے کو پرانا سمجھ کر پہننا مت چھوڑ جب تک تو اس کو پیوند لگا کر نہ پہن لیوے [2]

حضرت عروۃ بن الزبیر رضی اللہ تعالےٰ عنہ فرماتے تھے کہ خالہ جان اس نصیحت پر عمل کرتے ہوئے نیا کپڑا اس وقت تک نہیں بناتی تھیں جب تک کہ پہلے بنائے ہوئے کپڑے کو پیوند لگا کر نہیں پہن لیتی تھیں اور جب تک کہ وہ خوب بوسیدہ نہ ہو جاتا [3]

کثیر بن عبید کا بیان ہے کہ میں ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں حاضر ہوا وہ اس وقت اپنے کپڑے میں پیوند لگا رہی تھیں۔ مجھ سے فرمایا ذرا ٹھہرو (ابھی بات کروں گی) اس کام سے فارغ ہو جاؤں۔ چنانچہ میں نے توقف کیا پھر جب گفتگو شروع ہوئی تو میں نے عرض کیا اے اُم المومنین! اگر میں باہر جا کر لوگوں سے کہوں کہ ام المومنین پیوند لگا رہی تھیں تو آپ کو لوگ بخیل سمجھیں گے۔ اس کے جواب میں فرمایا کہ سمجھ کر بات کرو حقیقت یہ ہے کہ جس نے پرانا کپڑا نہ پہنا اسے نیا کپڑا پہننے میں کیا لطف آئے گا۔

کلماتِ حکمت و موعظت حضرت عائشہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا بڑی صاحبِ حکمت و موعظت تھیں۔ بڑی پتہ کی بات فرمادیا کرتی تھیں۔ بعض صحابہ بھی ان سے نصیحت کرنے کی فرمائش کیا کرتے تھے۔

زیادہ کھانے کے متعلق حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ

---

[1] مشکوٰۃ شریف ۱۲۔ [2] ایضاً۔ [3] الترغیب والترھیب ۱۲۔

وسلم کے دنیا سے تشریف لے جانے کے بعد سب سے پہلی مصیبت یہ امت میں پیدا ہوئی کہ پیٹ بھر کر کھانے لگے۔ جب پیٹ بھرتے ہیں تو بدن موٹے ہو جاتے ہیں اور دل کمزور ہو جاتے ہیں اور نفسانی خواہشیں زور پکڑ لیتی ہیں [1]۔

ایک مرتبہ فرمایا کہ گناہوں کی کمی سے بہتر کوئی پونجی ایسی نہیں ہے جسے لے کر تم اللہ تعالیٰ سے ملاقات کرو جسے یہ خوشی ہو کہ عبادت میں محنت سے انہماک رکھنے والے سے بازی لے جائے اسے چاہیئے کہ اپنے کو گناہوں سے بچائے [2]

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے ایک خط حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے نام ارسال کیا جس میں اپنے لئے مختصر نصیحت کرنے کی فرمائش کی۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اس کے جواب میں فرمایا:

سَلَامٌ عَلَيْكَ

اَمَّا بَعْدُ فَاِنِّیْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ تَعَالٰی صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ مَنِ الْتَمَسَ رِضَی اللّٰہِ بِسَخَطِ النَّاسِ کَفَاہُ اللّٰہُ مُؤْنَۃَ النَّاسِ وَمَنِ الْتَمَسَ رِضَی النَّاسِ بِسَخَطِ اللّٰہِ وَکَلَہُ اللّٰہُ اِلَی النَّاسِ۔

والسّلام علیك [3]

(ترجمہ) تم پر سلام ہو۔

بعد سلام کے واضح ہو کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ جو شخص لوگوں کی ناراضگی کا خیال نہ کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کی رضا کا طالب ہو اللہ تعالیٰ لوگوں کی شرارتوں سے (بھی) اسے محفوظ فرماتے ہیں اور جو شخص اللہ تعالیٰ کو ناراض کر کے لوگوں کو راضی رکھنا چاہتا ہو اللہ تعالیٰ (اس کی مدد نہیں فرماتے بلکہ) اسے لوگوں کے حوالے کر دیتے ہیں (وہ اس کو جیسے چاہیں استعمال کریں اور جس طرح چاہیں اس کا دلیہ بنائیں۔) والسّلام علیک

ایک مرتبہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو (غالباً ان کی درخواست پر) یہ بھی لکھ کر بھیجا کہ:

---

[1] الترغیب والترہیب ۱۲۔ [2] صفۃ الصفوۃ ۱۲۔ [3] مشکوٰۃ شریف

اَمَّا بَعْدُ فَاِنَّ الْعَبْدَ اِذَا عَمِلَ بِمَعْصِيَةِ اللّٰهِ تَعَالٰى عَادَ حَامِدُهٗ مِنَ النَّاسِ ذَامًّا ه

یعنی جب بندہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کے کام کرتا ہے تو اس کو اچھا کہنے والے بھی بُرا کہنے لگتے ہیں [1]

نشرِ العُلوم سیّدِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی وفات کے بعد حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بڑی مستعدی سے علم دین کی اشاعت کی۔ ان کے شاگردوں کی بڑی بھاری تعداد (جو ۲۰۰ کے لگ بھگ ہے) کتابوں میں لکھی ہے جن میں صحابہ کرام بھی ہیں اور تابعین حضرات بھی (رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین) ان کی وفات ۵۸ھ میں ہوئی اس حساب سے سیّد عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد انہوں نے ۴۸ سال مسلسل علمِ دین پھیلایا۔ محدثینِ کرام نے ان کی روایات کی تعداد ۲۲۱۰ بتلائی ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بڑی فیاضی کے ساتھ علمِ دین کی اشاعت کی۔ لڑکے اور عورتیں اور جن مردوں سے ان کا پردہ نہ تھا پردہ کے اندر مجلسِ تعلیم میں بیٹھتے تھے اور باقی حضرات متعلمین پردہ کے پیچھے بیٹھ کر ان سے دینی فیض حاصل کرتے تھے۔ مختلف قسم کے سوالات کئے جاتے تھے اور وہ سب کا جواب دیتی تھیں اور بعض مرتبہ کسی دوسرے صحابی یا امہات المومنین رضی اللہ عنہن میں سے کسی کے پاس سائل کو بھیج دیتی تھیں۔ دینی مسائل معلوم کرنے میں کوئی شرماتا تو فرماتی تھیں کہ شرماؤ مت کھل کر پوچھ لو۔

ہر سال حج بیت اللہ کے لئے تشریف لے جاتی تھیں اور ہر طرف سے مختلف شہروں سے برابر لوگ آتے تھے اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے خیمہ کے باہر ٹھہر کر دینی سوالات کرتے تھے اور وہ جواب دیتی تھیں۔ مکہ معظمہ میں زمزم کے قریب پردہ ڈال کر تشریف فرما ہو جاتی تھیں اور فتویٰ طلب کرنے والوں کی بھیڑ لگ جاتی تھی۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا شمار ان جلیل القدر صحابہ رضی اللہ عنہم میں کیا گیا ہے جو مستقل مفتی تھے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اپنے والد ماجد رضی اللہ عنہ ہی کے زمانۂ خلافت سے مفتی ہو گئی تھیں اور

---

[1] صفۃ الصفوہ ۱۲۔

حضرت عمرؓ اور حضرت عثمان رضی اللہ تعالےٰ عنہما تو خود آدمی بھیج کر ان سے مسائل معلوم کراتے تھے۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالےٰ عنہ اپنے زمانۂ امارت میں دمشق میں مقیم تھے اور بوقت ضرورت قاصد کو بھیج کر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مسئلہ معلوم کر کے عمل کرتے تھے۔ قاصد شام سے چل کر مدینہ منورہ آتا اور حضرت عائشہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا کے مسکن کے دروازہ کے سامنے کھڑے ہو کر سوال کا جواب لے کر واپس چلا جاتا تھا[1]

بہت سے لوگ خطوط لکھ کر حضرت عائشہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا سے دینی معلومات حاصل کرتے تھے اور وہ ان کو جواب لکھا دیتی تھیں۔ عائشہ بنت طلحہؓ جو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی خاص شاگرد ہیں فرماتی ہیں۔

ویکتبون الیّ من الامصار فاقول لعائشہ یاخالۃ ھذا کتاب فلان وھدیتہ فتقول لی عائشہ ای بُنیّۃ أجیبیہ واثیبیہ۔	لوگ مجھے دور دور کے شہروں سے خطوط لکھتے تھے (اور ہدایا بھیجتے تھے) میں عرض کرتی تھی کہ اے خالہ جان! یہ فلاں شخص کا خط اور اس کا ہدیہ ہے (فرمایئے اس کا کیا جواب لکھوں) وہ فرمادیتی تھیں کہ لے بیٹا! اسے (یہ) جواب لکھ دو اور ہدیہ کا بدلہ دے دو۔

حدیث شریف کی کتابوں میں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا کے فتاوی بکثرت آتے ہیں لوگ ان سے خصوصیت کے ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اندرون خانہ زندگی کے متعلق معلومات کیا کرتے تھے اور وہ بہت بے تکلفی کے ساتھ جواب دیا کرتی تھیں۔ چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سب کچھ سکھانے اور عمل کر کے دکھانے کے لئے اللہ رب العزت کی طرف سے بھیجے گئے تھے اس لئے آپ کی زندگی کے کسی پہلو کو آپ کی ازواج مطہرات ہرگز نہیں چھپاتی تھیں۔

حضرت اسودؒ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے سوال کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم اپنے گھر میں کیا کرتے تھے؟ انہوں نے فرمایا اپنے گھر کے

---

[1] ماخوذ من ابن سعد ۱۲

کام کاج میں مشغول رہتے تھے اور جب نماز کا وقت ہو جاتا تو نماز کے لئے تشریف لے جاتے تھے [1]۔ ایک مرتبہ انہوں نے اس کو ذرا تفصیل سے یوں بیان فرمایا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی جوتی کی مرمّت خود کر لیا کرتے تھے اور اپنا کپڑا خود سی لیتے تھے اور اپنے گھر میں اس طرح خانگی کام کاج میں مشغول رہتے تھے جیسے تم لوگ اپنے گھروں میں کام کاج کرتے ہو۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے یہ بھی فرمایا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم انسانوں میں سے ایک انسان تھے۔ اپنے کپڑوں میں جوئیں خود دیکھ لیتے تھے اور اپنی بکری کا دودھ خود دوہ لیتے تھے اور اپنی خدمت خود کر لیتے تھے [2]۔

ایک مرتبہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تمام لوگوں کی طرح بات میں بات نہیں پروتے چلے جاتے تھے بلکہ آپؐ کا کلام ایسا سلجھا ہوا ہوتا تھا کہ ایک ایک کلمہ علیحدہ علیحدہ ہوتا تھا جسے پاس بیٹھنے والا بآسانی یاد کر لیتا تھا [3]۔ ایک مرتبہ سیّد عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہنسنے کے متعلق حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ میں نے آپ کو کبھی پورے دانتوں اور ڈاڑھوں کے ساتھ ہنستے ہوئے نہیں دیکھا جس سے آپ کے مبارک حلق کا کوّا دیکھا جائے آپ تو بس مسکراتے تھے [4]۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی توصیف میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے یہ بھی فرمایا کہ آپؐ نے کبھی کسی کو اپنے دست مبارک سے نہیں مارا نہ کسی بیوی کو نہ کسی خادم کو۔ ہاں اللہ کی راہ میں جہاد کرتے ہوئے (اللہ کے دشمن کو) مارا تو وہ دوسری بات ہے اور آپ کو کسی سے کچھ کسی قسم کی اذیت پہنچی تو اس کا بدلہ کبھی نہیں لیا۔ ہاں اگر اللہ تعالےٰ کے حکم کے خلاف کسی سے کوئی کام ہو جاتا تو آپؐ اللہ کے لئے اس کو سزا دیتے تھے [5]۔

حضرت سعد بن ہشامؓ فرماتے ہیں کہ میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ اُم المومنین! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق و عادات کے متعلق ارشاد فرمائیے کیسے تھے؟ اس پر انہوں نے فرمایا:

---

[1] بخاری شریف ۱۲۔ [2] ترمذی شریف ۱۲۔ [3] ترمذی شریف ۱۲۔
[4] بخاری شریف ۱۲۔ [5] مشکوٰۃ شریف۔

کیا تم قرآن نہیں پڑھتے ہو؟ میں نے عرض کیا کیوں نہیں۔

فرمایا! آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی قرآن ہی تھی [۱] (یعنی اللہ رب العزت نے قرآن مجید میں جن احکام کا حکم فرمایا ہے اور جن اخلاق کو اختیار کرنے کو فرمایا وہ سب پوری آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی میں موجود تھے۔)

حضرت عبدالعزیز بن جریج روایت فرماتے ہیں کہ ہم نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے دریافت کیا کہ سیّد عالم صلی اللہ علیہ وسلم کن سورتوں سے نماز وتر ادا فرماتے تھے اس کے جواب میں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا کہ پہلی رکعت میں سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلٰى اور دوسری رکعت میں قُلْ يٰاَيُّهَا الْكَافِرُوْنَ اور تیسری رکعت میں قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ پڑھا کرتے تھے [۲]

حضرت عفیف بن الحارث رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے میں نے عرض کیا یہ تو فرمائیے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر غسل واجب ہوتا تھا تو اوّل رات ہی میں غسل فرما لیتے تھے یا آخر رات میں؟ انہوں نے فرمایا کبھی آپؐ نے اوّل وقت ہی غسل فرما لیا اور کبھی آخر رات میں غسل فرما لیا۔ یہ سنتے ہی میں نے کہا کہ اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ جَعَلَ فِی الْاَمْرِ سَعَةً (اللہ اکبر سب تعریف اللہ کے لئے جس نے اس بارے میں گنجائش رکھی ہے) اس کے بعد میں نے عرض کیا یہ تو فرمائیے کہ آپ رات کے اوّل وقت میں وتر ادا فرما لیتے تھے یا رات کے پچھلے حصّہ میں؟ اس کے جواب میں انہوں نے ارشاد فرمایا کہ کبھی آپؐ نے اوّل رات میں وتر ادا فرمائے اور کبھی آخر رات میں، یہ سنتے ہی میرے منہ سے پھر وہی الفاظ نکلے کہ اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ جَعَلَ فِی الْاَمْرِ سَعَةً، اس کے بعد میں نے سہ بارہ سوال کیا کہ (رات کو جب نفل ادا فرماتے تھے تو) آپؐ قرأت زور سے پڑھتے یا آہستہ؟ اس کے جواب میں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا کہ کبھی آپؐ نے زور سے قرأت پڑھی اور کبھی آہستہ پڑھی۔ یہ سُن کر میرے منہ سے پھر (بے ساختہ) وہی کلمات

---

[۱] مشکوٰۃ شریف ۱۲۔ [۲] مشکوٰۃ عن الترمذی وابی داؤد والنسائی ۱۲

نکلے اَللّٰہُ اَکْبَرُ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ جَعَلَ فِی الْاَمْرِ سَعَۃً۔[1]

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالٰے عنہا جانتی تھیں کہ سیّد عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی ساری امت کے لئے نمونہ ہے اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہر بات اور ہر حرکت وسکون کو انہوں نے اچھی طرح محفوظ رکھا تھا۔ سیّد عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے اندرونی احوال اور رات کے اعمال حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے بہت مروی ہیں۔

ایک روایت میں ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ سیّد عالم صلی اللہ علیہ وسلم (نمازِ تہجّد سے فارغ ہوکر) جب فجر کی دو سنتیں پڑھ لیتے تھے تو میں جاگتی ہوتی تو (نماز کے لئے مسجد کو جانے تک) مجھ سے باتیں فرماتے رہتے تھے ورنہ (ذرا دیر داہنی کروٹ پر) لیٹ جاتے تھے۔[2]

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے یہ بھی بیان فرمایا کہ سیّد عالم صلی اللہ علیہ وسلم جب رات کو نماز (نفل) پڑھنے کے لئے کھڑے ہوتے تھے تو پہلے مختصر سی دو رکعتیں پڑھ لیتے تھے۔[3] (اس کے بعد لمبی سورتوں سے نماز ادا فرماتے تھے) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے یہ بھی بیان فرمایا کہ سیّد عالم صلی اللہ علیہ وسلم غیر فرض نمازوں میں جس قدر فجر کی دو رکعتوں کا خاص اہتمام فرماتے تھے اور کسی غیر فرض نماز کا اس قدر اہتمام نہیں فرماتے تھے۔[4] یہ بھی روایت فرماتی تھیں کہ سیّد عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ رکعتا الفجر خیر من الدّنیا و ما فیہا یعنی فجر کی دو سنتیں ساری دنیا اور جو کچھ اس میں ہے سب سے بہتر ہیں۔[5]

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے یہ بھی بتایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میری گود میں سر رکھ کر لیٹ کر قرآن شریف کی تلاوت کرلیتے تھے حالانکہ وہ میرا زمانہ ماہواری کا ہوتا تھا۔[6] یہ بھی روایت فرماتی ہیں کہ سیّد عالم صلی اللہ علیہ وسلم جب معتکف ہوتے تو مسجد کے اندر بیٹھے ہوئے میری طرف کو سر جھکا دیتے تھے اور میں آپؐ کا سر مبارک (اپنے حجرہ میں سے) دھو دیتی تھی حالانکہ یہ میرا زمانہ ماہواری کا ہوتا تھا۔[7]

---

[1] ابوداؤد ۱۲۔ [2] مسلم ۱۲۔ [3] ایضاً ۱۲۔ [4] مسلم شریف ۱۲۔ [5] بخاری و مسلم ۱۲
[6] بخاری و مسلم ۱۲۔ [7] ایضاً ۱۲

زُہد و فقر اور گھر کے احوال

سیّد عالم صلی اللہ علیہ وسلم سیّد الزاہدین تھے۔ پیٹ بھرنے اور مزیدار چیزیں حاصل کرنے اور سامان جمع کرنے کو ناپسند فرماتے تھے۔ ایک مرتبہ آپؐ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا کہ اے عائشہ! اگر میں چاہوں تو میرے ساتھ ساتھ سونے کے پہاڑ چلیں (مگر قصہ یہ ہے کہ) میرے پاس ایک فرشتہ آیا جس کی قامت کا یہ عالم تھا کہ اس کی کمر کعبہ تک پہنچ رہی تھی۔ اس نے مجھ سے کہا کہ آپ کے رب نے آپ کو سلام فرمایا ہے اور یہ فرمایا ہے کہ اگر تم چاہو تو عام بندوں کی طرح بندہ اور نبی بن کر رہو اور اگر چاہو تو نبی اور بادشاہ بن کر رہو۔ میں نے اس بارے میں جبرئیل علیہ السّلام کی طرف مشورہ لینے کے طور پر دیکھا تو انہوں نے اشارہ کیا کہ تواضع اختیار کرو لہٰذا میں نے جواب دے دیا کہ میں نبی ہوتے ہوئے عام بندوں کی طرح ہو کر رہنا چاہتا ہوں (اس کو روایت کرنے کے بعد) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ اس کے بعد سے سیّد عالم صلی اللہ علیہ وسلم تکیہ لگا کر کھانا تناول نہیں فرماتے تھے (اور یہ) فرمایا کرتے تھے کہ میں اس طرح کھاتا ہوں جیسے غلام کھاتا ہے اور اس طرح بیٹھتا ہوں جیسے غلام بیٹھتا ہے۔[1]

سیّد عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا فقر اختیاری تھا اور گو آپ نے اپنی حیاتِ طیّبہ کے آخری تین چار سال یہ بھی کیا کہ ازواج مطہرات کے لئے ایک سال کے خرچ کا انتظام فرما دیا کرتے تھے لیکن آپؐ کی صحبت کے اثر سے آپؐ کی ازواجِ مطہرات بھی اس کو خیرات کر دیتی تھیں اور خود تکلیف برداشت کر لیتی تھیں۔

حضرت مسروق (تابعی) فرماتے تھے کہ میں ایک مرتبہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا کی خدمت میں حاضر ہوا۔ انہوں نے میرے لئے کھانا منگایا پھر کھانا منگا کر فرمایا کہ اگر میں پیٹ بھر کر کھالوں اور اس کے بعد رونا چاہوں تو رو سکتی ہوں۔ میں نے سوال کیا کیوں؟ فرمایا کہ میں اس حال کو یاد کرتی ہوں جس حال میں سیّد عالم صلی اللہ علیہ وسلم دنیا کو چھوڑ کر تشریف لے گئے ہیں، اللہ کی قسم کسی روز (بھی) دو مرتبہ آپؐ نے

---

[1] مشکوٰۃ شریف ۱۲

گوشت اور روٹی سے پیٹ نہیں بھرا۔ یہ ترمذی شریف کی روایت ہے۔ بیہقی کی روایت میں ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا نے فرمایا کہ ہم اگر چاہتے تو پیٹ بھر کر کھالیتے لیکن واقعہ یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے نفس پر دوسروں کو ترجیح دیتے تھے۔

حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ تعالےٰ عنہ فرماتے تھے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دنیا سے تشریف لے گئے اور آپؐ نے اور آپؐ کے گھر والوں نے جَو کی روٹی سے بھی پیٹ نہیں بھرا [۱]

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا نے ایک مرتبہ اپنے بھانجے حضرت عروہ بن الزبیر رضی اللہ تعالےٰ عنہا سے فرمایا کہ اے میری بہن کے بیٹے! سچ جانو ہم تین چاند دیکھ لیتے تھے اور سیّد عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے گھروں میں آگ نہیں جلتی تھی۔ انہوں نے سوال کیا کہ خالہ جان پھر آپ حضرات کیسے زندہ رہتے تھے؟ فرمایا کھجوروں اور پانی پر گذارا کر لیتے تھے اور اس کے سوا یہ بھی ہوتا تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پڑوس میں رہنے والے انصار اپنے دودھ کے جانوروں کا دودھ ہدیۃً بھیج دیا کرتے تھے آپ اس دودھ کو ہمیں پلا دیا کرتے تھے [۲]

خوراک کی کمی کے ساتھ دوسرا خانگی سامان بھی بہت ہی کم تھا۔ گھر میں چراغ تک نہیں جلتا تھا۔

حضرت ابوہریرہؓ نے فرمایا کہ سیّد عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر والوں پر بغیر چراغ روشن کئے اور بغیر چولہے میں آگ جلائے کئی کئی ماہ گذر جاتے تھے اگر زیتون کا تیل مل جاتا (جس سے چراغ روشن کئے جاتے تھے) تو تھوڑا سا ہونے کی وجہ سے) اس کو روشن کرنے کے بجائے بدن پر اور سر پر مل لیتے تھے اور چربی مل جاتی تھی تو اس کو کھانے میں لے آتے تھے [۳]

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا روایت فرماتی ہیں کہ میں سیّد عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے (تہجّد کی نماز کے وقت) سو جاتی تھی اور میرے پاؤں آپؐ کے سامنے

---

[۱] الترغیب و الترہیب ۱۲ - [۲] بخاری و مسلم ۱۲ - [۳] الترغیب ۱۲ -

(سجدہ کی جگہ) پھیل جاتے تھے۔ لہٰذا جب آپؐ سجدہ میں جاتے تو میرے پاؤں کو ہاتھ لگا دیتے تھے (تاکہ پاؤں ہٹالوں تو سجدہ کی جگہ ہو جائے) لہٰذا میں پاؤں سکیڑ لیتی تھی اور جب آپ سجدہ سے فارغ ہو کر کھڑے ہو جاتے تھے تو میں پھر پاؤں پھیلا دیتی تھی۔ اس کو بیان کر کے فرمایا کہ اس زمانے میں گھروں میں چراغ نہ تھے[1]

سیّد عالم صلی اللہ علیہ وسلم بستر بھی عمدہ اور نرم نہیں رکھتے تھے۔ آپؐ کی مصاحبت کی وجہ سے ازواجِ مطہرات بھی اسی طرح گذارہ کرتی تھیں۔ بھلا ان کو یہ کیسے گوارا ہوتا کہ خود آرام اٹھالیں اور سیّد عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو تکلیف میں دیکھیں۔

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا روایت فرماتی ہیں کہ سیّد عالم صلی اللہ علیہ وسلم جس بستر پر سوتے تھے وہ چمڑے کا تھا جس میں کھجور کی چھال بھری ہوئی تھی اور جس تکیہ پر سہارا لگا کر بیٹھتے تھے وہ بھی اسی طرح کا تھا[2]

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک گھرانے میں کپڑے بھی زیادہ نہ تھے۔ بعض مرتبہ ایسا ہوا کہ آپ کا کپڑا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے پاک کیا تو آپؐ اسی کو پہنے ہوئے مسجد میں نماز کے لئے تشریف لے گئے اور دھونے کی تری اس میں موجود رہی[3]

ایک صاحب حضرت عائشہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا کے پاس آئے اس وقت حضرت عائشہؓ کی باندی بھی وہیں موجود تھی جو ۵ درہم کا کرتہ پہنے ہوئے تھی۔ اس کے متعلق حضرت عائشہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا نے فرمایا کہ ذرا میری اس باندی کو دیکھو وہ اپنے کو اس سے بالاتر سمجھتی ہے کہ گھر کے اندر اس کرتہ کو پہنے اور ہمارا پچھلا زمانہ سیّد عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی میں یہ تھا کہ اس قسم کے کرتوں میں سے ایک کرتہ میرے پاس تھا جو مدینہ میں ہر شادی کے وقت دلہن کو سجانے کے لئے مجھ سے مانگا جاتا تھا پھر رخصتی کے بعد واپس کر دیا جاتا تھا[4]

مشورہ لینا حضرت عائشہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا بڑی صاحبِ فہم و فراست تھیں۔ اچھے اچھے سمجھدار ان سے مشورہ لیا کرتے تھے۔ حضرت نافعؒ کا بیان ہے کہ میں شام اور مصر

---

[1] بخاری و مسلم ۱۲۔ [2] مشکوٰۃ شریف ۱۲۔ [3] طحاوی شریف ۱۲۔ [4] مشکوٰۃ ۱۲۔

کو مال لے جاکر تجارت کرتا تھا۔ ایک مرتبہ میں تجارت کے ارادہ سے عراق کو اپنا مال لے گیا (واپس آکر) میں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا کے پاس پہنچا اور سارا واقعہ سنایا کہ میں پہلے تجارت کے لئے اپنا مال شام لے جایا کرتا تھا اس مرتبہ عراق کو لے گیا تھا (اس بارے میں آپ کی کیا رائے ہے؟) اس پر حضرت عائشہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا نے فرمایا کیوں (بلاوجہ) اپنی (سابقہ) تجارت گاہ کو چھوڑتے ہو ایسا مت کرو کیونکہ سیّد عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے میں نے سنا ہے کہ جب اللہ جل شانہٗ تمہارے لئے کسی ذریعہ سے رزق کے اسباب پیدا فرما دے تو جب تک (خود ہی) وہ سبب (کسی وجہ سے) نہ بدل جائے یا (نفع کے علاوہ) دوسرا رُخ اختیار نہ کرے تو اس کو نہ چھوڑ [1]

فضائل ومناقب

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا کے بہت سے فضائل حدیث شریف اور اسماء الرجال کی کتابوں میں لکھے ہیں۔

پہلے گذر چکا ہے کہ سیّد عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو سب بیویوں سے زیادہ ان سے محبّت تھی۔ ان کے شاگرد حضرت مسروقؒ (تابعی) جب ان کے واسطہ سے آنحضرت صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کی حدیث سناتے تھے تو یوں فرمایا کرتے تھے حدثتنی الصادقۃ ابنۃ الصدیق حبیبۃ حبیب اللہ (یعنی مجھے روایت کی سچ بولنے والی اور سچ بولنے والے (صدیق) کی بیٹی نے جو اللہ کے حبیب کی پیاری تھیں) [2]

خود حضرت عائشہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا نے فرمایا کہ مجھے دس چیزوں کے ذریعہ فضیلت ہے وہ دس چیزیں یہ ہیں:۔

(۱) جبرئیل علیہ السّلام میری تصویر لے کر (نکاح سے پہلے) آنحضرت صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کے پاس آئے۔

(۲) اور میرے سوا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی کنواری عورت سے نکاح نہیں فرمایا۔

(۳) اور نہ کوئی ایسی عورت میرے علاوہ آپ کے نکاح میں آئی جس کے ماں باپ دونوں نے ہجرت کی ہو۔

---

[1] جمع الفوائد عن ابن ماجہ ۱۲۔ [2] الاصابہ ۱۲۔

(۴) اور اللہ تعالیٰ نے آسمان پر سے میری براءت[ع] نازل فرمائی۔

(۵) اور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پاس اس حال میں وحی آجاتی تھی کہ میں آپؐ کے ساتھ لحاف میں لیٹی ہوتی تھی۔

(۶) میں اور آپ ایک ہی برتن سے (ساتھ بیٹھ کر کپڑا باندھ کر) غسل کرتے تھے۔

(۷) آپ نماز (تہجد) پڑھتے رہتے تھے اور میں آپؐ کے سامنے لمبی لمبی لیٹی رہتی تھی۔

(۸) آپؐ کی وفات اس حال میں ہوئی کہ آپ میری گردن اور گود کے درمیان تھے۔ اور میرا باری کا دن تھا۔

(۹) اور میرے ہی گھر میں آپؐ مدفون ہوئے۔

دوسری روایت میں ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اپنی خصوصیات میں یہ بھی ذکر کیا کہ میں نے حضرت جبریل علیہ السلام کو دیکھا اور میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سب سے زیادہ محبوب بیوی تھی اور جس وقت آپؐ کی وفات ہوئی اس وقت آپؐ کے پاس میرے اور فرشتوں کے علاوہ اور کوئی موجود نہ تھا[۱]

حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مرد بہت کامل ہوئے اور عورتوں میں بس مریم بنت عمران (والدہ سیدنا عیسیٰ صلوۃ اللہ وسلامہ علیہما) اور آسیہ فرعون کی بیوی کامل ہوئیں اور عائشہؓ کی فضیلت عورتوں پر ایسی ہے جیسے ثرید[ع] کی فضیلت تمام کھانوں پر ہے[۲]

ایک مرتبہ سیدنا جبریل علیہ الصلوٰۃ والسلام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپؐ کے ذریعہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو سلام کہلایا۔ انہوں نے اس کے جواب میں فرمایا وعلیہ السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

ایک روایت میں ہے کہ حضرت جبریل علیہ الصلوٰۃ والسلام سبز ریشم کے کپڑے میں

ع براءت کا ذکر آئندہ صفحات میں آئے گا انشاء اللہ تعالیٰ ۱۲۔ [۱] الاصابہ ۱۲۔

[۲] مشکوٰۃ عن البخاری والمسلم ع اہل عرب روٹی کے ٹکڑوں کو شوربہ دار گوشت میں بھگویا کرتے تھے اور اس کو ثرید کہتے تھے اور تمام کھانوں سے افضل سمجھتے تھے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حضرت عائشہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا کی صورت لے کر آئے اور عرض کیا یہ آپ کی بیوی ہیں دنیا اور آخرت میں[1]

کثرتِ عبادت

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اکثر روزے رکھا کرتی تھیں اور نفل نماز بھی بہت پڑھتی تھیں۔ چاشت کی نماز کا خاص اہتمام رکھتی تھیں۔ اس وقت آٹھ رکعت پڑھا کرتی تھیں اور یہ فرماتی تھیں کہ میرے ماں باپ بھی اگر (قبر) سے اٹھ کر آجائیں تب بھی اس نماز کو نہ چھوڑوں گی[2] (بلکہ ان کی خدمت کرتے ہوئے بھی اس کو ضرور پڑھوں گی) حضرت قاسم بن محمد بن ابی بکرؓ فرماتے تھے کہ میرا ہمیشہ یہ معمول رہا ہے کہ جب صبح کو گھر سے نکلتا تو سب سے پہلے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے گھر جاتا اور سلام کرتا (یہ ان کے بھائی کے بیٹے تھے) ایک مرتبہ جو میں ان کے پاس گیا تو دیکھا کہ وہ کھڑی ہوئی نفل نماز پڑھ رہی ہیں اور بار بار اس آیت کو پڑھ رہی ہیں اور رو رہی ہیں فَمَنَّ اللّٰهُ عَلَيْنَا وَوَقَانَا عَذَابَ السَّمُوْمِ میں سلام پھیرنے کے انتظار میں کھڑا رہا حتیٰ کہ طبیعت اُکتا گئی اور میں ان کو اسی حال میں چھوڑ کر اپنی ضرورت کے لئے بازار چلا گیا۔ پھر جب واپس آیا تو دیکھا وہ اب بھی اسی طرح نماز میں کھڑی ہیں اور رو رہی ہیں[3]

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بھی تہجد پڑھا کرتی تھیں[4] آپ کے بعد بھی اس کا اہتمام کرتی تھیں۔ روزوں کی کثرت ان کا خاص شغل تھا۔ ایک مرتبہ سخت گرمی کے موسم میں عرفہ کے دن یعنی نویں ذی الحجہ کو روزہ سے تھیں۔ سخت گرمی کی وجہ سے سر پر پانی کے چھینٹے دیئے جارہے تھے۔ حضرت عبدالرحمٰن بن ابی بکر رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے (جو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے بھائی تھے) فرمایا اس گرمی میں (نفل) روزہ کوئی ضروری نہیں ہے افطار کر لیجئے۔ (بعد میں قضا رکھ لینا کافی ہوگا) یہ سُن کر فرمایا کہ بھلا حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ سننے کے بعد کہ عرفہ کے دن روزہ رکھنے سے

---

[1] اسد الغابہ ۱۲۔ [2] مشکوٰۃ شریف ۱۲۔ [3] صفۃ الصفوۃ ۱۲۔ [4] مسند احمد ۱۲۔

سال بھر کے گناہ عہ معاف ہو جاتے ہیں. میں اپنا روزہ توڑ دوں گی لہ. شریعتِ مقدسہ کی منع کی ہوئی چیزوں میں چھوٹی چھوٹی چیزوں سے بھی بچتی تھیں. راستہ میں کبھی ہوتیں اور گھنٹہ کی آواز آجاتی تو ٹھہر جاتی تھیں تاکہ اس کی آواز کان میں نہ آئے ٢ه نیکیوں کو پھیلانے کے ساتھ ساتھ برائیوں سے روکنا بھی ان کا خاص مشغلہ تھا اور اس مقصد کے لئے ہر ممکن طاقت خرچ کر دینا ضروری سمجھتی تھیں۔ ایک گھر کرایہ پر دے دیا تھا. کرایہ دار اس میں شطرنج کھیلنے لگے تو ان کو کہلا بھیجا کہ اس حرکت سے باز نہ آؤ گے تو مکان سے نکلوا دوں گی ٣ه

احکام اسلامیہ کو بلا چوں وچرا ماننا

دیگر تمام صحابہ رضی اللہ عنہم کی طرح حضرت عائشہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا بھی اسلام کے احکام کے بارے میں چوں وچرا کو بالکل روا نہیں رکھتی تھیں. ان کی مشہور شاگرد حضرت معاذہؓ مدویہ نے ایک مرتبہ سوال کیا. کیا بات ہے حیض کے زمانے کی نماز نہیں پڑھی جاتی لیکن رمضان شریف کے روزے بعد میں رکھے جاتے ہیں۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اس کے جواب میں فرمایا أَحَرُورِيَّةٌ أَنْتِ۔ (کیا تو نیچری عہ ہو گئی جو اسلام کو اپنی سمجھ کا تابع کرنا چاہتی ہے اور اسلام کے حکم کو بغیر سمجھے ماننے کو پسند نہیں کرتی) حضرت معاذہؓ نے عرض کیا میں نیچری تو نہیں ہوں. یوں ہی سوال کر رہی ہوں. حضرت عائشہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا نے فرمایا (میں تو اس کے جواب میں یہی جانتی ہوں کہ سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں) ہم کو حیض آتا تھا تو روزہ کی قضا رکھنے کا حکم ہوتا تھا اور نماز کی قضا پڑھنے کا حکم نہیں دیا جاتا تھا ٤ه

لہ مسند احمد ٢ه الادب المفرد للبخاری ٣ه الادب المفرد للبخاری. عہ ایک حدیث میں ہے کہ عرفہ کا روزہ رکھنے سے ایک سال کے پچھلے اور ایک سال کے اگلے گناہ معاف ہو جاتے ہیں. اس کے راوی حضرت ابو قتادہؓ ہیں (مشکوٰۃ ص۱۷۹ ج۱ عن مسلم) عہ حرورا ایک بستی تھی وہاں کے رہنے والوں میں یہ وبا چل پڑی تھی جو اس دور میں نیچریوں میں اور پچھلے دور میں معتزلہ میں پھیلی ہوئی تھی کہ جب تک عقل تسلیم نہ کرے اسلام کی بات کو ماننے سے انکار کرتے تھے اس لئے ہم نے حروریہ کا ترجمہ نیچری کیا ہے ۱۲ ٤ه جمع الفوائد ۱۲۔

نزولِ آیت تیمّم

شریعت میں وضو کی جگہ بعض مجبوری کے مواقع میں جو تیمّم رکھا گیا ہے امّت کے لئے اس میں بڑی آسانی ہے۔ یہ سن کر آپ کے علم میں اضافہ ہوگا کہ تیمّم کے جاری ہونے کا سبب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی ہی ذات گرامی ہے۔ جس کا مفصّل واقعہ وہ خود اپنے الفاظ میں اس طرح نقل فرماتی تھیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ ایک سفر میں گئے۔ بہت سے مسلمان ساتھ تھے ہم نے مقام بیداء یا ذات الجیش میں قیام کیا وہاں میرے ہار کی لڑی ٹوٹ گئی لہٰذا اس کے ڈھونڈنے کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (مزید) قیام فرمایا اور آپؐ کے ساتھ آپؐ کے ساتھی بھی ٹھہرے رہے۔ رات کا وقت تھا اور پانی کہیں قریب موجود نہیں تھا چونکہ لوگوں کو فجر کی نماز پڑھنے کا خیال تھا اس لئے بہت فکرمند ہوئے کہ پانی نہ ہونے کی وجہ سے بلا وضو نماز کیسے پڑھ سکیں گے۔ یہ سوچ کر حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور ان سے کہا کہ تم دیکھ رہے ہو کہ عائشہ نے کیا کیا ہے؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اور آپؐ کے تمام ہمراہیوں کو روک لیا ہے اور حال یہ ہے کہ نہ پانی قریب ہے نہ اپنے پاس ہے۔

یہ سُن کر حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ میرے پاس آئے اور مجھے ڈانٹنا شروع کیا اور نہ جانے کیا کیا کہا اور ڈانٹنے کے ساتھ ساتھ میری کوکھ میں کچوکے دیتے رہے اس وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم میری ران پر سر رکھے ہوئے سو رہے تھے۔ آپ کے بے آرام ہونے کی وجہ سے میں نے حضرت ابو بکرؓ کے کچوکے دینے پر ذرا حرکت نہ کی۔ الحاصل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم میری ران پر سر رکھے ہوئے سوتے رہے حتیٰ کہ صبح ہوگئی اور پانی موجود نہ تھا۔ لہٰذا اللہ جل شانہٗ نے تیمم کی آیت نازل فرمادی اور سب نے تیمم کیا اور نماز پڑھی۔ یہ ماجرا دیکھ کر حضرت اسید بن حُضَیر رضی اللہ عنہ (خوشی میں پھڑک اٹھے اور) کہا کہ اے ابو بکر کے گھر والو! تم ہمیشہ سے برکت والے ہو یہ تمہاری پہلی ہی برکت نہیں ہے، اس کے بعد جب ہم نے اونٹ کو اٹھایا جس پر میں (سوار ہوئی) تھی تو وہ گم شدہ ہار اس کے نیچے سے مل گیا[1]

---

[1] جمع الفوائد ۱۲

شعر اور طب حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا مریضوں کے معالجات میں اور اشعارِ عرب یاد رکھنے میں بھی خاص ملکہ رکھتی تھیں۔ ان کے بھانجے حضرت عروۃ بن الزبیرؓ فرماتے ہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو جب کوئی حادثہ پیش آجاتا تو اس کے متعلق ضرور شعر پڑھ دیتی تھیں [۱]۔

یہ بھی حضرت عروۃ بن الزبیرؓ کا ارشاد ہے کہ میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے بڑھ کر کوئی قرآن کا عالم اور فرائضِ اسلام اور حلال و حرام کا جاننے والا اور عرب کے واقعات اور اہلِ عرب کے نسب سے واقفیت رکھنے والا نہیں دیکھا [۲]۔

ایک مرتبہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے بھانجے حضرت عروۃ بن الزبیرؓ نے عرض کیا کہ اے اماں جان! مجھے آپ کے فقیہ ہونے پر تعجب نہیں ہے کیونکہ آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیوی ہیں اور حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی ہیں اور نہ مجھے آپ کی شعر دانی اور واقعاتِ عرب کی واقفیت پر تعجب ہے۔ کیونکہ حضرت ابو بکرؓ کی صاحبزادی ہو۔ ان کی صحبت سے یہ چیزیں حاصل ہوگئیں۔ لیکن مجھے تعجب ہے کہ آپ کو طب سے کیوں کر واقفیت ہوئی؟ اس کے جواب میں حضرت عروۃؒ کے کاندھے پر ہاتھ مار کر فرمایا کہ عروہ بیٹا! طب میں نے اس طرح سیکھی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم آخری عمر میں بیمار ہو جایا کرتے تھے اور لوگ دُور دُور سے آیا کرتے تھے۔ وہ آپ کو علاج کے طریقے اور دوائیں بتلاتے تھے اور میں ان کے ذریعہ آپ کا علاج کرتی تھی [۳]۔

سخاوت حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بڑی سخی تھیں اور ان کی بہن اسماء بنت ابی بکرؓ بھی سخاوت میں بڑا مرتبہ رکھتی تھیں۔ حضرت عبداللہ بن الزبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے تھے (جو حضرت اسماء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے بیٹے تھے) کہ میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور حضرت اسماء سے بڑھ کر کوئی عورت سخی نہیں دیکھی لیکن دونوں کی سخاوت میں ایک فرق تھا اور وہ یہ کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا تھوڑا تھوڑا جمع کرتی رہتی تھیں یہاں تک کہ جب خاصی مقدار میں جمع ہو جاتا تو

---

[۱] الاصابہ ۱۲۔ [۲] صفۃ الصفوہ ۱۲۔ [۳] ایضاً ۱۲۔

(ضرورت مندوں) میں تقسیم فرمادیتی تھیں اور حضرت اسمآءؓ کا یہ حال تھا کہ وہ کل کے لئے کچھ رکھتی ہی نہ تھیں [1]

حضرت عروہ رضی اللہ عنہ اپنا چشم دید واقعہ بیان فرماتے تھے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ایک روز ستر ہزار کی مالیت (ضرورت مندوں پر) تقسیم فرمادی اور اپنا یہ حال تھا کہ تقسیم کرتے وقت اپنے کرتہ میں پیوند لگارہی تھیں [2]

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے ایک طبق میں سچے موتی بھر کر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں ہدیۃً بھیجے جن کی قیمت ایک لاکھ لگی۔ انہوں نے ہدیہ قبول کر کے اپنے علاوہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام بیویوں میں تقسیم فرمادیا [3]

ایک مرتبہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا روزہ تھا اور اسی روز ان کے پاس ان کے بھانجے حضرت عبداللہ بن الزبیر رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے دو بورے بھر کر ہدیہ بھیجا جو ایک لاکھ اسّی ہزار کی مالیت تھی۔ وہ اسی وقت تقسیم کرنے بیٹھ گئیں اور تھوڑی دیر میں تمام کردیا۔ جب شام ہوئی تو ایک درہم (چونی بھر چاندی) بھی پاس نہ تھا۔ افطار کے وقت اپنی باندی سے فرمایا کہ افطاری لاؤ چنانچہ وہ زیتون کا تیل اور روٹی لے کر آئی وہیں ایک عورت ام ذرہ موجود تھی (اس کا بھی روزہ تھا) اس نے کہا کہ آج جو آپ نے مال تقسیم کیا ہے اس میں سے اتنا بھی آپ نہ کرسکیں کہ ایک درہم کا گوشت ہی منگا لیتیں جسے افطاری میں ہم کھا لیتے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا نے فرمایا کہ اب کہنے سے کیا ہوتا ہے۔ اس وقت تم یاد دلاتیں تو میں اس کا خیال کرلیتی [4]۔

ایک روز کا واقعہ ہے جسے وہ خود بیان فرماتی تھیں کہ میرے پاس ایک عورت آئی جس کے ساتھ دو لڑکیاں تھیں اس نے سوال کیا۔ اس وقت میرے پاس ایک کھجور کے سوا کچھ نہ تھا میں نے وہی دے دی۔ اس نے اس کھجور کو لے کر دو ٹکڑے کرکے دونوں بچیوں کو ایک ایک ٹکڑا دے دیا اور خود نہ کھایا۔ اس کے بعد وہ چلی گئی اور اس کے

---

[1] الادب المفرد ۱۲۔ [2] صفۃ الصفوہ ۱۲۔ [3] ایضاً۔ [4] صفوۃ الصفوہ ۱۲۔

بعد ہی سیّد عالم صلی اللہ علیہ وسلم زنان خانے میں تشریف لے آئے۔ میں نے آپؐ کے سامنے واقعہ بیان کیا تو آپؐ نے فرمایا کہ جو شخص ان لڑکیوں کی پرورش میں ذرا بہت بھی مبتلا کیا گیا اور اس نے ان کے ساتھ اچھا برتاؤ کیا تو یہ لڑکیاں اس کے لئے دوزخ کی آڑ بن جائیں گی [1]

ایک مرتبہ سیّد عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے زنان خانے میں ایک بکری ذبح کی گئی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم باہر تشریف لے گئے۔ کچھ دیر کے بعد تشریف لائے تو دریافت فرمایا کہ بکری کا کیا ہوا؟ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا کہ (سب صدقہ کردی گئی) صرف اس کا ہاتھ باقی ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (واقعہ یہ ہے کہ) اس کے علاوہ سب باقی ہے [2] (مطلب یہ تھا کہ جو اللہ کی راہ میں دے دیا گیا باقی وہی ہے اور جو ابھی ہمارے پاس ہے اس کو باقی کہنا درست نہیں۔ کما قال اللہ عزوجل:

مَا عِنْدَكُمْ يَنْفَدُ وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ بَاقٍ ط۔)

خوفِ خدا اور فکرِ آخرت

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا عابدہ زاہدہ ہونے کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ سے بہت زیادہ ڈرنے والی اور آخرت کی بہت فکر رکھنے والی تھیں۔

ایک مرتبہ دوزخ یاد آگئی تو رونا شروع کردیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے رونے کا سبب پوچھا تو عرض کیا مجھے دوزخ کا خیال آگیا اس لئے رو رہی ہوں [3]

ایک مرتبہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے دربارِ رسالت میں عرض کیا کہ یارسول اللہ! جب سے آپ نے منکر نکیر کی (ہیبت ناک آواز) کا اور قبر کے بھینچنے کا ذکر فرمایا ہے اس وقت سے مجھے کسی چیز سے تسلی نہیں ہوتی (اور دل کی پریشانی دور نہیں ہوتی) آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ اے عائشہ! منکر نکیر کی آواز مومن کے کانوں میں ایسی معلوم ہوتی ہے (جیسے آنکھوں میں سرمہ) اور قبر کا مومن کو دبانا ایسا ہوتا ہے جیسے کسی کے سر میں درد ہو اور اس کی شفقت والی ماں آہستہ آہستہ دبائے اور وہ اس سے آرام

---

[1] مشکوٰۃ شریف۔ [2] ایضاً۔ [3] مشکوٰۃ ۱۲۔

وراحت پائے (پھر فرمایا کہ):

اے عائشہ! اللہ کے بارے میں شک کرنے والوں کے لئے بڑی خرابی ہے اور وہ قبر میں اس طرح بھینچے جائیں گے جیسے انڈے پر پتھر رکھ کر دبا دیا جائے [1]

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ ایک روز میرے پاس ایک یہودی عورت اندر گھر میں آئی اور اس نے قبر کے عذاب کا ذکر کیا۔ ذکر کرتے کرتے اس نے مجھ سے کہا کہ اَعَاذَكِ اللّٰهُ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ (اللہ تعالیٰ تجھے قبر کے عذاب سے پناہ میں رکھے۔)

جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تو میں نے عذابِ قبر کے متعلق سوال کیا۔ آپؐ نے فرمایا کہ عذابِ قبر حق ہے۔ اس کے بعد میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ ہر نماز کے بعد عذابِ قبر سے اللہ کی پناہ مانگتے تھے [2]

حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے خالہ جان کی بے پناہ فیاضی دیکھ کر ایک دفعہ (کسی کے سامنے یوں) کہہ دیا کہ یا تو وہ اتنے خرچ سے خود ہی رُک جائیں ورنہ ان کا ہاتھ خرچ سے روک دوں گا۔ جب حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو یہ بات پہنچی تو فرمایا اچھا عبداللہ نے ایسا کہا ہے؟ حاضرین نے عرض کیا جی ہاں! فرمایا میں نے نذر مان لی کہ زبیرؓ کے بیٹے سے کبھی نہ بولوں گی۔ اس کے بعد عرصہ تک بول چال بند رکھی۔ پھر مشکل سے مسورؓ بن مخرمہ اور عبدالرحمٰنؓ بن الاسودؓ کے کہنے سُننے کے بعد ان سے بولنا شروع کیا اور نذر کے کفارہ میں چالیس غلام آزاد کئے اور جب بھی نذر کے توڑ دینے کا خیال آجاتا تو روتے روتے اپنا دوپٹہ تر کر لیتی تھیں [3] اور نذر کے ٹوٹ جانے پر مواخذہ سے ڈرتی تھیں اور گو نذر کے کفارہ میں ایک غلام آزاد کرنا کافی ہے لیکن ان کو خوفِ خدا اس قدر لگا ہوا تھا کہ بار بار غلام آزاد کرتی تھیں کہ شاید اب خطا معاف ہو جائے شاید اب خطا معاف ہو جائے۔

---

[1] شرح الصدور ۱۲ ۔ [2] بخاری و مسلم ۱۲ ۔ [3] صفۃ الصفوۃ ۱۲ ۔

ایک بہت بڑا بہتان
اور
اللہ جل شانہٗ کی طرف سے برأت کا اعلان

حدیث شریف کی کتابوں میں اور خصوصاً بخاری شریف میں یہ واقعہ غیر معمولی تفصیل کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے کہ جب حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم غزوۂ بنی المصطلق کے لئے تشریف لے گئے تو بیویوں میں قرعہ ڈالا کہ کس کو ساتھ لے جائیں۔ نتیجۃً امہات المومنین میں سے حضرت عائشہؓ کا نام نکل آیا اور وہ آپؐ کے ساتھ روانہ ہو گئیں اور معمول یہ تھا کہ حضرت عائشہؓ اپنے ہودج (پردہ دار شغدف) میں سوار ہو جاتی تھیں اور اس ہودج کو اٹھا کر اونٹ پر رکھ دیا جاتا تھا۔ غزوہ سے فراغت کے بعد مدینہ طیبہ کو واپس ہوتے ہوئے ایک رات یہ واقعہ پیش آیا کہ قافلہ ایک منزل میں ٹھہرا اور آخر شب میں (روانہ ہونے سے کچھ پہلے) اعلان کیا گیا کہ قافلہ روانہ ہونے والا ہے (تاکہ لوگ اپنی اپنی ضرورتوں سے فارغ ہو کر روانگی کے لئے تیار ہو جائیں) حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو قضائے حاجت کی ضرورت تھی، اس سے فراغت کے لئے جنگل کی طرف ذرا فاصلہ پر چلی گئیں وہاں اتفاقاً ان کا ہار ٹوٹ کر گر گیا جس کے گرنے کا وہاں پتہ نہ چلا، اپنی جگہ پر واپس آئیں تو گلے میں ہار نہ پا کر اس جگہ واپس گئیں جہاں ہار گرا تھا، اس کی تلاش میں ان کو دیر لگ گئی جب واپس اپنی جگہ پہنچیں تو دیکھا کہ قافلہ روانہ ہو چکا ہے جس اونٹ پر سوار ہوا کرتی تھیں اس کا قصہ یہ ہوا کہ جب قافلہ روانہ ہونے لگا تو معمول کے مطابق حضرت عائشہ صدیقہؓ کا ہودج یہ سمجھ کر کہ وہ اس میں موجود ہیں اونٹ پر سوار کر دیا گیا۔ اٹھاتے وقت ذرا بھی اس امر کا شبہ نہ ہوا کہ اس میں حضرت صدیقہؓ نہیں ہیں کیوں کہ وہ جسم کے اعتبار سے بھاری نہ تھیں معمولی خوراک کھاتی تھیں، بدن میں معمولی سا بوجھ تھا اس کی وجہ

سے ہودج اٹھانے والوں کو یہ اندازہ ہی نہ ہوا کہ ہودج خالی ہے۔ چنانچہ اونٹ کو ہانک دیا گیا۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ میں نے اپنی جگہ واپس آ کر قافلہ کو نہ پایا۔ میں قافلہ کے پیچھے دوڑنے یا اِدھر اُدھر تلاش کرنے کے بجائے اپنی جگہ چادر اوڑھ کر بیٹھ گئی اور خیال کیا کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ معلوم ہوگا کہ میں ہودج میں نہیں ہوں تو مجھے اسی جگہ تلاش فرمائیں گے اگر ادھر ادھر کہیں اور جگہ جاتی ہوں تو تلاش میں مشکل ہوگی۔ اس لئے اپنی جگہ چادر میں لپٹ کر بیٹھ گئی۔ آخر رات کا وقت تھا نیند کا غلبہ ہوا میں لیٹ کر آنکھ لگ گئی۔

صفوان بن معطل رضی اللہ تعالےٰ عنہ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس خدمت کے لئے پہلے سے مقرر فرما رکھا تھا کہ وہ قافلہ کے پیچھے رہیں اور قافلہ روانہ ہونے کے بعد گری پڑی جو کوئی چیز رہ گئی ہو اس کو اٹھا کر محفوظ کر لیا کریں۔ اس منزل سے پہلے جس جگہ منزل کی تھی وہ وہاں سے آ رہے تھے۔ سفر کرتے ہوئے صبح کے وقت اس جگہ پہنچے جہاں میں موجود تھی ابھی روشنی پوری نہ ہوئی تھی انہوں نے دور سے اتنا دیکھا کہ کوئی آدمی پڑا سو رہا ہے قریب آئے تو مجھے پہچان لیا کیونکہ انہوں نے پردہ کے احکام نازل ہونے سے پہلے مجھے دیکھا تھا۔ مجھے پہچان کر (اور جنگل بیابان میں تنہا دیکھ کر) انہوں نے اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن پڑھا۔ اس کے پڑھنے کی آواز کان میں پہنچی تو میری آنکھ کھل گئی۔ میں نے فوراً اپنی بڑی چادر سے اپنا چہرہ ڈھانک لیا، خدا کی قسم انہوں نے مجھ سے ایک بات بھی نہیں کی اور نہ میں نے ان سے کوئی کلمہ سوائے اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن کے سنا۔

اس کے بعد حضرت صفوانؓ اپنی اونٹنی میرے قریب لائے اور اونٹنی بٹھا دی اور پشت پھیر کر کھڑے ہو گئے۔ میں اونٹنی پر سوار ہو گئی، اس کے بعد اونٹنی کی نکیل پکڑے ہوئے آگے چلتے رہے۔ حتیٰ کہ دوپہر کے وقت وہاں پہنچ گئے جہاں لشکر ہم سے پہلے پڑاؤ ڈال چکا تھا، بس کچھ لوگوں نے بُری بات کی تہمت لگا دی اور اسے اچھالنا شروع کر دیا تہمت کے لگانے اور اچھالنے میں سب سے بڑا حصہ عبداللہ بن ابی ابن سلول کا تھا (جو منافقوں کا سردار تھا)۔

لشکر وہاں سے روانہ ہوا اور سفر سے واپس لشکر مدینہ منورہ پہنچا۔ مدینہ پہنچ کر میں ایک ماہ تک بیمار رہی۔ اس عرصے میں تہمت لگانے والوں کی باتوں کا لوگوں میں چرچا ہوتا رہا اور مجھے کچھ خبر نہ ہوئی۔ البتہ اس عرصہ میں یہ بات کھٹکتی تھی کہ حضورِ انور صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم اس سے قبل میری بیماری میں جس لطف و مہربانی کا برتاؤ فرماتے تھے آج کل اس لطف و مہربانی کا انداز نہیں ہے بس یہ ہوتا تھا کہ آپ گھر میں تشریف لاتے اور سلام فرماتے پھر (مجھے خطاب کئے بغیر) دوسروں سے دریافت فرماتے تھے کہ اس کا کیا حال ہے؟

مجھے یہ چیز کھٹکتی تھی اور تہمت والی بات کا مجھے پتہ نہ تھا۔ اوّل تو مرض، پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بے التفاتی، اس کی وجہ سے میں بہت کمزور ہوگئی۔ اسی دوران ایک رات کو مسطح صحابی کی والدہ اُم مسطح کو ساتھ لے کر میں نے قضاء حاجت کے لئے باہر جانے کا ارادہ کیا کیوں کہ اس وقت گھروں میں بیت الخلاء بنانے کا رواج نہ تھا اور عورتیں صرف رات کو قضائے حاجت کے لئے باہر جاتی تھیں۔ جب میں قضاء حاجت سے فارغ ہوکر مسطح کی والدہ کے ساتھ گھر کی طرف آنے لگی تو ان کا پاؤں چادر میں اُلجھ گیا جس کی وجہ سے وہ گر پڑیں، اس وقت اُن کی زبان سے یہ کلمہ نکلا تَعِسَ مِسْطَحٌ یعنی مسطح ہلاک ہو۔

ان کی زبان سے اپنے بیٹے کے لئے بددُعا کا کلمہ سُن کر مجھے بڑا تعجب ہوا میں نے کہا کہ یہ بہت بُری بات ہے کہ تم ایک نیک آدمی کو بُرا کہتی ہو جو غزوۂ بدر میں شریک تھا یعنی ان کا بیٹا مسطح۔

اس پر انہوں نے تعجب سے کہا کہ بیٹی! کیا تجھے خبر نہیں کہ (میرا بیٹا) مسطح کیا کہتا پھرتا ہے۔ میں نے پوچھا کیا کہتا ہے؟ اس پر انہوں نے تہمت والی بات سنائی۔ یہ سن کر میرا مرض اور بڑھ گیا۔ جب میں گھر واپس آئی اور حسبِ معمول رسول اکرم صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم تشریف لائے تو سلام کیا اور اسی طریقہ پر مزاج پُرسی فرمائی کہ اس کا کیا حال ہے۔ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت طلب کی کہ اپنے والدین کے

گھر چلی جاؤں۔ آپؐ نے اجازت دے دی۔ وہاں جانے سے میرا مقصد یہ تھا کہ والدین سے اس معاملہ کی تحقیق کروں۔ میں نے جاکر والدہ سے پوچھا انہوں نے تسلی دی کہ بیٹا! تجھ جیسی عورتوں کے دشمن ہوا کرتے ہیں اور ایسی چیزیں اس عورت کے لئے پیش آیا کرتی ہیں جو اپنے شوہر کے نزدیک حسن وجمال میں حیثیت رکھتی ہو اگر اس کی نظر میں پڑھی ہوئی ہو تو سوکنوں کی طرف سے کثرت سے ایسی چیزیں پیش آتی ہیں۔ لہٰذا زیادہ فکرمند ہونے کی ضرورت نہیں معاملہ یوں ہی رفع دفع ہو جائے گا۔ میں نے کہا سبحان اللہ! لوگوں میں اس کا چرچا ہو چکا ہے میں اس پر کیسے صبر کروں؟ میں ساری رات روتی رہی، نہ میرے آنسو تھمے نہ آنکھ لگی۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بھی چوں کہ اس خبر کے پھیلنے سے بہت غمگین تھے اور اس بارے میں اب تک کوئی وحی نازل نہ ہوئی تھی۔ اس لئے آپؐ نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور حضرت اسامہ بن زیدؓ سے جو دونوں گھر ہی کے آدمی تھے مشورہ لیا کہ ایسی حالت میں کیا کرنا چاہیئے۔ حضرت اسامہ بن زیدؓ نے تو کھل کر عرض کیا جہاں تک ہمارا علم ہے ہمیں عائشہؓ کے بارے میں کوئی بدگمانی نہیں ان کی کوئی بات ایسی نہیں جس سے بدگمانی کی راہ پیدا ہو۔ آپ ان افواہوں کی کچھ پرواہ نہ فرمائیں۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے (آپؐ کو غم و اضطراب سے بچانے کے لئے) یہ مشورہ دیا کہ اللہ تعالےٰ نے آپؐ پر کچھ تنگی نہیں فرمائی۔ عورتیں اور بہت ہیں اور گھر کی باندی سے تحقیق فرمالیں۔

چنانچہ سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے بریرہؓ سے پوچھ گچھ فرمائی (جو حضرت عائشہؓ کی باندی تھیں) انہوں نے عرض کیا کہ اور تو کوئی بات عیب کی مجھے ان میں نظر نہیں آئی سوائے اس کے کہ وہ نوعمر لڑکی ہے۔ بعض اوقات آٹا گوندھ کر سو جاتی ہے بکری آکر آٹا کھا جاتی ہے۔ آنحضرت صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم نے حضرت زینب بنت جحشؓ سے بھی دریافت فرمایا انہوں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! میں اپنے کانوں اور آنکھوں پر تہمت نہیں دھرتی ہوں (کہ خواہ مخواہ تہمت لگانے والوں کے ساتھ شریک ہو جاؤں)

اللہ کی قسم میں تو عائشہؓ کے بارے میں خیر کے سوا کچھ نہیں جانتی ہوں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بیویوں میں ایک زینب ہی ایسی تھیں جو میرے مقابلہ میں فخریہ بات کرلیتی تھیں، اللہ جل شانہٗ نے ان کو تقوے کی وجہ سے تہمت میں شریک ہونے سے بچالیا اور ان کی بہن حمنہ ان کی وجہ سے مدِمقابل بن کر کھڑی ہوگئی اور تہمت میں حصّہ لے لیا۔

(اس کے بعد حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا مسجد میں خطبہ دینا اور تہمت گھڑنے والوں اور افواہ پھیلانے والوں کی شکایت فرمانا اور حاضرین کا سوال وجواب مذکور ہے۔) آگے کا قصہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے یوں بیان فرمایا کہ مجھے یہ سارا دن پھر دوسری رات بھی روتے ہوئے گذری۔ صبح کو سویرے میرے والدین بھی میرے پاس آگئے اور میں اس قدر رو چکی تھی کہ مجھے گمان ہونے لگا کہ میرا کلیجہ پھٹ جائے گا۔ میرے والدین میرے پاس بیٹھے ہوئے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور میرے پاس بیٹھ گئے اور جب سے یہ قصّہ پھیلا تھا اس وقت سے آپ میرے پاس آکر نہ بیٹھے تھے اور ایک ماہ کا عرصہ گذر چکا تھا جس میں میرے اس موجودہ معاملہ میں آپ پر کوئی وحی نازل نہیں ہوئی تھی۔ اس موقعہ پر آپؐ نے خطبۂ شہادت پڑھا اور فرمایا کہ اے عائشہؓ! مجھے تمہارے بارے میں یہ باتیں پہنچی ہیں۔ اگر تم بَری ہو تو ضرور اللہ تعالیٰ تمہیں بَری کردیں گے (یعنی براءت کا اظہار بذریعۂ وحی نازل فرمادیں گے) اور اگر تم سے کوئی لغزش ہوگئی ہے تو اللہ سے توبہ و استغفار کرو۔ کیوں کہ بندہ جب اپنے گناہ کا اقرار کرکے توبہ کرلیتا ہے تو اللہ اس کی توبہ قبول فرما لیتے ہیں۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا کلام پورا فرمالیا تو میرے آنسو بالکل خشک ہوگئے۔ حتیٰ کہ میں نے محسوس کیا کہ آنکھوں میں ایک قطرہ بھی نہیں ہے۔ میں نے اپنے والد حضرت ابوبکر صدیقؓ سے کہا کہ آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بات کا جواب دیجئے۔ اس پر حضرت ابوبکرؓ نے عذر کیا کہ میں کیا کہہ سکتا ہوں، پھر میں نے اپنی والدہ سے عرض کیا کہ آپ جواب دیجئے۔ انہوں نے بھی عذر کردیا کہ میں کیا کہہ سکتی ہوں۔

اب مجبور ہو کر مجھے ہی بولنا پڑا۔ میں ایک کم عمر لڑکی تھی اب تک قرآن بھی زیادہ نہیں پڑھ سکی تھی۔ اس وقت اس رنج وغم اور انتہائی صدمہ میں جبکہ اچھے اچھے عقلائے کے لئے بھی معقول بات کرنا آسان نہیں ہوتا حضرت صدیقہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا نے جو کچھ فرمایا وہ ان کی ہوشمندی اور عقلمندی اور ہمّت ومتانت کا ایک نمونہ ہے۔ انہوں نے آنحضرت صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم اور اپنے والدین سے مخاطب ہوتے ہوئے عرض کیا کہ بخدا مجھے معلوم ہو گیا ہے کہ آپ حضرات نے اس بات کو سُنا اور سُنتے رہے ہیں یہاں تک کہ آپ کے دل میں یہ بات بیٹھ گئی اور آپ نے اس کی (عملاً) تصدیق کر دی۔ اب اگر میں کہتی ہوں کہ میں اس سے بری ہوں تو آپ حضرات میری تصدیق نہ کریں گے اور اگر میں ایسے کام کا اعتراف کرلوں جس سے میرا بری ہونا اللہ جل شانہ کو معلوم ہے تو آپ حضرات مان لیں گے۔ واللہ اب میں اپنے اور آپ حضرات کے بارے میں کوئی مثال بجز اس کے نہیں پاتی جو یوسف علیہ السّلام کے والد نے اپنے بیٹوں کی غلط بات سُن کر فرمائی تھی کہ میں صبر جمیل اختیار کرتا ہوں اور اللہ سے اس معاملے میں مدد طلب کرتا ہوں جو تم بیان کر رہے ہو۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ اتنی بات کہہ کر میں وہاں سے ہٹ کر اپنے بستر پر جا لیٹی، واقعہ بیان کرتے ہوئے فرمایا کرتی تھیں کہ مجھے یقین تھا کہ جیسا کہ میں فی الواقع بری ہوں اللہ تعالےٰ ضرور میری برأت کا اظہار فرما دیں گے لیکن یہ ذرا بھی خیال نہ تھا کہ میرے اس معاملہ میں کلام اللہ کی آیات نازل ہوں گی جو ہمیشہ تلاوت کی جائیں گی۔ کیونکہ میں اپنی حیثیت اس سے بہت کم سمجھتی تھی۔ مجھے یہ امید تھی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کوئی ایسا خواب دیکھ لیں گے جس میں اللہ جل شانہٗ کی جانب سے میری برأت ظاہر کردی جائے گی۔

حضرت صدیقہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا نے سلسلۂ کلام جاری رکھتے ہوئے فرمایا کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنی اس مجلس سے اُٹھے بھی نہ تھے اور گھر والوں میں سے کوئی گھر سے باہر نہیں نکلا تھا کہ آپ پر وہ کیفیت طاری ہوئی جو نزولِ وحی کے وقت ہوا کرتی تھی جس سے سردی کے زمانے میں آپؐ کی پیشانی مُبارک سے

پسینہ پھوٹنے لگتا تھا جب یہ کیفیت رفع ہوئی اور اس وقت جو وحی اللہ جل شانہٗ نے بھیجی وہ پوری ہوئی تو حضرت رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہنستے ہوئے سب سے پہلا کلمہ جو فرمایا وہ یہ تھا یَا عَائِشَۃ احمدی اللہ امّا اللہ فقد برّاکِ یعنی اے عائشہؓ اللہ کی تعریف کرو۔ اللہ تعالےٰ نے تمہیں بری کر دیا۔ میرے والدین نے کہا کھڑی ہو جاؤ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہو اور آپؐ کا شکریہ ادا کرو۔ اس وقت میں بہت زیادہ غصہ میں تھی۔ میں نے کہا کہ میں اس معاملہ میں نہ آپؐ کے پاس حاضر ہوتی ہوں نہ اللہ کے سوا کسی کا احسان مانتی ہوں۔ میں صرف اپنے رب کا شکر ادا کرتی ہوں اسی نے میری برأت نازل فرمائی ہے، نہ میں آپؐ کی تعریف کرتی ہوں نہ آپ لوگوں کی تعریف کرتی ہوں۔ آپ لوگوں نے تو بات سن کر اس کی مخالفت کی ہی نہ تھی حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا کی برأت کے سلسلہ میں سورۃ نور کی دس آیات نازل ہوئیں[لہ] جو اس سورت کے دوسرے رکوع سے شروع ہیں جن میں پہلی آیت یہ ہے۔

ان الذین جاءوا	جن لوگوں نے یہ تہمت لگائی وہ تمہارے اندر ایک
بالافک عصبۃ منکم لا	چھوٹا سا گروہ ہے تم اس بہتان کو اپنے حق میں
تحسبوہ شرالکم بل ھو	بُرا نہ سمجھو بلکہ یہ (انجام کے اعتبار سے) تمہارے حق
خیرلکم لکل امری	میں بہتر ہی بہتر ہے۔ ان میں سے ہر شخص کو جتنا
منھم مااکتسب من الاثم	اس نے کچھ کیا اس کا گناہ ہوا اور ان میں سے جس
والذی تولی کبرہ منھم	نے اس بہتان میں سب سے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا
لہٗ عذاب عظیم ٥ (۲۴:۱۱)	اس کے لئے بہت بڑی سزا ہے۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا کو تہمت لگانے کے سلسلے میں عبداللہ ابن ابی ابن سلول اور حضرت حسانؓ اور حضرت مسطحؓ اور حضرت حمنہ بنت جحشؓ کا نام حدیث کی کتابوں میں مذکور ہے۔ ان میں عبداللہ بن اُبی ابن سلول تو منافقوں کا سردار تھا اور اس

لہ جمع الفوائد ۱۲۔

نے اس قصہ کو آگے بڑھایا اور خوب اچھالا تھا اور حضرت مسطح رضؓ اور حضرت حسانؓ اور حضرت حمنہ رضؓ (عورت) یہ تینوں مسلمان تھے لیکن منافقوں کی باتوں میں آکر یہ بھی ان کے ساتھ لگ گئے تھے۔

قرآنی ضابطہ کے مطابق تہمت لگانے والوں کے ذمہ ۴ گواہ پیش کرنا تھا لیکن وہ ایک بالکل ہی بے بنیاد خبر کو لئے پھرتے تھے گواہ کہاں سے لاتے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تہمت لگانے والوں پر شرعی ضابطہ کے مطابق حدِ قذف یعنی تہمت لگانے کی سزا جاری فرمائی اور اسّی اسّی کوڑے لگائے۔ تہمت لگانے کی یہ سزا بھی سورۂ نور کے پہلے رکوع میں مذکور ہے۔

آنحضرت سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے دشمنوں نے جن میں منافقین بھی تھے جو مارِ آستین بنے ہوئے تھے آپؐ کے خلاف اپنی ساری تدبیریں صرف کر ڈالیں اور آپ کو ایذا پہنچانے کی جو جو صورتیں کسی کے ذہن میں آسکتی تھیں وہ سب ہی اختیار کر لیں ان کی طرف سے جو ایذائیں آپ کو پہنچی ہیں ان میں شاید یہ آخری سخت اور روحانی ایذا تھی کہ ازواجِ مطہرات میں جو آپ کو سب سے زیادہ محبوب تھیں اور جو مقدس ترین خاتون تھیں ان پر اور ان کے ساتھ حضرت صفوان بن معطلؓ جیسے مقدس صحابی پر عبداللہ ابن ابی منافق نے تہمت گھڑی پھر اس کو رنگ دیا اور پھیلایا۔ اس بے اصل اور بے دلیل ہوائی تہمت کی وجہ سے حضرت ام المومنینؓ اور خود رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو جو روحانی ایذا پہنچی تھی حق تعالیٰ شانہٗ نے اس کے ازالہ اور صدیقہؓ کی برأت کے لئے وحی الٰہی کے کسی اشارہ پر اکتفا نہیں فرمایا بلکہ قرآن کے تقریباً دو رکوع نازل فرمائے اور جو کوئی ایسی تہمت گھڑے یا جو شخص اس کے تذکرے میں حصہ لے ان سب کے لئے عذابِ دنیا اور عذابِ آخرت کی وعیدیں نازل فرمائیں۔

درحقیقت اس واقعۂ افک نے حضرت صدیقہؓ کی عفت و تقدس کے ساتھ ان کی اعلیٰ عقل و فہم کے کمالات کو بھی روشن کر دیا۔ اسی لئے اس واقعہ میں جو آیات مذکور ہیں ان میں سب سے پہلی آیت میں حق تعالیٰ نے فرمایا کہ اس حادثہ کو اپنے لئے شر نہ

سمجھو بلکہ یہ تمہارے لئے خیر ہے، اس سے بڑی خیر کیا ہو گی کہ اللہ تعالیٰ نے آیت قرآنیہ نازل فرما کر ان کی پاکی اور نزاہت کی شہادت دی جو قیامت تک تلاوت کی جائیں گی۔

ضابطہ کا تقاضا تو یہ تھا کہ جیسے ہی کچھ لوگوں نے تہمت لگائی تھی اسی وقت ان سے گواہ طلب کئے جاتے اور گواہ پیش نہ کر سکنے پر فوراً سزا جاری کر دی جاتی لیکن آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایسا نہیں کیا بلکہ وحی کا انتظار فرمایا، اگر گواہوں کا مطالبہ فرما کر جھٹ پٹ سزا جاری فرما دیتے تو ممکن تھا کہ لوگوں کے دلوں میں یہ بدگمانی پیدا ہو جاتی کہ دیکھو اپنے گھر کا معاملہ ہے۔ اس کو سزا دے کر دبا رہے ہیں، ایسا یقین کرنے والے کافر ہو جاتے۔ آپ نے ان کا ایمان بچانے کے لئے خود صدمہ اٹھایا اور رنج و کرب کے پہاڑ برداشت کئے اور جب بذریعہ وحی برأت نازل ہوئی تو سزا جاری فرمائی۔ فصلی اللہ علیہ واصحابہ وازواجہ وآلہ۔

آخر میں یہ بات بھی سمجھ لینی چاہیئے کہ اگر کسی کی بیوی پر کوئی آدمی تہمت لگا دے اور وہ جھوٹی بھی ثابت ہو جائے تب بھی وہ شخص اس کا چرچا پسند نہ کرے گا اور نہ اُسے اپنی کتاب میں جگہ دے گا۔ یہ ایک کھلی ہوئی بات ہے۔ اس بات کے سمجھ لینے سے ہر صاحب ہوش و گوش یہ سمجھنے پر مجبور ہو جاتا ہے کہ قرآن مجید حضرت سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی بنائی ہوئی کتاب نہیں ہے۔ اگر یہ کتاب ان کی اپنی بنائی ہوئی ہوتی تو اوّل برأت کا اعلان فرمانے کے لئے انتظار ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ مہینہ سوا مہینہ کا انتظار کیوں فرماتے اور مصیبت و پریشانی میں کیوں مبتلا ہوتے پھر ان آیات کو کتاب میں کیوں شامل فرماتے جن میں آپ کی چہیتی بیوی پر تہمت کا تذکرہ ہے؟

اور یہ بھی معلوم ہوا کہ اللہ جل شانہ کی طرف سے جو وحی آتی تھی آپ اس کے چھپانے کا اختیار نہیں رکھتے تھے جو کچھ اللہ جل شانہٗ کی طرف سے نازل ہوتا تھا اس کی تعلیم دیئے بغیر چارہ نہ تھا۔ آپ اللہ کی جانب سے مامور تھے اگر آپ کو کوئی آیت قرآن سے کم کرنے کا اختیار ہوتا تو ان آیات کو کتاب اللہ میں شامل ہی نہ رہنے دیتے۔ تہمت کا جو واقعہ پیش آیا۔ اس کے بارے میں آیات نازل ہوئیں۔ ان سے احکام معلوم

ہوئے۔ اہلِ ایمان کو طرح طرح کی ہدایات اور نصیحتیں حاصل ہوئیں۔ یہ سب خیر ہی خیر ہے۔ والحمد للہ علی ما انعم۔

وفاتؓ

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی وفات منگل کی شب، ۱۷ رمضان المبارک ۵۸ھ میں ہوئی۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ ان کا سن وفات ۵۷ھ ہے۔ مرض الوفات میں جو لوگ مزاج پرسی کو آتے اور بشارت دیتے تو (آخرت کے حساب کے ڈر سے) فرماتیں۔ کاش میں پتھر ہوتی، کاش کسی جنگل کی گھاس ہوتی۔ اسی زمانے میں حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان کے پاس تشریف لے گئے اور ان کے فضائل و مناقب ذکر کئے تو فرمایا اے ابن عباسؓ! رہنے دو۔ قسم اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے میں تو یہ پسند کرتی ہوں کہ کاش میں پیدا ہی نہ ہوئی ہوتی۔

وفات ہو جانے پر حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا کہ عائشہؓ کے لئے جنّت واجب ہے اور یہ بھی فرمایا کہ خدا اُن پر رحمت کرے وہ اپنے باپ کے علاوہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو سب سے زیادہ پیاری تھیں۔ وفات کے قریب وصیت فرمائی کہ میں رات ہی دفن کر دی جاؤں۔ چنانچہ وتر نماز کے بعد جنت البقیع کے سپرد کر دی گئیں۔ حضرت ابو ہریرہؓ نے جنازہ کی نماز پڑھائی اور دفن کے لئے ان کے حقیقی بھانجے حضرت عبداللہؓ اور عروہؓ اور ان کے بھائی کے بیٹے قاسم رضی اللہ عنہ اور عبداللہ بن محمدؓ بن ابی بکر اور دوسرے بھائی کے بیٹے عبداللہ بن عبدالرحمٰن بن ابی بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہم قبر میں اترے اور ان کو دفنایا[1]۔ رضی اللہ عنہا وارضاہا۔

[1] الاصابہ والاستیعاب ۱۲

حضرت سودہ رضی اللہ عنہا

حضرت خدیجہؓ کی وفات کے بعد اسی سال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہؓ اور حضرت سودہؓ سے نکاح فرمایا ان دونوں میں پہلے کس سے نکاح ہوا؟ اس میں سیرت لکھنے والوں کا اختلاف ہے۔ لیکن حافظ ابن کثیرؒ البدایہ میں مسند امام احمدؒ سے نقل فرماتے ہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے حضرت سودہ رضی اللہ عنہا کے متعلق فرمایا کہ:۔

وكانت اول امرأة تزوجها بعدي۔ — میرے بعد سب سے پہلے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جس سے نکاح فرمایا وہ سودہ تھیں۔

پہلے گذر چکا ہے کہ حضرت عائشہ اور حضرت سودہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نکاح کرانے میں حضرت خولہ بنت حکیم کی کوشش کو بڑا دخل ہے۔ وہ پہلے تو حضرت عائشہؓ کے والدین کے پاس گئیں اور آخر ان کی کوشش کامیاب ہوئی یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے حضرت عائشہؓ کا نکاح ہو گیا۔ اس کے بعد حضرت سودہ کے پاس پہنچیں اور ان سے کہا کہ تمہیں خبر بھی ہے اللہ نے کس خیر و برکت کا تمہارے ساتھ ارادہ فرمایا ہے؟ انہوں نے سوال کیا وہ کیا؟ حضرت خولہؓ نے جواب دیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے اس لئے بھیجا ہے کہ تمہیں آپ کی طرف سے نکاح کا پیغام دوں۔ حضرت سودہؓ نے کہا کہ میرے والد سے اس کا تذکرہ کرو۔ یہ سن کر حضرت خولہؓ ان کے والد کے پاس پہنچیں اور ان کو سلام کیا۔ انہوں نے پوچھا یہ سلام کرنے والی کون ہیں؟ جواب دیا حکیم کی بیٹی خولہ ہوں۔ پوچھا کیسے آنا ہوا؟ جواب دیا محمد بن عبداللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کا پیغام لے کر آئی ہوں کہ سودہ کا نکاح ان سے ہو جائے۔ انہوں نے جواب دیا موقع اچھا ہے آدمی بہت مناسب ہیں مگر یہ بتاؤ کہ سودہ کی کیا رائے ہے؟ حضرت خولہؓ نے جواب دیا کہ سودہ راضی ہیں۔ انہوں نے کہا اچھا ذرا اس کو بلاؤ۔ میں اس سے پوچھ لوں چنانچہ

وہ حضرت سودہؓ کو بلا لائیں۔ حضرت سودہؓ کے والد نے بیٹی سے دریافت کیا کہ اے بیٹا یہ کہتی ہے کہ محمدؐ بن عبداللہ نے تجھ سے نکاح کرنے کے لئے اپنا پیغام بھیجا ہے میرے نزدیک جگہ بہت مناسب ہے کیا تیری خوشی ہے کہ میں تیرا نکاح ان سے کردوں؟ حضرت سودہؓ نے جواب دیا جی ہاں میری تو رائے ہے۔ یہ سُن کر حضرت سودہؓ کے والد نے حضرت خولہؓ سے کہا اچھا ان کو بلا لاؤ۔ چنانچہ وہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بلا لائیں اور حضرت سودہؓ کے والد نے اپنی بیٹی کا نکاح آپؐ سے کر دیا۔ حضرت سودہؓ کے بھائی عبد بن زمعہ اس وقت موجود نہ تھے جب وہ گھر آئے اور اس واقعہ کی خبر ہوئی تو اسے بہت بڑا واقعہ سمجھ کر سر پر خاک ڈال لی کہ یہ کیا غضب ہوگیا؟ اس وقت وہ کافر تھے بعد میں جب اسلام قبول کیا تو اپنی اس نادانی پر بہت افسوس کیا کرتے تھے کہ میری بہن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح میں آئیں اور میں نے اسے ایسا واقعہ سمجھا کہ اظہارِ رنج کے لئے سر پر خاک ڈال لی۔[1]

نکاح کے بعد حضرت سودہؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دولت کدہ پر تشریف لے آئیں اور حضرت خدیجہؓ کے بعد نبوت کے گھرانہ کی دیکھ بھال ان کے سپرد ہوئی۔

حضرت سودہؓ کے والد کا نام زمعہ اور والدہ کا نام شموس تھا۔ پہلے ان کا نکاح ان کے چچیرے بھائی حضرت سکران بن عمروؓ سے ہوا تھا۔ دونوں میاں بیوی سابقین اوّلین میں سے تھے۔ اسلام کے ابتدائی دور میں مسلمان ہوگئے تھے اور مشرکین مکہ کی اذیتوں سے تنگ آکر جو مسلمان حبشہ کو ہجرت کر گئے تھے ان میں یہ دونوں میاں بیوی بھی تھے حبشہ سے واپس ہوکر مکہ مکرمہ[ع] میں حضرت سکرانؓ کی وفات ہوگئی اور حضرت سودہؓ بیوہ ہوگئیں۔ اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے نکاح کیا۔[2] پہلے شوہر نے ایک لڑکا چھوڑا تھا جن کا نام عبدالرحمان تھا انہوں نے جوانی کی عمر پائی اور جنگ جلولاء (فارس) میں اللہ کی راہ میں لڑتے لڑتے شہادت کا جام پیا۔[3]

ہجرت حضرت سودہؓ سے نکاح کرنے کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تین سال تک مکہ معظمہ میں رہے پھر جب اللہ جل شانہ کی طرف سے ہجرت کی اجازت مل گئی تو

---

[1] البدایہ ۱۲ [ع] ایک قول یہ بھی ہے کہ حضرت سکران نے حبشہ ہی میں وفات پائی۔ کما فی التہذیب ۱۲
[2] البدایہ والاستیعاب ۱۲ [3] زرقانی ۱۲

حضرت صدیق اکبرؓ کو ساتھ لے کر مدینہ منورہ تشریف لے گئے اور دونوں حضرات اپنے اہل و عیال کو مکہ ہی میں چھوڑ گئے جن میں حضرت سودہؓ بھی تھیں۔ مدینہ پہنچ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے زید بن حارثہؓ اور ابورافعؓ کو دو اونٹ دے کر بھیجا تاکہ حضرت فاطمہ زہراؓ اور ام کلثومؓ اور حضرت سودہؓ کو لے آئیں۔ چنانچہ وہ ان کو لے آئے اور حضرت ابوبکرؓ کے بیٹے حضرت عبداللہؓ اپنے کنبہ کو ان کے ساتھ لے گئے جن میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بھی تھیں[1]

قدوقامت

حضرت سودہؓ کا قد مبارک لانبا تھا۔ جسم بھاری تھا۔ حجۃ الوداع کے موقع پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھیں۔ جسم بھاری ہونے کی وجہ سے ان کو اجازت دے دی تھی کہ مزدلفہ سے اور لوگوں سے قبل روانہ ہو جائیں تاکہ اژدہام سے تکلیف نہ ہو[2]

عبادت اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی فرمانبرداری

حضرت سودہؓ کے متعلق البدایہ میں حافظ ابن کثیر لکھتے ہیں :۔

وکانت ذات عبادۃ وورع وزھادۃ — عبادت اور تقویٰ اور زہد والی تھیں ۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع کے موقع پر اپنی ازواج مطہرات سے فرمایا تھا کہ میرے بعد گھر میں بیٹھنا۔ اس پر حضرت سودہؓ نے اس پر سختی سے عمل کیا کہ پھر کبھی حج کو بھی نہ گئیں۔ فرماتی تھیں کہ میں حج و عمرہ دونوں کر چکی ہوں اب خدا کے حکم کے مطابق گھر میں بیٹھوں گی ۔

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا فرماتی ہیں :۔

ما من إمرأۃ احدا حب الی ان اکون فی مسلاخھا من سودۃ الا ان فیھا حدۃ تسرع منھا البغتۃ	حضرت سودہؓ کے علاوہ کسی عورت کو دیکھ کر مجھے یہ خیال پیدا نہیں ہوا کہ میں اس کے قالب میں ہوتی ان میں صرف اتنی بات تھی کہ مزاج میں تیزی تھی جو ظاہر ہو جاتی تھی اور جلدی چلی جاتی تھی[3]

---

[1] الاستیعاب وغیرہ ۱۲ ۔ [2] الاصابہ وغیرہ ۔ [3] مسلم وغیرہ ۱۲

ظرافت

حضرت سودہ رضی اللہ عنہا کے مزاج میں ظرافت بھی تھی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو کبھی کبھی ہنسادیا کرتی تھیں۔ ایک مرتبہ عرض کیا کہ کل رات میں نے آپ کے پیچھے نفل نماز پڑھی۔ باوجودیکہ میں ساتھ تھی آپ نے (اتنا لمبا) رکوع کیا جس سے مجھے نکسیر پھوٹ جانے کا خوف ہوگیا اور میں نے اس کے ڈر سے ناک پکڑلی۔ یہ سُن کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ہنسی آگئی [1]

سخاوت

اللہ جل شانہٗ نے حضرت سودہؓ کو صفت سخاوت سے بھی نوازا تھا۔ ایک مرتبہ حضرت عمرؓ نے ان کی خدمت میں ایک تھیلی بھیجی جس میں کافی رقم تھی۔ لانے والے سے پوچھا اس میں کیا ہے؟ عرض کیا دراہم ہیں۔ فرمایا (دراہم) جو کھجوروں کی طرح تھیلی میں بھرے ہوئے ہیں؟ یہ فرما کر ان سب کو تقسیم فرمادیا [2]

ازواجِ مطہرات میں حشر ہونے کی تمنّا

حضرت سودہؓ بوڑھی ہوگئی تھیں۔ ان کو خیال ہوا کہ کہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مجھے طلاق نہ دے دیں [ع] لہٰذا عرض کیا کہ یارسول اللہ! مجھے شوہر والی خواہش تو ہے نہیں آپ مجھے اپنے نکاح میں رکھیں اور میری باری کا دن عائشہؓ کو دے دیا کریں۔ میں چاہتی ہوں کہ آپ کی بیویوں میں قیامت کے روز میرا حشر ہو۔ چنانچہ آپؐ نے منظور فرمالیا۔ لہٰذا یہ آیت نازل ہوئی۔

وَاِنِ امْرَاَةٌ خَافَتْ مِنْۢ بَعْلِهَا نُشُوْزًا اَوْ اِعْرَاضًا فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَآ اَنْ يُّصْلِحَا بَيْنَهُمَا صُلْحًا ۭ وَالصُّلْحُ خَيْرٌ [3] (٤: ١٢٨)

اور اگر کسی عورت کو اپنے شوہر سے غالب احتمال نامناسب رویہ یا بے پروائی کا ہو سو دونوں کو اس امر میں کوئی گناہ نہیں کہ دونوں باہم ایک خاص طور پر صلح کرلیں اور صلح بہتر ہے۔

---

[1] اصابہ عن ابن سعد ۱۲۔ [2] ایضاً ۱۲۔ [ع] یہ روایت ترمذی شریف کی ہے (کما فی الاصابہ) کہ حضرت سودہؓ کو طلاق کا خطرہ ہوگیا تھا اور بعض روایات میں ہے کہ آپؐ نے ان کو طلاق دی تھی اس پر انہوں نے یہ عرض کیا کہ میں آپ کی ازواج میں شمار ہو کر قیامت میں اٹھنا چاہتی ہوں لہٰذا آپؐ نے رجوع فرمالیا ۱۲۔ [3] الاصابہ وغیرہ ۱۲۔

مجمع الزوائد میں یہ بھی ہے کہ حضرت سودہؓ نے عرض کیا کہ میں آپ کی بیویوں کے ساتھ اپنا حشر چاہتی ہوں تاکہ جو ثواب ان کو ملے مجھے بھی ملے۔

حضرت سودہؓ نے اپنی باری کا دن حضرت عائشہؓ کو دے دیا تھا جس کی وجہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی زندگی میں (جبکہ نو بیویاں بیک وقت آپؐ کے نکاح میں تھیں) آٹھ بیویوں کے پاس باری باری سے رات گذارا کرتے تھے [1] یعنی حضرت عائشہؓ کو دو رات باقی ازواج کو ایک ایک رات دیا کرتے تھے۔

نزولِ حجابؓ

حضرت فاروق اعظمؓ اس بات کو بہت چاہتے تھے کہ عورتوں کے لئے پردہ کا حکم نازل ہو جائے خصوصاً آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ازواجِ مطہراتؓ کے پردہ کے بہت ہی خواہاں تھے لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم (وحی کے بغیر) اس حکم کو جاری نہ فرما رہے تھے اور آپؐ کی بیویاں (دیگر صحابیات کی طرح) رات کے وقت قضائے حاجت کے لئے جنگل جایا کرتی تھیں۔ ایک مرتبہ رات کو حضرت سودہؓ اسی مقصد کے لئے نکلیں راستہ میں حضرت عمرؓ مل گئے چونکہ حضرت سودہؓ کا قد لانبا تھا لہٰذا حضرت عمرؓ نے ان کو پہچان لیا۔ اگرچہ وہ کپڑوں میں اچھی طرح لپٹی تھیں۔ پھر بھی قد کی وجہ سے پہچان ہو گئی۔ حضرت عمرؓ نے آواز دے دی اے سودہؓ ہم تمہیں پہچان گئے اور مقصد اس کہنے کا یہ تھا کہ کسی طرح پردہ کا حکم نازل ہو جائے چنانچہ اللہ تعالیٰ نے پردہ کی آیت نازل فرما دی۔ یہ بخاری شریف کی روایت ہے جو انہوں نے کتاب الوضوء میں ذکر کی ہے۔ پھر کتاب التفسیر میں اس طرح نقل کیا ہے کہ حضرت عائشہؓ نے بیان فرمایا کہ پردہ کا حکم نازل ہونے کے بعد حضرت سودہؓ قضائے حاجت کے لئے نکلیں ان کا جسم بھاری اور قد خوب لانبا تھا جس کی وجہ سے ضرور پہچان لی جاتی تھیں۔ جاتے ہوئے ان کو عمر بن الخطابؓ نے دیکھ لیا اور کہا اے سودہؓ اللہ کی قسم (باوجود کپڑوں میں خوب لپٹ جانے کے) تمہارا پردہ ہم سے اس طرح نہیں ہوتا ہے کہ ہم یہ بھی نہ پہچان سکیں کہ یہ کون ہیں اب تم غور کر لو کہ کیسے باہر نکلتی ہو۔ یہ سُن کر حضرت سودہؓ واپس لوٹ آئیں اور آنحضرت صلی اللہ

---

[1] مشکوٰۃ شریف ۱۲

علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ یارسول اللہ! میں قضائے حاجت کے لئے نکلی تھی کہ راستہ میں عمرؓ مل گئے اور انہوں نے ایسا ایسا کہا اس وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم میرے گھر میں موجود تھے۔ رات کا کھانا تناول فرما رہے تھے اور ہاتھ مبارک میں ہڈی تھی جس میں سے گوشت چھڑا کر کھانے میں مشغول تھے۔ اسی وقت اللہ تعالیٰ نے وحی نازل فرمائی اور آپؐ نے فرمایا کہ تم کو قضائے حاجت کے لئے نکلنے کی اجازت (اللہ کی طرف سے) دے دی گئی ہے۔ نزولِ وحی کے وقت وہ ہڈی آپؐ کے مبارک ہاتھ میں رہی۔

دونوں روایتوں کو ملا کر معلوم ہوتا ہے تو حضرت عمرؓ نے حضرت سودہؓ کو ٹوک کر پردہ کا حکم نازل کرایا اور اس کے بعد پھر زیادہ اہتمام کے لئے یہ بھی چاہتے تھے کہ قضائے حاجت کے لئے ازواجِ مطہرات جنگل کو نہ جائیں لیکن اللہ تعالیٰ نے ضرورت کی وجہ سے قضائے حاجت کے واسطے جنگل جانے کی اجازت دے دی۔

یہ اس وقت کی بات ہے جب گھروں میں پاخانے نہیں بنے تھے۔ اس کے بعد جب پاخانے گھروں میں بن گئے تو جنگل جانا موقوف ہو گیا اور پردہ کا حکم بھی سب عورتوں کے لئے نافذ کر دیا گیا۔

وفات صاحب الاستیعاب لکھتے ہیں کہ حضرت سودہؓ کی وفات حضرت عمر بن الخطابؓ کے زمانۂ خلافت میں ہوئی اور یہی الاصابہ میں ابن ابی خیثمہ سے نقل کیا ہے اور لکھا ہے کہ:۔

ویقال ماتت سنة اربع وخمسین ورجحه الواقدی (الاصابه)	یہ بھی کہا جاتا ہے کہ انہوں نے ۵۴ھ میں وفات پائی اور واقدی نے اس قول کو ترجیح دی ہے۔

حافظ ابن کثیرؒ نے بھی ابن جوزی کے قول پر اعتماد کرتے ہوئے ان کی وفات ۵۴ھ ہی ذکر کی ہے اور آخر میں ابن خیثمہ کا قول بھی نقل کر دیا ہے کہ:۔

توفیت فی اٰخر خلافة عمر بن الخطابؓ۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا

یہ حضرت عمر بن الخطابؓ کی صاحبزادی تھیں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خلیفۂ دوم تھے ابتدائے اسلام ہی میں مسلمان ہوئیں۔ مدینہ منورہ میں ۳ھ میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح میں آئیں جس وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو نبوت ملی۔ اس وقت ان کی عمر ۵ سال کی تھی[۱] ان کے پہلے شوہر حضرت خنیس بن حذافہؓ تھے جو غزوۂ بدر اور غزوۂ احد دونوں میں شریک ہوئے اور اُحد میں شہادت[۲] پائی۔ اپنے سابق شوہر حضرت خنیسؓ کے ساتھ ہی مکّہ سے مدینہ کو ہجرت کی تھی۔ ان کی شہادت ہو جانے کے بعد جب عدّت ختم ہوگئی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حفصہؓ سے نکاح کیا جو حضرت عائشہؓ کی رخصتی کے بعد ہوا[۳]۔ حضرت حفصہؓ کو رشتہ داری کے اعتبار سے یہ شرف حاصل ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بیوی اور حضرت عمر فاروقؓ کی بیٹی ہیں۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی حقیقی بہن ہیں جن کی روایات حدیث کی کتابوں میں بکثرت آتی ہیں۔ ان کی والدہ حضرت زینب بنت مظعونؓ اور ماموں حضرت عثمان بن مظعونؓ تھے۔ رضی اللہ تعالےٰ عنہم اجمعین۔

حرمِ نبوّت میں آنا حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح میں آنے کا واقعہ حضرت حفصہؓ کے حقیقی بھائی حضرت عبداللہ بن عمرؓ یوں بیان فرماتے تھے کہ خنیس بن حذافہؓ کی وفات کے بعد جو مدینہ میں وفات[۴] پا گئے تھے، حفصہ بیوہ ہوگئیں تو والد صاحب ان کے نکاح کے لئے فکرمند ہوئے جیسے وہ خود بیان فرماتے تھے کہ اس سلسلہ میں

---

[۱] کذا فی الاصابہ ۱۲ [۲] حضرت خنیسؓ کی شہادت میں اختلاف ہے حافظ ابن کثیرؒ لکھتے ہیں کہ غزوۂ بدر میں شہادت پائی اور حافظ ابن حجرؒ اصابہ میں لکھتے ہیں کہ غزوۂ احد میں شہید ہوئے چونکہ ان کی شہادت کی تعیین میں اختلاف ہے اس لئے اس میں بھی اختلاف ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کس سن میں ان سے نکاح کیا چونکہ حافظ ابن حجرؒ ان کی شہادت احد میں بتاتے ہیں اسی لئے اس قول کو ترجیح دیتے ہیں کہ ۳ھ میں حرم نبوت میں آئیں ۲۔ [۳] الاصابہ ۱۲

[۴] زخم میدان جہاد میں آیا اور اسی کے اثر سے مدینہ منورہ میں وفات پائی ۱۲

میں حضرت عثمان بن عفانؓ سے ملا اور ان سے کہا تم چاہو تو اپنی لڑکی حفصہؓ کا تم سے نکاح کردوں (یہ وہ دن تھے کہ حضرت عثمانؓ کو شادی کی ضرورت تھی' ان کی اہلیہ کی وفات ہو گئی تھی) انہوں نے جواب دیا کہ اس بارے میں غور کرکے بتاؤں گا۔ چنانچہ دو چار روز کے بعد جواب دے دیا کہ میری رائے یہ ہے کہ ابھی نکاح نہ کروں۔ اس کے بعد میں ابوبکرؓ سے ملا اور ان سے کہا اگر تم چاہو تو اپنی لڑکی حفصہؓ سے تمہارا نکاح کردوں' انہوں نے کچھ جواب نہ دیا اور بالکل خاموش ہو گئے مجھے دونوں حضرات کے رویّہ سے رنج ہوا اور جتنا رنج ابوبکرؓ کی خاموشی سے ہوا اس قدر عثمانؓ بن عفان کے جواب سے نہ ہوا تھا۔

اس کے چند دن گزر جانے کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے نکاح کا پیغام بھیجا۔ لہٰذا میں نے حفصہؓ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح میں دے دیا۔ جب یہ واقعہ ہو چکا تو حضرت ابوبکرؓ مجھ سے ملے اور کہا شاید تم کو رنج ہوا ہو گا جبکہ تم نے حفصہؓ کے نکاح کے متعلق مجھ سے کہا اور میں نے کوئی جواب نہ دیا۔ میں نے کہا جی ہاں رنج تو ضرور ہوا۔ حضرت صدیق اکبرؓ نے فرمایا کہ تمہاری پیش کش کے بارے میں جواب دینے سے مجھے صرف اس چیز نے روکا کہ مجھے تحقیقی طور پر معلوم ہوا تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حفصہؓ سے اپنا نکاح کرنے کے بارے میں تذکرہ فرمایا تھا۔ لہٰذا میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا بھید ظاہر کرنا مناسب نہ سمجھا۔ ہاں اگر آپؐ حفصہؓ سے نکاح کرنے کا ارادہ ملتوی فرما دیتے تو میں اُن سے نکاح کر لیتا۔[1]

مصاحبتِ رسُول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم

حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سات برس کے لگ بھگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح میں رہیں۔ مزاج میں جسارت تھی اس لئے سوال کرنے سے اور بات کا جواب دینے سے نہیں ہچکچاتی تھیں۔ حضرت ام مبشر انصاریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا روایت فرماتی ہیں کہ میں حضرت حفصہؓ کے پاس بیٹھی تھی اسی اثنار میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا انشاءاللہ تعالیٰ ان لوگوں میں سے کوئی بھی دوزخ میں نہ جائے گا جنہوں نے مجھ سے (حدیبیہ کے موقع پر) درخت کے نیچے بیعت کی۔ یہ سُن کر حضرت حفصہؓ نے تعجب سے کہا اچھا! (یہ آپ نے کیسے فرمایا) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے اس کہنے پر ان کو جھڑک دیا۔ انہوں نے قرآن مجید کی

---

[1] بخاری شریف ۱۲

آیت پڑھ کر سوال کیا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں وَاِنْ مِّنْكُمْ اِلَّا وَارِدُهَا (یعنی تم میں سے کوئی بھی ایسا نہیں جس کا اس پر سے گذر نہ ہو) جب اللہ تعالیٰ یہ فرماتے ہیں تو آپ نے یہ کیسے فرمایا کہ درخت کے نیچے حدیبیہ کے موقع پر بیعت کرنے والے دوزخ میں نہ جائیں گے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے اس کے آگے یہ بھی تو فرمایا ہے ثُمَّ نُنَجِّي الَّذِيْنَ اتَّقَوْا وَّنَذَرُ الظّٰلِمِيْنَ فِيْهَا جِثِيًّا (پھر ہم پرہیزگاروں کو نجات دیں گے اور ظالموں کو اس میں اس حال میں پڑا رہنے دیں گے کہ غم کی وجہ سے گھٹنوں کے بل گر پڑیں گے) [1]

اس آیت میں پل صراط کا ذکر ہے جو دوزخ کی پشت پر قائم ہے۔ سب کو اس پر سے گذرنا ہو گا۔ پرہیزگار اور نیک بندے اپنے اپنے اعمال کے اعتبار سے جلدی یا آہستہ پل صراط سے گزر کر جنت میں پہنچ جائیں گے اور کافر کٹ کٹ کر اس میں ہمیشہ کے لئے گر جائیں گے اور پار نہ ہو سکیں گے نیز وہ گنہگار مسلمان بھی اس میں گریں گے جن کو اللہ تعالیٰ بعد میں بخش کر جنت میں بھیج دیں گے۔ حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے ذہن میں پوری بات نہ تھی اس لئے سوال کر بیٹھیں۔

ایک واقعہ

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا روایت کرتی ہیں کہ زینب بنت جحش رضؓ کے پاس کہیں سے شہد آ گیا تھا۔ (وہ بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بیوی تھیں) آپؐ اُن کے پاس ذرا دیر تک ٹھہرا کرتے تھے اور شہد پیتے تھے۔ میں نے اور حفصہؓ نے آپس میں مشورہ سے یہ طے کر لیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے میاں بیوی والی دل لگی کریں گے۔ ہم میں سے جس کے پاس تشریف لائیں گے ہر ایک یوں کہے کہ آپ نے مغافیر[ع] کھائے ہیں۔ آپ کے مبارک منہ سے مغافیر کی بو آ رہی ہے۔ چنانچہ آپ ہم میں سے ایک کے پاس تشریف لائے تو مشورہ کے موافق وہی الفاظ کہہ دیئے۔ آپؐ نے جواب میں فرمایا مغافیر تو میں نے نہیں کھائے۔ ہاں زینبؓ کے پاس شہد پیا ہے۔ آئندہ ہرگز نہ پیوں گا یہ آپؐ نے ان کو خوش کرنے کے لئے فرما دیا۔ لہٰذا اللہ جل شانہٗ نے یہ آیت نازل فرمائی۔

[1] الترغیب والترہیب للمنذری ۱۲۔ ع مغافیر ایک قسم کا گوند ہوتا ہے اور بعض نے درخت کا پھل بتایا ہے ۱۲۔

يٰاَيُّهَا النَّبِيُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَا اَحَلَّ اللّٰهُ لَكَ تَبْتَغِيْ مَرْضَاتَ اَزْوَاجِكَ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ قَدْ فَرَضَ اللّٰهُ لَكُمْ تَحِلَّةَ اَيْمَانِكُمْ وَاللّٰهُ مَوْلٰكُمْ وَهُوَ الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُ[1]

(۶۶ : ۱-۲)

اے نبی جس چیز کو اللہ نے آپ کے لئے حلال کیا ہے آپ اسے (قسم کھاکر) کیوں حرام کرتے ہیں۔ آپ اپنی بیویوں کی رضا چاہتے ہیں اور اللہ غفور رحیم ہے اللہ تعالیٰ نے تم لوگوں کو تمہاری قسموں کا کھولنا (یعنی کفارہ دینا) مقرر فرمایا ہے اور اللہ تمہارا کارساز ہے اور وہ علیم و حکیم ہے۔

واقعۂ طلاق اور رجوع

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حفصہؓ کو طلاق دے دی تھی۔ پھر دوسرے روز حضرت جبریل تشریف لائے اور بارگاہِ رسالت میں عرض کیا کہ آپ کو اللہ تعالیٰ حکم فرماتے ہیں کہ عمرؓ پر شفقت فرماتے ہوئے حفصہؓ کو اپنے نکاح ہی میں رکھیے۔ دوسری روایت میں ہے کہ حضرت جبریلؑ نے تشریف لاکر عرض کیا کہ آپؐ حفصہؓ کو اپنے نکاح میں ہی رکھ لیں کیونکہ وہ بہت زیادہ روزہ رکھنے والی اور راتوں کو بہت زیادہ نماز پڑھنے والی ہیں اور جنّت میں آپ کی بیوی ہوں گی۔ چنانچہ آپؐ نے رجعت فرمائی یعنی ان کو اپنے نکاح میں رکھ لیا[ع]

ایک دل لگی کا واقعہ

حضرت حفصہؓ نے ایک مرتبہ عجیب ہوشیاری کی جسے حضرت عائشہؓ یوں بیان فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب سفر کو جاتے تو دلداری کے لئے قرعہ ڈالا کرتے تھے کہ کس بیوی کو ساتھ لے جائیں۔ ایک مرتبہ دو عورتوں کو لے جانا چاہا اور قرعہ ڈالا تو میرا اور حفصہؓ کا نام نکل آیا۔ لہٰذا ہم دونوں آپؐ کے ساتھ روانہ ہوگئیں۔ راستہ میں رات کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم میرے اونٹ پر سوار ہو جاتے اور باتیں کرتے رہتے۔ ایک دن حفصہؓ نے مجھ سے کہا کہ آج تم میرے اونٹ پر سوار ہو جاؤ اور میں تمہارے اونٹ کی رفتار دیکھوں۔ میں نے منظور کر لیا اور

---

[1] از بخاری شریف ۱۲۔ [ع] کذا فی الاصابہ عن ابن سعد ۱۲۔ طلاق کی تین قسمیں ہیں جس میں ایک قسم وہ ہے جسے رجعی طلاق کہتے ہیں اس کے بعد بغیر نکاح ہی واپس کر لینا درست ہے اس کو رجعت کہتے ہیں۔ تفصیل کے لئے فقہ کی کتابیں دیکھو ۱۲۔

دونوں ایک دوسرے کے اونٹ پر سوار ہوگئیں جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سوار ہونے کا ارادہ کیا تو اسی اونٹ پر سوار ہو گئے جس پر روزانہ میں سوار ہوتی تھی اس وقت اس پر حفصہ رضؓ موجود تھیں۔ آپؐ نے السلام علیکم فرمایا اور اسی اونٹ پر سوار ہوکر روانہ ہو گئے حتیٰ کہ ایک منزل پر جا کر اترے (دھوکہ کھانے کی وجہ سے مجھے اپنے اونٹ پر تنہا چلنا پڑا) اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مصاحبت سے محروم رہی۔ میں منزل پر پہنچ کر اونٹ سے اتری اور ایڑیاں گھاس میں رگڑنے لگی اور اپنے آپ کو کوسنے لگی کہ اے ربؐ مجھ پر کوئی بچھو یا سانپ مسلط کر جو مجھے ڈس لے۔ میری نادانی کہ ایسی بات مانی جس میں اپنا نقصان ہوا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی کچھ نہیں کہہ سکتی ہوں[1]۔

عبادت

حضرت حفصہؓ نماز اور روزہ سے بہت شغف رکھتی تھیں جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو (رجعی) طلاق دے دی تھی (جس کا ذکر گذشتہ صفحے پر ہوا) تو جبریلؑ نے آکر عرض کیا کہ حفصہؓ کو اپنے نکاح میں پھر رکھ لیجئے کیونکہ وہ بہت زیادہ روزہ رکھنے والی اور راتوں کو نماز پڑھنے والی ہیں۔ حضرت نافع کا بیان ہے:

ماتت حفصة حتى ما تفطر[2]	حضرت حفصہؓ نے اس حال میں وفات پائی کہ روزہ پر روزہ رکھتی جاتی تھیں۔

وفات

حضرت حفصہؓ نے ۴۵ھ میں وفات پائی۔ حافظ ابن کثیرؒ ۴۵ھ کے وقائع کے ذیل میں لکھتے ہیں:

وقد اجمع الجمهور انها توفيت في شعبان من هٰذه السنة عن ستين سنة وقيل انها توفيت ايام عثمان والاوّل اصح	اکثر مورخین و محدثین اس بات پر متفق ہیں کہ حضرت حفصہؓ نے ۶۰ سال کی عمر میں ۴۵ھ میں وفات پائی اور بعض نے یہ بھی لکھا ہے کہ حضرت عثمانؓ کے زمانہ خلافت میں ان کی رحلت ہوئی لیکن اوّل قول زیادہ صحیح ہے۔

حضرت حفصہؓ کے جنازہ میں حضرت ابوہریرہؓ اور حضرت عبداللہ بن عمرؓ بھی شریک تھے۔

---

[1] بخاری شریف۔ [2] الاصابہ ۱۲۔

حضرت زینب بنت خزیمہ رضی اللہ عنہا

حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کرنے کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خزیمہ کی بیٹی حضرت زینب رضی اللہ عنہا سے نکاح کیا۔ یہ بڑی صدقات وخیرات والی تھیں۔ اسلام سے پہلے ہی ان کو ام المساکین (مسکینوں کی ماں) کہا جاتا تھا کیونکہ مسکینوں کی خیر خبر بہت رکھتی تھیں۔ ان کا پہلا نکاح حضرت عبداللہ بن جحش رضی اللہ تعالےٰ عنہ سے ہوا تھا جب وہ اُحد میں شہید ہوگئے تو آنحضرت صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم نے ان سے نکاح کرلیا۔ ان کے پہلے شوہر کے بارے میں بعض علمار کے اور قول بھی ہیں۔

چنانچہ ابن الکلبی فرماتے تھے کہ ان کے پہلے شوہر طفیل بن حارثؓ تھے جب انہوں نے طلاق دے دی تو ان کے بھائی عبیدۃ بن الحارثؓ نے نکاح کرلیا وہ بدر میں شہید ہوگئے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے نکاح فرمایا جو رمضان ۳ھ میں ہوا۔ نکاح کے بعد آٹھ ماہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح میں رہ کر ربیع الثانی ۴ھ میں وفات پائی۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ وہ آپؐ کے نکاح میں صرف تین ماہ رہیں اس کے بعد وفات پائی۔

سیرت اور تاریخ لکھنے والوں میں سب ہی کا اس پر اتفاق ہے کہ حضرت زینب بنت خزیمہؓ کی وفات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی ہی میں ہوئی اور مدینہ منورہ میں سب سے پہلے آپ کی بیویوں میں سے ان ہی کی وفات ہوئی [۱]

---

[۱] استیعاب واصابہ وغیرہ ۱۲

حضرت اُمِّ سَلمہ رضی اللہ عنہا

حضرت زینب بنت خزیمہؓ کی وفات کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کیا اور اسی گھر میں ان کو ٹھہرایا جس میں حضرت زینب بنت خزیمہؓ رہا کرتی تھیں۔ اُم سلمہ ان کی کنیت ہے۔ نام ہند تھا۔ ان کے باپ ابو امیہ تھے۔ جن کی سخاوت کا عام شہرہ تھا۔ سفر میں اپنے ساتھیوں پر بہت خرچ کرتے تھے۔ اسی لئے ان کا لقب زاد الراکب (مسافروں کے سفر کا سامان) پڑ گیا تھا۔ والدہ کا نام عاتکہ تھا جو قبیلہ بنی فراس سے تھیں[1]

قبولِ اسلام اور نکاحِ اوّل

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا بھی ان مُبارک ہستیوں میں ہیں جنہوں نے اسلام کے ابتدائی دور میں ہی اسلام قبول کیا۔ ان کا پہلا نکاح چچازاد بھائی عبداللہ بن عبدالاسدؓ سے ہوا تھا جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے رضاعی بھائی بھی تھے اور پھوپی زادے بھی۔ وہ اسلام قبول کرنے میں سابقین اوّلین میں سے تھے۔ ان کے متعلق لکھا ہے کہ دس شخصوں کے بعد مسلمان ہوئے یعنی وہ گیارھویں مسلمان تھے۔ پہلے انہوں نے اپنی بیوی (حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا) کے ساتھ حبشہ کو ہجرت کی وہاں ایک لڑکا پیدا ہوا جس کا نام سلمہؓ رکھا۔ اسی کے نام سے باپ کی کنیت ابوسلمہ اور ماں کی کنیت ام سلمہ مشہور ہوگئی۔ پھر حبشہ سے واپس آئے اور اس کے بعد دونوں نے مدینہ منورہ کو ہجرت کی۔ لیکن یہ ہجرت ایک ساتھ نہیں ہوئی۔ دونوں آگے پیچھے مدینہ منورہ پہنچے جس کا واقعہ بڑا دردناک ہے۔

ہجرت

حضرت ام سلمہؓ کی ہجرت کے واقعہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں عورتوں نے کیسی کیسی مصیبتیں دین کے لئے برداشت کی ہیں اور کیسی تکلیفیں سہی ہیں۔ اس واقعہ کو وہ خود اس طرح ذکر فرماتی

---

[1] الاصابہ ۱۲

تھیں کہ جب ابوسلمہؓ نے مدینہ منورہ کو ہجرت کرنے کا ارادہ کیا تو اونٹ پر کجاوہ کس کر مجھے اور سلمہؓ کو اونٹ پر بٹھا دیا اور اس کی نکیل پکڑ کر آگے آگے چلتے رہے جب قبیلہ بنو مغیرہ کو ہمارے روانہ ہو جانے کی خبر ہوگئی جو میرے میکے والے تھے تو انہوں نے ابوسلمہؓ سے کہا کہ تم اپنی ذات کے بارے میں خود مختار ہو مگر ہم اپنی لڑکی کو تمہارے ساتھ نہیں جانے دیں گے جسے تم شہر در شہر لئے پھرو۔ یہ کہہ کر اونٹ کی نکیل ان کے ہاتھ سے چھین لی اور مجھے زبردستی اپنے ساتھ لے آئے۔ جب اس واقعہ کی خبر ابوسلمہؓ کے خاندان بنو عبدالاسد کو لگی جو میرے سسرال والے تھے تو میرے میکے والوں سے جھگڑنے لگے اور کہا تم اپنی لڑکی کے مختار ہو ہمارے بچہ سلمہ رضی اللہ عنہ کو ہمارے حوالہ کرو جب تم نے اپنی لڑکی کو اس کے خاوند کے ساتھ نہ جانے دیا تو ہم اپنے بچہ کو تمہارے پاس کیوں چھوڑیں یہ کہہ کر وہ سلمہؓ کو چھین کر لے گئے۔ اب میں اور میرا شوہر اور بچہ تینوں علیحدہ علیحدہ ہو گئے۔

حضرت ابوسلمہ رضی اللہ تعالےٰ عنہ تو مدینہ پہنچ گئے اور قبا میں جا کر قیام کر لیا۔ اور میں اپنے میکہ میں رہ گئی اور بچہ دادھیال میں پہنچ گیا۔ مجھے اس کا اس قدر صدمہ ہوا کہ روزانہ آبادی سے باہر جاتی اور شام تک رویا کرتی اسی طرح ایک سال گذر گیا۔ نہ خاوند کے پاس جا سکی نہ بچہ مل سکا۔ ایک روز میرے ایک چچازاد بھائی نے مجھ پر ترس کھا کر خاندان والوں سے کہا کہ تم اس بے کس پر کیوں رحم نہیں کرتے۔ اسے کیوں نہیں چھوڑ دیتے اور اس کو بچہ اور خاوند سے کیوں جدا کر رکھا ہے؟ غرض کہ اس نے کہہ سن کر مجھے خاندان والوں سے اجازت دلا دی کہ تو اپنے خاوند کے پاس جا سکتی ہے۔ جب اس کی خبر بچہ کی دادھیال والوں کو لگی تو انہوں نے بچہ بھی مجھے دے دیا۔

اب میں نے تنہا ہی سفر کا ارادہ کیا اور ایک اونٹ تیار کر کے بچہ ساتھ لیا اور تنہا سوار ہو کر مدینہ منورہ کے لئے روانہ ہو گئی۔ تین چار میل چلی تھی کہ مقام تنعیم میں عثمان بن طلحہ سے ملاقات ہو گئی۔ انہوں نے پوچھا تنہا کہاں جاتی ہو؟ میں نے کہا اپنے شوہر کے پاس مدینہ جا رہی ہوں۔ دوبارہ سوال کیا۔ کوئی ساتھ بھی ہے؟ میں نے کہا

اللہ تعالیٰ ہے اور یہ بچہ ہے۔ یہ کہہ کر عثمانؓ بن طلحہ نے میرے اونٹ کی نکیل پکڑلی۔ اور آگے آگے چل دیئے۔ خدا کی قسم میں نے عثمان سے زیادہ شریف آدمی عرب والوں میں سے کوئی نہیں دیکھا۔ جب منزل پر اترنا ہوتا تو وہ اونٹ بٹھا کر کسی درخت کی آڑ میں کھڑے ہو جاتے اور پھر اونٹ کو باندھ کر مجھ سے دُور کسی درخت کے نیچے لیٹ جاتے اور جب کوچ کرنے کا وقت آتا تو اونٹ پر کجاوہ کس کر میرے پاس لاکر بٹھا دیتے اور خود وہاں سے ہٹ جاتے۔ جب میں سوار ہو جاتی تو اس کی نکیل پکڑ کر آگے آگے چل دیتے۔ اسی طرح وہ مجھے مدینہ منورّہ تک لے گئے۔ جب ان کی نظر بنی عمرو بن عوف کی آبادی پر پڑی جو قبا میں تھی تو انہوں نے مجھ سے کہا کہ تمہارا شوہر یہیں ہے[1] اس کے بعد وہ سلام کرکے واپس ہو گئے۔ ع

مدینہ منورّہ میں سکونت

مدینہ پہنچ کر اپنے شوہر کے پاس رہنے لگیں اور وہاں ایک لڑکا اور دو لڑکیاں پیدا ہوئیں۔ لڑکے کا نام عمر اور ایک لڑکی کا نام درہ اور دوسری کا نام زینب رکھا[2]

حضرت ابو سلمہؓ کی وفات

حضرت ابو سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ غزوۂ احد اور غزوۂ بدر میں شریک ہوئے۔ غزوۂ احد میں ان کے ایک زخم آیا جو کچھ اچھا ہو گیا تھا۔ ان کو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دستہ کا امیر بنا کر بھیج دیا تھا۔ واپس آئے تو وہ زخم ہرا ہو گیا اور اسی کے اثر سے جمادی الثانی ۴ھ میں وفات پائی[3]

حضرت ابو سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی وفات کے بعد حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے بطن سے ایک لڑکی تولد ہوئی جس کا نام زینب رکھا گیا اور اس کی ولادت پر عدت بھی ختم ہو گئی[4]

ع عثمان بن طلحہ جنہوں نے حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کو مدینہ منورہ تک پہنچایا تھا اس وقت تک مسلمان نہیں ہوئے تھے بعد میں اسلام لے آئے۔ کذا فی الاصابہ۔ [1] البدایہ الاصابہ، اسد الغابہ ۱۲

[2] الاصابہ ۱۲ ۔ [3] الاصابہ ۱۲ ۔ [4] الاصابہ ۱۲ ۔

عدت گذر جانے کے بعد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا سے نکاح کرنے کا پیغام بھیجا تو انہوں نے عذر کر دیا۔ اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے نکاح ہوا [1]

حرمِ نبوّت میں آنا

حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا کو اپنے پہلے شوہر سے بہت محبّت تھی۔ ایک مرتبہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے ان سے کہا کہ میں نے سُنا ہے کہ اگر مرد اور عورت دونوں جنتی ہوں اور عورت مرد کے بعد کسی سے نکاح نہ کرے تو وہ عورت جنّت میں اسی مرد کو ملے گی۔ اسی طرح مرد اگر دوسری عورت سے نکاح نہ کرے تو وہی عورت اسے ملے گی۔ اس لئے آؤ ہم تم دونوں عہد کر لیں کہ ہم میں سے جو پہلے اس دنیا سے چلا جائے دوسرا نکاح نہ کرے۔

یہ سن کر حضرت ابوسلمہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ تم میرا کہا مان لوگی؟

حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا نے فرمایا کہ ماننے کے لئے ہی مشورہ کر رہی ہوں۔

حضرت ابوسلمہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ تم میرے بعد نکاح کر لینا اس کے بعد اللہ تعالےٰ سے یہ دعا مانگی کہ اے اللہ! میرے بعد ام سلمہؓ کو مجھ سے بہتر خاوند عطا فرما جو نہ اسے رنج پہنچائے نہ تکلیف دے [2] خدا کا کرنا ایسا ہوا کہ حضرت ابوسلمہ رضی اللہ عنہ کی نصیحت حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے حق میں بہت ہی زیادہ مفید ہوئی اور ان کی دعا اللہ جل شانہ نے قبول فرما کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجیت حضرت ام سلمہؓ کو نصیب فرمائی۔

حضرت ام سلمہؓ خود روایت فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس کسی مسلمان کو کوئی مصیبت پہنچے اور وہ اللہ کے فرمان کے مطابق یہ پڑھے:

إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ	ہم اللہ ہی کے لئے ہیں اور ہمیں اللہ ہی کی طرف لوٹ کر جانا ہے اے اللہ! میری مصیبت میں مجھے ثواب دے اور اس سے بہتر اس کا بدل عنایت فرما۔
اَللّٰهُمَّ أْجُرْنِيْ فِيْ مُصِيْبَتِيْ	
وَاَخْلِفْ لِيْ خَيْرًا مِّنْهَا ە	

---

[1] ذکرہ الحافظ فی الاصابہ ۱۲۔ [2] الاصابہ فی ذکر ہند بنت امیۃ وھی ام سلمۃ رضؓ ولم یذکر ھذہ الروایۃ فی الکنی ۱۲ منہ۔

تو اللہ تعالیٰ ضرور اس کو اس کی (گئی ہوئی چیز) سے بہتر عنایت فرمائیں گے جب ابوسلمہؓ کی وفات ہوگئی تو (مجھے یہ حدیث یاد آئی اور) دل میں کہا (کہ اس دُعا کو کیا پڑھوں) ابوسلمہؓ سے بہتر کون ہوگا۔ وہ سب سے پہلا شخص تھا جس نے اپنے گھر سے ہجرت کی۔ پھر بالآخر میں نے یہ دُعا پڑھ لی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اللہ جل شانہٗ نے ابوسلمہؓ کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح میں آنے کا شرف عنایت فرمادیا[1]

حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا یہ بھی روایت فرماتی تھیں کہ جب (پہلے شوہر) حضرت ابوسلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی وفات ہوگئی تو مجھے بہت ہی زیادہ رنج ہوا۔ میں نے اپنے جی میں کہا کہ ابوسلمہؓ پردیس میں تھے جہاں ان کے خاندان کے لوگ نہیں ہیں ان کی موت پر ایسا رونا روؤں گی جس کی شہرت ہوجائے گی۔ میں رونے کے لئے تیار ہو گئی تھی کہ اچانک ایک عورت اور آگئی جو رونے میں میرا ساتھ دینا چاہتی تھی۔ راستہ میں اس عورت کو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مل گئے اور آپؐ کو اس کے ارادہ کی خبر ہوگئی۔ آپؐ نے اس سے فرمایا کہ تیرا یہ ارادہ ہے کہ اس گھر میں دوبارہ شیطان کو داخل کردے جس سے اللہ نے اسے نکالا ہے۔ جب یہ بات مجھے معلوم ہوئی تو میں نے رونے کا ارادہ موقوف کردیا اور نہ روئی[2]۔

جب سیّدِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت ام سلمہؓ کو نکاح کا پیغام بھیجا تو انہوں نے عذر کردیا اور عرض کیا میرے بچے بھی ہیں (جن کی پرورش کا خیال کرنا ہے) اور مجھ سے نکاح کرنے سے کچھ فائدہ بھی نہیں ہے کیونکہ عمر زیادہ ہوگئی ہے۔ مجھ سے اب اولاد بھی پیدا نہ ہوگی اور مزاج میں غیرت بھی بہت ہے (جس کی وجہ سے دوسری سوکنوں کے ساتھ رہنا مشکل ہے) اور میرا یہاں کوئی ولی بھی نہیں ہے اس کے جواب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ عمر کی بات تو یہ ہے کہ میری عمر تم سے زیادہ ہے اور بچوں کا اللہ حافظ ہے ان کی پرورش میں تمہیں کوئی دشواری نہ ہوگی۔ میں بھی ان کا خیال کروں گا اور اللہ سے دعا کروں گا۔ تمہاری غیرت والی بات بھی جاتی رہے گی اور تمہارا کوئی

---

[1] مسلم شریف ۱۲۔ [2] جمع الفوائد از مسلم شریف ۱۲۔

ولی میرے ساتھ رشتہ ہو جانے کو ناپسند نہیں کرے گا۔ چنانچہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا راضی ہو گئیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے نکاح ہو گیا۔ یہ نکاح شوال میں ہوا[1]

نکاح ہو جانے کے بعد آنحضرت صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا کو اسی حجرہ میں لے آئے جس میں حضرت زینب بنت خزیمہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا رہا کرتی تھیں۔ انہوں نے وہاں دیکھا کہ ایک مٹکے میں جو رکھے ہیں اور ایک چکی اور ہانڈی بھی موجود ہے۔ لہٰذا خود جو پیسے اور چکنائی ڈال کر مالیدہ بنایا اور پہلے ہی دن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مالیدہ کھلایا جسے خود ہی بنایا تھا[2]

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا فرماتی تھیں کہ جب آنحضرت صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم نے ام سلمہؓ سے نکاح کیا تو مجھے بہت رنج ہوا (کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ آپ کی توجہ ان کی طرف مجھ سے زیادہ ہو جائے) جس کی وجہ یہ تھی کہ خوبصورتی میں ان کی شہرت تھی۔ میں نے ترکیب سے ان کو دیکھا تو واقعۃً جتنی شہرت تھی اس سے بھی بہت زیادہ حسین معلوم ہوئیں میں نے اس کا حفصہؓ سے ذکر کیا تو انہوں نے کہا نہیں اتنی حسین نہیں ہیں جتنی شہرت ہے۔ ان کے کہنے سے میری آنکھوں سے بھی ان کا حسن گر گیا اور پھر جو دیکھا تو حفصہؓ کی بات ہی ٹھیک معلوم ہوئی[3] (یعنی حسین تو بہر حال تھیں ہمارے نہ ماننے سے تو ان کے حسن میں کمی نہ آئی البتہ سوکنوں والی پرخاش نے ان کے حسن کو حفصہؓ کے کہنے سے آنکھوں سے گرا دیا)۔ ایسی باتیں بشریت کے تقاضوں سے دل میں آجایا کرتی ہیں۔

دانشمندی حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بڑی دانشمند اور سمجھدار تھیں۔ الاصابہ میں لکھا ہے:

وکانت ام سلمۃ موصوفۃ بالجمال البارع والعقل البالغ والرأی الصائب۔	حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا بہت زیادہ حسین تھیں۔ عقلمندی اور صحیح رائے رکھنے والوں میں ان کا شمار تھا۔

صلح حدیبیہ کے موقع پر آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو بڑی الجھن پیش آئی تھی جسے

---

[1] اسد الغابہ، الاصابہ وغیرہ ۱۲۔ [2] حکایات صحابہ ۱۲۔ [3] الاصابہ ۱۲۔

حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا نے سلجھایا۔ واقعہ یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم (سنہ ۶ھ میں) اپنے صحابہ کے ساتھ عمرہ کرنے کے لئے مدینہ منورہ سے مکہ معظمہ کے لئے روانہ ہوئے۔ مشرکین مکہ کو اس کی خبر ہوئی تو انہوں نے مزاحمت کی اور آپ کو مقام حدیبیہ میں رُکنا پڑا۔ جاں نثار صحابہؓ چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر جان قربان کرنے کو تیار رہتے تھے اس لئے اس موقع پر بھی جنگ کے لئے آمادہ ہوگئے مگر آنحضرت صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم نے لڑائی کی بجائے صلح کرنا پسند کیا اور باوجودیکہ حضرات صحابہ رضی اللہ تعالےٰ عنہم لڑائی کے لئے مستعد تھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس قدر رعایت کے ساتھ صلح کرنا منظور فرمالیا کہ مشرکین مکہ کی ہر شرط قبول فرمائی (جس میں بظاہر مشرکین کا نفع اور مسلمانوں کا صریح نقصان معلوم ہوتا تھا) جب صلح نامہ مرتب ہوگیا تو سیّد عالم صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم نے اپنے صحابہؓ سے فرمایا کہ (اب عمرہ کے لئے مکہ معظمہ تو جانا نہیں ہے۔ اب تو واپسی ہی ہے کیونکہ صلح کی شرائط میں یہ بھی منظور کرلیا تھا کہ آپ عمرہ اس سال نہیں کریں گے آئندہ سال عمرہ کے لئے تشریف لائیں گے لہٰذا) اٹھو (اپنا اپنا احرام کھول دو) قربانی کے جانور ذبح کردو۔ پھر سر منڈوالو چونکہ احرام کھولنے کو طبیعتیں گوارا نہیں کررہی تھیں اور مدینہ سے عمرہ کے لئے آئے تھے اس لئے عمرہ ہی کو جی چاہ رہا تھا اور احرام کھولنے سے اپنے سفر کا ضائع ہونا نظر آتا تھا لہٰذا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمانے پر کوئی بھی نہ اٹھا حتیٰ کہ آپؐ نے تین مرتبہ حکم دیا جب کسی نے بھی آپؐ کے ارشاد پر عمل نہ کیا تو آپؐ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے پاس تشریف لے گئے اور ان سے فرمایا کہ لوگ کہا نہیں مان رہے ہیں۔ حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا نے فرمایا کہ اے اللہ کے نبی! کیا آپ یہ چاہتے ہیں کہ سب احرام کھول دیں؟ (اگر واقعۃً آپ کی ایسی خواہش ہے تو) اس کی ترکیب یہ ہے کہ آپ باہر نکل کر ذرا کسی سے نہ بولیں اور اپنے جانور کو ذبح فرما دیں اور بال مونڈنے والے کو بلا کر اپنے بال منڈالیں۔ چنانچہ آپؐ نے ایسا ہی کیا اور باہر نکل کر اپنا جانور ذبح کردیا اور بال منڈا لئے۔ جب صحابہؓ نے یہ ماجرا دیکھا تو سب احرام کھولنے پر راضی ہوگئے اور اپنے اپنے جانور ذبح کرڈالے اور آپس میں دوسرے

کا سر مونڈنے لگے [1] (اور سب نے احرام [2] کھول دیا)۔

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی اس رائے کے متعلق جس سے مشکل حل ہوئی حافظ ابن حجر رحمہ اللہ تعالیٰ الاصابہ میں لکھتے ہیں:

و اشارتها على النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم يوم الحديبية تدل على وفور عقلها وصواب رأيها.	حدیبیہ کے موقع پر آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے رائے دینے سے پتہ چلتا ہے کہ وہ بڑی عقلمند اور ٹھیک رائے رکھنے والی تھیں۔

درحقیقت یہ بڑی سمجھ کی بات ہے کہ انسان موقع کو پہچانے اور یہ سمجھ لے کہ اس وقت لوگ اپنے مقتدیٰ کے قول پر توجہ نہیں دے رہے ہیں لیکن اس کا عمل سامنے آئے گا تو اس کی اقتدا کر لیں گے۔

آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی مصاحبت سے خوب فائدہ اٹھایا اور علوم حاصل کئے

حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح میں آگئیں تو آپؐ کی مصاحبت کو بہت غنیمت جانا اور برابر آپؐ کے ارشادات محفوظ کرتی رہیں اور آپ سے سوال کر کے اپنا علم بڑھاتی رہیں۔ پھر اس علم کو انہوں نے پھیلایا۔ حدیث میں ان کے شاگرد صحابہؓ بھی تھے اور تابعین بھی۔ حضرت عائشہ اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو بھی ان کے شاگردوں میں شمار کیا جاتا ہے [3]۔ حدیث شریف کی کتابوں میں جو حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی روایات ملتی ہیں ان کی تعداد ۳۷۸ ہے۔ محمود بن لبید

---

[1] از بخاری وغیرہ۔ [2] جب حج یا عمرہ کو جاتے ہیں تو ایک مقرر جگہ پر غسل کر کے ایک چادر تہبند کی طرح باندھ لیتے ہیں اور ایک اوڑھ لیتے ہیں اور تلبیہ پڑھ لیتے ہیں حج ختم کرنے تک اسی طرح رہتے ہیں اس کو احرام کہا جاتا ہے۔ یہ مردوں کے احرام کا طریقہ ہے اور جب حج یا عمرہ سے فارغ ہو جاتے ہیں تو احرام کھولتے ہیں جس کی صورت یہ ہے کہ سر منڈاتے یا بال کٹواتے ہیں۔ اس روایت میں اس کو ذکر کیا گیا ہے ۱۲۔ [3] الاصابہ ۱۲۔

فرماتے تھے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کی سب ہی ازواجِ مطہرات آپؐ کے ارشادات کو یاد کرتی تھیں لیکن حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور حضرت ام سلمہؓ کی ہم پلّہ اس میں اور کوئی بیوی نہ تھی ؎۱

مروان بن الحکم حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا سے مسائل دریافت کرتے تھے اور کہتے تھے کہ ہم اور کسی سے کیوں پوچھیں جبکہ ہمارے اندر آنحضرت صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کی بیویاں موجود ہیں ؎۲ اگر حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا کے فتاویٰ جمع کئے جائیں تو خاصی تعداد میں جمع ہو سکتے ہیں اور ان کے مجموعہ کا ایک رسالہ بن سکتا ہے ؎۳

حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا کو آنحضرت صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کے ارشادات سننے کا بہت شوق تھا۔ ایک مرتبہ بال گوندھ رہی تھیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ کے لئے (مسجد نبوی میں) کھڑے ہوئے زبان مبارک سے نکلا تھا کہ اَیُّھَا النَّاسُ (اے لوگو!) تو حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا نے سُن لیا (کیونکہ ازواج مطہرات کے حجرے مسجد نبوی سے ملے ہوتے تھے) آواز سنتے ہی بال باندھ کر کھڑی ہوگئیں اور پورا خطبہ سنا ؎۴۔ ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ یا رسول اللہ! میں اپنے سر کی مینڈھیاں بہت سختی سے باندھتی ہوں تو کیا غسلِ جنابت کے لئے ان کو کھولا کروں؟ فرمایا نہیں! بس اتنا کافی ہے کہ تم اپنے سر پر تین بار لپ بھر کر پانی ڈال لیا کرو (جس سے بالوں کی جڑیں تر ہو جائیں) اس کے بعد سارے بدن پر پانی بہا لیا کرو۔ ایسا کرنے سے پاک ہو جاؤ گی ؎۵

حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا روایت فرماتی تھیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے سکھلایا کہ مغرب کی اذان کے وقت یہ پڑھا کرو۔

؎۱ ابن سعد ۱۲ ؎۲ مسند امام احمد ابن حنبل ۱۲ ؎۳ اعلام الموقعین ۱۲ ؎۴ مسند امام احمد۔
؎ع مسئلہ: عورت کے لئے غسل میں سر کے بالوں کی جڑوں کو تر کرنا فرض ہے۔ سر کے سارے بالوں کا بھگونا فرض نہیں بشرطیکہ مینڈھیاں بندھی ہوں ۱۲۔ ؎۵ مسلم شریف۔

اَللّٰهُمَّ اِنَّ هٰذَا اِقْبَالُ لَيْلِكَ وَاِدْبَارُ نَهَارِكَ وَاَصْوَاتُ دُعَائِكَ فَاغْفِرْلِیْ ۔ ؎۱

اے اللہ! یہ تیری رات کے آنے اور دن کے جانے اور تیرے بلانے کی آوازوں کا وقت ہے سو مجھے بخش دے۔

ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دولت کدہ میں تشریف رکھتے تھے اور آپ کے پاس حضرت ام سلمہ اور حضرت میمونہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا بھی تھیں کہ اچانک حضرت عبداللہ بن ام مکتوم رضی اللہ تعالےٰ عنہ آگئے وہ چونکہ نابینا تھے اس لئے یہ سمجھ کر کہ ان سے کیا پردہ کرنا ہے دونوں بیبیاں بیٹھی رہیں اور پردہ نہ کیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ان سے پردہ کرو۔ حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا نے عرض کیا یارسول اللہ! کیا وہ نابینا نہیں ہیں؟ ہم کو تو نہیں دیکھ سکتے! پھر پردہ کی کیا ضرورت ہے؟ آپ نے جواب میں فرمایا کیا تم دونوں بھی نابینا ہو؟ کیا تم ان کو نہیں دیکھ رہی ہو ؎۲

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی تھیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایک پناہ لینے والا بیت اللہ میں آکر پناہ لے گا۔ اس سے لڑنے کے لئے ایک لشکر چلے گا اور وہ لشکر ایک میدان میں پہنچ کر زمین میں دھنس جائے گا۔ میں نے عرض کیا یارسول اللہ! جو لوگ اس لشکر میں شریک نہ ہوں گے اور اس لشکر کی چڑھائی کو برا سمجھ رہے ہوں گے کیا وہ بھی (اس میدان میں ہونے کی وجہ سے) ان کے ساتھ دھنسا دیئے جائیں گے؟ آپ نے فرمایا اس لشکر کے ساتھ وہ بھی دھنسائے جائیں گے لیکن قیامت کے روز ہر ایک کا اپنی اپنی نیت پر حشر ہوگا۔ ؎۳

ایک مرتبہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا نے سوال کیا کہ یارسول اللہ! کیا مجھے (اپنے شوہر) ابوسلمہ کی اولاد پر خرچ کرنے سے اجر ملے گا حالانکہ وہ میری ہی اولاد ہیں۔ آپ نے جواب میں فرمایا کہ ان پر خرچ کرو تم کو اس خرچ کرنے کا اجر ملے گا ؎۴

ایک مرتبہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا نے عرض کیا یارسول اللہ! مرد جہاد کرتے

؎۱ مشکوٰۃ شریف ۱۲۔ ؎۲ مشکوٰۃ عن احمد والترمذی ۱۲۔
؎۳ مشکوٰۃ شریف عن الصحیحین ۱۲۔ ؎۴ بخاری شریف ۱۲۔

ہیں اور عورتیں جہاد نہیں کرتی ہیں اور عورتوں کو مرد کے مقابلہ میں آدھی میراث ملتی ہے (اس کا سبب کیا ہے) اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔

وَلَا تَتَمَنَّوْا مَا فَضَّلَ اللّٰهُ بِهٖ بَعْضَكُمْ عَلٰى بَعْضٍ

ترجمہ: اور ہوس مت کرو جس چیز میں بڑائی دی اللہ نے ایک کو ایک پر۔ [1]

ایک مرتبہ عرض کیا کہ یارسول اللہ! قرآن میں عورتوں کا ذکر کیوں نہیں ہے اس پر اللہ جل شانہٗ نے آیت اِنَّ الْمُسْلِمِيْنَ وَالْمُسْلِمَاتِ وَالْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنَاتِ (آخر تک) نازل فرمائی [2]

حضرت ابوبکر بن عبدالرحمٰن روایت فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی زبانی ایک وعظ کے موقع پر سنا کہ جس پر جنابت کا غسل فرض ہوا اور صبح ہو جانے تک غسل نہ کیا تو اب روزہ نہ رکھے (کیونکہ اس کا روزہ نہ ہوگا) میں نے اپنے والد صاحب سے اس کا تذکرہ کیا تو انہوں نے فرمایا یہ تو عجیب مسئلہ بتایا۔ اس کے بعد میں اور والد صاحب حضرت عائشہؓ اور حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے پاس پہنچے اور ان سے تحقیق کی تو دونوں نے جواب دیا (یہ مسئلہ غلط ہے کیوں کہ) رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو جنابت کی حالت میں صبح ہو جاتی تھی اور آپؐ روزہ رکھ لیتے تھے اور یہ جنابت احتلام کی وجہ سے نہیں بلکہ مباشرت کی وجہ سے ہوتی تھی۔

یہ جواب سن کر ہم دونوں باپ بیٹے مروان بن الحکم کے پاس پہنچے اس وقت وہ مدینہ منورہ کے گورنر تھے۔ ان سے والد صاحب نے اس کا تذکرہ کر دیا تو انہوں نے فرمایا میں تم کو قسم دلاتا ہوں کہ ضرور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے پاس جاؤ اور ان کے قول کی تردید کرو۔ لہٰذا ہم حضرت ابوہریرہؓ کے پاس آئے اور ان سے والد صاحب نے حضرت عائشہؓ اور امّ سلمہؓ کا جواب نقل کر دیا۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے سوال کیا کہ ان دونوں نے یہ مسئلہ اس طرح بتایا ہے؟ والد صاحب نے فرمایا جی ہاں انہوں نے یہی جواب دیا ہے۔ یہ سن کر حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ وہی زیادہ جانتی ہیں مجھ

---

[1] جمع الفوائد ۱۲۔ [2] جمع الفوائد وغیرہ ۱۲۔

تو فضل بن عباس رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے یہ بتایا تھا اور میں نے خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے نہیں سنا ہے۔ یہ فرما کر حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے اپنے فتوے سے رجوع فرما لیا۔ [1]

ایک مرتبہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے طرز پر قرأت کر کے بتائی کہ آپ ایک ایک آیت پر ٹھہرتے تھے بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ پڑھ کر ٹھہرتے پھر اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ رَبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ پڑھ کر ٹھہرتے اَلرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ پڑھ کر ٹھہرتے۔ پھر مٰلِکِ یَوۡمِ الدِّیۡنِ پڑھ کر توقف فرماتے (غرضیکہ آپ اسی طرح علیحدہ علیحدہ آیات کر کے پڑھتے تھے [2]

حضرت ام سلمہؓ فرماتی تھیں کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم مجھے حکم فرماتے تھے کہ ہر مہینے میں تین روزے رکھ لیا کرو جن میں پہلا پیر یا جمعرات ہو۔ (ابو داؤد و نسائی)

ایک مرتبہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ لنگی اور تہبند کا لٹکانا جس میں تفاخر اور تکبّر ہو منع ہے۔ آدھی پنڈلی تک ہونا چاہیئے۔ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے سوال کیا یا رسول اللہ! عورت کا کیا حکم ہے فرمایا وہ آدھی پنڈلی سے ایک بالشت نیچا کر لیوے۔ عرض کیا کہ اس سے تو کام نہیں چلے گا کیونکہ کپڑا اوپر ہی رہ جائے گا اور جگہ دکھائی دیتی رہے گی۔ فرمایا اچھا آدھی پنڈلی سے ایک ہاتھ نیچا کر لیں۔ اس سے زیادہ نہیں۔ [3]

ایک مرتبہ حضرت عبد الرحمٰن بن عوف رضی اللہ تعالےٰ عنہ تشریف لائے تو حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے حدیث سنائی کہ آنحضرت صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بعض لوگ جو مسلمان سمجھے جاتے ہیں (اور دل سے مسلمان نہیں ہیں) ایسے لوگوں کو اپنی وفات کے بعد میں نہ دیکھوں گا نہ وہ مجھے دیکھ سکیں گے۔ حضرت عبد الرحمٰن رضی اللہ تعالےٰ عنہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالےٰ عنہ کے پاس پہنچے اور ان سے یہ حدیث نقل کی تو حضرت عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہ خود حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے پاس تشریف لے گئے اور پوچھا کہ خدا کی قسم سچ سچ کہنا میں اُن میں تو نہیں ہوں (جن کا ذکر اس حدیث میں ہے)

۱؎ جمع الفوائد ۱۲۔ ۲؎ جمع الفوائد ۱۲۔ ۳؎ مشکوٰۃ شریف ۱۲۔

حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا نے فرمایا نہیں۔ (تم ان میں سے نہیں ہو) لیکن تمہارے علاوہ اور کسی کو واضح کر کے یہ بات نہ بتاؤں گی [1] (کیونکہ ایسی باتیں ظاہر کرنا مصلحت کے خلاف ہے)۔

حضرت اُمِ سلمہ رضی اللہ عنہا کے بچّوں کی پرورش

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے بچّوں کی بہ نفس نفیس پرورش فرمائی اور ان کی تعلیم و تربیت کا خاص لحاظ رکھا۔ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے صاحبزادے حضرت عمر بن ابی سلمہ رضی اللہ عنہ روایت فرماتے ہیں کہ میں بچّہ تھا، رسولِ خُدا صلی اللہ علیہ وسلم کی گود میں پرورش پاتا تھا۔ ایک مرتبہ آپؐ کے ساتھ کھانے کو جو بیٹھا تو پیالہ میں ہر طرف ہاتھ ڈالنے لگا آپؐ نے مجھ سے فرمایا کہ بِسۡمِ اللّٰہ پڑھ کر کھا اور داہنے ہاتھ سے کھا اور اپنی طرف سے کھا [2]

صَدقہ کرنے کی ہَدایت

ایک مرتبہ چند مساکین آگئے اور بہت ضد کر کے سوال کرنے لگے۔ ان میں چند عورتیں بھی تھیں اس وقت حضرت ام سلمہؓ کے پاس گھر میں ایک اور خاتون موجود تھیں جن کو ام الحسین کہا جاتا تھا، انہوں نے ان مسکینوں سے کہا کہ چلو نکلو۔ یہ سُن کر حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا نے فرمایا کہ ہمیں اس کا حکم نہیں دیا گیا (کہ سوال کرنے والوں کو جھڑکیں اور بغیر کچھ دیئے واپس کر دیں) پھر ایک لڑکی سے فرمایا ان سب کو کچھ نہ کچھ دے دے اگرچہ ایک ایک کھجور ہی ہو (الاستیعاب)

امر بالمعروف

حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی بھی پابند تھیں۔ ایک روز ان کے بھتیجے نے دو رکعت نماز پڑھی۔ چونکہ سجدہ کی جگہ غبار تھا اس لئے وہ صاحبزادے سجدہ کرتے وقت مٹی جھاڑ دیتے تھے۔ یہ دیکھ کر حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے ان کو روکا اور فرمایا کہ یہ فعل آنحضرت

---

[1] مسند امام احمد بن حنبل ۱۲۔ [2] بخاری ۱۲

صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کے طریقہ کے خلاف ہے ۔

ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کے سامنے ایک غلام (افلح) نے ایسا کیا تھا تو آپؐ نے فرمایا تھا کہ اے افلح! اپنا چہرہ مٹی میں ملا۔ [1]

نماز کے اوقات بعض امراء نے تبدیل کر دیئے تھے یعنی مستحب اوقات چھوڑ دیئے تھے۔ حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا نے ان سے فرمایا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ظہر جلدی پڑھا کرتے تھے اور تم عصر جلدی پڑھتے ہو۔ [2]

وفات

حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا نے ۵۹ھ میں وفات پائی۔ اور حضرت ابوہریرہؓ نے نماز جنازہ پڑھائی۔ اس وقت ان کی عمر شریف ۸۴ سال کی تھی۔ یہ واقدی کا قول ہے لیکن دیگر حضرات نے ان کی وفات ۶۱ھ یا ۶۲ھ میں بتائی ہے۔ ازواج میں سب سے آخر میں ان ہی کی وفات ہوئی رضی اللہ عنہا وارضاہا۔ [3]

۱؎ مسند امام احمد ۱۲۔ ۲؎ مسند امام احمد بن حنبل۔ ۳؎ الاصابہ ۱۲۔

حضرت زینبؓ بنتِ جحش رضی اللہ تعالیٰ عنہا

حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے نکاح ہونے کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نکاح حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے ہوا۔ ان کی والدہ کا نام امیمہ تھا جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حقیقی پھوپی تھیں۔ حضرت زینبؓ کا پہلا نکاح حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے ہوا تھا جو رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے آزاد کردہ غلام تھے۔ جب انہوں نے طلاق دے دی تو اللہ رب العزت نے حضرت زینبؓ کا نکاح سیدِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے کر دیا۔

پہلا نکاح

جیسا کہ ابھی ذکر ہوا سیدِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زینبؓ کا پہلا نکاح حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کر دیا تھا۔ حضرت زید کے والد کا نام حارثہ اور والدہ کا نام سعدیٰ تھا۔ ان کی والدہ اپنے بچہ (زید بن حارثہ) کو لے کر میکہ جا رہی تھیں کہ لٹیروں نے حضرت زید کو چھین کر مکہ کے بازار میں لاکر بیچ دیا۔ خریدنے والے حکیم بن حزام حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے بھتیجے تھے۔ انہوں نے چار سو درہم میں خرید کر اپنی پھوپی (حضرت خدیجہؓ) کو دے دیا اور جب حضرت خدیجہؓ کا نکاح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ہوا تو انہوں نے حضرت زید کو ہبۃً سیدِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کر دیا۔ آپؐ نے ان کو آزاد فرما کر اپنا بیٹا بنا لیا اور وہ زید بن محمدؐ کے نام سے مشہور ہو گئے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مصاحبت ان کو ایسی بھلی لگی کہ ان کے والد اور چچا خبر پا کر مکہ معظمہ ان کو لینے آئے تو باوجودیکہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان کو اختیار دے دیا تھا کہ تم چاہو تو چلے جاؤ لیکن وہ نہ گئے اور والد اور چچا اور سارے کنبہ کے مقابلہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ترجیح دی۔ جب حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ بالغ ہو گئے تو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان کا نکاح اپنی باندی برکہ نامی سے کر دیا جن کی کنیت ام ایمن تھی۔ انہوں نے بچپن میں آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ

علیہ وسلم کی پرورش کی تھی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے والد یا والدہ کی ملکیت تھیں۔ ان کی وفات کے بعد ورثہ میں آپؐ کی ملک میں آئیں۔ انہوں نے بھی اسلام کے ابتدائی دور میں اسلام قبول کیا تھا۔ مدینہ کو ہجرت بھی کی تھی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان کی بڑی قدر کیا کرتے تھے اور یہ فرماتے تھے کہ میری والدہ کے بعد ام ایمن میری والدہ ہیں کبھی فرماتے تھے کہ ام ایمن میرے خاندان کا بقیہ ہیں۔ حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بیٹے اسامہ رضی اللہ عنہ کی والدہ حضرت ام ایمن ہی تھیں۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہا [1]

حضرت ام ایمن حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نکاح میں تھیں اور آپؐ نے ان کا دوسرا نکاح حضرت زینب رضی اللہ عنہا سے کرنا چاہا اور پیغام بھیج دیا جب پیغام پہنچا تو حضرت زینبؓ اور ان کے بھائی عبدالرحمٰن بن جحشؓ نے اس کو مکروہ سمجھا کہ ایک قریشیہ کا نکاح آزاد کردہ غلام سے ہو (گو اسلام میں نکاح کے لئے نسب کی برابری دیکھنے کی بھی رعایت کی گئی ہے مگر اس کے معنی یہ نہیں ہیں کہ غیر کفو میں نکاح جائز ہی نہ ہو) حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا بھیجا ہوا پیغام جو زید کے لئے تھا چونکہ حضرت زینبؓ اور ان کے بھائی نے مکروہ جانا اس لئے اللہ جل شانہ نے یہ آیت نازل فرمائی۔

وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ إِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُولُهٗ أَمْرًا أَنْ يَّكُونَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ أَمْرِهِمْ وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُولَهٗ فَقَدْ ضَلَّ ضَلَالًا مُّبِيْنًا ۝ (۳۳: ۳۶)

اور کسی ایماندار مرد یا عورت کو گنجائش نہیں ہے جبکہ اللہ اور اس کا رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کسی کام کا حکم دیں کہ (پھر) ان کو اس کام میں کوئی اختیار (کرنے نہ کرنے کا) باقی رہے اور جو شخص اللہ اور اس کے رسول کا کہنا نہ مانے وہ کھلی گمراہی میں پڑا۔

جب حضرت زینبؓ اور ان کے بھائی کو یہ خبر لگی کہ یہ آیت نازل ہوئی ہے تو دونوں اس پر راضی ہو گئے کہ حضرت زیدؓ سے نکاح ہو جائے۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زیدؓ سے حضرت زینبؓ کا نکاح کر دیا اور مہر میں ۱۰ دینار، ۶۰ درہم، چار

---

[1] البدایہ ۱۲

کپڑے ۵۰ مُدغلہ[ع] ۳۰ صاع کھجوریں مقرر ہوئیں حضرت زینب رضی اللہ عنہا اپنے شوہر حضرت زیدؓ کے پاس رہنے لگیں اور دونوں میاں بیوی کی طرح رہتے سہتے رہے۔[1]
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم قولی طور پر بھی تعلیم دیتے تھے اور عمل کرکے دکھا کر بھی احکام و آداب سکھاتے تھے۔ اس نکاح کے کر دینے سے آپ نے عملاً یہ ثابت کر دیا کہ غیر کفو میں شرعًا نکاح کر لینا درست ہے اور اس سے اسلام کی اس اہم تعلیم کا بھی پتہ چل گیا کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک دینداری کی بلندی تمام بلندیوں سے بڑھی ہوئی ہے حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس حقیقت کو اس قدر واضح کیا کہ اپنی حقیقی پھوپی کی بیٹی کا نکاح ایک ایسے آزاد کردہ غلام سے کرکے دکھایا جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی فرمانبرداری میں سراپا محو تھا اور اس نکاح کے متعلق اللہ نے کلام پاک میں آیات نازل فرمائیں جو ہمیشہ پڑھی جاتی رہیں گی اور نسب پر فخر کرنے والوں کو دین داری کی تاکید کرتی رہیں گی۔

حرمِ نبوت میں آنا حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کے نکاح میں ایک سال یا اس سے کچھ زیادہ رہیں[2] لیکن دونوں میں نباہ نہیں ہوا حتیٰ کہ ایک روز حضرت زید رضی اللہ عنہ بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ یارسول اللہ! زینب کی بدکلامی نے مجھے ستا دیا لہٰذا میں طلاق دینا چاہتا ہوں۔ آپؐ نے ان سے فرمایا اَمۡسِكۡ عَلَيۡكَ زَوۡجَكَ وَاتَّقِ اللّٰهَ (اپنی بیوی کو اپنے نکاح میں رکھو اور اللہ سے ڈرو) لیکن پھر بھی آپس میں دونوں کا میل نہ ہوسکا۔ اور آخر آپؐ کی اجازت سے انہوں نے حضرت زینب رضی اللہ عنہا کو طلاق دے دی اور جب عدت گذر گئی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زیدؓ ہی کو اپنے نکاح کا پیغام دے کر حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے پاس بھیجا وہ اس وقت آٹا گوندھ رہی تھیں۔ حضرت زید رضی اللہ عنہ نے ان کی طرف کو پشت کرکے فرمایا کہ اے

---

[1] معالم التنزیل ۱۲۔ [ع] اس زمانے میں ایک پیمانے کا نام تھا جو تقریبًا ایک سیر کا ہوتا ہے اور صاع بھی پیمانے کا نام تھا ۱۲۔ [2] البدایہ ۱۲۔

زینب خوشخبری قبول کرو۔ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھیجا ہے تاکہ تم کو آپؐ کی طرف سے نکاح کا پیغام دوں۔ یہ سن کر حضرت زینب رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ میں اللہ سے مشورہ لئے بغیر کوئی کام نہیں کر سکتی ہوں۔ یہ کہہ کر استخارہ کرنے کے لئے نماز پڑھنے کھڑی ہوگئیں۔[۱] یہاں انہوں نے نماز شروع کی اور وہاں آنحضرت صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم پر وحی نازل ہوئی۔

فَلَمَّا قَضٰى زَيْدٌ مِّنْهَا وَطَرًا زَوَّجْنٰكَهَا الآيۃ۔ (۳۳: ۳۷)

پھر جب زید کا ان (زینب) سے جی بھر گیا ہم نے آپؐ سے ان کا نکاح کر دیا۔

لہٰذا حضرت زینب رضی اللہ عنہا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بیوی ہوگئیں وہ اس پر دوسری بیویوں کے مقابلے میں فخر کیا کرتی تھیں کہ تمہارا نکاح تمہارے عزیزوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا اور میرا نکاح اللہ تعالےٰ نے کر دیا۔[۲]

بعض روایات میں ہے کہ حضرت زینب رضی اللہ عنہا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دوسری بیویوں سے بطور فخر فرمایا کرتی تھیں کہ تمہارے نکاح تمہارے والدوں نے (یا دوسرے اولیائنے) کئے اور میرا نکاح عرش والے نے کیا۔ چونکہ اللہ جل شانہٗ نے ان کا نکاح خود کر دیا اس لئے دنیا میں دوسرے نکاحوں کی طرح آپ کا نکاح حضرت زینبؓ سے نہیں ہوا بلکہ آیت کا نازل ہونا ہی نکاح تھا۔ جب یہ آیت نازل ہوئی تو آپؐ حضرت زینبؓ کے پاس بغیر اجازت ہی مکان میں چلے گئے۔[۳]

اس واقعۂ نکاح سے کئی چیزیں معلوم ہوئیں۔

(۱) جسے کوئی شخص اپنا بیٹا بنالے تو وہ اس کا حقیقی بیٹا نہیں بن جاتا ہے بنائے ہوئے بیٹے کی بیوی سے نکاح درست ہے جب کہ وہ طلاق دے دے اور عدّت گذر جائے۔ اہلِ عرب اس بات کو بہت بُری سمجھتے تھے اور بنائے ہوئے بیٹے کی بیوی سے نکاح کرنے کو ایسا سمجھتے تھے جیسے حقیقی بیٹے کی بیوی سے کوئی شخص نکاح کرلے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو پہلے ہی سے اللہ تعالےٰ نے خبر دی تھی کہ زینب سے آپ کا نکاح ہوگا لیکن

---

[۱] فتح الباری وغیرہ ۱۲۔ [۲] البدایہ ۱۲۔ [۳] الاستیعاب، الاصابہ ۱۲۔

آپ اس خبر کو ظاہر کرنے سے ہچکچاتے رہے اور لوگوں کی بدزبانی کے خوف سے اس بات کو پوشیدہ رکھا تاکہ یوں نہ سمجھیں کہ دیکھو بیٹے کی بیوی سے نکاح کر لیا لیکن چونکہ اللہ تعالیٰ کو منظور تھا کہ عرب کی یہ جہالت ٹوٹے اور بنائے ہوئے بیٹے کی بیوی سے نکاح کر لینا اسلام میں جائز سمجھ لیا جائے اس لئے اللہ جل شانہٗ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے حضرت زینب رضی اللہ عنہا کا نکاح کر دیا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تنبیہ فرماتے ہوئے قرآن پاک کی آیت نازل فرمائی۔

وَتُخْفِیْ فِیْ نَفْسِكَ مَا اللّٰهُ مُبْدِیْهِ	اور تم اپنے دل میں وہ بات چھپائے ہوئے تھے
وَتَخْشَی النَّاسَ وَاللّٰهُ اَحَقُّ	جسے اللہ ظاہر کرنے والا تھا اور تم لوگوں سے ڈرتے ہو
اَنْ تَخْشَاهُ ﴿۳۳: ۳۷﴾	حالانکہ اللہ اس کے سب سے زیادہ مستحق ہیں کہ ان سے ڈرو۔

اس آیت میں اللہ جل شانہٗ کی طرف سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تنبیہ کی گئی ہے جس کا عنوان گرفت اور مواخذہ کا ہے۔ حضرت حسن (بصری) رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے تھے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر اس آیت سے زیادہ سخت کوئی آیت نہیں اتری (جس میں گرفت اور عتاب کا انداز ہو) اور اگر آپ (اپنے اختیار سے) کسی آیت کو چھپانے کے حقدار ہوتے تو اس آیت کو تو ضرور چھپا لیتے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے بھی اس آیت کے متعلق ایسا ہی فرمایا ہے[1]

(۲) عورت کے پاس جب کسی کے نکاح کا پیغام پہنچے تو اسے اس بارے میں استخارہ کرنا چاہیئے جیسے مرد استخارہ کرتے ہیں (جن میں دین داری ہوتی ہے) اسی طرح عورت کو استخارہ کرنا چاہیئے کہ مرد کی دینداری یا مالداری یا اور کسی صفت کو دیکھ کر جھٹ اسے منظور کر لینا مناسب نہیں ہے اس بارے میں اللہ سے مشورہ لینا چاہیئے جسے استخارہ کہتے ہیں۔ بظاہر تو یہ معلوم ہوگا کہ اس شخص سے نکاح کرنا خیر ہی خیر ہے لیکن اللہ سے مشورہ لینے میں نفع ہے کہ اللہ پوشیدہ اور آئندہ سب حالات کو جانتے ہیں ممکن ہے کہ عورت اس مرد کی نیکی اور دینداری کی قدر نہ کر سکے بلکہ اس کو ستانے کا باعث بن کر

---

[1] فتح الباری و جمع الفوائد ۱۲۔

خدائے قدوس کو اپنے سے ناراض کر لیوے۔ دیکھو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑھ کر کوئی نہ ہوا اور نہ ہوگا۔ لیکن پھر بھی حضرت زینب رضی اللہ تعالےٰ عنہا نے پیغام پہنچنے پر استخارہ کیا۔

(۳) سب مومن آپس میں ایمانی بھائی ہیں۔ عداوت اور بغض ایمان والوں کا کام نہیں۔ مرد عورت کا جب نکاح ہو جاتا ہے تو ان دونوں میاں بیوی میں اور ان کے خاندانوں میں ایمانی برادری کے ساتھ ساتھ ایک تعلق اور بڑھ جاتا ہے لیکن اگر وہ تعلق ٹوٹ جائے (مثلاً یہ کہ شوہر بیوی کو طلاق دے دے) تو آپس میں دشمنی کی کوئی وجہ نہیں بلکہ ایمانی بھائی بہن اب بھی ہیں۔ دونوں ایک دوسرے کا احترام کریں۔ ایک دوسرے کا برا نہ چاہیں غالباً یہی تعلیم دینے کے لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زیدؓ ہی کو حضرت زینبؓ کے پاس اپنے نکاح کا پیغام دے کر بھیجا ہمارے ملک میں یہ رواج ہے کہ مرد عورت کو طلاق دے دے تو دونوں آپس میں دشمن بن جاتے ہیں۔ ایک دوسرے کی کٹی میں لگ جاتے ہیں بلکہ دونوں خاندانوں میں دشمنی پیدا ہو جاتی ہے یہ سراسر غلط اور اسلام کے خلاف ہے۔

(۴) حضرت زیدؓ کا نام قرآن مجید میں آیا ہے اور کسی صحابی کا نام قرآن میں مذکور نہیں ہے اللہ اللہ رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کے غلام کا یہ مقام ہے کہ قرآن میں ان کا نام آیا اور آپؐ نے اپنی پھوپی زاد بہن سے ان کا نکاح کیا اور ان سے پہلے حضرت ام ایمنؓ سے نکاح کیا تھا جن کو آپؐ اپنی ماں کی برابر جانتے تھے۔

ولیمہ

حضرت زینب رضی اللہ تعالےٰ عنہا سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نکاح ذیقعدہ ۵ھ میں ہوا بعض نے ۳ھ بھی لکھا ہے مگر صحیح ۵ھ ہے۔ نکاح کے بعد جب رات گزر گئی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی نئی بیوی سے ملاقات فرمائی تو صبح کو جب دن چڑھ گیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ولیمہ کی دعوت کی۔ ایک بکری ذبح فرما کر ولیمہ کیا۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے تھے کہ ایسا ولیمہ آپؐ نے اور کسی بیوی کا نہیں کیا۔ ان کے الفاظ یہ ہیں:

ما اولم رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم علی امراۃ من نسائہ اکثر او افضل ما اولم علی زینب [1]	حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے شادی کرکے جو آپؐ نے ولیمہ کیا اس سے بہتر ولیمہ آپؐ نے کسی بیوی سے شادی کرنے پر نہیں کیا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی بکری ذبح فرمائی اور حضرت انسؓ کی والدہ ام سلیم رضی اللہ عنہا نے بھی اس موقع پر آپؐ کی خدمت میں حضرت انس رضی اللہ عنہ کے ہاتھ حریرہ بنا کر ایک برتن میں بھیج دیا اور تقریباً ۳۰۰ افراد نے خوب پیٹ بھر کر کھایا۔[2]

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ جاؤ فلاں فلاں کو اور ان کے علاوہ جو تم کو ملے بلا لاؤ۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ میں بہت سوں کو بلا لایا جس کے نتیجے میں آپؐ کے چبوترہ اور حجرہ میں آدمی ہی آدمی بھر گئے آپؐ نے ان لوگوں سے فرمایا کہ دس دس کا حلقہ بنا لو اور ہر شخص اپنی طرف سے کھائے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا دستِ مبارک اس کھانے میں رکھا اور کچھ پڑھا۔ اس کھانے میں اتنی برکت ہوئی کہ سب نے کھا لیا تب بھی ختم نہ ہوا۔ سب فارغ ہوگئے تو سیدِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا کہ اے انس! اس کھانے کو اٹھا لو میں نے اسے اٹھایا تو یہ فیصلہ نہ کر سکا کہ جب یہ کھانا میں نے لوگوں کے کھانے کے لئے رکھا تھا اس وقت زیادہ تھا یا اب زیادہ ہے۔[3] (غرضیکہ اس میں اتنی برکت ہوئی کہ سینکڑوں آدمیوں کے کھا لینے پر بھی سارا بچ گیا۔ بلکہ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ پہلے سے زیادہ ہے)۔

نزولِ حجاب

اب تک پردہ کا حکم نازل نہیں ہوا تھا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب حضرت زینبؓ سے شادی کرنے کے موقع پر ولیمہ کیا تو اس موقع پر جب لوگ دعوتِ ولیمہ کھانے کے لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے

---

[1] مسلم شریف ۱۲۔ [2] مجمع الفوائد ۱۲۔ [3] مسلم شریف ۱۲

دولت کدہ پر حاضر ہوئے تو آپؐ کی نئی دُلہن حضرت زینب رضی اللہ عنہا دیوار کی طرف منہ کرکے (علیحدہ پردہ ڈالے بغیر) بیٹھی رہیں حتیٰ کہ پردہ کا حکم نازل ہوگیا۔ جس کی تفصیل حضرت انس رضی اللہ عنہ اس طرح روایت فرماتے ہیں کہ پردہ کا حکم کب اترا اور کیونکر اترا اس کو میں سب لوگوں سے زیادہ جانتا ہوں۔ سب سے پہلے پردہ کا حکم اس وقت نازل ہوا جب کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زینب بنت جحش رضؓ سے نکاح کرنے کے بعد رات گذارنے پر صبح کو ولیمہ کیا۔ چنانچہ آپؐ نے لوگوں کو بلایا۔ لوگ آئے اور کھانا کھا کر چلے گئے لیکن چند آدمی وہیں باتیں کرتے ہوتے رہ گئے اور بہت دیر لگا دی۔ آپؐ کو اس سے بہت تکلیف ہوئی۔ آپ چاہتے تھے کہ یہ لوگ چلے جائیں لیکن لحاظ کی وجہ سے ان سے جانے کو فرما نہ سکے بلکہ ان کے اٹھانے کے لئے یہ عمل کیا کہ خود آپ وہاں سے چل دیئے اور میں بھی آپؐ کے ساتھ چل کھڑا ہوا تاکہ وہ لوگ مکان سے نکل جائیں۔ حتیٰ کہ آپؐ حضرت عائشہؓ کے حجرہ کی چوکھٹ تک آئے پھر یہ سمجھ کر واپس ہوگئے کہ اب وہ لوگ چلے گئے ہوں گے۔ میں بھی آپؐ کے ساتھ واپس ہوگیا۔ آکر دیکھا کہ وہ لوگ ابھی بیٹھے ہی ہیں۔ لہٰذا آپؐ پھر واپس ہوئے اور میں آپؐ کے ساتھ تھا حتیٰ کہ آپ پھر حضرت عائشہؓ کے حجرہ کی چوکھٹ تک آئے اور یہ سمجھ کر واپس ہوگئے کہ اب چلے گئے ہوں گے۔ میں بھی آپؐ کے ساتھ واپس ہوگیا اس مرتبہ آکر دیکھا کہ لوگ چلے گئے ہیں۔ اس کے بعد آپؐ نے میرے اور اپنے درمیان پردہ ڈال دیا اور پردہ کی آیت نازل ہوگئی۔ یہ بخاری شریف کی روایت ہے۔

مسلم شریف کی ایک روایت میں ہے کہ جب لوگ نکل گئے تو میں بھی آپؐ کے ساتھ اندر جانے لگا لہٰذا آپؐ نے میرے اور اپنے درمیان پردہ ڈال لیا اور پردہ کا حکم نازل ہوا اور لوگوں کو نصیحت ہوئی پردہ کی جو آیت اس وقت نازل ہوئی یہ ہے۔

يَا اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَدْخُلُوْا	اے ایمان والو نبیؐ کے گھروں میں (بلائے بغیر)
بُيُوْتَ النَّبِيِّ اِلَّآ اَنْ يُّؤْذَنَ لَكُمْ	مت جایا کرو مگر جس وقت تم کو کھانے کے لئے
اِلٰى طَعَامٍ غَيْرَ نٰظِرِيْنَ اِنٰهُ وَلٰكِنْ	اجازت دی جائے ایسے طور پر کہ اس کی تیاری

إِذَا دُعِيتُمْ فَادْخُلُوا فَإِذَا
طَعِمْتُمْ فَانْتَشِرُوا وَلَا
مُسْتَأْنِسِينَ لِحَدِيثٍ إِنَّ ذَٰلِكُمْ
كَانَ يُؤْذِي النَّبِيَّ فَيَسْتَحْيِي
مِنْكُمْ وَاللَّهُ لَا يَسْتَحْيِي
مِنَ الْحَقِّ وَإِذَا سَأَلْتُمُوهُنَّ
مَتَاعًا فَاسْأَلُوهُنَّ مِنْ وَرَاءِ
حِجَابٍ ذَٰلِكُمْ أَطْهَرُ لِقُلُوبِكُمْ
وَقُلُوبِهِنَّ ؕ (۳۳: ۵۳)

کے منتظر نہ ہو، لیکن جب تم کو بلایا جائے تب جایا کرو پھر جب کھانا کھا چکو تو اٹھ کر چلے جایا کرو اور باتوں میں جی لگا کر مت بیٹھے رہا کرو۔ اس بات سے نبیؐ کو ناگواری ہوتی ہے سو وہ لحاظ کی وجہ سے تم سے شرماتے ہیں اور اللہ صاف بات فرمانے سے لحاظ نہیں فرماتا اور جب تم نبیؐ کی بیویوں سے کوئی چیز مانگو تو پردہ کے باہر سے مانگا کرو۔ یہ بات تمہارے اور ان کے دلوں کو پاک رکھنے کا عمدہ ذریعہ ہے۔

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ یہ آیت سب سے پہلے میں نے سنی۔ یہ بھی فرماتے تھے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے باہر نکل کر لوگوں کو یہ آیات سنادیں[1]۔

فائدہ: حضرت سودہ رضی اللہ عنہا کے احوال میں بخاری شریف کی ایک روایت ہم نقل کر آئے ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ پردہ کا حکم ان کی وجہ سے اترا اور ان روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے نکاح کے بعد نازل ہوا لیکن اس میں کچھ خاص اشکال کی بات نہیں ہے کیونکہ ہوسکتا ہے کہ ان ہی دنوں میں جب کہ حضرت زینب رضی اللہ عنہا سے نکاح ہوا حضرت سودہ رضی اللہ عنہا بھی حسبِ معمول قضائے حاجت کے لئے جنگل جا رہی ہوں اور حضرت عمرؓ نے ان سے وہ بات کہہ دی ہو جو حضرت سودہؓ کے تذکرہ میں گزر چکی ہے اور نزولِ حجاب کے دونوں سبب بیک وقت جمع ہوگئے ہوں۔

عبادت اور تقویٰ

حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا بڑی عبادت گزار تھیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ان کے متعلق فرمایا کہ میں نے کبھی کوئی عورت زینب سے بہتر نہیں دیکھی۔ ان سے زیادہ اللہ سے ڈرنے والی اور سچ بولنے والی اور صلہ رحمی کرنے والی اور صدقہ کرنے والی میں نے کوئی عورت نہیں

---

[1] مسلم شریف ۱۲

دیکھی۔ جب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو منافقین نے تہمت لگائی جس کا واقعہ گذر چکا ہے تو حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا نے صاف کھلے الفاظ میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی پاکدامنی کا اظہار کیا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سوال کرنے پر عرض کیا یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ اَحْمِیْ سَمْعِیْ وَبَصَرِیْ مَاعَلِمْتُ اِلَّاخَیْرًا میں اپنے کانوں اور اپنی آنکھوں پر تہمت نہیں دھرتی ہوں۔ میں تو عائشہؓ کو خیر کے علاوہ اور کسی کام میں نہیں جانتی ہوں[1]

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواجِ مطہرات میں زینب ہی کو یہ مقام حاصل تھا کہ (مرتبہ میں) میرا مقابلہ کرتی تھیں۔ ان کی پرہیزگاری کی وجہ سے اللہ نے ان کو جھوٹ کہنے سے روک لیا۔

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کے متعلق فرمایا:

وکانت صالحۃ صوامۃ قوامۃ صناعًا تصدق بذلک کلہ علی المساکین۔ وہ بڑی ہی نیک تھیں، روزے بہت رکھتی تھیں، راتوں کو نماز پڑھتی تھیں۔ ہاتھ کی محنت سے کما کر سارا مسکینوں پر خیرات کر دیتی تھیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ زینب بنت جحش اَوَّاہٌ ہیں۔ ایک صاحب اور موجود تھے انہوں نے سوال کیا اَوَّاہٌ کیا ہے؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس میں خشوع ہو اور اللہ کے سامنے روئے[2]

صدقہ حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا بڑی سخی تھیں۔ محنت مزدوری کرتی تھیں اور سارا مسکینوں پر صدقہ کر دیتی تھیں۔ محنت کی وجہ سے بہت سے مسکینوں کا کام چلتا تھا جس کی وجہ سے ان کا لقب مَأْوَی الْمَسَاکِیْن پڑ گیا تھا۔ جس کا ترجمہ ہے "مسکینوں کا ٹھکانا"۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا یہ بھی فرماتی تھیں کہ زینبؓ سے بڑھ کر کوئی عورت میں نے نہیں دیکھی جو اپنی جان کو محنت میں کھپا کر مال حاصل کر کے صدقہ کرتی ہو اور اس

---

[1] اگر ان کے دل میں اللہ کا خوف نہ ہوتا تو سوکن کی عزت گھٹانے کے لئے جھوٹ موٹ باتیں بنا کر تہمت کو قوی کر سکتی تھیں۔ [2] اصابہ وغیرہ ۱۲

کے ذریعہ اللہ کا تقرّب حاصل کرتی ہو لہ

حضرت عمر رضی اللہ عنہا نے حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کا وظیفہ بارہ ہزار (درہم) مقرر فرمایا تھا جسے انہوں نے صرف ایک سال قبول فرمایا اور قبول فرما کر بارگاہِ خداوندی میں یہ عرض کیا اَللّٰھُمَّ لَا یُدْرِکُنِیْ ھٰذَا الْمَالُ مِنْ قَابِلٍ فَاِنَّہٗ فِتْنَۃٌ (اے اللہ! آئندہ سال یہ مال میرے پاس نہ آئے کیونکہ یہ فتنہ ہے) اس کے بعد پوری بارہ ہزار کی مالیّت اسی وقت اپنے عزیزوں اور ضرورت مندوں میں تقسیم فرمادی۔ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اس واقعہ کی خبر ہوئی تو ان کے گھر تشریف لائے اور (باہر سے) سلام کہلا بھیجا اور فرمایا مجھے تمہارا رقم تقسیم کردینے کا واقعہ معلوم ہوگیا ہے۔ اس کے بعد مزید ایک ہزار کی رقم بھیجی تاکہ اسے اپنے خرچ میں لائیں لیکن انہوں نے اس رقم کو بھی تقسیم فرمادیا ؎ حضرت زینبؓ کھالیں رنگنے کی مزدوری کرکے صدقہ کرتی تھیں ؎ اور منتخب کنز العمال میں اس کے علاوہ ان کی اور دستکاری بھی لکھی ہے۔

جب حضرت زینب رضی اللہ تعالےٰ عنہا کی وفات ہوگئی تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا:

لَقَدْ ذَھَبَتْ حَمِیْدَۃً	تعریف کے لائق اور عبادت گذار ہوکر دنیا سے
مُتَعَبِّدَۃً مُفْزِعَ الْیَتَامٰی	اس حال میں چلی گئیں کہ یتیموں اور بیواؤں کو
وَالْاَرَامِلِ ؎	گھبراہٹ میں ڈال گئیں (کیونکہ وہ اب سوچیں گے کہ ہم پر کون خرچ کرے گا۔)

حج بیت اللہ

حضرت زینب رضی اللہ عنہا نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حج کیا تھا اس کے بعد کبھی حج کو نہ گئیں کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بیویوں سے فرمایا تھا کہ اس حج کو کرلو پھر گھر میں بیٹھنا۔ حضرت سودہؓ اور حضرت زینبؓ دونوں نے اس کے بعد حج نہ کیا اور یہ فرمایا وَاللّٰہِ لَا تُحَرِّکُنَا بَعْدَہٗ دَابَّۃٌ

لہ مسلم شریف ۱۲۔ ؎ الاصابہ ۱۲ ؎ ایضاً ؎ ایضاً ۱۲

(اللہ کی قسم اب تو آپ کے بعد ہم کسی جانور پر سوار تک نہ ہوں گے) ہاں دیگر امہات المؤمنینؓ حج کو جاتی تھیں[1]۔ غالباً انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کا یہ مطلب سمجھا کہ خواہ مخواہ بلاوجہ گھر سے نکلنے کو منع فرمایا ہے اس میں حج کو جانے کی ممانعت داخل نہیں اور اگر حج سے روکا بھی ہے تو شرعی طور پر نہیں بلکہ شفقت کی وجہ سے روکا ہے لہٰذا طاقت ہوتے ہوئے حج کرنا مناسب جانا۔

وفات

حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے ۲۰ھ میں وفات پائی حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جنازہ کی نماز پڑھائی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی وفات کے وقت جو نو بیویاں چھوڑی تھیں ان میں سب سے پہلے ان ہی کی وفات ہوئی۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے متعلق اپنی زندگی میں خبر بھی دے دی تھی جیسے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا یوں روایت فرماتی ہیں کہ بعض بیویوں نے آپؐ سے سوال کیا کہ آپؐ کی وفات کے بعد ہم میں سے سب سے پہلے کون سی بیوی (اس دنیا سے رخصت ہو کر) آپ سے ملے گی؟ آپؐ نے جواب میں فرمایا جس کے ہاتھ سب سے زیادہ لمبے ہوں۔ یہ سن کر آپؐ کی بیویوں نے ایک بانس لے کر اپنے ہاتھ ناپنے شروع کر دیئے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ حضرت سودہ رضی اللہ عنہا کے ہاتھ سب بیویوں کے ہاتھوں سے لمبے نکلے اور آپس میں یہ سمجھ لیا کہ وہی سب سے پہلے وفات پائیں گی۔ پھر بعد میں ہم کو پتہ چلا جب حضرت زینبؓ کی وفات ہو گئی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا مطلب ناپ کی لمبائی بتانا نہ تھا بلکہ اس کا یہ مطلب تھا کہ جو عورت سب سے زیادہ صدقہ کرتی ہو گی وہ سب سے پہلے مجھ سے ملے گی کیونکہ زینبؓ ہم میں سے سب سے پہلے آپؐ سے جا کر ملیں جو صدقہ کرنے کو (بہ نسبت دوسری بیویوں کے بہت زیادہ) پسند کرتی تھیں (بخاری شریف) مسلم شریف کی روایت میں ہے کہ آخر میں ہمیں یہ معلوم ہوا کہ سب سے زیادہ لمبے ہاتھ (آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک) زینب کے تھے کیونکہ وہ اپنے ہاتھ سے کما کر صدقہ کرتی تھیں۔

---

[1] البدایہ ۱۲۔

وصیّت حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے وفات کے وقت فرمایا کہ میں نے اپنے لئے کفن تیار کیا ہے اور عمرؓ بھی میرے لئے کفن بھیجیں گے لہٰذا تم ایسا کرنا کہ دونوں میں سے ایک صدقہ کر دینا۔ چنانچہ ان کی بہن حضرت حمنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہانے اس کفن کو صدقہ کر دیا جسے وہ خود تیار کر کے چھوڑ گئی تھیں[1]۔ سبحان اللہ دنیا سے چلتے چلتے صدقہ کرنے کا خیال رہا اور اس کی وصیّت کی۔

حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو دوسری امہات المومنینؓ نے غسل اور کفن دیا۔ ان کے لئے مسہری بنائی گئی جس میں جنازہ رکھ کر قبرستان لے جایا گیا۔ وہ مسہری بنت عمیسؓ نے بنائی تھی جسے وہ حبشہ میں دیکھ کر آئی تھیں۔ مسہری میں جنازہ رکھ کر اوپر سے کپڑا ڈھک دیا گیا تو بالکل پردہ ہو گیا۔ اسے حضرت عمر رضی اللہ نے بہت پسند کیا۔ حضرت عمرؓ نے پہلے منادی کرادی تھی کہ حضرت زینبؓ کے جنازہ میں صرف وہی لوگ آئیں جو ان کے محرم ہیں لیکن جب مسہری بن گئی اور پردہ کا انتظام ہو گیا تو دوبارہ منادی کرائی کہ سب مومنین اپنی ماں کے جنازہ میں شریک ہوں۔

جب جنازہ قبرستان میں لایا گیا تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے قبر میں اترنے کا ارادہ فرمایا لیکن پہلے امہات المومنینؓ سے دریافت کرایا کہ میں ان کی نعش کو قبر میں اتار سکتا ہوں یا نہیں؟ اس پر جواب آیا کہ نہیں قبر میں وہی داخل ہوگا جو زندگی میں ان کے پاس آتا جاتا تھا جس سے شرعاً پردہ نہ تھا۔ لہٰذا حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ارادہ بدل دیا اور کپڑا تان کر پردہ کرا کر ان کے محرموں سے قبر میں داخل کرا کر مٹی دے دی۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ دفن کے وقت قبر کے کنارے بیٹھے رہے اور دیگر اکابر صحابہؓ کھڑے رہے۔ یہ سب تفصیل کنز العمال میں لکھی ہے۔ البدایہ میں لکھا ہے کہ حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا بقیع میں دفن کی گئیں رضی اللہ تعالیٰ عنہا وارضاھا

ذھبت حمیدۃ مفزع الیتامیٰ والارامل ○

---

[1] الاصابہ

حضرت جویریہ بنت الحارث رضی اللہ تعالےٰ عنہا

حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ تعالےٰ عنہا سے نکاح کرنے کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جویریہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا سے نکاح فرمایا۔ ان کے والد کا نام حارث تھا۔ غزوۂ بنی المصطلق کے موقع پر قید ہو کر آئی تھیں جس کی پوری تفصیل یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو خبر پہنچی کہ قبیلہ بنی المصطلق کے لوگ مجھ سے جنگ کرنے کی تیاری کر رہے ہیں جن کا قائد حارث بن ابی ضرار ہے (یہ حضرت جویریہؓ کے والد تھے بعد میں مسلمان ہو گئے) لہٰذا آنحضرت صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم سات سو صحابہؓ کو لے کر اپنے پیچھے مدینہ منورہ کا انتظام حضرت ابوذر غفاریؓ یا نمیلہ بن عبداللہ اللیثی رضی اللہ تعالےٰ عنہ کے سپرد کر کے بنو المصطلق سے جہاد کرنے کے لئے روانہ ہو گئے۔ یہ شعبان ۵ھ یا ۶ھ کا واقعہ ہے چلتے چلتے بنو المصطلق سے ایک تالاب کے کنارے مڈبھیڑ ہو گئی جسے مریسیع کہتے تھے۔ اسی وجہ سے اس غزوہ کو غَزْوَۃُ الْمُرَیْسِیْع بھی کہتے ہیں۔ حملہ کرنے سے پہلے آپؐ نے حضرت عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہ کو حکم دیا کہ دشمنوں سے پکار کر کہہ دو:

قُوْلُوْا لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللہُ تَمْنَعُوْا بِھَا — لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللہُ کا اقرار کر لو، ایسا کرنے سے

اَنْفُسَکُمْ وَ اَمْوَالَکُمْ ۔ — تمہارے جان و مال محفوظ ہو جائیں گے۔

لیکن دشمنوں نے مبارک کلمہ کے پڑھنے اور ماننے سے انکار کر دیا اور تیر پھینکنے شروع کر دیئے لہٰذا آنحضرت صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم نے صحابہؓ کو حملہ کرنے کا حکم دیا۔ چنانچہ سب صحابہؓ نے بیک وقت ان پر حملہ کر دیا جس کے نتیجہ میں بنو المصطلق نے شکست کھائی اور بنو المصطلق کے دس آدمی مارے گئے جن میں سے دو آدمیوں کو سیدنا حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ نے قتل کیا اور ایک صحابی حضرت ہشام رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے جام شہادت نوش کیا[1]

---

[1] البدایہ ۱۲

حرمِ نبوّت میں آنا اس غزوہ میں بڑی بھاری تعداد میں قیدی ہاتھ آئے اور مال بھی بہت ملا۔ حضرت جویریہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا بھی قیدیوں میں تھیں۔ سیّدِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان قیدیوں کو اپنے صحابہؓ میں تقسیم فرما دیا۔ حضرت جویریہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا اس تقسیم میں حضرت ثابت بن قیسؓ بن شماس یا ان کے چچازاد بھائی کے حصّے میں آگئیں لیکن انہوں نے باندی بن کر رہنا پسند نہ کیا اور حضرت ثابتؓ یا ان کے چچیرے بھائی سے کتابت کا معاملہ کرلیا[1] یعنی یہ بات طے کرلی کہ اس قدر مال دے دوں گی تو تم مجھے آزاد کردو گے۔ معاملہ طے کرکے سیّدِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور عرض کیا کہ میں حارث بن ابی ضرار کی لڑکی ہوں جو سردارِ قوم ہے اور مجھے جس مصیبت نے گھیرا ہے وہ آپ سے پوشیدہ نہیں ہے یعنی کہ ثابت بن قیس (یا ان کے چچیرے بھائی) کے حصّہ میں آگئی ہوں اور ان سے کتابت کا معاملہ کرلیا ہے جس کے لئے مال کی ضرورت ہے آپ سے اس بارے میں مدد چاہتی ہوں آپؐ نے فرمایا اس سے بہتر بات تمہیں نہ بتادوں؟ عرض کیا کیا؟ فرمایا کہ میں تمہاری طرف سے مال ادا کردوں اور تم سے نکاح کرلوں۔ حضرت جویریہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا نے عرض کیا یا رسول اللہ! مجھے منظور ہے۔ چنانچہ آپؐ نے ان کی طرف سے مال ادا فرما دیا اور ان کو آزاد کراکر خود ان سے نکاح کرلیا[2]۔

حضرت جویرہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا کے پہلے شوہر کا نام مُسَافِع بن صَفْوَان تھا جو اسی جنگ میں مارا گیا جس میں حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا قید ہوکر آئی تھیں۔ حضرت جویریہ رضی اللہ تعالےٰ عنہ روایت فرماتی تھیں کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم جب بنو المصطلق سے جہاد کرنے کے لئے پہنچے تھے تو اس سے تین روز پہلے میں نے خواب میں دیکھا تھا کہ مدینہ سے چاند چل کر میری گود میں آکر گرا۔ میں نے کسی کو اپنا خواب ظاہر کرنا مناسب

---

[1] حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت جویریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے نو اوقیہ سونے پر کتابت کا معاملہ کیا تھا ایک اوقیہ چالیس درہم کا ہوتا ہے اور ایک درہم ۳ ماشہ ایک رتی اور ۱/۵ رتی کا ہوتا ہے ۱۲ منہ [2] البدایہ ۱۲

نہ سمجھا تھی کہ آپؐ جہاد کے لئے تشریف لے گئے اور جب ہم قید کر لئے گئے تو مجھے اپنے خواب کے پورا ہونے کی امید بندھ گئی جو الحمد للہ پوری ہوئی اور مجھے سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے آزاد فرما کر اپنے نکاح میں لے لیا۔[1]

حرمِ نبوّت میں آنے سے پوری قوم کا بھلا ہوا

جب سیّد عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جویریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے نکاح فرما لیا تو یہ خبر سارے مدینہ میں گونج گئی۔ حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا کی قوم و خاندان کے سینکڑوں قیدی صحابہؓ کے گھروں میں موجود تھے جو غلام بنا کر تقسیم کر دیئے گئے تھے۔ نکاح کی خبر پھیلتے ہی حضرات صحابہؓ نے سب کو اس احترام کے پیشِ نظر آزاد کر دیا کہ اب تو یہ سیّدِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے سسرال والے ہو گئے۔ ان کو غلام بنا کر کیسے رکھیں؟ حضرت جویریہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اس بارے میں گفتگو بھی نہ کی تھی مسلمانوں نے خود ہی میری قوم اور خاندان والوں کو آزاد کر دیا جس کی خبر میری ایک چچا کی لڑکی نے مجھے دی۔ خبر سن کر میں نے اللہ کا شکر ادا کیا۔[2]

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا نے اس واقعہ کے متعلق فرمایا:

فلقد اعتق بتزویجہ ایاھا	آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے جویریہؓ سے نکاح
مائۃ اھل بیت من بنی المصطلق	کر لینے سے بنو المصطلق کے سو گھرانے آزاد ہوئے
فما اعلم امرأۃ اعظم برکۃ	میں نے کوئی عورت ایسی نہیں دیکھی جو جویریہؓ سے
علی قومھا منھا[3]	بڑھ کر اپنی قوم کے لئے برکت والی ثابت ہوئی ہو

سیّدِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو چھوڑ کر باپ کے ساتھ جانے سے انکار

جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا کو آزاد کرا کے ان سے اپنا نکاح فرما لیا تو حضرت جویریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے والد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئے اور عرض کیا میری بیٹی

---

[1] البدایہ ۱۲ ۔ [2] ایضاً [3] ایضاً ومثلہ فی الاصابہ ۱۲ ۔

بڑی معزز ہے جیسے قیدی بنا کر رکھنا گوارا نہیں ہے۔ لہٰذا آپ اسے چھوڑ دیجئے۔ آپؐ نے فرمایا اگر میں اختیار دے دوں کہ جی چاہے تو چلی جائے اور چاہے تو میرے پاس رہے تو اس کو تم اچھا سمجھتے ہو؟ حارث نے جواب دیا جی ہاں بہت مناسب ہے۔ اس کے بعد حارث اپنی بیٹی کے پاس آئے اور پورا واقعہ نقل کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تجھے اختیار دے دیا ہے کہ چاہے تو چلی جائے لہٰذا میرے ساتھ چل۔ حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا نے جواب میں فرمایا۔ اِخْتَرْتُ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ (میں اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو اختیار کرتی ہوں تمہارے ساتھ نہ جاؤں گی) [1]

والد کا مسلمان ہونا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک معجزہ دیکھ کر حضرت جویریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے والد بھی مسلمان ہو گئے تھے جس کی تفصیل یہ ہے کہ جنگ کے موقع پر جب بنو المصطلق کو شکست ہوگئی اور مسلمانوں نے ان کو قید کر لیا جن میں حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا بھی تھیں تو اس موقعہ پر ان کے والد کسی طرح فرار ہو گئے اور قید ہونے سے بچ گئے۔ بعد میں اپنی بیٹی کو چھڑانے کے لئے مدینہ منورہ کا رُخ کیا اور مال دے کر چھڑانے کی نیت سے بہت سے اونٹ ساتھ لے کر چلے۔ چلتے چلتے ان اونٹوں میں سے دو اونٹ بہت ہی زیادہ دل کو بھا گئے جنہیں عقیق کی گھاٹیوں میں چھپا کر باقی اونٹ لے کر بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ ہماری بیٹی آپ کے قبضے میں آگئی ہے لہٰذا اس کے بدلہ میں یہ اونٹ لے کر اسے چھوڑ دیجئے۔ آپؐ نے فرمایا وہ اونٹ کہاں ہیں جن کو تم عقیق کی گھاٹیوں میں چھپا آئے ہو؟ یہ سنتے ہی حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا کے والد نے کلمۂ شہادت پڑھ لیا اور یہ کہا کہ واقعی آپ اللہ کے رسول ہیں۔ ان کے اونٹوں کے چھپانے کا علم اللہ کے سوا کسی کو نہیں تھا جب آپ نے ان کے متعلق خبر دی تو ضرور اللہ تعالیٰ نے آپ کو خبر دی ہے۔ ان کے ساتھ ان کے دو بیٹوں اور قوم کے بہت سے لوگوں نے اسلام قبول کیا[2] پہلے واقعہ کو اس واقعہ

---

[1] الاصابہ ۱۲۔ [2] الاستیعاب ۱۲۔

کے ساتھ ملانے سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت حارث بن ابی ضرار رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسلام قبول کرنے کے بعد بھی اپنی بیٹی کو ہمراہ لے جانے کو کہا ہوگا لیکن وہ خود ان کے ساتھ نہ گئیں۔

تبدیلیٔ نام حضرت سیّد عالم صلی اللہ علیہ وسلم نامناسب ناموں کو بدل دیا کرتے تھے۔ حضرت جویریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا نام برّہ تھا آپؐ نے بدل کر جویریہ رکھا۔[۱]

ایک اور لڑکی کا نام برّہ تھا۔ اس کا نام بدل کر آپؐ نے زینب رکھ دیا تھا۔ ایک لڑکی کا نام عاصیہ تھا (بمعنی گناہگار) اس کا نام بدل کر آپؐ نے جمیلہ رکھا۔ ایک شخص کا نام حَزَن (بمعنی سخت) تھا۔ آپؐ نے اس کا نام بدل کر سَہل تجویز فرمایا[۲] اور قاعدۂ کلیہ کے طور پر فرمایا کہ تم قیامت کے روز اپنے ناموں اور اپنے باپوں کے ناموں سے پکارے جاؤ گے لہٰذا نام اچھے رکھا کرو۔[۳] اس بارے میں ہم نے ایک رسالہ "اسلامی نام" کے عنوان سے لکھا ہے اسے ملاحظہ فرمائیں۔

بَرّہ کا معنی ہے نیک عورت۔ جب اس نام کی عورت سے اس کا نام دریافت کیا جائے تو بتائے گی کہ میں بَرّہ یعنی نیک ہوں اس سے اپنی تعریف ہوتی ہے اس لئے یہ نام ناپسند فرمایا۔

ذکرِ الٰہی حضرت جویریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اللہ تعالیٰ کا ذکر بہت کرتی تھیں۔ ایک مرتبہ ایسا ہوا کہ سیّد عالم صلی اللہ علیہ وسلم نمازِ فجر کے بعد ان کے پاس تشریف لائے پھر فوراً ہی باہر تشریف لے گئے اور ان کو مُصلّے پر ذکر کرتی ہوئی چھوڑ گئے۔ پھر بہت دیر کے بعد تشریف لائے جبکہ چاشت کا وقت ہوچکا تھا۔ آکر دیکھا کہ وہ اب بھی مُصلّے پر بیٹھی ہوئی ہیں آپؐ نے ان سے دریافت فرمایا کیا تم اس وقت سے اسی طرح یہیں بیٹھی ہو جب سے میں باہر گیا ہوں؟ انہوں نے عرض کیا جی ہاں۔ آپؐ نے فرمایا میں نے تمہارے پاس سے جانے کے بعد چار کلمے تین مرتبہ کہہ لئے

---

[۱] مسلم شریف ۱۲ [۲] مشکوٰۃ شریف۔ [۳] ابوداؤد شریف ۱۲

ہیں جن کا ثواب اتنا زیادہ ہے کہ تم نے آج جس قدر ذکر کیا ہے اگر ان کے ساتھ رکھ کر تولا جائے تو وہ چاروں کلمات ہی بڑھ جائیں گے وہ چاروں کلمات یہ ہیں :

سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ عَدَدَ خَلْقِهٖ وَرِضَا نَفْسِهٖ وَزِنَةَ عَرْشِهٖ وَمِدَادَ كَلِمَاتِهٖ ۔ (مشکوٰۃ شریف)	اللہ تعالیٰ پاک ہے اور میں اس کی تعریف کرتا ہوں جس قدر اس کی مخلوق ہے اور جس سے وہ راضی ہو جائے اور جتنا اس کے عرش کا وزن ہو اور جس قدر اس کی تعریف کہنے کے لئے بے انتہا کلمات کی روشنائی ہو ۱۲

وفات حضرت جویریہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا نے ۵۰ھ ہجری میں وفات پائی۔ واقدی نے ۵۶ھ ہجری میں ان کی وفات بتائی ہے اور یہ بھی لکھا ہے کہ مروان بن الحکم نے نماز جنازہ پڑھائی[1]

---

[1] البدایہ والاصابہ ۱۲

حضرت اُمّ حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا

حضرت جویریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے نکاح کرنے کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ کی بیٹی حضرت ام حبیبہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا سے نکاح کیا۔ ان کی والدہ صفیہ بنت ابی العاص حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی پھوپی تھیں۔ ان کے والد ابوسفیان وہی ابوسفیان ہیں جو برسوں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلہ میں لڑتے رہے۔ بعد میں مسلمان ہوئے ان کا نام صخر تھا حضرت معاویہ رضی اللہ تعالےٰ عنہ جو امیر معاویہ کے لقب سے مشہور ہیں حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کے بھائی تھے۔

ہجرتِ حبشہ حضرت ام حبیبہؓ کا نام رملہ تھا۔ بعض نے ہند بھی بتایا ہے۔ ان کا پہلا نکاح عبیداللہ بن جحش سے ہوا تھا دونوں میاں بیوی نے ابتدائے اسلام میں اسلام قبول کیا اور مشرکین مکّہ سے تنگ آکر دیگر مسلمانوں کے ساتھ حبشہ کو ہجرت کر گئے۔ وہاں ایک لڑکی پیدا ہوئی جس کا نام حبیبہؓ رکھا۔ اس لڑکی کے نام سے ان کی کنیت اُمّ حبیبہ مشہور ہوگئی۔ ان کے شوہر عبیداللہ بن جحش نے نصرانی مذہب قبول کرلیا اور اسلام چھوڑ دیا۔ حضرت اُمِ حبیبہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا سے بھی اس نے اسلام چھوڑنے کو کہا لیکن اللہ جل شانہٗ نے ان کو اسلام پر جمائے رکھا اور انہوں نے نصرانیت قبول کرنے سے انکار کر دیا۔

حضرت اُمِ حبیبہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا فرماتی تھیں کہ میں نے اپنے شوہر کو خواب میں بُری شکل میں دیکھا جس سے میں گھبرا گئی۔ جب صبح ہوئی تو پتہ چلا کہ وہ نصرانی ہوگیا ہے اور اب سمجھ میں آیا کہ خواب میں اس کی بُری شکل اسی وجہ سے دکھائی گئی ہے لہٰذا میں نے اپنا خواب اس سے بیان کیا اور اسلام قبول کرنے کو کہا۔ اس نے کچھ خیال نہ کیا اور خوب شراب پینے لگا حتیٰ کہ کافر ہی مرا۔

حرمِ نبوّت میں آنا

حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا فرماتی تھیں کہ میں نے خواب میں دیکھا کہ مجھے کوئی شخص یَا اُمَّ الْمُؤْمِنِیْن کہہ رہا ہے۔ یہ خواب دیکھ کر میں چونک گئی پھر بعد میں اس کی تعبیر ظاہر ہوئی اور وہ یہ کہ حبشہ کے بادشاہ نجاشیؓ کی خاص خدمتگذار باندی ابرہ نامی میرے پاس آئی اور کہنے لگی کہ بادشاہ نے یہ کہلوایا ہے کہ حضرت رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے پاس پیغام بھیجا ہے کہ تمہارا نکاح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کردوں یہ سنتے ہی میں نے اس باندی کو دُعا دی بَشَّرَكِ اللّٰهُ بِالْخَيْرِ (اللہ تجھے (بھی) خیر کی خوشخبری سنائے) اس کے بعد اس باندی نے کہا کہ تم اپنا وکیل مقرر کردو جو تمہارا نکاح کرسکے۔ لہٰذا میں نے خالد بن سعید بن العاصؓ کو اپنا وکیل بنادیا (جو ددھیال کی طرف سے رشتہ دار تھے اور ہجرت کرکے حبشہ پہنچے ہوئے تھے) اور خوشی میں پیغام لانے والی باندی کو اپنے دونوں کنگن اور انگوٹھیاں وغیرہ دے دیں یہ سب چیزیں چاندی کی تھیں[1]

جب رات کا وقت ہوا تو نجاشیؓ نے جعفر بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اور ان تمام مسلمانوں کو بلایا جو حبشہ کو ہجرت کرگئے تھے اور اس وقت وہاں مقیم تھے جب سب آنے والے آگئے تو نجاشیؓ نے خطبہ پڑھا:

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الْمَلِكِ الْقُدُّوْسِ الْمُؤْمِنِ الْعَزِيْزِ الْجَبَّارِ
وَاَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ
وَاَنَّهُ الَّذِىْ بَشَّرَ بِهٖ عِيْسَى بْنُ مَرْيَمَ

اس کے بعد یوں کہا اَمّا بعد رسول اللہ صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم نے مجھ سے یہ فرمائش کی ہے کہ اُم حبیبہ بنت ابی سفیان کا نکاح ان سے کردوں لہٰذا میں نے ان کی فرمائش قبول کی"۔ یہ کہہ کر نجاشیؓ نے چار سو دینار مہر میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے مقرر کئے اور اسی وقت حاضرین کے سامنے ڈال دیئے اور اس کے بعد خالد بن سعید بن العاصؓ نے خطبہ پڑھا اور یوں بولے:

---

[1] ہذا کلہ من الاصابۃ والاستیعاب ۱۲

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ اَحْمَدُهٗ وَاَسْتَعِيْنُهٗ وَاَسْتَغْفِرُهٗ وَاَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ اَرْسَلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ ۔

اس کے بعد یوں کہا "امّا بعد میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی فرمائش قبول کی اور ام حبیبہؓ بنت ابو سفیان کا نکاح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کر دیا" تبارك الله لرسول الله صلی الله علیه وسلم ۔

اس کے بعد خالد بن سعیدؓ نے مہر والے دینار لے لئے اور حاضرین اٹھ کر چلنے لگے۔ نجاشیؓ نے کہا ابھی ٹھہرو کیونکہ نبیوں کا طریقہ یہ رہا ہے کہ نکاح کے بعد کچھ کھایا جائے۔ یہ کہہ کر نجاشیؓ نے کھانا منگایا اور حاضرین مجلس نے کھایا۔ اس کے بعد چلے گئے۔ یہ ۷ھ کا واقعہ ہے اور بعض نے ۶ھ کا بتایا ہے۔

حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا فرماتی تھیں کہ جب مہر کی رقم میرے پاس آگئی تو میں نے اس میں سے ۵۰ دینار ابرہ باندی کو اور دے دیئے۔ اس نے یہ کہہ کر واپس کر دیئے کہ بادشاہ نے قبول کرنے سے منع کر دیا ہے اور اس سے پہلے جو چیزیں میں نے اسے دی تھیں وہ بھی واپس کر دیں[1]

جب اس نکاح کی خبر حضرت ابو سفیانؓ کو پہنچی جو اس وقت تک مسلمان نہیں ہوئے تھے تو اپنی ہار مان گئے چونکہ اس وقت تک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے لڑتے تھے اور مشرکین مکہ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے لڑانے میں بہت پیش پیش تھے اور اسلام اور داعیٔ اسلام کا نام تک مٹا دینا چاہتے تھے اس لئے ان کو یہ کہاں منظور ہوتا کہ ان کی بیٹی آپ کے نکاح میں جائے؟ نکاح کی خبر سن کر یوں بول اٹھے هُوَ الْفَحْلُ لَا يُجْدَعُ اَنْفُهٗ (محمد) رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وہ جوانمرد ہیں۔ ان کی ناک نہیں کاٹی جا سکتی (یعنی وہ بلند ناک والے عزت دار ہیں) ہم

---

[1] من البدایہ والاصابہ ۱۲

ان کو ذلیل نہیں کر سکتے۔ اِدھر تو ہم ان سے لڑ رہے ہیں اُدھر ہماری لڑکی ان کے نکاح میں چلی گئی۔ اس کہنے کا مقصد اپنی ہار مان لینا تھا۔

حبشہ سے مدینہ منورہ پہنچنا

نکاح کے دوسرے روز نجاشی رضی اللہ عنہ نے حضرت ام حبیبہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا کے پاس خوشبو اور جہیز کا سامان بھیجا اور حضرت شرجیل بن حسنہ رضی اللہ عنہ کے ہمراہ حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کو مدینہ منورہ پہنچوا دیا[1] وہاں پہنچ کر وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں رہنے لگیں اور ان کا مبارک خواب جس میں کسی نے یا ام المؤمنین کہہ کر پکارا تھا صحیح ثابت ہوا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا احترام

حضرت ام حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا بہت اعزاز و احترام کرتی تھیں۔ جب مدینہ منورہ پہنچ گئیں تو ان کے والد مکہ سے مدینہ پہنچے اس وقت وہ کافر تھے اور مشرکین مکہ کی طرف سے صلح حدیبیہ کے بارے میں کچھ گفتگو کرنے کے لئے آئے تھے (صلح تو پہلے ہو چکی تھی مگر اس کی میعاد میں یا معاملہ میں تجدید کرنا چاہتے تھے) اس ذیل میں وہ اپنی بیٹی ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کے پاس بھی ملنے کے لئے گئے۔ جب گھر میں پہنچے اور بستر پر بیٹھنے لگے تو حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا نے بستر کو طے کر دیا اور باپ کو اس پر نہ بیٹھنے دیا۔ وہ بولے یہ کیا کیا تو نے؟ میں اس بستر کے لائق نہیں ہوں؟ اس لئے تو نے اس کو طے کر دیا یا یہ بستر میرے لائق نہیں ہے؟ حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا نے جواب دیا کہ یہ سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا بستر ہے اور تم مشرک ہو۔ اس پر تمہیں کیسے بیٹھنے دوں؟ یہ سن کر باپ نے کہا کہ تُو تو میرے بعد خراب ہو گئی ہے[2]

حضرت ابو سفیان رضی اللہ تعالےٰ عنہ فتح مکہ کے روز مسلمان ہوئے۔ برسوں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے لڑتے رہے تھے۔ اس لئے مسلمان ان کو نہ اچھی نظر سے دیکھتے تھے، نہ ان کو پاس بٹھانا گوارہ کرتے تھے لہٰذا انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا یا نبی اللہ! میری تین درخواستیں ہیں آپ انہیں قبول فرمائیں۔ آپ نے فرمایا بہتر ہے

---

[1] الاستیعاب والاصابہ۔ [2] الاصابہ ۱۲۔ [3] الاصابہ ۱۲۔

بیان کرو۔ اس پر ابوسفیان رضی اللہ عنہ نے عرض کیا ایک تو یہ ہے کہ میرے پاس بڑی خوبصورت لڑکی ام حبیبہ موجود ہے۔ اس کا آپ سے نکاح کر دیتا ہوں۔ آپؐ نے فرمایا اچھا مناسب ہے۔ دوسری بات یہ عرض کی کہ آپ میرے بیٹے معاویہؓ کو اپنا کاتب بنالیں۔ آپؐ نے اس کو بھی منظور فرمایا۔ تیسری درخواست یہ ہے کہ مجھے آپ اسلامی لشکر کا امیر بنایا کریں تاکہ میں کافروں سے اسی طرح جنگ کروں جیسے مسلمانوں سے کرتا تھا۔ آپؐ نے یہ درخواست بھی منظور فرمائی۔ یہ مسلم شریف کی روایت ہے۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کا نکاح مدینہ منورہ میں ان کے باپ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا لیکن یہ صحیح نہیں ہے۔ صحیح یہی ہے کہ حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا سے جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نکاح ہوا تو ابوسفیانؓ کافر ہی تھے۔ مسلم کی اس جزو کو محدثین صحیح نہیں مانتے ہیں۔

اتباعِ حدیث

حضرت ام حبیبہ رضی اللہ تعالٰی عنہا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات پر بڑی پابندی سے عمل کرتی تھیں۔ ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا کہ جو شخص رات دن میں بارہ رکعتیں پڑھ لیوے اللہ تعالٰی اس کے لئے جنت میں گھر بنادے گا۔ چار ظہر سے پہلے، دو اس کے بعد، دو مغرب کے بعد، دو عشا کے بعد، دو فجر سے پہلے۔ یہ ترمذی شریف کی روایت ہے۔ اس میں سنن موکدہ کا ذکر ہے۔ حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا اس کی روایت فرماتی تھیں اور پابندی سے ان سنتوں کو پڑھتی تھیں۔

مسند امام احمد میں ہے کہ حضرت ام حبیبہ رضی اللہ تعالٰی عنہا نے فرمایا فَمَا بَرِحْتُ اُصَلِّیْهِنَّ بَعْدُ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اس حدیث کو سننے کے بعد میں نے ہمیشہ یہ رکعات پڑھی ہیں۔ حضرت ام حبیبہ رضی اللہ تعالٰی عنہا سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کسی ایسی عورت کے لئے جو اللہ پر اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتی ہو یہ حلال نہیں ہے کہ تین رات سے زیادہ کسی میت پر سوگ کرے سوائے شوہر کی وفات کے کہ اس کی وفات پر چار ماہ دس روز سوگ کرے۔

اسی حدیث کے پیشِ نظر جب حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ کی وفات ہوگئی توان کی وفات کے تیسرے روز خوشبو منگا کر استعمال کی اور فرمایا کہ مجھے خوشبو کی رغبت نہیں ہے لیکن استعمال اس لئے کر رہی ہوں کہ سوگ نہ سمجھا جائے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم جب (وفات سے قبل) مریض ہوئے تو آپؐ کی ایک بیوی نے اہلِ کتاب کے ایک کتب خانہ کا ذکر کیا جسے ماریہ کہتے تھے چونکہ حضرت ام سلمہؓ اور حضرت ام حبیبہؓ حبشہ گئی تھیں اور اسے دیکھ کر آئی تھیں اس لئے انہوں نے اس کی خوبصورت بناوٹ اور اس کی تصویروں کا ذکر کیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سر اٹھا کر فرمایا کہ یہ لوگ یہ حرکت کرتے تھے کہ جب ان میں سے کوئی نیک انسان مرجاتا تو اس کی قبر پر مسجد بنا لیتے پھر اس میں وہ تصویریں بنا لیتے تھے (جن کا تم ذکر کر رہی ہو) یہ لوگ اللہ کی مخلوق میں سب سے زیادہ بُرے ہیں۔[1]

فکرِ آخرت

حضرت ام حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بڑی عبادت گزار اور پرہیزگار تھیں۔ فکرِ آخرت کا اس سے اندازہ ہوگا کہ جب ان کی وفات کا وقت قریب آیا تو حضرت عائشہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا کو بلا کر کہا کہ زندگی میں ہم میں آپس میں سوکنوں والی رنجش رہی ہے لہٰذا تم میرا کہا سنا سب کچھ معاف کر دو۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے معاف کر دیا اور ان کی مغفرت کی دُعا کی۔ اس کے بعد ام حبیبہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا کہ خدا تمہیں خوش کرے جیسے تم نے مجھے ابھی خوش کیا ہے۔

اس کے بعد حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا کو بلا کر یہی گفتگو کی جو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے کی۔[2]

---

[1] مشکوٰۃ ۱۲۔ [2] الاصابہ ۱۲۔

وفات حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کی وفات سنہ ۴۴ھ میں ہوئی۔ ابن سعد اور ابو عبید نے ان کی وفات کا یہی سن بتایا ہے۔ ابن حبان اور ابن قانع کا قول ہے کہ انہوں نے سنہ ۴۲ھ میں وفات پائی ابن ابی خیثمہ نے ان کی وفات کا سال سنہ ۵۶ھ بتایا ہے لیکن الاصابہ میں اس کو صحیح نہیں مانا۔

حضرت علی بن حسین رضی اللہ تعالےٰ عنہا کی روایت میں ہے کہ ایک مرتبہ میں اپنے گھر گیا جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کی حویلی میں تھا۔ کسی ضرورت سے ایک کونہ میں زمین کھودی تو اس میں ایک پتھر نکلا جس میں لکھا تھا کہ هٰذَا قَبْرُ رَمْلَه بِنْتِ صَخْرٍ (یہ رملہ بنت صخر کی قبر ہے) لہٰذا اس پتھر کو ہم نے وہیں رکھ دیا اور مٹی دے دی۔ ذکرہ فی الاستیعاب رضی اللہ عنہا وارضاہا۔

حضرت صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا

حضرت ام حبیبہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا سے نکاح فرمانے کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت صفیہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا سے نکاح فرمایا۔ یہ حضرت ہارون علیہ الصلوٰۃ والسّلام کی نسل سے تھیں والد کا نام حُیَیّ بن اخطب اور والدہ کا نام برّہ بنت سموال تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے یکے بعد دیگرے دو شوہروں کے نکاح میں رہ چکی تھیں۔ پہلا شوہر سلام بن مشکم تھا اور دوسرا کنانہ بن ابی الحقیق [1]

حرم نبوّت میں آنا

حضرت صفیہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا نے کئی خواب ایسے دیکھے تھے جن کی تعبیر یہ ظاہر ہوتی تھی کہ سیّد عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کا نکاح ہوگا۔ ایک مرتبہ خواب دیکھا کہ میری گود میں چاند آکر گرا۔ اس خواب کا اپنی والدہ سے تذکرہ کیا تو اس نے ان کے چہرے پر ایک طمانچہ مار کر کہا تو یہ چاہتی ہے کہ شاہِ عرب (محمّد رسول اللہ تعالےٰ صلی اللہ علیہ وسلم) کے نکاح میں چلی جائے راوی کہتے ہیں کہ ان کی والدہ کا طمانچہ چہرہ پر اُبھر آیا تھا جس کا اثر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجیت میں آنے تک باقی رہا۔ آپؐ نے اسے دیکھ کر سبب دریافت کیا تو حضرت صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے پورا واقعہ سنایا ایک مرتبہ خواب دیکھا کہ آفتاب میرے سینہ پر آکر گرا۔ اس خواب کا اپنے شوہر سے ذکر کیا تو اس نے بھی یہی کہا کہ تو اسی شاہِ عرب کو چاہتی ہے جو ہمارے ہاں آکر مقیم ہوا ہے۔ یہ اس وقت کی بات ہے جب کہ آنحضرت صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم جہاد کے لئے ان کے علاقہ (خیبر) میں پہنچ چکے تھے [2]

---

[1] الاصابہ والاستیعاب ۱۲۔ [2] الاصابہ ۱۲

سنہ ۷ھ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم غزوہ خیبر کے لئے روانہ ہوئے وہاں یہودی رہتے تھے۔ ان کی رہائش اس طرح کی تھی کہ بہت سے قلعے بنا رکھے تھے ہر ایک قلعہ کی آبادی علیحدہ علیحدہ تھی سنہ ۴ھ میں جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہود بنی نضیر کو مدینہ سے جلاوطن کیا تو ان میں سے اکثر لوگ شام جاکر اور کچھ خیبر پہنچ کر رہنے لگے۔ حضرت صفیہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا کا باپ حُیَیّ بن اخطب (جو بنی نضیر کا سردار تھا) خیبر میں ہی مقیم ہوا تھا۔ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خیبر والوں سے جہاد کرنے کے لئے خیبر کی آبادی میں پہنچے تو اس وقت وہ لوگ اپنے کام کاج کے لئے قلعوں سے باہر نکلے ہوئے تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے لشکر کو دیکھ کر سہم گئے اور کہنے لگے کہ مُحَمَّد والخمیس (محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کا لشکر آپہنچا) حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے قلعوں کا محاصرہ کرکے یکے بعد دیگرے سب کو فتح کیا۔ آخری قلعہ جو فتح ہوا وہ وطیح کا قلعہ تھا دس روز سے کچھ زیادہ اس کا محاصرہ رہا۔ مرحب نامی شخص (جو اس قلعہ کا بڑا تھا) قتل ہوا اور حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کا شوہر جنگِ خیبر میں مارا گیا[1]

جب جنگ کے ختم پر قیدی جمع کئے گئے تو ان میں حضرت صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بھی تھیں۔ حضرت دحیہ رضی اللہ تعالےٰ عنہ دربارِ رسالت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا یا رسول اللہ! ان قیدیوں میں سے مجھے ایک باندی عنایت فرمادیجئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جاؤ ان میں سے ایک باندی لے لو۔ انہوں نے حضرت صفیہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا کا انتخاب کرلیا اسی اثنا میں ایک دوسرے صحابی حاضرِ خدمت ہوئے اور عرض کیا یا نبی اللہ! آپ نے یہ عورت دحیہ کو دے دی وہ بنی قریظہ اور بنی نضیر کی سردار[2] ہے۔ اس لئے وہ صرف آپ ہی کے لئے مناسب ہے آپؐ نے فرمایا کہ اچھا دحیہ کو بلاؤ وہ اس کو لے کر آئیں۔ چنانچہ وہ حسبِ فرمان والا شان حاضرِ خدمت

---

[1] البدایہ والاصابہ ۱۲۔ [2] حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کا باپ قبیلہ بنی نضیر کا سردار تھا اور ان کی والدہ قبیلہ بنو قریظہ کے سردار کی بیٹی تھی۔ اس لئے حضرت صفیہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا کو بنو نضیر اور قریظہ کی سردار کہا گیا۔

ہو گئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا تم اس کے علاوہ قیدیوں میں سے دوسری باندی لے لو۔ چنانچہ وہ اس پر راضی ہو گئے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت صفیہ کو اپنے لئے منتخب کر لیا اور ان کو آزاد کر کے نکاح کر لیا[۱]

کہا جاتا ہے کہ حضرت صفیہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا کا نام زینب تھا چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اپنے لئے منتخب فرما لیا تھا اس لئے ان کو صفیہ کہا جانے لگا صفیہ کے معنی ہیں انتخاب کردہ۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ نکاح سفر میں ہوا اور مدینہ منورہ پہنچنے سے پہلے نکاح کے بعد والے مرحلے گذر گئے) اور سفر ہی میں ولیمہ کیا جس کی صورت یہ ہوئی کہ جب خیبر سے واپس ہونے لگے تو راستہ میں مقام صہبا پر قیام کیا۔ وہیں حضرت ام سلیم اور ام سنان رضی اللہ تعالےٰ عنہما نے حضرت صفیہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا کے سر میں کنگھی کی اور عطر لگایا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس (خیمہ میں) بھیج دیں۔ آپؐ اس رات سوئے نہیں اور صبح تک ان سے باتیں کرتے رہے۔ اس وقت ان کی عمر پورے سترہ سال کی بھی نہ ہوئی تھی[۲]

ولیمہ

حضرت انس رضی اللہ تعالےٰ عنہ فرماتے ہیں کہ سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ۳ روز خیبر اور مکہ کے درمیان قیام فرمایا۔ تینوں دن حضرت صفیہؓ نے آپؐ کے پاس شب باشی کی اور وہیں جنگل میں ولیمہ ہوا۔ ولیمہ میں کوئی گوشت روٹی تو نہیں تھی۔ (بلکہ متفرق قسم کی دوسری چیزیں تھیں) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے چمڑے کے دسترخوان بچھانے کا حکم فرمایا جن پر کھجوریں اور پنیر اور گھی لاکر رکھ دیا گیا مجھے حکم فرمایا کہ لوگوں کو بلاؤ۔ میں بلا لایا اور لوگوں نے ولیمہ کی دعوت کھائی) پورے لشکر میں سے جن کو نکاح کا علم نہ ہوا تھا وہ لوگ اس تردد میں رہے کہ صفیہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نکاح کر لیا ہے یا باندی بنالی ہے۔ پھر خود ہی اس کا فیصلہ کیا کہ اگر آپؐ نے ان کو پردہ

---

[۱] جمع الفوائد عن الصحیحین ۱۲۔ عن استیعاب میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت دحیہ رضی اللہ عنہ سے سات باندی غلام دے کر حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کو لیا ۱۲ [۲] اصابہ و بعضہ فی البخاری ۱۲

میں رکھا تو ہم سمجھیں گے کہ آپ کی بیوی اور اُمہات المومنین میں سے ہیں ورنہ یہ سمجھیں گے کہ آپ نے ان کو لونڈی بنالیا ہے۔ چنانچہ آپ نے کوچ فرمایا تو اپنی سواری پر ان کے لئے پیچھے بیٹھنے کی جگہ بنائی اور ان کو سوار کر کے ان کے اور لوگوں کے درمیان پردہ تان دیا۔ اس سے سب سمجھ گئے کہ وہ ام المومنین ہیں۔ یہ بخاری شریف کی روایت ہے جو کتاب النکاح میں ذکر کی ہے۔

دوسری روایت میں ہے جو حضرت امام بخاریؒ نے کتاب المغازی میں درج کی ہے کہ دسترخوان بچھانے کا حکم حضرت بلال رضی اللہ تعالےٰ عنہ کو ہوا تھا اس واقعہ کو حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ تعالےٰ نے کتاب الصلوٰۃ میں ذکر کیا ہے اس میں یہ بھی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ولیمہ کھلانے کا ارادہ فرمایا تو اعلان فرمایا کہ جس کے پاس جو کچھ کھانے کی چیز ہو لے آئے، چنانچہ کوئی کھجور لایا، کوئی گھی لایا، کوئی ستو لایا اور سب چیزیں مالیدہ کی طرح ایک جگہ ملا کر کھالی گئیں۔

مدینہ منورہ پہنچنا حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم بڑے کریم اور شفیق تھے اپنی بیویوں کو بڑی اچھی طرح رکھتے تھے۔ حضرت صفیہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا آپ کے ساتھ خیبر سے مدینہ کو روانہ ہوئیں اور راستہ میں کئی دن لگے جب اونٹ پر سوار ہونے کا موقع آتا تھا تو آپ اونٹ کو بٹھا کر خود اونٹ کے پاس بیٹھ جاتے تھے اور حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا آپ کے مُبارک گھٹنے پر قدم رکھ کر اونٹ پر سوار ہو جاتی تھیں[۱] خود حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کا بیان ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑھ کر اچھے اخلاق والا کوئی نہیں دیکھا۔ جب خیبر سے مجھے لے کر روانہ ہوئے تو اونٹنی پر مجھے نیند آجاتی تھی اور میرا سر کجاوہ میں لگنے لگتا تھا۔ آپ اپنے ہاتھ سے میرا سر تھامتے اور فرماتے کہ اے حُیَیّ کی بیٹی! دھیان سے سوار رہ[۲]

مدینہ منورہ پہنچ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کو حضرت حارثہ بن النعمان رضی اللہ عنہ کے مکان میں قیام کرادیا۔ مدینہ کی عورتوں میں ان کے حُسن کی

---

[۱] بخاری شریف ۱۲۔ [۲] مجمع

شہرت ہوگئی تو دیکھنے آئیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا بھی دیکھنے کو پہنچیں۔ ان سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا کہو صفیہ کیسی ہے؟ بولیں ہاں میں یہودیہ کو دیکھ آئی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ ایسا نہ کہو۔ وہ یہودیہ نہیں ہے۔ اسلام لاچکی ہے وہ بہترین مسلمان ہے[1]

سخاوت

حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا نے مدینہ منوّرہ پہنچ کر اپنے کانوں کے زیور (بالیاں وغیرہ) حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا اور دوسری عورتوں کو دے دیئے۔ یہ زیور سونے کا تھا[2]

اخلاق وعادات

حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا بڑی عاقلہ فاضلہ اور بردبار تھیں۔ حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کی ایک باندی نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے شکایت کی جبکہ وہ خلیفہ تھے کہ صفیہ ہفتہ کے دن کو (یہودیوں کی طرح) دوسرے دنوں سے اچھا سمجھتی ہیں اور یہود کے ساتھ روپیہ پیسہ سے اچھا سلوک کرتی ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس بارے میں آدمی بھیج کر دریافت کرایا تو حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا نے جواب دیا کہ ہفتہ کے دن والی بات تو غلط ہے، جب سے اللہ نے (مجھے مسلمان بنا کر) جمعہ کا دن عنایت فرمایا، میں نے ہفتہ کے دن کو محبوب نہیں سمجھا اور یہود کو روپیہ پیسہ اس لئے دیتی ہوں کہ ان سے میرا رشتہ داری کا تعلق ہے (گو وہ کافر ہیں مگر رشتہ دار ہیں اور اسلام میں کافر رشتہ دار کے ساتھ سلوک کرنا بھی باعث ثواب ہے۔ اس کے بعد اس باندی سے حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا نے پوچھا کہ تجھے چغلی کھانے پر کس نے آمادہ کیا اس نے جواب دیا کہ شیطان نے مجھے بہکایا۔ فرمایا جا تو آزاد ہے[3]

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بے انتہا محبّت

حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بے انتہا محبّت تھی، جس بیماری میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات

---

[1] الاصابہ ۱۲۔ [2] ایضاً ۱۲۔ [3] الاصابہ ۱۲۔

ہوئی اس بیماری میں حضرت صفیہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا نے کہا یا نبی اللہ! خدا کی قسم میرا دل چاہتا ہے کہ جو تکلیف آپ کو ہے آپ کے بجائے مجھے ہو جاتی اُس وقت وہاں دیگر اُمّہاتُ المومنین بیٹھی تھیں۔ انہوں نے اس بات کو مصنوعی بتانے کے لئے کنکھیوں سے ایک دوسری کی طرف اشارہ کیا (اور بعض نے زبان سے بھی ایسی بات کہہ دی جس سے حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کی بات کو بناوٹی ظاہر کیا) حضور اقدس کو بھی یہ محسوس ہو گیا اور آپؐ نے امّہات المومنین سے فرمایا کہ تم کلی کرو۔ دریافت کیا کیوں؟ فرمایا اس لئے کہ تم نے (اس کی غیبت کی) کنکھیوں سے اس کی طرف اشارہ کیا اللہ کی قسم یہ اپنی بات میں سچی ہے [1]

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کی خوشنودی کا خیال فرماتے تھے۔ دیگر امہات المومنین جب ان کو کچھ کہہ سن کر ستاتی تھیں تو آپؐ ان کا پارٹ لیتے تھے۔ ایک مرتبہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس تشریف لے گئے تو وہ رو رہی تھیں۔ آپؐ نے رونے کا سبب دریافت فرمایا تو بولیں کہ مجھے یہ معلوم ہوا کہ عائشہؓ اور حفصہؓ مجھے بُرا کہتی ہیں اور یہ کہتی ہیں ہم صفیہ سے بہتر ہیں کیونکہ ہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رشتہ دار بھی ہیں اس وجہ سے کہ ہم قریش سے ہیں اور آپؐ بھی قریشی ہیں اور ہم آپ کی ازواج بھی ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم نے ان کو یہ جواب کیوں نہ دیا کہ میرے مورث اعلیٰ ہارون علیہ السّلام اور چچا موسےٰ علیہ السّلام اور شوہر محمّد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں پھر تم مجھ سے (نسب میں) کیونکر بہتر ہو سکتی ہو [2]

ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سفر میں حضرت صفیہؓ اور حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا دونوں تھیں۔ حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کے اونٹ کو تکلیف ہو گئی۔ چونکہ حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے پاس سواری ان کی اپنی ضرورت سے زیادہ تھی اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا کہ صفیہ کے اونٹ

---

[1] الاصابہ ۱۲۔ [2] الاستیعاب ۱۲ ۔

کو تکلیف ہوگئی تم ان کو ایک سواری دے دو۔ انہوں نے جواب دیا کہ کیا میں اس یہودیہ کو دوں گی؟ یہ جواب سن کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بہت ناراض ہوئے اور دو تین ماہ حضرت زینبؓ کے پاس تشریف نہ لے گئے حتیٰ کہ حضرت زینب رضی اللہ تعالےٰ عنہا اس سے ناامید ہوگئیں کہ آپؐ ان کے پاس تشریف لائیں گے[1] لیکن جب جدائی کی سزا دے دی تو دو تین ماہ بعد تشریف لے گئے)۔

حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کا قد پستہ تھا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ صفیہ کا قد چھوٹا بیان کرتے ہوئے میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ صفیہ اتنی سی ہے۔ یہ سن کر سیّد عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تُو نے ایسا کلمہ کہا کہ اگر سمندر میں ملا دیا جائے تو اسے بھی خراب کر ڈالے[2]

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خدمت
حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ جس فتنہ میں شہید کئے گئے

اس فتنہ کے دوران جب کہ فسادیوں نے حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اسبابِ زندگی (غلہ و پانی) بند کر رکھے تھے تو حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا نے اپنے پاس سے کھانا پینا بھجوانے کا خاص اہتمام فرمایا۔ ایک مرتبہ اپنے غلام کنانہ کو ساتھ لے کر اور خچر پر سوار ہو کر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچیں اور ان کی مصیبت دور کرنے کی نیّت سے چلیں۔ راستہ میں اشتر نامی ایک شخص مل گیا (وہ غالباً حضرت عثمان رضی اللہ تعالےٰ عنہ کے دشمنوں میں سے تھا) اس نے خچر کو مارنا شروع کر دیا۔ یہ دیکھ کر حضرت صفیہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا نے غلام سے فرمایا مجھے واپس لے چل، ذلیل نہ ہونے دے۔ اس کے بعد حضرت حسن رضی اللہ تعالےٰ عنہ کے ذریعہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالےٰ عنہ کے لئے کھانے پینے کا سامان بھیجتی رہیں[3]

---

[1] الاصابہ و بعضہ فی المشکوٰۃ ۱۲۔ [2] مشکوٰۃ شریف ۱۲۔ [3] الاصابہ ۱۲۔

زہد و عبادت البدایہ میں لکھا ہے وکانت من سیدات النساء عبادۃ وورعا وزھادۃ وبرا وصدقۃ (کہ وہ عبادت وزہد اور تقویٰ اور نیکی اور صدقہ کرنے میں عورتوں میں سرداری کا مقام رکھتی تھیں۔)

وفات حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا نے ۵۰ھ میں بماہ رمضان المبارک حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے زمانۂ امارت میں وفات پائی اور جنت البقیع میں دفن ہوئیں۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ ۵۲ھ ہجری میں سفرِ آخرت کیا۔ [1]

رضی اللہ عنہا وارضاہا

---

[1] الاصابہ، الاستیعاب، الاکمال اصاب المشکوٰۃ ۱۲

حضرت میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا

حضرت صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے نکاح فرمانے کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کیا۔ ان کا نام بھی بُرّہ تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بدل کر میمونہ رکھا۔ یہ حضرت ام الفضل (زوجہ عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ) کی بہن ہیں۔ والد کا نام حارث والدہ کا نام خولہ بنت عوف تھا۔ ان کا پہلا شوہر کون تھا؟ اس میں بہت اختلاف ہے۔ کسی نے ابورہم بن عبدالعزی اور کسی نے سنجرہ بن ابی رہم اور کسی نے حویطب بن عبدالعزی اور کسی نے فروہ بن عبدالعزی بتایا ہے [1]

حرمِ نبوّت میں آنا

جب ان کا پہلا شوہر جہانِ فانی سے رخصت ہوا تو ان کے بہنوئی حضرت عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ نے سیّد عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے تذکرہ کیا کہ آپ میمونہ سے نکاح فرمالیں۔ چنانچہ آپؐ نے منظور فرمایا اور نکاح فرمالیا۔ یہ بھی لکھا ہے کہ سیّد عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کو ان کے پاس نکاح کا پیغام دے کر بھیجا تھا۔ انہوں نے حضرت عباس کو اپنا وکیل بنادیا اور عباس رضی اللہ عنہ نے ان کا نکاح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کردیا [2]

یہ نکاح ۷ھ میں بحالت مسافرت ہوا جب کہ سیّد عالم صلی اللہ علیہ وسلم عمرۃ القضا کے سفر میں تھے مکّہ سے واپس ہوتے ہوئے مقام سرف آیا وہیں حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کے خیمہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے ملاقات فرمائی۔ حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کے واقعاتِ زندگی میں یہ بات تعجب کے ساتھ ذکر کی جاتی ہے کہ مقام سرف میں جس جگہ ان کا خیمہ اس وقت لگا ہوا تھا جب کہ نکاح کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

---

[1] من الاصابہ ۱۲ [2] ایضاً ۱۲

نے ان سے ملاقات فرمائی خاص اسی جگہ انہوں نے وفات پائی اور اسی جگہ دفن ہوئیں [۱]

چونکہ یہ نکاح سفر میں ہوا تھا جو عمرۃ القضاء کے لئے کیا تھا اس لئے کتب حدیث میں اس نکاح کا ذکر دو طرح آتا ہے۔ یزید ابن الاصم کی روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے جس وقت نکاح کیا اس وقت تک احرام نہیں باندھا تھا اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا سے آپؐ نے بحالتِ احرام نکاح کیا۔ ان دونوں کی روایتوں کی وجہ سے اماموں میں اختلاف ہو گیا کہ حالتِ احرام میں نکاح درست ہے یا نہیں؟ حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ اور بہت سے اکابر علماء فرماتے ہیں کہ حالت احرام میں نکاح درست اور جائز ہے اور حضرت امام مالک اور حضرت امام شافعی وغیرہما رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم کے نزدیک بحالتِ احرام نکاح درست نہیں ہے اس کی تفصیل اور دلیلیں حدیث کی شرحوں میں لکھی ہیں اور یہ اختلاف صرف نکاح میں ہے۔ نکاح کے بعد والی باتیں احرام میں کسی کے نزدیک بھی درست نہیں ہیں۔

حضرت شیخ محی السنۃ رحمہ اللہ تعالیٰ حضرت یزید بن الاصم اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہم کی دونوں روایتوں کو اس طرح جوڑتے تھے کہ آپؐ نے نکاح اس وقت کر لیا جبکہ احرام نہیں باندھا تھا اور اس کی شہرت جب ہوئی جب کہ آپؐ احرام باندھ چکے تھے (اس وجہ سے راویوں میں اختلاف ہو گیا)۔

مصاحبتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا سے ۷ھ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نکاح فرمایا اور ۱۱ھ میں آپ نے دنیائے فانی کو چھوڑ کر ملأ اعلیٰ کا سفر فرمایا۔ اس حساب سے حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا آپؐ کی خدمت میں ۳ سال رہیں۔ آپؐ کی خدمت میں رہ کر دوسری بیویوں کی طرح دین کی معلومات حاصل کیں۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما جو ان کے بھانجے ہیں ان کے شاگردوں میں ہیں۔ ایک مرتبہ معلوم ہوا کہ ابن عباس ماہواری کے دنوں میں اپنی بیوی سے بستر علیحدہ کر لیتے ہیں اور اتنا پرہیز

---

[۱] الاصابہ ۱۲

کرتے ہیں کہ اس کے پاس لیٹتے تک نہیں ہیں۔ حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا نے اپنی باندی بھیجی اور فرمایا کہ ان سے جاکر کہو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقے سے تمہیں کیوں اعراض ہے آپؐ اس زمانہ میں بھی ہمارے بستروں پر لیٹتے تھے[1] (ایام ماہواری میں میاں بیوی کا آپس میں ایک ساتھ لیٹنا بیٹھنا منع نہیں البتہ اس سے آگے نہ بڑھیں)۔

حضرت عائشہؓ کا تعریف کرنا حضرت عائشہ رضی اللہ نے حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کی تعریف میں فرمایا اَمَا اِنَّہَا کَانَتْ اَتْقَانَا لِلّٰہِ وَ اَوْصَلَنَا لِلرَّحِمِ (خبردار وہ ہم میں سب سے زیادہ متقی اور صلہ رحمی کرنے والی تھیں)[2]

ایک واقعہ سفر حج میں حضرت میمونہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھیں۔ لوگوں کو نویں ذی الحجہ کے دن شک ہوا کہ سیّد عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا روزہ ہے یا نہیں؟ حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا نے ایک پیالہ دودھ آپؐ کی خدمت میں بھیج دیا جسے آپؐ نے پی لیا اور سب دیکھتے رہے اس ترکیب سے پتہ چلالیا کہ آپؐ کا روزہ نہیں ہے بعض روایات میں ہے کہ دودھ حضرت ام الفضل رضی اللہ عنہا نے بھیجا تھا[3] (جو حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کی بہن ہیں) ممکن ہے کہ دونوں نے مشورہ کرکے بھیجا ہو لہٰذا راویوں نے علیحدہ علیحدہ دونوں نام ذکر کردیئے (نویں ذی الحجہ کو حاجی حضرات عرفات میں ہوتے ہیں دُعا کی مشغولیّت کی وجہ سے ان لوگوں کو اس دن روزہ نہ رکھنا بہتر ہے گو اس روزہ کا ثواب بہت زیادہ ہے جیسا کہ حضرت عائشہؓ کے تذکرہ میں گزر چکا ہے۔

کثرتِ نماز حضرت یزید بن الاصمؒ بیان فرماتے تھے کہ حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا ہر وقت نماز پڑھتی تھیں یا گھر کا کام انجام دینے میں ان کا وقت گذرتا تھا۔ ان دونوں مشغلوں سے فرصت ملتی تو مسواک کرنے لگتی تھیں۔

---

[1] مسند امام احمد بن حنبلؒ۔ [2] الاصابہ ۱۲۔ [3] مسلم شریف ۱۲

وفات

حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا نے ۵۱ھ میں وفات پائی ان کے سنہ وفات کے بارے میں اور بھی اقوال ہیں (مگر) راجح ۵۱ھ ہی ہے۔ استیعاب میں لکھا ہے کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے ان کے جنازہ کی نماز پڑھائی اور قبر میں بھی انہوں نے یزید بن الاصم اور عبید اللہ بن شداد کی معیت میں اتارا۔ یہ تینوں ان کی بہنوں کی اولاد تھے رضی اللہ تعالےٰ عنہم اجمعین۔ ان کی وفات اور کفن ودفن مقام سرف میں ہوا جیسا کہ پہلے گذر چکا ہے۔

مجمع الزوائد میں ہے کہ حضرت میمونہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا مکہ میں مقیم تھیں۔ وہاں کچھ طبیعت بھاری ہوئی اور علالت محسوس ہوئی فرمایا مجھے مکہ سے لے چلو کیونکہ مجھے مکہ میں موت نہ آئے گی۔ مجھے اس کی خبر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دی ہے۔ چنانچہ ان کو مقام سرف میں لایا گیا اور وہیں وفات پائی۔

کفنا کر اور نماز پڑھ کر جب قبر میں رکھنے کے لئے جنازہ اٹھایا گیا تو حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے لوگوں سے فرمایا کہ (ان کا ادب کرو) جنازہ کو جھٹکا دے کر نہ اٹھاؤ اور ہلاتے جلاتے نہ لے چلو۔ (مشکوٰۃ شریف)

حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کرنے کے بعد حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی عورت سے نکاح نہیں فرمایا۔ رضی اللہ عنہا وارضاہا۔

آخری کلام

یہاں تک ہم نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی گیارہ بیویوں کے حالات لکھے ہیں نکاحوں کی ترتیب حضرت اقدس سیدی، سندی و مرشدی مولانا محمد زکریا صاحب لازالت فیوضہ باقیۃ کی کتاب حکایاتِ صحابہ سے لی ہے اور حالات کتبِ حدیث و اسماء الرجال سے نقل کئے ہیں۔ اس پر سب کا اتفاق ہے کہ جو عورتیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح میں قابلِ ذکر مدت تک رہیں (جن میں سب سے کم مدت حضرت زینب بنت خزیمہ رضی اللہ عنہا کی ہے) ان میں سب سے پہلا نکاح حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے اور سب سے آخری نکاح حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا سے ہوا البتہ ہماری ذکر کردہ نکاحوں کی ترتیب میں اختلاف ہے یعنی محدثین و مؤرخین نے اس ترتیب کے علاوہ دوسری ترتیب بھی بتائی ہے جس کی تفصیل البدایہ والنہایہ میں مذکور ہے۔ ان گیارہ بیویوں میں سے دو بیویوں (یعنی حضرت خدیجہ اور حضرت زینب بنت خزیمہ رضی اللہ عنہما) نے آپؐ کی موجودگی میں وفات پائی اور باقی بیویوں نے آپؐ کے بعد دار فانی کو چھوڑا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ملاءِ اعلیٰ کا سفر اختیار فرماتے وقت جن نو بیویوں کو چھوڑا تھا ان کے اسماءِ گرامی یہ ہیں۔

(۱) حضرت عائشہؓ (۲) حضرت سودہؓ (۳) حضرت حفصہؓ (۴) حضرت ام سلمہؓ۔
(۵) حضرت زینبؓ (۶) حضرت جویریہؓ (۷) حضرت ام حبیبہؓ (۸) حضرت صفیہؓ۔
(۹) حضرت میمونہؓ رضی اللہ تعالیٰ عنہن۔ ان پاک بیویوں کے نام ان تین شعروں میں جمع کر دیئے ہیں۔

توفی رسول اللہ عن تسع نسوۃ — الیھن تعزی المکرمات وتنسب
فعائشۃ میمونۃ وصفیۃ — وحفصۃ تتلوھن ھند وزینب
جویریۃ مع رملۃ ثم سودۃ — ثلاث وست ذکرھن مھذب

یہ مسلمہ حقائق ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سب سے پہلا نکاح حضرت خدیجہ

رضی اللہ عنہا سے کیا اور جب تک وہ زندہ رہیں کوئی نکاح آپؐ نے نہیں کیا اور حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے علاوہ کسی بیوی سے آپؐ کی اولاد نہیں ہوئی اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے علاوہ کوئی بیوی کنواری آپؐ کے نکاح میں نہیں آئی اور آپؐ کے بعد سب سے پہلے حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ تعالےٰ عنہا نے وفات پائی اور امہات المؤمنین میں سب سے آخری وفات حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی ہوئی اور ان گیارہ بیویوں میں سب سے آخری نکاح حضرت میمونہؓ سے ہوا۔

یہ حالات جو ہم نے جمع کئے ہیں ان کا مقصد صرف یہ نہیں ہے کہ حالات معلوم کر کے کتاب بند کر کے رکھ دیں بلکہ مقصد یہ ہے کہ ان کو پڑھ کر سبق لیں اور اپنی عورتوں کو سنائیں اور بچیوں کو تعلیم دیں اور زہد و عبادت، سخاوت، کثرت نماز، کثرت ذکر، دینی خدمت، تعلیم دین اور دین پر جمے رہنے میں اپنی عورتوں اور بچیوں کو امہات المومنین رضی اللہ عنہن کی زندگی پر ڈھالنے کی کوشش کریں۔ جن گیارہ بیویوں کے حالات اس کتاب میں لکھے ہیں ان کے علاوہ مورخین اور اصحاب سیر نے دیگر بیویوں سے بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح کے فرمانے کا ذکر کیا ہے لیکن وہ کچھ خاص قابل ذکر مدت تک آپؐ کی مصاحبت میں نہ رہیں لہٰذا گیارہ ہی بیویوں کے حالات جمع کرنے پر اکتفار کیا۔

وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِنَا وَسَنَدِنَا مُحَمَّدٍ وَّاٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَاَزْوَاجِهٖ اَجْمَعِیْنَ ؕ

تمّت بالخیر

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے تعددِ ازواج کی حکمت

حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات والاصفات سراپا رحمت و برکت ہے۔ تبلیغِ احکام اور تزکیۂ نفوس اور ابلاغ قرآن آپ کا سب سے بڑا مقصد بعثت تھا، آپؐ نے اسلام کی تعلیمات کو قولاً و عملاً دنیا میں پھیلایا یعنی آپؐ بتاتے بھی تھے اور کرکے بھی دکھاتے تھے۔ انسانی زندگی کا کوئی شعبہ ایسا نہیں ہے جس میں نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی رہبری کی ضرورت نہ ہو، نماز با جماعت سے لے کر بیویوں کے تعلقات آل و اولاد کی پرورش اور پاخانہ پیشاب اور طہارت تک کے بارے میں آپؐ کی قولی اور فعلی ہدایات سے کتبِ حدیث بھرپور ہیں، اندرونِ خانہ کیا کیا کام کیا، بیویوں سے کیسے میل جول رکھا اور گھر میں آکر مسائل پوچھنے والی خواتین کو کیا جواب دیا اس طرح کے سینکڑوں مسائل ہیں جن سے ازواجِ مطہراتؓ کے ذریعہ ہی اُمّت کو رہنمائی ملی ہے، تعلیم و تبلیغ کی دینی ضرورت کے پیشِ نظر حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے کثرتِ ازواج ایک ضروری امر تھا۔ صرف حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے احکام و مسائل، اخلاق و آداب اور سیرتِ نبویؐ سے متعلق دو ہزار دو سو دس روایات مروی ہیں جو کتبِ حدیث میں پائی جاتی ہیں۔

حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا کی مرویات کی تعداد تین سو اٹھہتر تک پہنچی ہوئی ہے۔ حافظ ابن قیمؒ نے اعلام الموقعین ص۹ ج ا میں لکھا ہے کہ اگر حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے فتاویٰ جمع کئے جائیں جو انہوں نے حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد دیئے ہیں تو ایک رسالہ مرتب ہو سکتا ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا کا روایت و درایت اور فقہ و فتاویٰ میں جو مرتبہ ہے وہ محتاجِ بیان نہیں۔ ان کے شاگردوں کی تعداد دو سو۲۰۰ کے لگ بھگ ہے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد مسلسل اڑتالیس۴۸ سال تک علم دین پھیلایا۔ بطورِ مثال دو مقدس بیویوں کا مجمل حال لکھ دیا ہے، دیگر ازواجِ مطہرات کی روایات بھی مجموعی حیثیت سے کافی تعداد میں موجود ہیں ظاہر ہے کہ اس تعلیم و تبلیغ کا نفع صرف ازواجِ مطہراتؓ سے پہنچا۔

اسلام کے بلند مقاصد اور پورے عالم کی انفرادی و اجتماعی، خانگی اور ملکی اصلاحات کی فکر کو دنیا کے شہوت پرست انسان کیا جانیں، وہ تو سب کو اپنے اوپر قیاس کر سکتے ہیں اسی کے نتیجے میں کئی صدی سے یورپ کے ملحدین اور مستشرقین نے اپنی ہٹ دھرمی سے فخرِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے تعدّدِ ازواج کو ایک خالص جنسی اور نفسانی خواہش کی پیداوار قرار دے رکھا ہے۔ اگر حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت پر ایک سرسری نظر بھی ڈالی جائے تو ایک ہوشمند منصف مزاج کبھی بھی آپؐ کی کثرتِ ازدواج کو اس پر محمول نہیں کر سکتا۔

آپؐ کی معصوم زندگی قریشِ مکّہ کے سامنے اس طرح گذری کہ سب سے پہلے پچیس۲۵ سال کی عمر میں ایک سن رسیدہ صاحبِ اولاد بیوہ (جس کے دو شوہر فوت ہو چکے تھے) سے عقد کیا اور پچیس سال تک ان ہی کے ساتھ گذارہ کیا، وہ بھی اس طرح کہ مہینہ مہینہ گھر چھوڑ کر غارِ حراء میں مشغولِ عبادت رہتے تھے، اس کے بعد جو دوسرے نکاح ہوئے پچاس۵۰ سالہ عمر شریف گزر جانے کے بعد ہوئے یہ پچاس۵۰ سالہ زندگی اور عنفوانِ شباب کا سارا وقت اہلِ مکّہ کی نظروں کے سامنے تھا، کبھی کسی دشمن کو بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف کوئی ایسی چیز منسوب کرنے کا موقع نہیں ملا جو تقویٰ و طہارت کو مشکوک کر سکے۔ آپؐ کے دشمنوں نے آپؐ پر ساحر، شاعر، مجنوں، کذاب، مفتری جیسے الزامات تراشنے میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی، لیکن آپؐ کی معصوم زندگی پر کوئی ایسا حرف کہنے کی جرأت نہیں ہوئی جس کا تعلق جنسی اور نفسانی جذبات کی

بے راہ روی سے ہو۔

ان حالات میں یہ بات غور طلب نہیں ہے کہ چڑھتی جوانی سے لے کر پچاس سال کی عمر ہو جانے تک اس زہد و تقویٰ اور لذائذِ دنیا سے یک سوئی میں گذارنے کے بعد وہ کیا داعیہ تھا جس نے آخر عمر میں آپؐ کو متعدد نکاحوں پر مجبور کیا۔ اگر دل میں ذرا سا بھی انصاف ہو تو ان متعدد نکاحوں کی وجہ اس کے سوا نہیں بتلائی جا سکتی جس کا اوپر ذکر کیا گیا ہے۔

اور اس کثرتِ ازدواج کی حقیقت بھی سن لیجئے کہ کس طرح وجود میں آئی۔

پچیس سال کی عمر سے لے کر پچاس سال کی عمر شریف ہونے تک تنہا حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا آپؐ کی زوجہ رہیں ان کی وفات کے بعد حضرت سودہؓ اور حضرت عائشہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا سے نکاح ہوا لیکن صغر سنی کی وجہ سے حضرت عائشہؓ اپنے والد کے گھر ہی رہیں، پھر چند سال کے بعد ۲ھ میں مدینہ منورہ میں حضرت عائشہؓ کی رخصتی عمل میں آئی، اس وقت آپؐ کی عمر چوّن سال ہو چکی ہے، اور دو بیویاں اس عمر میں آکر جمع ہوئی ہیں یہاں سے تعدد ازواج کا معاملہ شروع ہوا۔ اس کے ایک سال بعد حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا سے نکاح ہوا، پھر کچھ ماہ بعد حضرت زینب بنت خزیمہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا سے نکاح ہوا، انہوں نے صرف اٹھارہ ماہ آپؐ کے نکاح میں رہ کر وفات پائی۔ ایک قول کے مطابق تین ماہ آپؐ کے نکاح میں زندہ رہیں، پھر ۴ھ میں حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے نکاح ہوا، پھر ۵ھ میں حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا سے نکاح ہوا، اس وقت آپؐ کی عمر شریف اٹھاون سال ہو چکی تھی، اور اتنی بڑی عمر میں آکر چار بیویاں جمع ہوئیں۔ ان کے بعد ۶ھ حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا سے، اور ۷ھ میں حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا اور حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا اور حضرت میمونہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا سے نکاح ہوا۔

خلاصہ:۔ یہ کہ چوّن برس کی عمر تک آپؐ نے صرف ایک بیوی کے ساتھ گذارہ کیا، یعنی پچیس سال حضرت خدیجہؓ کے ساتھ اور چار پانچ سال حضرت سودہؓ کے

ساتھ گذارے پھر اٹھاون سال کی عمر میں چار بیویاں جمع ہوئیں اور باقی ازواج مطہراتؓ دو تین سال کے اندر حرمِ نبوت میں آئیں اور سنہ ھ میں آپ نے وفات پائی۔

اور یہ بات خاص طور سے قابلِ ذکر ہے کہ ان سب بیویوں میں صرف ایک ہی عورت ایسی تھیں جن سے کنوارے پن میں نکاح ہوا، یعنی ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا، ان کے علاوہ باقی سب ازواج مطہراتؓ بیوہ تھیں، جن میں بعض کے دو شوہر پہلے گذر چکے تھے، اور یہ تعداد بھی آخر عمر میں آکر جمع ہوئی۔

حضرات صحابہ مرد اور عورت سب آپ پر جاں نثار تھے، اگر آپؐ چاہتے تو سب بیویاں کنواری جمع کر لیتے، بلکہ ایک ایک دو دو مہینہ کے بعد بدلنے کا بھی موقع تھا لیکن آپؐ نے ایسا نہیں کیا۔

نیز یہ امر بھی قابلِ ذکر ہے کہ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالےٰ کے برحق نبی تھے، نبی صاحب ہوا و ہوس نہیں ہوتا، جو کچھ کرتا ہے اذنِ الٰہی سے کرتا ہے، نبی ماننے کے بعد ہر اعتراض ختم ہو جاتا ہے، اور اگر کوئی شخص آپؐ کو نبی ہی نہ مانے اور یہ الزام لگائے کہ آپؐ نے محض شہوت نفسانی کے لئے کثرتِ ازواج کو جائز رکھا تھا تو اس شخص سے کہا جائے گا کہ اگر ایسا ہوتا تو آپؐ اپنے حق میں کثرتِ ازواج کے معاملہ میں اس پابندی کا اعلان کیوں فرماتے جس کا ذکر قرآن کریم کی آیت لَا يَحِلُّ لَكَ النِّسَاءُ مِنْ بَعْدُ میں موجود ہے، اپنے حق میں اس پابندی کا اعلان اس بات کی کھلی دلیل ہے کہ آپؐ نے جو کچھ کیا اپنے رب کے اذن سے کیا، حضرت علی رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے عرض کیا کہ فلاں لڑکی بہت خوبصورت ہے آپ کے چچا حمزہ کی لڑکی ہے اس سے نکاح فرمالیں۔ آپؐ نے فرمایا حمزہؓ میرے رضاعی بھائی ہیں ان کی لڑکی سے میرا نکاح حلال نہیں۔ اسی طرح بعض ازواج نے اپنی بہن سے نکاح کرنے کی گذارش کی۔ آپؐ نے نامنظور فرمادی۔ ظاہر ہے کہ جس کو شہوت رانی سے مطلب ہو گا وہ قاعدہ و قانون اور حرام و حلال کی پرواہ نہیں کرتا خصوصاً جبکہ جو کچھ اس کی زبان سے نکل جاتا ہو اس کے معتقدین کے نزدیک وہی قانون بن جاتا ہو۔

تعدّد ازواج کی وجہ سے تعلیمی اور تبلیغی فوائد جو امّت کو حاصل ہوئے اور جو احکام امّت تک پہنچے اس کی جزئیات اس قدر کثیر ہیں کہ ان کا احصار دشوار ہے، کتبِ احادیث اس پر شاہد ہیں، البتہ بعض دیگر فوائد کی طرف یہاں ہم اشارہ کرتے ہیں۔

حضرت اُمّ سلمہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا کے شوہر حضرت ابو سلمہؓ کی وفات کے بعد آپؐ نے ان سے نکاح کر لیا تھا، وہ اپنے سابق شوہر کے بچّوں کے ساتھ آپؐ کے گھر تشریف لائیں، ان کے بچّوں کی آپؐ نے پرورش کی اور اپنے عمل سے بتا دیا کہ کس پیار و محبّت سے سوتیلی اولاد کی پرورش کرنی چاہیئے۔ آپؐ کی بیویوں میں صرف یہی ایک بیوی ہیں جو بچّوں کے ساتھ آئیں، اگر کوئی بھی بیوی اس طرح کی نہ ہوتی تو عملی طور پر سوتیلی اولاد کی پرورش کا خانہ خالی رہ جاتا اور اُمّت کو اس سلسلے میں کوئی ہدایت نہ ملتی، ان کے بیٹے حضرت عمر بن ابی سلمہؓ فرماتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی گود میں پرورش پاتا تھا، ایک بار آپؐ کے ساتھ کھانا کھاتے ہوئے پیالہ میں ہر جگہ ہاتھ ڈالتا تھا، آپؐ نے فرمایا بِسۡمِ اللّٰہِ وَکُلۡ بِیَمِیۡنِکَ وَکُلۡ مِمَّا یَلِیۡکَ، (اللہ کا نام لے کر کھا، داہنے ہاتھ سے کھا اور سامنے سے کھا) (بخاری و مسلم)

حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا ایک جہاد میں قید ہو کر آئی تھیں، دوسرے قیدیوں کی طرح یہ بھی تقسیم میں آگئیں اور ثابت بن قیس یا ان کے چچازاد بھائی کے حصّہ میں ان کو لگا دیا گیا، لیکن انہوں نے اپنے آقا سے اس طرح معاملہ کر لیا کہ اتنا اتنا مال تم کو دے دوں گی مجھے آزاد کر دو، یہ معاملہ کر کے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئیں اور مالی امداد چاہی، آپؐ نے فرمایا اس سے بہتر بات نہ بتا دوں؟ وہ یہ کہ میں تمہاری طرف سے مال ادا کر دوں اور تم سے نکاح کر لوں، انہوں نے بخوشی منظور کر لیا۔ تب آپؐ نے ان کی طرف سے مال ادا کر کے نکاح فرما لیا ان کی قوم کے سینکڑوں افراد حضرات صحابہؓ کی ملکیت میں آچکے تھے کیونکہ وہ سب لوگ قیدی ہو کر آئے تھے۔ جب صحابہؓ کو پتہ چلا کہ جویریہؓ آپؐ کے نکاح میں آگئی ہیں تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

کے احترام کے پیشِ نظر سب نے اپنے اپنے غلام باندی آزاد کر دیئے سبحان اللہ حضرات صحابہ کرامؓ کے ادب کی کیا شان تھی۔ اس جذبہ کے پیشِ نظر کہ یہ لوگ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے سسرال والے ہو گئے ان کو غلام بنا کر کیسے رکھیں، سب کو آزاد کر دیا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اس واقعہ کے متعلق فرماتی ہیں:۔

لَقَدْ اُعْتِقَ بِتَزْوِیْجِہٖ اِیَّاھَا مِائَۃُ اَھْلِ بَیْتٍ مِّنْ بَنِی الْمُصْطَلَقِ فَمَا اَعْلَمُ امْرَأَۃً اَعْظَمَ بَرَکَۃً عَلٰی قَوْمِھَا مِنْھَا۔	آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے جویریہؓ سے نکاح کر لینے سے بنو المصطلق کے سو گھرانے آزاد ہوئے۔ میں نے کوئی عورت ایسی نہیں دیکھی جو جویریہؓ سے بڑھ کر اپنی قوم کے لئے بڑی برکت والی ثابت ہوئی ہو۔

حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا نے اپنے شوہر کے ساتھ ابتداءِ اسلام ہی میں مکہ میں اسلام قبول کیا تھا اور پھر دونوں میاں بیوی ہجرت کر کے قافلے کے دوسرے افراد کے ساتھ حبشہ چلے گئے وہاں ان کا شوہر نصرانی ہو گیا، اور چند دن کے بعد مر گیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے شاہِ حبشہ نجاشی کے واسطہ سے ان کے پاس نکاح کا پیغام بھیجا، جسے انہوں نے قبول کر لیا، اور وہیں حبشہ میں نجاشی ہی نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ان کا نکاح کر دیا۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ حضرت ام حبیبہؓ حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی تھیں اور حضرت ابوسفیان اس وقت اس گروہ کے سرخیل تھے جس نے اسلام دشمنی کو اپنا سب سے بڑا مقصد قرار دیا تھا، اور وہ مسلمانوں کو اور پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو اذیت دینے اور انہیں فنا کے گھاٹ اتار دینے کا کوئی موقع ہاتھ سے نہیں جانے دیتے تھے جب ان کو اس نکاح کی اطلاع ہوئی تو بلا اختیار ان کی زبان سے یہ الفاظ نکلے:

ھُوَ الْفَحْلُ لَا یُجْدَعُ اَنْفُہٗ۔	یعنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم جوانمرد ہیں ان کی ناک نہیں کاٹی جا سکتی۔

مطلب یہ کہ وہ بلند ناک والے معزز ہیں ان کو ذلیل کرنا آسان نہیں، ادھر تو ہم

ان کو ذلیل کرنے کی تیاریوں میں لگے ہوئے ہیں اور ادھر ہماری لڑکی ان کے نکاح میں چلی گئی۔

غرض اس نکاح سے کفر کے ایک قائد کے حوصلے پست ہو گئے اور اس نکاح کی وجہ سے جو سیاسی فائدہ اسلام اور مسلمانوں کو پہنچا اس کی اہمیت اور ضرورت سے انکار نہیں کیا جا سکتا، اور یقین سے کہا جا سکتا ہے کہ خدا کے مدبّر اور حکیم رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) نے اس فائدہ کو ضرور پیش نظر رکھا ہوگا۔

یہ چند باتیں لکھی گئی ہیں ان کے علاوہ سیرت پر عبور رکھنے والے حضرات کو بہت کچھ حکمتیں آپ کے تعدّدِ ازواج میں مل سکتی ہیں۔ اس سلسلے میں سیدی حکیم الامّت قدس سرہ کے رسالہ "کثرت الازواج لصاحب المعراج" کا دیکھنا بھی مفید ہوگا۔

یہ تفصیل ہم نے ملحدین و مستشرقین کے پھیلائے ہوئے پُر فریب جال کو کاٹنے کے لئے لکھی ہے کیونکہ ان کے اس دامِ تزویر میں بہت سے ناواقف مسلمان بھی پھنس جاتے ہیں جو سیرت نبویؐ اور تاریخ اسلام سے بے خبر ہیں یا وہ اسلامیات کا علم مستشرقین ہی کی کتابوں سے حاصل کرتے ہیں۔

تفسیر معارف القرآن ص۲۸۸ سے تا ص۲۹۲ ج ۲
از مفتی اعظم پاکستان مولانا محمد شفیع صاحب دامت برکاتہم

يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ وَبَنٰتِكَ وَنِسَآءِ الْمُؤْمِنِيْنَ يُدْنِيْنَ عَلَيْهِنَّ مِنْ جَلَابِيْبِهِنَّ ط

اے نبی اپنی بیبیوں سے اور اپنی صاحبزادیوں سے اور دوسرے مسلمانوں کی عورتوں سے فرما دیجیے کہ اپنی چادریں نیچی کر لیا کریں۔

(الاحزاب: ۵۹)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادیاں رضی اللہ عنہن

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہٗ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

امّا بعد۔ اللہ رب العزّت نے محض اپنے فضل و کرم سے انسانوں کی ہدایت کے لئے ان ہی میں سے پیغمبر بھیجے تاکہ انسان ان سے اپنی زندگی گزارنے کا وہ طریقہ سیکھیں جو اللہ رب العزّت کو پسند ہے اور زندگی کے ہر شعبہ میں وہی طرز اختیار کریں جو اللہ رب العزّت نے ان کے پیغمبروں کے واسطے سے ان تک بھیجا۔ پیغمبر صرف قول ہی سے بتانے والے نہیں ہوتے تھے بلکہ عمل کرکے بھی دکھاتے تھے۔ اسی لئے جنّات یا ملائکہ رسول بنا کر نہیں بھیجے گئے کیونکہ انسانی زندگی کے تمام شعبوں کو کرکے دکھانا انسان ہی کا کام ہے۔ چونکہ کرکے دکھانا اور عمل پر ڈالنا بھی مقصود تھا اس لئے حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسّلام نے عملی طور پر بھی انسانی زندگی میں پیش آنے والے کاموں کی رہبری کی تاکہ اُمّت ان کی پیروی کر سکے اور ان کے عمل کا اقتدار کرکے اللہ کو راضی کرنے میں کامیاب ہو۔

حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی سیرت کا مطالعہ کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ ان میں سے بعض حضرات نے صنعت و حرفت و دستکاری بھی کی ہے اور بعض حضرات نے نظامِ سلطنت بھی سنبھالا ہے۔ اکثر پیغمبروں کی زندگی سے قوموں

کے عروج وزوال اور فتح وشکست کے رموز آشکارا ہوتے ہیں۔ غرض کہ تمام وہ امور جو انسانوں کی زندگی میں پیش آیا کرتے ہیں۔ ان کے بارے میں اُمتوں کو اُن سے عمل کی راہ ملتی رہی ہے۔ بالخصوص سیّدالانبیاء والاصفیاء سیّدنا حضرت محمّد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی تو کتاب مبین کی طرح اس طریقہ پر محفوظ ہے کہ زندگی کا کوئی شعبہ پوشیدہ نہیں ہے۔ سب کچھ عیاں اور ظاہر ہے۔ ہر شخص کو آپؐ کی زندگی سے سبق مل سکتا ہے۔

آپؐ سے قبل جتنے پیغمبر علیہم الصّلوٰۃ والسّلام تشریف لائے چونکہ ان کے بعد بھی پیغمبر آنے والے تھے اس لئے ان کے بعد ان کی تعلیمات کی حفاظت نہ کی گئی اور آپؐ چونکہ خاتم النّبیین بنا کر بھیجے گئے اس لئے تا قیامت آپؐ کی تعلیمات دنیائے انسانیت کے لئے ضروری الاتباع اور واجب الامتثال ہیں اور آپؐ کی قولی اور عملی تعلیمات کلیتہً وجزئیتہً محفوظ ہیں۔

سیّد عالم صلّی اللہ علیہ وسلّم نے بازاروں میں تبلیغ بھی کی اور چیزوں کا بھاؤ بھی کیا، بعض مرتبہ کسی کے پاس اپنی کوئی چیز رہن بھی رکھی۔ بیوہ عورتوں سے بھی نکاح کیا اور کنواری عورت سے بھی، بیویوں کی پہلے شوہر سے جو اولاد تھی ان کی پرورش بھی کی۔ اپنے بچوں کو بھی پالا، بیٹیوں کی شادی بھی کی۔ ان سب امور میں امّت کے لئے اسوہ ملتا ہے۔ آپؐ کا اٹھنا بیٹھنا، رفتار وگفتار سونا جاگنا کھانا پینا وغیرہ وغیرہ سب کچھ معلوم ومنقول ہے۔

سیّد عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی بیویوں اور بیٹیوں رضی اللہ تعالےٰ عنہن کا دین کے لئے تکلیفیں سہنا، آخرت کا فکرمند ہونا، بھوک و پیاس پر صبر کرنا، ذکر الٰہی میں مشغول رہنا، گھر کے کام کاج سے عار نہ کرنا اور دین سیکھنا اور اس کو پھیلانا، صدقہ وخیرات میں بے مثل ہونا، ہاتھ کی کمائی سے صدقہ کرنا جہاد وغزوات میں شریک ہونا وغیرہ وغیرہ ملے گا۔ مسلمان عورتوں کو ان امور میں ان مقدس خواتین کا اتباع کرنا لازم ہے، جنہوں نے نبوّت

کے گھرانوں میں سیّد عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایت کے مطابق زندگی گزار کر کامیابی حاصل کی. رضی اللہ تعالیٰ عنہن۔

آج کی مسلمان کہلانے والی عورتیں دین سے جاہل اور آخرت سے غافل ہوگئی ہیں اور اپنی زندگی ان طریقوں پر گذارنے کو جن پر چل کر سیّد عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی بیویاں اور بیٹیاں بارگاہ خداوندی میں مقرب ہوئیں عار سمجھ کر کافر لیڈیوں اور مشرک عورتوں اور فیشن ایبل ماڈرن نصرانی، یہودی عورتوں کے طور وطریق کو پسند کرنے لگی ہیں۔

اس پر سب محدثین اور مؤرخین متفق ہیں کہ سیّد عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے گیارہ نکاح کئے جن میں سب سے پہلی بیوی حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا تھیں۔ ان کے علاوہ اور کسی بیوی سے آپؐ کی اولاد نہیں ہوئی۔ ان ہی کے بطن سے آپؐ کے صاحب زادے اور صاحب زادیاں تولد ہوئیں اور ان کے علاوہ آپ کی باندی ماریہ قبطیہ رضی اللہ عنہا سے ایک صاحب زادے تولد ہوئے جن کا اسم گرامی ابراہیم تھا۔ اس پر بھی سب کا اتفاق ہے کہ سیّد عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے صاحب زادوں میں سے کوئی بھی سن بلوغ کو نہیں پہنچا۔ سب نے بچپن ہی میں وفات پائی۔ البتہ آپؐ کی صاحب زادیاں بڑی ہوئیں اور ان کی شادیاں بھی ہوئیں اور سب نے اسلام قبول کیا اور مدینہ منورہ کو ہجرت کی۔

الاستیعاب میں لکھا ہے کہ:۔

واجمعوا انها ولدت له	اس پر سب متفق ہیں کہ حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا کے
اربع بنات كلهن	بطن سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی چار صاحبزادیاں
ادركن الاسلام	تولد ہوئیں۔ سب نے اسلام کا زمانہ پایا اور اسلام قبول
وهاجرن وهن زينب و	کیا اور ہجرت کی۔ ان کے اسمار گرامی یہ ہیں حضرت زینب
فاطمة ورقية وام كلثوم۔	حضرت فاطمہ، حضرت رقیہ، حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہن۔

اس میں سیرت نگاروں کا بہت اختلاف ہے کہ سیّد عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے صاحبزادے کتنے تھے؟ اور اختلاف کی وجہ یہ ہے کہ ان سب نے بچپن ہی میں وفات پائی اور اس وقت عرب میں تاریخ کا خاص اہتمام نہ تھا اور اس وقت

صحابہؓ جیسے جاں نثار بھی کثیر تعداد میں موجود نہ تھے جن کے ذریعہ اس وقت کی پوری تاریخ محفوظ ہو جاتی۔ قتادہؒ کا قول ہے کہ حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے بطن سے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دو صاحبزادے اور چار صاحبزادیاں پیدا ہوئیں۔ ایک صاحبزادے کا نام قاسم تھا جو پاؤں چلنے لگے تھے۔ ان ہی کے نام پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی کنیت ابوالقاسم مشہور ہوئی۔ دوسرے صاحبزادے کا نام عبداللہ تھا۔ وہ بہت ہی چھٹپن میں وفات پاگئے۔ سیر و سوانح کے بڑے عالم زبیرؒ بن بکار کا قول ہے کہ سیدؐ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی اولاد کی تعداد اور ترتیب یوں ہے۔ پہلے حضرت قاسم پیدا ہوئے۔ وہ آپؐ کی اولاد میں سب سے بڑے تھے۔ ان کے بعد حضرت زینبؓ اور ان کے بعد حضرت عبداللہؓ کی ولادت ہوئی۔ ان ہی کا لقب طیبؓ اور طاہرؓ مشہور ہوا۔ ان کی پیدائش نبوت کے بعد ہوئی تھی۔ ان کے بعد حضرت ام کلثومؓ اور ان کے بعد حضرت فاطمہؓ اور ان کے بعد حضرت رقیہؓ کی ولادت ہوئی۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین۔ پھر مکہ ہی میں دونوں صاحبزادوں کی وفات ہوگئی۔ پہلے حضرت قاسمؓ کی اور ان کے بعد حضرت عبداللہؓ کی۔ (الاستیعاب؏)

ان دونوں بزرگوں کے قول سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صرف دو صاحبزادے (حضرت قاسمؓ اور حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما) حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے تولد ہوئے۔ ان کے علاوہ تیسرے صاحبزادے حضرت ابراہیم رضی اللہ تعالیٰ عنہ مدینہ طیبہ میں آپؐ کی لونڈی حضرت ماریہ رضی اللہ عنہا سے پیدا ہوئے۔ اس حساب سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے تین صاحبزادے ہوتے اور یہی اکثر علماء کی تحقیق ہے۔ بعض علماء نے طیب اور طاہر علیحدہ دو لڑکوں کے نام بتائے ہیں۔ ان کا کہنا یہ ہے کہ حضرت عبداللہ کے یہ دونوں لقب نہ تھے بلکہ یہ دو

؏ الاستیعاب میں زبیر بن بکار کی یہ تصریح حضرت خدیجہؓ کے تذکرہ میں لکھی ہے۔ لیکن حضرت فاطمہؓ کے تذکرہ میں فرمایا ہے کہ بنات طاہرات کی پیدائش کی ترتیب صحیح اخبار متواترہ کے اعتبار سے یوں ہے کہ اوّل حضرت زینبؓ، دوم حضرت رقیہ، سوم حضرت ام کلثوم اور چہارم حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہن ۱۲۔

صاحبزادے ان کے علاوہ تھے۔ اس طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پانچ صاحبزادے ہو جاتے ہیں اور بعض علماء کا یہ قول بھی ہے کہ طیب اور طاہر دونوں ایک ہی صاحبزادے کے نام تھے اور حضرت عبداللہ ان کے علاوہ تھے۔ اس حساب سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے چار صاحبزادے ہوتے ہیں اور بعض علماء نے یہ بھی لکھا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سات صاحبزادے تھے۔ (۱) حضرت قاسم (۲) حضرت عبداللہ (۳) حضرت طیب (۴) حضرت مطیب (۵) حضرت طاہر (۶) حضرت مطہر (۷) حضرت ابراہیم رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین۔ لیکن اکثر علماء کی تحقیق یہی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے تین ہی صاحبزادے تھے۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔

چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام صاحبزادے بچپن ہی میں وفات پا گئے ان کے حالات منقول نہیں ہیں۔ اس لئے ہم نے اس رسالے میں صرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادیوں کے حالات جمع کرنے کا ارادہ کیا ہے البتہ خاتمۃ الکتاب میں حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ کے کچھ حالات جمع کر دیئے ہیں جو کتب احادیث و سیر میں ملتے ہیں اور جن کا معلوم ہونا مسلمانوں کے لئے باعثِ نصیحت و ہدایت ہوگا۔

حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا

یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سب سے بڑی صاحبزادی ہیں بلکہ بعض علماء نے ان کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سب سے پہلی اولاد بتایا ہے اور لکھا ہے کہ حضرت قاسمؓ کی ولادت ان کے بعد ہوئی۔ ابن الکلبی کا یہی قول ہے اور علی بن عبد العزیز الجرجانیؒ نے حضرت قاسمؓ کو بڑا اور حضرت زینب کو چھوٹا بتایا ہے۔ ہاں اس پر سب متفق ہیں کہ صاحبزادیوں میں سب سے بڑی حضرت زینب رضی اللہ عنہا تھیں۔

ان کی پیدائش ۳۰ میلاد نبوی میں ہوئی یعنی جس وقت وہ پیدا ہوئیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر شریف ۳۰ سال تھی۔ (ذکرہ فی الاستیعاب)

سیّد عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت ۴۰ سال کی عمر میں ہوئی تھی۔ اس حساب سے حضرت زینب رضی اللہ عنہا کی زندگی کے اوّلین دس برس بعثت سے پہلے گزرے اور تیرہ سال اس کے بعد مشرکین کی طرف سے سیّد عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو اور آپؐ کے اہل و عیال کو جو تکلیفیں پہنچیں ان سب میں حضرت زینب رضی اللہ عنہا اور ان کی بہنیں شریک رہیں۔ ۷ نبوی میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کے ساتھیوں کو شعبِ ابی طالب میں مقید کر دیا گیا۔ وہاں تین برس تک قید رہے اور فاقوں پر فاقے گذرے۔ ان سب مصائب میں حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اولاد سب ہی شریک رہے۔

نکاح سیّد عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا نکاح حضرت ابوالعاصؓ بن الربیع سے کر دیا تھا۔ ابوالعاص ان کی کنیت ہے۔ ان کا نام کسی نے لقیط اور کسی نے زبیر اور کسی نے ہشیم بتایا ہے (وقیل غیر ذالک) حضرت ابوالعاص حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی بہن ہالہ بنت خویلد کے بیٹے تھے اس طرح وہ حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے خالہ زاد بھائی ہوئے۔ مکہ میں ان کی پوزیشن مالداری اور تجارت و

امانت میں بڑی اونچی تھی۔ بعثت سے پہلے بھی سیّد عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو ان سے گہرا تعلق تھا۔ بعض علماء نے یہ بھی کہا ہے کہ انہوں نے سیّد عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے مواخات کر لی تھی یعنی آپ کو اپنا بھائی بنا لیا تھا۔ (الاصابہ)

حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے ان کا نکاح مکہ میں ہو گیا تھا۔ اس وقت تک حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بھی زندہ[ع] تھیں۔ حضرت ابو العاص مکّہ میں مسلمان نہیں ہوئے بلکہ اسلام قبول کرنے سے انکار کر دیا مگر مشرکین مکّہ کے کہنے پر بھی حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو طلاق بھی نہیں دی۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی اس بات پر تعریف فرمائی اور فرمایا کہ ابو العاص نے بہترین دامادی کا ثبوت[ع] دیا۔ یہ واقعات ابتدائے اسلام کے ہیں۔ اس وقت احکام نازل نہیں ہوئے تھے۔ اس لئے یہ سوال پیدا نہیں ہوتا کہ مسلمان عورت کافر کے نکاح میں کیوں کر رہتی رہی۔ پھر جب حضور اقدس صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم نے مدینہ منورہ کو ہجرت فرمائی تو اپنی اہلیہ حضرت سودہ اور اپنی صاحبزادیوں حضرت فاطمہ اور حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہن کو بلا لیا لیکن حضرت زینب رضی اللہ تعالےٰ عنہا اپنے شوہر کے پاس ہی رہیں۔

ہجرت حضرت زینب رضی اللہ عنہا مکہ ہی میں اپنے شوہر کے پاس رہیں۔ حتیٰ کہ ان کو حالتِ شرک ہی میں چھوڑ کر ۲ھ میں غزوۂ بدر کے بعد مدینہ منورہ کو ہجرت فرمائی۔ حضرت ابو العاص زمانۂ کفر میں مشرکین مکّہ کے ساتھ بدر کے موقع پر مسلمانوں سے لڑنے کے لئے آئے۔ جنگ میں شریک ہوئے مسلمانوں کو فتح ہوئی اور حضرت ابو العاص بن الربیع دیگر مشرکین کے ساتھ قید ہو کے مدینہ لائے گئے۔ ان کو حضرت عبداللہ بن جبیر بن النعمان الانصاری رضی اللہ عنہ نے قید کیا تھا۔ بدر سے

عہ صرح بذالك فی الاستیعاب حیث قال فی ذکر القلادة کانت خدیجة قد ادخلتها بها علی ابی العاص حین بنی علیها ۱۲۔

عہ قال فی الاستیعاب واثنی علیه بذالك خیراً ۱۲۔

ہار کر جب مشرکین مکہ اپنے وطن پہنچے تو قیدیوں کو چھڑانے کے لئے حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں قیدیوں کا فدیہ (جان کا بدلہ) بھیجا. ہر ایک قیدی کے عزیزوں نے کچھ نہ کچھ بھیجا تھا. حضرت زینب رضی اللہ عنہا نے اپنے شوہر کو چھڑانے کے لئے عمرو بن الربیع کو مال دے کر روانہ کیا (یہ حضرت ابوالعاص کے بھائی تھے) اس مال میں ایک ہار بھی تھا جو حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا نے شادی کے وقت حضرت زینب رضی اللہ عنہا کو دیا تھا. اس ہار کو دیکھ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت خدیجہ یاد آگئیں اور آپ پر بہت رقت طاری ہوگئی اور جاں نثار صحابہؓ سے فرمایا کہ تم مناسب سمجھو تو زینب (رضی اللہ عنہا) کے قیدی کو یوں ہی چھوڑ دو اور اس کا مال واپس کر دو. اشاروں پر جان دینے والے صحابہؓ نے بخوشی قبول کیا اور سب نے کہا جی ہم کو اسی طرح منظور ہے. چنانچہ حضرت ابوالعاصؓ چھوڑ دیئے گئے لیکن سیّد عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے یہ شرط کر لی کہ زینب (رضی اللہ عنہا) کو مکہ جا کر مدینہ کے لئے روانہ کر دینا. چنانچہ انہوں نے یہ شرط منظور کی اور پھر اس کو پورا کیا جس کی وجہ سے سیّدِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی تعریف کی اور یہ فرمایا حدثنی فصدقنی ووعدنی نوفی لی. (یعنی ابوالعاص نے مجھ سے بات کی اور سچ کہا اور مجھ سے وعدہ کیا جسے پورا کیا) چنانچہ حضرت ابوالعاصؓ کے مکہ معظمہ پہنچ جانے پر حضرت زینب رضی اللہ عنہا ہجرت کر کے شفیق دوجہاں صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس مدینہ منورہ آگئیں[1] لیکن ہجرت کے وقت حضرت زینب رضی اللہ عنہا کو یہ دردناک واقعہ پیش آیا کہ جب وہ ہجرت کے ارادہ سے نکلیں تو ہبار بن الاسود اور اس کے ایک اور ساتھی نے ان کو تکلیف پہنچانے کا ارادہ کیا. چنانچہ ایک نے ان کو دھکا دے دیا جس کی وجہ سے وہ ایک پتھر پر گر پڑیں اور ایسی تکلیف پہنچی کہ حمل ساقط ہوگیا. یہ تکلیف تادمِ آخر چلتی رہی اور یہی ان کی وفات کا سبب بنی[2] اور بعض کتب میں یوں لکھا ہے کہ حضرت ابوالعاص نے ان کو مدینہ منورہ جانے کی اجازت دے دی اور ان کے روانہ ہونے سے قبل ہی شام کو روانہ ہوگئے.

---

[1] الاصابہ، اسدالغابہ ۱۲ ۔ [2] الاستیعاب ۱۲ ۔

جب وہ ہجرت کے لئے گھر سے نکلیں تو ہبار بن الاسود اور اس کے ایک ساتھی نے ان کو جانے سے روکا اور گھر میں واپس کر دیا۔ اس کے بعد سیّد عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو ہمراہ لانے کے لئے مدینہ منورہ سے آدمی بھیجا جس کے ساتھ وہ مدینہ منورہ تشریف لے آئیں۔ حضرت زینب رضی اللہ عنہا کو جو تکلیف پہنچی اس کے بارے میں سیّد عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہ میری سب سے اچھی بیٹی تھی جو میری محبت میں ستائی گئی۔

حضرت ابو العاص رضؓ کا مسلمان ہونا ہدایت اللہ کے قبضہ میں ہے۔ حضرت ابو العاص رضؓ کا واقعہ کتنا عبرت خیز ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے دوست خاص بھی ہیں اور داماد بھی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی گھر میں ہے مگر مسلمان نہیں ہوتے۔ بیوی سے اس قدر محبت ہے کہ مشرکین مکّہ کے زور دینے پر بھی طلاق نہیں دیتے۔ بدر میں قید ہوئے اور قید سے آزاد ہو کر بیوی کو مدینہ منورہ بھیج دیا مگر ابھی تک اسلام قبول نہیں کیا۔ پھر جب اللہ رب العزت نے ہدایت دی تو بڑی خوشی سے اسلام کے حلقہ بگوش ہوگئے جس کا واقعہ یہ ہے کہ فتح مکّہ سے کچھ پہلے انہوں نے ایک قافلہ کے ساتھ شام کا تجارتی سفر کیا۔ قریش کے بہت سے مال آدھے ساجھے پر تجارت کے لئے ساتھ لے گئے۔ جب واپس ہوئے تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک دستہ جس کے امیر حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ تھے آڑے آیا اور اس دستہ نے اس قافلہ کا مال چھین لیا اور کچھ لوگوں کو قید کر لیا۔ حضرت ابو العاص قید میں نہ آئے بلکہ بھاگ کر مدینہ منورہ چلے گئے اور رات کو حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے پاس پہنچ کر پناہ مانگی۔ انہوں نے پناہ دے دی۔ جب حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم فجر کی نماز سے فارغ ہو گئے تو حضرت زینب رضی اللہ عنہا نے زور سے پکار کر کہا اَیُّهَا النَّاسُ اِنِّیْ اَجَرْتُ اَبَا الْعَاصِ بْنَ الرَّبِیْعِ (کہ اے لوگو! میں نے ابو العاص کو پناہ دے دی ہے) حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی طرف متوجہ ہو کر سوال فرمایا کیا آپ حضرات نے سنا۔ زینبؓ نے کیا کہا؟ حاضرین نے کہا جی ہاں ہم نے سنا۔ اس

منصف عادل صلی اللہ علیہ وسلم پر ہر دو عالم قربان جس نے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا جواب سن کر فرمایا اَمَا وَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِہٖ مَا عَلِمْتُ بِذٰلِکَ حَتّٰی سَمِعْتُہٗ کَمَا سَمِعْتُمْ (یعنی قسم اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے اس وقت سے پہلے مجھے بھی پتہ نہیں تھا کہ ابو العاص مدینہ میں ہیں اور ان کو زینب نے پناہ دی ہے مجھے اس کا علم اسی وقت ہوا ہے جب کہ تمہارے کان میں زینبؓ کے اعلان کی آواز پہنچی) اس کے بعد فرمایا کہ ادنیٰ مسلمان بھی کسی کو پناہ دے دے تو سب مسلمانوں کو اس کا پورا کرنا لازم ہو جاتا ہے۔

پھر یہ فرما کر آپؐ حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے پاس پہنچے اور ان سے فرمایا کہ ابو العاص کو اچھی طرح رکھنا اور میاں بیوی والے تعلق کو نہ ہونے دینا کیونکہ تم ان کے لئے حلال نہیں ہو۔ حضرت زینب رضی اللہ عنہا نے عرض کیا کہ یہ اپنا مال لینے کے لئے آئے ہیں۔ یہ سن کر سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس دستہ کو جمع کیا جنہوں نے ان کا مال چھینا تھا اور فرمایا کہ اس شخص (ابو العاص) کا جو تعلق ہم سے ہے اس سے تو آپ لوگ واقف ہیں اور اس کا مال تم لوگوں کے ہاتھ لگ گیا ہے جو تمہارے لئے اللہ کی طرف سے عنایت ہے کیوں کہ دار الحرب کے غیر مسلم کا مال ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ آپ لوگ اس کے ساتھ احسان کریں اور جو مال اس کا لے لیا ہے واپس کر دیں۔ لیکن اگر تم ایسا نہ کرو تو میں مجبور نہیں کر سکتا۔ اس مال کے تم ہی حق دار ہو۔

یہ سن کر سب نے عرض کیا کہ ہم ان کا مال واپس کر دیتے ہیں اور پھر اس پر عمل کیا اور جو مال لیا تھا وہ سارا ان کو واپس دے دیا۔ اس مال کو لے کر وہ مکہ معظمہ پہنچے۔ اور جس جس کا جو حق ان پر بنتا تھا سب ادا کر دیا اور اس کے بعد کلمۂ شہادت

اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ ۔

سچے دل سے پڑھا اور مکہ والوں سے کہا (میں نے یہاں پہنچنے کی کوشش اس لئے کی اور) مدینہ میں کلمہ پڑھنے کے بجائے یہاں کلمۂ اسلام پڑھا کہ اگر وہیں اسلام قبول کر لیتا تو تم لوگ یہ سمجھتے کہ ہمارے مال مارنے کے لئے مسلمان ہو گیا ہے اب میں نے

تمہارے تمام حقوق ادا کر دیئے ہیں اور اسلام قبول کر لیا۔ اس کے بعد حضرت ابوالعاص رضی اللہ عنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں مدینہ منورہ چلے گئے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی صاحبزادی حضرت زینب رضی اللہ عنہا سے دوبارہ[عہ] ان کا نکاح فرما دیا[۱]۔

چھ سال کے بعد حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا حضرت ابوالعاص رضی اللہ عنہ کے نکاح میں دوبارہ آئیں اور ان ہی کے نکاح میں وفات[۲] پائی۔ حضرت ابوالعاص رضی اللہ عنہ نے ذی الحجہ ۱۲ھ میں وفات پائی۔ رضی اللہ وارضاہ[۳]۔

اولاد حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے بطن مبارک سے ایک صاحبزادہ اور ایک صاحبزادی تولد ہوئے۔ صاحبزادی کا نام اُمامہ تھا اور صاحبزادہ کا نام علی تھا۔ فتح مکہ کے روز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سواری پر جو علی سوار تھے وہ یہی علی بن ابی العاص رضی اللہ عنہ ہیں۔ انہوں نے سن بلوغ کے قریب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی ہی میں وفات پائی۔ ان کی بہن حضرت امامہ رضی اللہ عنہا سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بہت محبت تھی۔ ایک مرتبہ آپ کے پاس کہیں سے ایک ہار آ گیا تھا۔ اس کے متعلق آپ نے فرمایا کہ اسے اپنے گھر والوں میں سے اس کو دوں گا جو مجھے سب سے زیادہ محبوب ہے۔ یہ ارشاد سن کر عورتوں نے سمجھ لیا کہ بس ابوبکر کی بیٹی عائشہ رضی اللہ عنہا ہی کو ملے گا۔ لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت امامہ رضی اللہ عنہا کے گلے میں ڈال دیا[۴]۔

حضرت سیّدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کی وفات کے بعد حضرت سیّدنا علی رضی اللہ عنہ نے ان کی بھانجی حضرت امامہ رضی اللہ عنہا سے نکاح فرما لیا تھا۔ ان کو اس کی وصیّت حضرت سیّدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا نے کی تھی۔ پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد حضرت نوفل بن مغیرہ رضی اللہ عنہ سے حضرت امامہ رضی اللہ عنہا کا نکاح ہوا۔ ان سے ایک صاحبزادہ یحییٰ نامی کی ولادت ہوئی۔ لیکن بعض علماء نے یہ بھی کہا ہے کہ نہ حضرت علی

---

[۱] اسد الغابہ۔ [۲] اسد الغابہ ۱۲۔ [۳] الاصابہ ۱۲۔ [۴] الاصابہ ۱۲۔

[عہ] وقیل ردّها الیه بالنکاح الاوّل واختلف الروایات فی ذالک ۱۲ منه

رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نکاح میں ان کے بطن مبارک سے کوئی اولاد ہوئی نہ حضرت نوفل رضی اللہ عنہ کے نکاح میں[1]

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نسل شریف صرف حضرت سیّدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا سے چلی اور کسی صاحبزادی سے آپؐ کی نسل نہیں بڑھی۔ (قال فی الاصابہ وانقطع نسل رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم الا من فاطمۃ[2])

وفات حضرت زینب رضی اللہ عنہا نے ۸ھ میں وفات پائی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم خود ان کی قبر میں اُترے۔ اس وقت آپؐ کے چہرے پر رنج وغم کے آثار موجود تھے۔ جب آپ قبر کے اوپر تشریف لائے تو فرمایا کہ مجھے زینب کے ضعف کا خیال آگیا۔ میں نے اللہ تعالےٰ سے دعا کی کہ قبر کی تنگی اور اس کی گھٹن سے زینب کو محفوظ فرمادے۔ اللہ تعالےٰ نے دُعا قبول فرما کر آسانی فرمادی[3]

رضی اللہ تعالیٰ عنہا وارضاہا

---

[1] اسد الغابہ ۱۲ ۔ [2] الاصابہ ۱۲ ۔ [3] اسد الغابہ ۱۲

حضرت رقیہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا

حضرت رقیہؓ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سیدِ عالم صلّی اللہ علیہ وسلّم کی دوسری صاحبزادی ہیں۔ اس پر سب کا اتفاق ہے کہ حضرت زینب رضی اللہ تعالےٰ عنہا سب صاحبزادیوں میں بڑی تھیں۔ ان کے بعد حضرت اُم کلثوم اور حضرت رقیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما پیدا ہوئیں ان دونوں میں آپس میں کون سی بڑی تھیں۔ اس میں سیرت لکھنے والوں کا اختلاف ہے۔ بہرحال یہ دونوں بہنیں اپنی بہن حضرت زینب رضی اللہ تعالےٰ عنہا سے چھوٹی تھیں۔

ان دونوں بہنوں کا نکاح ابولہب کے بیٹوں عُتبہ اور عُتیبہ سے آنحضرت صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم نے کر دیا تھا۔ حضرت رقیہؓ رضی اللہ تعالےٰ عنہا کا نکاح عتبہ سے اور حضرت ام کلثوم رضی اللہ تعالےٰ عنہا کا نکاح عتیبہ سے ہوا تھا۔ ابھی صرف نکاح ہی ہوا تھا رخصت نہ ہونے پائی تھیں کہ قرآن مجید کی سورت تَبَّتْ یَدَا اَبِیْ لَهَبٍ نازل ہوئی۔ جس میں ابولہب اور اس کی بیوی (ام جمیل) کی مذمت (برائی) کی گئی ہے اور ان کے دوزخ میں جانے سے مطلع کیا گیا ہے۔ جب یہ سورت نازل ہوئی تو ابولہب نے اپنے بیٹوں سے کہا کہ محمدؐ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی بیٹیوں کو طلاق دے دو۔ ورنہ تم سے میرا کوئی واسطہ نہیں۔ ابولہب کی بیوی ام جمیل نے بھی بیٹوں سے کہا کہ یہ دونوں لڑکیاں (یعنی حضرت محمدؐ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادیاں العیاذ باللہ) بددین ہوگئی ہیں لہٰذا ان کو طلاق دے دو۔ چنانچہ دونوں لڑکوں نے ماں باپ کے کہنے پر عمل کیا اور طلاق دے دی۔[1]

حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے نکاح

جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی صاحبزادی حضرت رقیہؓ کا نکاح عتبہ سے کر دیا تو اس کی خبر حضرت عثمانؓ کو ملی وہ اس وقت تک مسلمان نہیں ہوئے تھے۔ اس خبر سے ان کو بڑا ملال ہوا۔ اور یہ حسرت ہوئی کہ کاش میرا نکاح محمد (صلّی اللہ علیہ وسلّم) کی صاحبزادی رقیہؓ سے ہو جاتا۔ یہ

---

[1] اسد الغابہ ۱۲

سوچتے ہوئے اپنی خالہ حضرت سعدیٰ رضی اللہ عنہا کے پاس پہنچے اور ان سے تذکرہ کیا۔ خالہ صاحبہ نے ان کو اسلام کی ترغیب دی۔ وہاں سے چل کر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور ان کو اپنی خالہ کی باتیں بتائیں جو انہوں نے اسلام کی ترغیب دیتے ہوئے کہی تھیں۔ حضرت صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ نے ان کی باتوں کو سراہتے ہوئے خود بھی دعوتِ اسلام پیش کی اور فرمایا:

ویحك یا عثمان انك لرجل حازم ایخفی علیك الحق من الباطل ھذہ الاوثان التی یعبدھا قومك الیست حجارۃ صما لاتسمع ولا تبصر ولا تضر ولا تنفع۔	افسوس اے عثمان! (اب تک دعوتِ حق تم نے قبول نہیں کی) تم تو ہوشیار اور سمجھدار آدمی ہو حق اور باطل کو پہچان سکتے ہو۔ یہ بُت جن کو تمہاری قوم پوجتی ہے کیا گونگے پتھر نہیں ہیں جو نہ سُنتے ہیں نہ دیکھتے ہیں نہ نفع ضرر پہنچا سکتے ہیں۔

یہ سن کر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ بے شک آپ نے سچ کہا۔ یہ باتیں ہو ہی رہی تھیں کہ سیّدِ عالم صلّی اللہ علیہ وسلم حضرت علی رضی اللہ تعالےٰ عنہ کو ساتھ لئے تشریف لے آئے اور حضرت عثمان رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے آپ کے سامنے اسلام قبول کرلیا۔[1]

ان ہی دنوں میں ابولہب کے بیٹوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادیوں کو طلاق دے دی تھی۔ لہٰذا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت رقیہّ رضی اللہ عنہا کا نکاح حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے کردیا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت رقیہؓ حضرت ام کلثوم سے بڑی تھیں۔ دونوں کو ایک ساتھ طلاق ہوئی تو بظاہر عقل کا مقتضا یہ ہے کہ پہلے بڑی دختر کی شادی کی ہوگی[2] (واللہ تعالےٰ اعلم)

ہجرت حبشہ | جوں جوں مسلمان بڑھتے جارہے تھے اور اسلام کے حلقہ بگوشوں کے جتھے میں اضافہ ہوتا جاتا تھا مشرکینِ مکہ اسلام اور مسلمانوں کو مٹانے کی تدبیریں

---

[1] الاصابہ ۱۲ [2] الاستیعاب، اسدالغابہ ۱۲۔

کرتے جارہے تھے۔ ان ظالموں نے خدائے وحدہٗ لاشریک کے پرستاروں کو اس قدر ستایا کہ اپنے دین کی سلامتی اور جان کی حفاظت کے لئے ان حضرات کو اپنے مالوف وطن چھوڑنے پڑے۔ مسلمانوں کی ایک جماعت ترک وطن کر کے حبشہ کو چلی گئی ان میں حضرت عثمانؓ بھی تھے۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اپنی اہلیہ بنت سیّد البشر حضرت رقیہؓ رضی اللہ عنہا کو ساتھ لے کر حبشہ کو ہجرت کی تھی۔ جب حضرت عثمان رضی اللہ تعالےٰ عنہ اپنی اہلیہ محترمہ کے ساتھ حبشہ کو روانہ ہوئے تو (کئی روز تک) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کی خیر خبر نہ ملی۔ آپؐ اس فکر میں مکہ معظمہ سے باہر جا کر مسافروں سے معلوم فرمایا کرتے تھے۔ ایک روز ایک عورت نے کہا کہ میں نے ان کو دیکھا ہے۔ اس کا جواب سن کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ ان کا ساتھی ہے۔ بے شک لوط علیہ السلام کے بعد عثمانؓ سب سے پہلا مہاجر ہے جس نے اپنی اہلیہ کے ساتھ ہجرت کی ہے[1]۔

حبشہ کو دوبارہ ہجرت

ان دونوں حضرات کے ساتھ چند مسلمان مرد عورتیں اور بھی تھے۔ جب یہ حضرات حبشہ پہنچ گئے تو وہاں یہ خبر ملی کہ مکہ والے مسلمان ہو گئے ہیں اور اسلام کو غلبہ ہو گیا ہے۔ اس خبر سے یہ حضرات بہت خوش ہوئے اور اپنے وطن کو واپس لوٹے لیکن مکہ معظمہ کے قریب پہنچ کر معلوم ہوا کہ یہ خبر غلط ہے اور پہلے سے بھی زیادہ تکلیفیں مسلمانوں کو دی جا رہی ہیں۔ یہ سن کر بہت قلق ہوا۔ پھر ان میں سے بعض حضرات وہیں سے حبشہ کو واپس ہو گئے۔ پہلی ہجرت کے بعد ایک بڑی جماعت نے (جس میں ۸۳ مرد اور ۱۸ عورتیں بتلائی جاتی ہیں) متفرق طور پر ہجرت کی۔ اور پہلی ہجرت حبشہ کی ہجرتِ اولیٰ اور یہ دوسری ہجرت حبشہ کی ہجرتِ ثانیہ کہلاتی ہے۔ بعض صحابہؓ نے حبشہ کو دونوں ہجرتیں کیں اور بعض نے صرف ایک ہجرت کی۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اپنی اہلیہ محترمہ حضرت رقیہؓ کے ساتھ دونوں مرتبہ حبشہ کو ہجرت کی تھی قال فی اسد الغابۃ و ھاجرا کلا ھما الی ارض

---

[1] اسد الغابہ ۱۲

الحبشة الهجرتین ثم الیٰ مکة و ھاجر الی المدینة۔

مدینہ منوّرہ کو ہجرت دوسری مرتبہ دونوں حضرات (حضرت عثمان اور حضرت رقیّہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا) ہجرت کرکے حبشہ تشریف لے گئے۔ پھر وہاں سے مکہ معظمہ تشریف لے آئے اور اس کے بعد مکہ معظمہ سے مدینہ منورہ کو ہجرت کی قال الحافظ فی الاصابة والذی علیہ اھل السیران عثمان رجع الی مکة من الحبشة مع من رجع ثم ھاجر باھلہ الی المدینة۔

اولاد حضرت رقیّہ رضی اللہ عنہا کے بطن سے صرف ایک صاحبزادہ تولد ہوا جس کا نام عبداللہ رکھا گیا۔ اس صاحبزادہ کی ولادت حبشہ میں ہوئی تھی۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے ایک صاحبزادہ کا نام، اسلام سے پہلے عبداللہ تھا۔ اس کی وجہ سے ابوعبداللہ کنیت تھی۔ پھر جب حضرت رقیّہ رضی اللہ عنہا سے صاحبزادہ تولد ہوا تو اس کا نام بھی عبداللہ تجویز کیا اور اپنی کنیت ابوعبداللہ باقی رکھی[1]۔

اس صاحبزادہ نے چھ برس کی عمر پائی اور جمادی الاولیٰ ۴ھ میں وفات پائی۔ حضرت سیّد عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے جنازہ کی نماز پڑھائی اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے قبر میں اتارا۔ وفات کا سبب یہ ہوا کہ ایک مرغ نے ان کی آنکھ میں ٹھونگ ماردی جس کی وجہ سے چہرہ پر ورم آگیا۔ مرض نے ترقی کی حتیٰ کہ راہیِ ملکِ بقا ہوگئے۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہ[2]۔

حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بعد حضرت رقیّہ رضی اللہ عنہا کے بطن سے کوئی اولاد نہیں ہوئی[3]۔

وفات حضرت رقیّہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے ۲ھ میں وفات پائی۔ یہ غزوۂ بدر کا زمانہ تھا۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم جب غزوۂ بدر کے لئے روانہ ہوئے تو حضرت رقیّہ رضی اللہ عنہا بیمار تھیں ان کی تیمارداری کے لئے آپ نے حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ

---

[1] الاستیعاب ۱۲۔ [2] اسد الغابہ [3] الاصابہ ۱۲

کو چھوڑ کر روانہ ہوئے اور چونکہ آپؐ کے ارشاد سے انہوں نے غزوۂ بدر کی شرکت سے محرومی منظور کی تھی اس لئے آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اس مبارک غزوہ میں شریک ہی مانا اور مالِ غنیمت میں ان کا حصّہ بھی لگایا۔

جس روز حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فتح کی خوشخبری لے کر مدینہ منورہ پہنچے اسی روز حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا نے وفات پائی۔ ابھی ان کو دفن کر ہی رہے تھے کہ اللہ اکبر کی آواز آئی۔ حضرت عثمان رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے حاضرین سے پوچھا کہ یہ تکبیر کیسی ہے؟ لوگوں نے توجہ سے دیکھا تو نظر آیا کہ حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سیّد عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی اونٹنی پر سوار ہیں اور معرکۂ بدر سے مشرکین کی شکست اور مسلمانوں کی فتح کی خوش خبری لے کر آئے ہیں۔ حضرت رقیہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا کے جسم مبارک پر سوزش والے آبلے اور زخم پڑ گئے تھے۔ اسی مرض میں وفات پائی[1]

سیّد کونین صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم غزوۂ بدر کی شرکت اور مشغولیت کی وجہ سے ان کے دفن میں شریک نہ ہو سکے تھے۔

صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہٖ وعترتہ وصحبہ وبارك وسلم۔

---

[1] اسد الغابہ ۱۲

حضرت اُمّ کلثوم رضی اللہ عنہا

حضرت سیّد عالم صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کی تیسری صاحبزادی حضرت اُمّ کلثوم رضی اللہ عنہا تھیں۔ ان کا عُتیبہ بن ابی لہب سے نکاح ہوا تھا۔ ابھی رخصتی نہ ہونے پائی تھی کہ ماں باپ کے کہنے سے اس نے حضرت امّ کلثوم رضی اللہ تعالےٰ عنہا کو طلاق دے دی۔ (جیساکہ پہلے گذر چکا ہے)۔

حضرت رقیہ اور حضرت امّ کلثوم رضی اللہ عنہما کو ایک ساتھ طلاق ہوئی تھی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت رقیہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا کا نکاح حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ سے کر دیا اور حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا کا نکاح اس کے بعد کسی سے نہیں کیا۔ حتیٰ کہ جب حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا کی وفات ہو گئی تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے اُمّ کلثوم رضی اللہ عنہا کا بھی نکاح فرما دیا۔ یہ نکاح مدینہ منورہ میں ہوا۔ حضرت عثمان رضی اللہ تعالےٰ عنہ کو یہ شرفِ امتیازی حاصل ہے کہ ان کے نکاح میں یکے بعد دیگرے حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی دو صاحبزادیاں رہیں۔ اسی لئے ان کو ذوالنورین (دو نور والے) کہتے ہیں۔

ہجرت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب مدینہ منوّرہ کو ہجرت فرمائی تھی تو اپنے گھر والوں کو مکّہ معظمہ ہی میں چھوڑ گئے تھے اور آپؐ کے رفیق خاص حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے بھی ایسا ہی کیا تھا۔ پھر مدینہ منورہ پہنچ کر دونوں حضرات نے آدمی بھیج کر اپنے اپنے کنبہ کو بلوا لیا۔ قافلہ میں حضرت امّ کلثوم اور حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما بھی تھیں[1]

حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے عقد حضرت رقیّہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا کی وفات کے کچھ عرصہ بعد ہی حضرت حفصہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا بیوہ ہو گئی تھیں جو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ

---

[1] الاستیعاب ۱۲

کی صاحبزادی تھیں۔ ان کے شوہر حضرت خُنَیْس بن حذافہ رضی اللہ تعالےٰ عنہ تھے میدان جہاد میں ان کے زخم آگیا۔ اسی کے اثر سے وفات پائی۔ حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے نکاح کے لئے حضرت عمر رضی اللہ عنہ فکرمند تھے۔ انہوں نے اس بارے میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے تذکرہ کیا اور ان سے کہا کہ میری لڑکی سے تم نکاح کر لو۔ انہوں نے جواب دیا کہ سردست میرا ارادہ نہیں ہے۔ نیز حضرت عمرؓ نے حضرت ابوبکرؓ سے وہی بات کہی جو حضرت عثمان سے کہی تھی۔ حضرت ابوبکرؓ خاموش ہو گئے اور کچھ جواب نہ دیا جس کی وجہ یہ تھی کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا تھا کہ آپؐ حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے نکاح فرمانے کا ارادہ رکھتے ہیں۔

جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ معلوم ہوا کہ عمرؓ نے اپنی صاحبزادی کا نکاح عثمانؓ سے کرنا چاہا اور وہ خاموش ہو گئے تو آپؐ نے فرمایا کیا عثمان کے لئے ایسی عورت نہ بتا دوں جو ان کے لئے حفصہ سے بہتر ہے اور کیا حفصہؓ کے لئے ایسا شوہر نہ بتادوں جو ان کے لئے عثمانؓ سے بہتر ہے۔ یہ فرما کر آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت حفصہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا کو اپنے نکاح میں لے لیا اور حضرت ام کلثوم رضی اللہ تعالےٰ عنہا کا نکاح حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے کر دیا[1]

حضرت رقیہؓ رضی اللہ تعالےٰ عنہا کی وفات ہو گئی تو آنحضرت صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم نے حضرت عثمان رضی اللہ تعالےٰ عنہ کو دیکھا کہ غمگین اور رنجیدہ ہیں۔ آپؐ نے سوال فرمایا کہ میں تم کو رنجیدہ کیوں دیکھ رہا ہوں؟ انہوں نے عرض کیا یارسول اللہ! کیا مجھ سے زیادہ کسی کو مصیبت پہنچی ہوگی؟ اللہ کے رسول (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کی صاحبزادی جو میرے نکاح میں تھی اس کی وفات ہو گئی جس سے میری کمر ٹوٹ گئی، اور میرا جو آپ سے رشتۂ دامادی تھا وہ نہیں رہا۔ یہ باتیں ہو ہی رہی تھیں کہ سیّد عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے عثمانؓ لو یہ جبرئیل آئے ہیں اور اللہ کی طرف سے مجھ کو حکم دے رہے ہیں کہ تم سے تمہاری متوفی بیوی کی بہن اُم کلثوم کا اسی مہر پر نکاح

---

[1] الاستیعاب فی ذکر حفصہؓ ۱۲

کر دوں جو تمہاری بیوی کا تھا اور تم اس کو اس طرح رکھو جس طرح خوشگواری کے ساتھ اس کی بہن کو رکھتے تھے۔ یہ فرما کر آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت اُمِ کلثوم رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا نکاح حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کر دیا۔ یہ نکاح ربیع الاول ۳ھ میں ہوا۔ اور رخصتی جمادی الثانیہ ۳ھ میں ہوئی۔ حضرت اُمِ کلثوم رضی اللہ عنہا نے چھ برس حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نکاح میں رہ کر ملکِ بقا کا سفر اختیار کیا اور ان سے کوئی اولاد نہیں ہوئی [1]

وفات حضرت اُمِ کلثوم رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے ۹ھ ماہ شعبان میں وفات پائی۔ حضرت اُمِ عطیہ رضی اللہ عنہا اور حضرت اسماء بنت عمیس رضی اور بعض دوسری صحابیات رضی نے ان کو غسل دیا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے جنازہ کی نماز پڑھائی [2]

حضرت لیلیٰ بنت قانف رض فرماتی ہیں کہ میں ان عورتوں میں سے تھی جنہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیٹی حضرت اُمِ کلثوم رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو غسل دیا۔ غسل کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کفن لے کر ان کو ہم نے کفن دیا۔ کفن کے کپڑے آپ کے پاس تھے۔ آپ دروازہ کے پاس سے ہم کو دیتے رہے [3]

دفن کے لئے جب جنازہ قبر کے قریب لایا گیا تو سیّد عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے حاضرین سے فرمایا کہ کیا تم میں کوئی ایسا شخص ہے جس نے رات (کسی عورت سے) مباشرت نہ کی ہو؟۔

حضرت ابوطلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ میں ایسا ہوں۔ آپ نے فرمایا۔ تم قبر میں اتر جاؤ۔ چنانچہ وہ قبر میں اُترے۔

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ سیّد عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی آنکھوں سے اس وقت آنسو جاری تھے [4]

حضرت ابوطلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ قبر میں اتارنے میں حضرت علی رض اور

---

[1] اسد الغابہ ۱۲۔ [2] اسد الغابہ والاصابہ ۱۲۔ [3] الاستیعاب فی ذکر لیلیٰ رض ۱۲۔

[4] مشکوٰۃ عن البخاری ۱۲۔

حضرت فضل اور حضرت اسامہ رضی اللہ تعالےٰ عنہم بھی شریک تھے [۱]

حضرت ام کلثوم رضی اللہ تعالےٰ عنہا کی وفات پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر میری تیسری لڑکی (بے بیاہی) ہوتی تو میں اس کا نکاح بھی حضرت عثمان رضؓ سے کر دیتا [۲]

حضرت علی رضی اللہ تعالےٰ عنہ سے روایت ہے کہ (اس موقعہ پر) سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر میری ۴۰ لڑکیاں (بھی) ہوتیں تو یکے بعد دیگرے عثمان رضؓ سے نکاح کرتا جاتا۔ حتیٰ کہ ان میں سے ایک بھی باقی نہ رہتی [۳]۔

رضی اللہ تعالیٰ عنہا وارضاھا

---

[۱] الاستیعاب ۱۲۔ [۲] اسد الغابہ ۱۲۔ [۳] اسد الغابہ فی ذکر عثمان رضؓ ۱۲۔

عُتبہ اور عُتیبہ کا انجام

ابولہب بدبخت کے ایک لڑکے کا نام عتبہ اور دوسرے کا نام عتیبہ اور تیسرے کا معتب تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عُتبہ سے حضرت رقیہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا کا اور عتیبہ سے حضرت اُم کلثوم رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا نکاح کر دیا تھا۔ پھر جب ان کے والدین نے ان سے کہا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی لڑکیوں کو طلاق دے دو تو دونوں نے طلاق دے دی۔ لیکن فرق یہ ہوا کہ حضرت رقیہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا کے شوہر نے تو صرف طلاق ہی دی اور حضرت ام کلثوم رضی اللہ تعالےٰ عنہا کے شوہر نے طلاق بھی دی اور سیّد عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آکر آپؐ کی گستاخی اور بے ادبی بھی کی اور نامناسب الفاظ زبان سے نکالے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو بددُعا دی اور بارگاہِ الٰہی میں عرض کیا کہ اے اللہ! اپنے پھاڑنے والے جانوروں میں سے ایک جانور کو اس پر مسلط فرما۔ اس وقت ابوطالب بھی وہاں موجود تھے۔ وہ باوجود مسلمان نہ ہونے کے یہ بدُدعا سن کر سہم گئے اور اس لڑکے سے کہا کہ اس بددعا سے تجھے خلاصی نہیں۔

اس کے بعد ایک موقعہ پر ابولہب ایک قافلہ کے ساتھ شام کے سفر میں روانہ ہوا۔ اس کے ساتھ یہ لڑکا بھی تھا جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بددعا لے چکا تھا۔ ابولہب کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑی دشمنی اور عداوت تھی مگر یہ ضرور سمجھتا تھا کہ ان کی بددعا ضرور لگ کر رہے گی۔ اس لئے اس نے قافلہ والوں سے کہا کہ مجھے محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کی بددُعا کی فکر ہے۔ سب لوگ ہماری خبر رکھیں۔ چلتے چلتے ایک منزل پر پہنچے۔ وہاں درندے بہت تھے۔ لہٰذا حفاظتی تدبیر کے طور پر یہ انتظام کیا کہ تمام قافلہ کا سامان ایک جگہ جمع کرکے ایک ٹیلہ سا بنادیا اور پھر اس کے اوپر عتیبہ کو سلادیا اور باقی تمام آدمی اس کے چاروں طرف سوگئے۔

اللہ تعالےٰ کے فیصلہ کو کون بدل سکتا ہے؟ تدبیر ناکام ہوئی اور رات کو ایک شیر آیا اور سب کے منہ سونگھے اور سب کو چھوڑتا چلا گیا۔ پھر اس زور سے زقند لگائی کہ سامان کے ٹیلہ پر جہاں عتیبہ سو رہا تھا وہیں پہنچ گیا اور پہنچتے ہی اس کا سر تن سے جدا کر دیا۔ اس نے ایک آواز بھی دی مگر ساتھ ہی ختم ہو چکا تھا۔ نہ کوئی مدد کر سکا نہ مدد کا فائدہ ہو سکتا تھا۔ وَلَمْ تَكُنْ لَّهٗ فِئَةٌ يَّنْصُرُوْنَهٗ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَمَا كَانَ مُنْتَصِرًا۔ (الکہف)

بعض مؤرخین نے لکھا ہے کہ حضرت اُم کلثوم رضی اللہ عنہا کا شوہر مسلمان ہو گیا تھا۔ اور یہ واقعہ دوسرے بھائی کے ساتھ پیش آیا (جس سے حضرت رقیہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا کا نکاح ہوا تھا) بہرحال حضرت رقیہ اور حضرت ام کلثوم رضی اللہ تعالےٰ عنہما کے پہلے شوہروں میں سے ایک مسلمان ہوئے اور دوسرے کے ساتھ یہ واقعہ پیش آیا۔

جمع الفوائد میں اس (شیر والے) واقعہ کو عتیبہ کے متعلق لکھا ہے اور اسی کو حضرت ام کلثومؓ کا شوہر بتایا ہے اور یہ بھی لکھا ہے کہ شام کو جاتے ہوئے جب اس قافلہ نے مقام زرقاء میں منزل کی تو ایک شیر آیا اور ان کے گرد پھرنے لگا۔ اس کو دیکھ کر عتیبہ نے کہا کہ ہائے ہائے یہ تو مجھ کو کھا کے چھوڑے گا جیسا کہ محمدؐ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے بددعا دی تھی۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے بیٹھے بیٹھے مجھے یہاں قتل کر دیا۔ اس کے بعد وہ شیر چلا گیا اور جب سو گئے تو دوبارہ آکر اس کو قتل کر دیا۔

دلائل النبوت میں بھی اس واقعہ کو درج کیا ہے مگر مقتول کا نام عتبہ بتایا ہے سلسلۂ بیان میں یہ بھی لکھا ہے کہ جب وہ قافلہ شام میں داخل ہو گیا تو ایک شیر زور سے بولا۔ اس کی آواز سن کر اس لڑکے کا جسم تھر تھرانے لگا۔ لوگوں نے کہا تو کیوں کانپتا ہے جو ہمارا حال وہی تیرا حال۔ اس قدر ڈرنے کی کیا ضرورت ہے؟ اس نے جواب دیا کہ محمدؐ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے مجھے بددعا دی تھی خدا کی قسم! آسمان کے نیچے محمدؐ (صلی اللہ علیہ وسلم) سے سچا کوئی نہیں۔ اس کے بعد رات کا کھانا کھانے کے لئے بیٹھے تو ڈر کی وجہ سے اس لڑکے کا ہاتھ کھانے تک نہ گیا۔ پھر سونے کا وقت آیا تو

سب قافلہ والے اس کو گھیر کر اپنے درمیان میں کر کے سو گئے اور شیر بہت معمولی آواز سے بھنبھناتا ہوا آیا اور ایک ایک کو سونگھتا رہا۔ حتیٰ کہ اس لڑکے تک پہنچ گیا اور اس پر حملہ کر دیا۔ آخری سانس لیتے ہوئے اس نے کہا کہ میں نے پہلے ہی کہا تھا کہ محمدؐ (صلی اللہ علیہ وسلم) سب سے زیادہ سچے ہیں۔ یہ کہہ کر مر گیا۔ ابولہب نے بھی کہا کہ میں پہلے سمجھ چکا تھا کہ محمدؐ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی بددعا سے اس لڑکے کو چھٹکارا نہیں [1]

لیکن صحیح یہی معلوم ہوتا ہے کہ یہ واقعہ عتیبہ کے ساتھ پیش آیا کیونکہ عتبہ کے متعلق الاصابہ اور الاستیعاب اور اسد الغابہ میں لکھا ہے کہ وہ مسلمان ہو گئے تھے۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ تعالیٰ اصابہ میں لکھتے ہیں کہ جب آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فتح کے موقعہ پر مکہ معظمہ تشریف لائے تو آپؐ نے اپنے چچا حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا کہ تمہارے بھائی (ابولہب) کے بیٹے عتبہ اور معتب کہاں ہیں؟ انہوں نے جواب دیا کہ وہ دونوں مکہ چھوڑ کر چلے گئے ہیں آپؐ نے فرمایا ان کو لے آؤ۔ چنانچہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ ان کو عرفات سے جا کر لے آئے۔ وہ دونوں عجلت کے ساتھ آ گئے اور اسلام قبول کر لیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے اپنے چچا کے ان دونوں لڑکوں کو اپنے رب سے مانگ لیا ہے۔ اس کے بعد لکھا ہے کہ عتبہؓ مکہ ہی میں رہے اور وہیں وفات پائی۔ غزوۂ حنین کے موقعہ پر یہ دونوں بھائی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے۔

کتنی بڑی شقاوت اور بدبختی ہے کہ ابولہب اور خود اس کا لڑکا جان رہے ہیں اور دل سے مان رہے ہیں کہ محمدؐ (صلی اللہ علیہ وسلم) سے بڑھ کر کوئی سچا نہیں اور ان کی بددعا ضرور لگے گی اور خداوند عالم کی طرف سے ضرور عذاب دیا جائے گا مگر پھر بھی دینِ حق قبول کرنے اور کلمۂ اسلام پڑھنے کو تیار نہ ہوئے۔ جب دل میں ہٹ دھرمی اور ضد بیٹھ جاتی ہے تو اچھا خاصا سمجھدار انسان باطل پر جم جاتا ہے اور عقل کی رہنمائی کو قبول کرنے کے بجائے نفس کا شکار بن کر اللہ رب العزت کی ناراضگی کی طرف چلا جاتا ہے اعاذنا اللہ تعالیٰ من شر الانفس وتسویل الشیطٰن آمین یارب العالمین۔

---

[1] دلائل النبوت ص۱۶۳ مطبوعہ دائرۃ المعارف حیدر آباد ۱۲

حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا

حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ تعالےٰ عنہا سیّد عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے گھر والوں میں سب سے زیادہ پیاری تھیں۔ علماء نے ان کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادیوں میں عمر میں سب سے چھوٹی بتایا ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا سے ایک صاحب نے دریافت کیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو سب سے زیادہ محبوب کون تھا؟ جواب میں فرمایا فاطمہ! سائل نے دوبارہ دریافت کیا کہ مردوں میں کون زیادہ محبوب تھا؟ جواب میں فرمایا کہ فاطمہ کا شوہر[1]۔

الاصابہ میں لکھا ہے کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی ولادت سیّد عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر شریف کے اکتالیسویں سال ہوئی۔ مدائنی فرماتے ہیں کہ ان کی ولادت اس وقت ہوئی جب کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر شریف ۳۵ سال تھی اور اس وقت قریش کعبۃ اللہ کی تعمیر میں لگے ہوئے تھے اور سیّد عالم صلی اللہ علیہ وسلم بھی ان کے ساتھ مشغول تھے۔

جب سیّد عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو رب العزت کی جانب سے تبلیغ کا حکم ہوا اور آپؐ نے بامر الٰہی توحید کی دعوت دینا شروع کر دی تو قریش مکہ آپؐ کے دشمن ہو گئے اور طرح طرح سے آپؐ کو ستانے لگے۔ آپؐ کی تکلیف سے آپؐ کی اہلیہ محترمہ حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا اور آپؐ کی اولاد سب ہی کو تکلیف پہنچتی اور دکھ ہوتا تھا۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا اپنی کم عمری میں ان تکلیفوں کو سہتی تھیں۔ ایک مرتبہ سیّد عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے کعبہ شریف کے قریب نماز کی نیت باندھ لی۔ وہیں قریش اپنی مجلسوں میں بیٹھے ہوئے تھے کہ ان میں سے ایک بدبخت[2] نے حاضرین مجلس سے کہا کہ بولو تم میں سے کون اس کام کو کر سکتا ہے کہ فلاں خاندان نے جو اونٹ ذبح کیا ہے اس کی اوجھڑی

---

[1] الاستیعاب ۱۲۔ [2] ھو ابو جھل کما فی جمع الفوائد۔

اور خون اور لید لے آئے اور پھر جب یہ سجدہ میں جائیں تو ان کے کاندھوں کے درمیان رکھ دے۔ یہ سن کر ایک شقی اٹھا جو اس وقت کے حاضرین میں سب سے زیادہ بدبخت تھا۔ اس نے یہ سب گندی چیزیں لاکر سیّد عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے دونوں کاندھوں کے درمیان رکھ دیں اور آپ سجدہ ہی میں رہ گئے۔ آپ کا یہ حال دیکھ کر ان لوگوں نے (بے خود ہو کر) ہنسنا شروع کیا اور اس قدر ہنسے کہ ہنسی کی وجہ سے ایک دوسرے پر گرنے لگے۔

کسی نے یہ ماجرا دیکھ کر حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو جاکر خبر دی (اس وقت وہ[عــہ] نوعمر تھیں) خبر پاکر دوڑی چلی آئیں اور سیّد عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک کاندھوں سے اٹھاکر وہ گندگی پھینک دی اور ان لوگوں کو برا کہنے لگیں۔ پھر جب سیّد عالم صلی اللہ علیہ وسلم نماز سے فارغ ہو گئے تو آپ نے تین مرتبہ بددعا فرمائی۔ آپ کی عادت تھی کہ جب دعا فرماتے تو تین مرتبہ فرماتے تھے اور جب اللہ سے سوال کرتے تھے تو تین مرتبہ سوال کرتے تھے۔ آپ نے اوّل تو قریش کے لئے عام بددعا کی اَللّٰھُمَّ عَلَیْكَ بِقُرَیْشٍ (اے اللہ تو قریش کو سزا دے) اور اس کے بعد قریش کے سرغنوں کے نام لے کر ہر ایک کے لئے علیحدہ علیحدہ بددعا فرمائی۔[لہ]

الغرض حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا بچپن دین کے لئے تکلیفیں سہنے میں گزرا حتی کہ سیّد عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے قریش کی ایذاؤں سے بچنے کے لئے مدینہ منورہ کو ہجرت فرمائی۔

ہجرت سیّد عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو رفیقِ سفر بنا کر ہجرت کی تھی اور آپ اپنے تمام کنبہ کو مکہ معظمہ ہی میں چھوڑ گئے تھے۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے بھی آپ کا پورا اتباع کیا اور اپنے اہل و عیال کو چھوڑ کر آپ کے ساتھ چلے گئے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جب سیّد عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت فرمائی تو ہم دونوں بیویوں (حضرت سودہ اور حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا) کو اور

عــہ فی جمع الفوائد فجاءت وھی جویریة

لہ مشکوٰۃ عن البخاری ومسلم ۱۲

اپنی صاحبزادیوں کو مکہ ہی میں چھوڑ کر تشریف لے گئے اور مدینہ منورہ پہنچ کر جب آپؐ مقیم ہو گئے تو زید بن حارثہؓ اور ابو رافعؓ کو دو اونٹ اور پانچ سو درہم دے کر مکہ بھیجا تاکہ ہم سب کو مدینہ منورہ لے جائیں اور حضرت ابو بکرؓ نے بھی اس مقصد سے دو یا تین اونٹ دے کر آدمی بھیجا اور اپنے بیٹے عبداللہ رضی اللہ عنہ کو لکھ دیا کہ سارے کنبہ کو لے آؤ، چنانچہ حضرت سیّد عالم صلی اللہ علیہ وسلم اور صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے سب گھر والوں نے ایک ساتھ مدینہ منورہ کو ہجرت کی۔ اس قافلہ میں حضرت فاطمہؓ اور ان کی بہن حضرت ام کلثومؓ اور ام المؤمنین حضرت سودہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور حضرت اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہما اور ان کے علاوہ دیگر حضرات تھے۔

جس وقت یہ قافلہ مدینہ منورہ پہنچا، سیّد عالم صلی اللہ علیہ وسلم مسجد کے آس پاس اپنے اہل و عیال کے لئے حجرے بنوا رہے تھے۔ ان ہی میں آپ نے اپنی صاحبزادیوں اور ام المؤمنین حضرت سودہ رضی اللہ عنہا کو ٹھیرا دیا۔

شادی ہجرت کے بعد ۲ھ میں سیّد عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا نکاح کر دیا۔ اس وقت سیّدہ فاطمہ زہرؓا کی عمر ۱۵ سال ۵½ ماہ تھی اور حضرت علی مرتضیٰ کی عمر ۲۱ سال ۵ ماہ تھی (الاستیعاب)

حضرت انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ پہلے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے سیّد عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو پیغام دیا کہ حضرت سیّدہ فاطمہ زہرؓا سے میرا نکاح فرما دیں لیکن آپؐ نے اعراض فرمایا۔ پھر ان کے بعد حضرت عمرؓ نے بھی یہی پیغام دیا۔ لیکن آپؐ نے ان کے پیغام سے بھی اعراض فرمایا (جب کہ ان دونوں اکابر کو معلوم ہو گیا کہ آپ ہمارے نکاح میں نہ دیں گے) تو دونوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو رائے دی کہ تم اپنے لئے پیغام دو۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ مجھے انہیں حضرات نے اس چیز کی طرف متوجہ کیا جس سے میں غافل تھا۔ ان کے توجہ دلانے سے میں سیّد عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت گرامی میں حاضر ہوا اور پیغام نکاح دے دیا۔[1]

---

[1] زرقانی علی المواہب ۱۲

مسند امام احمدؒ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کا واقعہ خود ان کی زبانی نقل کیا ہے کہ جب میں نے سیّد عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی کے بارے میں اپنے نکاح کا پیغام دینے کا ارادہ کیا تو میں نے (دل) میں کہا کہ میرے پاس کچھ بھی نہیں ہے۔ پھر یہ کام کیونکر انجام پائے گا؟ لیکن اس کے بعد ہی معًا دل میں سیّد عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی سخاوت اور نوازش کا خیال آگیا (اور سوچ لیا کہ آپؐ خود ہی کچھ انتظام فرما دیں گے) لہٰذا میں نے حاضرِ خدمت ہو کر پیغام نکاح دے دیا۔ آپؐ نے سوال فرمایا کہ تمہارے پاس کچھ ہے؟ میں نے عرض کیا نہیں! فرمایا وہ زرہ کہاں گئی جو میں نے تم کو فلاں روز دی تھی؟ میں نے عرض کیا جی ہاں وہ تو ہے؟ فرمایا اس کو (مہر میں) دے دو۔

مواہب لدنیہ میں ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جب میں نے اپنا پیغام دیا تو سیّد عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے سوال فرمایا کہ کچھ تمہارے پاس ہے؟ میں نے عرض کیا میرا گھوڑا اور زرہ ہے۔ فرمایا تمہارے پاس گھوڑے کا ہونا (جہاد) کے لئے ضروری ہے۔ لیکن ایسا کرو کہ زرہ کو فروخت کر دو۔ چنانچہ میں نے وہ زرہ چار سو اسی (۴۸۰) درہم میں فروخت[1] کر کے رقم آپؐ کی خدمت حاضر کر دی اور آپؐ کی مبارک گود میں ڈال دی۔ آپؐ نے اس میں سے ایک مٹھی بھر کر حضرت بلالؓ کو دی اور فرمایا کہ اے بلال! جاؤ اس کی خوشبو[2] ہمارے لئے خرید کر لاؤ۔ اور ساتھ ہی ساتھ جہیز تیار کرنے کا حکم دیا۔ چنانچہ ایک چارپائی اور چمڑے کا ایک تکیہ جس میں کھجور کی چھال بھری ہوئی تھی، تیار کیا گیا (رخصتی کے روز) عشاء کی نماز سے قبل سیّد عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے سیّدہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو حضرت امّ ایمن رضی اللہ عنہا کے ساتھ سید السادات حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ

---

[1] خریدنے والے حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ تھے۔ انہوں نے خرید کر واپس کر دی اور رقم اور زرہ دونوں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس رہیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے زرہ اور رقم دونوں سیّد عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر کر دیں تو آپؐ نے حضرت عثمانؓ کو بڑی دعائیں دیں ۱۲ زرقانی۔ [2] ایک اور روایت میں ہے کہ اس رقم میں سے دو تہائی خوشبو میں اور ایک تہائی کپڑوں میں خرچ کرنے کے متعلق سیّد عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ زرقانی ۱۲۔

کے گھر بھیج دیں۔ پھر نماز کے بعد خود ان کے یہاں تشریف لے گئے اور حضرت سیّدہ فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا سے فرمایا کہ پانی لاؤ۔ چنانچہ وہ ایک پیالہ میں پانی لے کر آئیں۔ آپؐ نے اس پانی سے منہ مبارک میں پانی لیا اور پھر اس پانی سے ان کے سینہ پہ اور سر پہ چھینٹے دیئے اور بارگاہ خداوندی میں دُعا کی۔

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اُعِیْذُھَا بِکَ وَذُرِّیَّتَھَا مِنَ الشَّیْطَانِ الرَّجِیْمِ ط — اے اللہ میں اس کو اور اس کی اولاد کو شیطان مردود کی شرارت سے محفوظ رکھنے کے لئے آپ کی پناہ میں دیتا ہوں۔

اس کے بعد ان کے دونوں کاندھوں کے درمیان اس پانی کے چھینٹے دیئے پھر علی رضی اللہ عنہ سے بھی پانی منگایا اور اس میں کلی کر کے ان کے سر اور سینہ اور دونوں کاندھوں کے درمیان چھینٹے دیئے اور وہی دُعا دی جو لختِ جگر حضرت سیّدہ فاطمہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا کو دی تھی۔ اس کے بعد یہ فرما کر واپس تشریف لے آئے کہ بِسْمِ اللّٰهِ وَالْبَرَکَةِ اپنی اہلیہ کے ساتھ رہو سہو[1]۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے مشہور خادم حضرت انس رضی اللہ عنہ نے بھی حضرت سیّدنا علی اور سیّدہ فاطمہ رضی اللہ تعالےٰ عنہما کے نکاح کی تفصیل نقل کی ہے وہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا کہ جاؤ ابوبکرؓ اور عمرؓ اور عثمانؓ اور عبدالرحمٰنؓ اور چند انصار کو بلا لاؤ۔ چنانچہ میں بلا لایا۔

جب یہ حضرات حاضر ہو گئے اور اپنی اپنی جگہ بیٹھ گئے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نکاح کا خطبہ پڑھا اور اس کے بعد فرمایا کہ اللہ تعالےٰ نے مجھے حکم فرمایا ہے کہ علیؓ سے فاطمہؓ کا نکاح کر دوں۔ تم لوگ گواہ ہو جاؤ کہ میں نے چار سَو مثقال چاندی مہر

---

[1] مواہب زرقانی ۱۲۔ ؏ پہلے گذرا ہے کہ چار سَو اسی (۴۸۰) درہم میں زرہ فروخت کر کے مہر میں اس کی قیمت حضرت علی رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے پیش کر دی اور یہاں ۴۰۰ مثقال چاندی کا ذکر ہے۔ دونوں روایات اس طرح جمع ہو سکتی ہیں کہ ۴۰۰ مثقال چاندی کے وزن کے چار سَو اسی (۴۸۰) درہم بنائے ہوئے ہوں موجودہ سکہ کے اعتبار سے کسی نے حضرت فاطمہؓ کا مہر ایک سَو سینتیس (۱۳۷) روپے اور کسی نے ایک سو پچاس (۱۵۰) روپے سمجھ رکھا ہے۔ حالانکہ مہر فاطمی کا تعلق دراہم سے ہے روپے سے نہیں ہے۔

میں مقرر کرکے علیؓ سے فاطمہؓ کا نکاح کر دیا اگر علیؓ اس پر راضی ہوں۔ اس وقت حضرت علی رضی اللہ عنہ موجود نہ تھے۔ اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک طبق میں خشک کھجوریں (یعنی چھوارے) منگائے اور حاضرین سے فرمایا کہ جس کے ہاتھ چھوارے پڑیں لے لیوے۔ چنانچہ حاضرین نے ایسا ہی کیا۔ پھر اسی وقت حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ پہنچ گئے۔ ان کو دیکھ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مسکرائے اور فرمایا کہ بے شک اللہ تعالیٰ نے مجھے حکم دیا کہ تم سے فاطمہ کا نکاح چار سو مثقال چاندی مہر مقرر کرکے کر دوں، کیا تم اس پر راضی ہو؟ انہوں نے عرض کیا جی میں راضی ہوں یا رسول اللہ!

جب حضرت علی رضی اللہ عنہ نے رضامندی ظاہر کر دی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دُعا دیتے ہوئے فرمایا:۔

جَمَعَ اللّٰهُ بَيْنَكُمَا وَاَعَزَّ جَدَّ كُمَا	اللہ تم میں جوڑ رکھے اور تمہارا نصیب اچھا کرے
وَبَارَكَ عَلَيْكُمَا وَاَخْرَجَ	اور تم پر برکت دے اور تم سے بہت اور پاکیزہ
مِنْكُمَا كَثِيْرًا طَيِّبًا [1]	اولاد ظاہر فرمائے۔

الاصابہ میں لکھا ہے تزوج علی فاطمة فی رجب سنة مقدمهم المدينة وبنى بها مرجعهم من بدر ولها يومئذ ثمان عشرة سنة۔ (یعنی حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے ماہِ رجب میں نکاح کیا جب کہ ہجرت کرکے مدینہ منورہ پہنچے تھے اور رخصتی غزوۂ بدر سے واپس ہونے پر ہوئی۔ اس وقت حضرت سیّدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کی عمر ۱۸ سال تھی۔[2] اس سے معلوم ہوتا ہے کہ نکاح اور رخصتی ایک ہی ساتھ نہ ہوئی تھی۔

جہیز| الاصابہ میں لکھا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جہیز میں حضرت سیّدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کو ایک بچھونا اور ایک چمڑے کا تکیہ جس میں کھجور کی چھال بھری ہوئی تھی اور دو چکیاں اور دو مشکیزے عنایت فرمائے۔ ایک روایت میں چار تکیے آئے ہیں

---

[1] مواہب لدنیہ ۱۲۔ [2] استیعاب میں ہے کہ ان کی عمر شریف اس وقت ۱۵ سال ۵ ماہ تھی جیسا کہ پہلے گذر چکا ہے۔ اس اختلاف روایت سے مقصد میں کوئی فرق نہیں پڑتا ۱۲۔

اور ایک روایت میں چارپائی کا بھی ذکر ہے[1]۔ ایک روایت میں ہے کہ ان کی رخصتی جس رات کو ہوئی ان کا بستر مینڈھے کی کھال کا تھا[2]۔ ممکن ہے کہ یہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے گھر کا بستر ہو اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ بھی جہیز میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عنایت فرمایا ہو۔

ولیمہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دوسرے روز اپنا ولیمہ کیا جس میں سادگی کے ساتھ جو میسر آیا کھلا دیا۔ ولیمہ میں جَو (کی روٹی) کھجوریں، حریرہ، پنیر، مینڈھے کا گوشت تھا[3]۔

کام کی تقسیم حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس کوئی خادم نہیں تھا۔ گھر کا کام دونوں میاں بیوی مل کر کر لیتے تھے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا کام اس طرح تقسیم فرما دیا تھا کہ فاطمہ رضی اللہ عنہا گھر کے اندر کے کام کیا کریں (مثلاً آٹا گوندھنا پکانا، بستر بچھانا، جھاڑو دینا وغیرہ) اور علیؓ گھر سے باہر کے کام انجام دیا کریں[4]۔

اولاد جب تک حضرت فاطمہؓ زندہ رہیں حضرت سیدنا علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دوسرا نکاح نہیں کیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نسل حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے ہی چلی۔ آپؐ کی اولاد میں جو صاحبزادے تھے وہ قبل از بلوغ ہی اللہ تعالےٰ کو پیارے ہو گئے تھے اور آپؐ کی صاحبزادی حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا سے تو کوئی اولاد ہی نہیں ہوئی اور حضرت رقیہ اور حضرت زینب رضی اللہ عنہما سے جو اولاد ہوئی تھی ان سے بھی نسل نہیں چلی[5]۔ جس قدر بھی سادات ہیں (جن کے فیوض سے شرق و غرب مستفید ہے) سب حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی اولاد ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ خصوصیت ہے کہ آپؐ کی صاحبزادی سے جو نسل چلی وہ آپؐ کی نسل سمجھی گئی ورنہ عام قاعدہ یہ ہے کہ انسان کی نسل اس کے بیٹوں سے چلتی ہے اور بیٹی سے جو نسل چلتی ہے وہ اس کے شوہر کے باپ کی نسل مانی جاتی ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے

---

[1] مواہب لدنیہ مع شرح زرقانی ۱۲۔ [2] الترغیب ۱۲۔
[3] من المواہب و شرحہ ۱۲۔ [4] زاد المعاد ۱۲۔ [5] اسد الغابہ ۱۲۔

فرمایا کہ بے شک اللہ نے میرے علاوہ جو بھی نبی بھیجا اس کی ذریت اس کی پشت سے فرمائی، اور میری ذریت اللہ تعالےٰ نے علیؓ کی پشت سے جاری فرمائی۔[۱] سب سے پہلے حضرت حسن رضی اللہ عنہ پیدا ہوئے۔ سیّد عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا نام حسنؓ تجویز فرمایا۔ خود ہی ان کے کان میں اذان دی اور عقیقہ کے روز حضرت سیّدنا فاطمہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا سے فرمایا کہ اس کے بالوں کے وزن کی برابر چاندی صدقہ کرو۔ حضرت سیّدہ فاطمہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا نے وزن کیا تو ایک درہم (چونی بھر) یا اس سے کچھ کم وزن اترا۔

ابوداؤد اور نسائی کی ایک روایت میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حسن اور حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہما دونوں کا عقیقہ فرمایا۔[۲]

حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ولادت رمضان المبارک ۳ھ کو ہوئی۔ بعض نے شعبان ۳ھ میں ان کی ولادت بتائی ہے اور بعض علماء نے ۴ھ اور بعض نے ۵ھ بھی ان کی ولادت بتائی ہے مگر اوّل قول ہی ٹھیک ہے۔[۳]

پھر اگلے سال حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی ولادت ہوئی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان دونوں سے بہت محبّت فرماتے تھے۔ آپؐ نے فرمایا کہ یہ دونوں دنیا میں میرے پھول ہیں[۴] اور یہ بھی فرمایا کہ یہ دونوں جنّت میں جوانوں کے سردار ہیں۔[۵]

حضرت سیّدنا علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ سینہ سے سر تک حضرت حسن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مشابہ تھے اور حضرت حسینؓ سینہ سے نیچے نیچے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے مشابہ تھے۔[۶]

ان دونوں بھائیوں کے بعد تیسرے بھائی حضرت محسن رضی اللہ عنہ پیدا ہوئے تھے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ہی یہ نام تجویز فرمایا تھا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے تھے کہ میں اپنی کنیت ابوحرب رکھنا چاہتا تھا۔ جب حسن کی ولادت ہوئی تو میں نے اس کا نام حرب[ع] رکھ دیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور فرمایا دکھاؤ میرا بیٹا کہاں ہے؟

---

[۱] شرح المواہب للزرقانی ۱۲ [۲] مشکوٰۃ شریف باب العقیقہ ص ۳۶۲ ۱۲۔ [۳] الاصابہ ۱۲ [۴] مشکوٰۃ عن البخاری ۱۲
[۵] مشکوٰۃ شریف ۱۲ [۶] مشکوٰۃ شریف ۱۲۔ [ع] حرب کا معنی "جنگ" ہے۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ بہادر مرد اور نبرد آزما انسان تھے۔ انہوں نے چاہا کہ کسی طرح مجھے ابوحرب کہا جانے لگے۔ اس لئے ہر مرتبہ آپؓ نے بچوں کا نام حرب رکھا۔ ۱۲ منہ عفا اللہ عنہ

تم نے اس کا نام کیا رکھا؟ میں نے عرض کیا حرب رکھ دیا ہے۔ آپؐ نے فرمایا نہیں اس کا نام حسن ہے۔ پھر جب حسین کی ولادت ہوئی تو میں نے اس کا نام بھی حرب تجویز کر دیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور فرمایا کہ دکھاؤ میرا بیٹا کہاں ہے؟ اس کا تم نے کیا نام رکھا؟ میں نے عرض کیا حرب نام رکھ دیا ہے۔ آپؐ نے فرمایا نہیں وہ حسین ہے۔ پھر جب تیسرا بچہ پیدا ہوا تو اس کا نام بھی میں نے حرب تجویز کر دیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور فرمایا دکھاؤ میرا بیٹا کہاں ہے؟ اس کا تم نے کیا نام رکھا؟ میں نے عرض کیا کہ حرب نام رکھ دیا ہے (فرمایا نہیں) وہ مُحسِّن ہے۔ پھر فرمایا کہ میں نے جو ان کے نام تجویز کئے ہیں یہ تینوں نام ہارون (پیغمبر صلوات اللہ وسلامہ علیہ) کے (تینوں) بچوں کے نام ہیں۔ ان کے ایک بچے کا نام شبر، دوسرے کا شبیر، تیسرے کا مشبر تھا[1] (حسن، حسین محسن ان کا ترجمہ ہے)

حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا کے تیسرے صاحبزادہ حضرت محسن رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے بچپن ہی میں وفات پائی[2]

حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا سے تین صاحبزادیاں پیدا ہوئیں۔

اوّل۔ حضرت رقیہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا جنہوں نے بچپن میں انتقال فرمایا۔ اسی وجہ سے بعض مؤرخین نے ان کو لکھا بھی نہیں ہے۔

دوسری صاحبزادی حضرت ام کلثوم رضی اللہ تعالیٰ عنہا تھیں۔ ان کا پہلا نکاح حضرت امیرالمؤمنین عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے ہوا تھا جن سے ایک صاحبزادے حضرت زیدؓ اور ایک صاحبزادی حضرت رقیہؓ پیدا ہوئیں۔

پھر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی وفات کے بعد حضرت عون بن جعفرؓ سے نکاح ہوا اور ان سے کوئی اولاد نہیں ہوئی۔ پھر جب ان کی وفات ہوگئی تو ان کے بھائی حضرت محمّد بن جعفر رضی اللہ تعالےٰ عنہ سے نکاح ہوا۔ ان سے ایک صاحبزادی پیدا ہوئیں جو

---

[1] جمع الفوائد و مسند امام احمد ۱۲ [2] المواہب و شرحہ ۱۲

بچپن ہی میں وفات پا گئیں۔ پھر حضرت محمدؓ بن جعفرؓ کے انتقال کے بعد ان کے بھائی حضرت عبداللہ بن جعفرؓ سے نکاح ہوا۔ ان سے بھی کوئی اولاد نہیں ہوئی اور ان ہی کے نکاح میں حضرت ام کلثومؓ کی وفات ہوئی اور اسی روز ان کے صاحبزادے حضرت زیدؓ کی وفات ہوئی جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے پیدا ہوئے تھے۔ حضرت سیدہ فاطمہؓ کی تیسری صاحبزادی حضرت زینبؓ تھیں۔ ان کا نکاح حضرت عبداللہ بن جعفرؓ سے ہوا تھا جن سے دو صاحبزادے عبداللہؓ اور عونؓ پیدا ہوئے۔ پھر جب حضرت زینب رضی اللہ عنہا کی وفات ہو گئی تو حضرت عبداللہ بن جعفر نے ان کی بہن حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا سے نکاح فرما لیا جس کا ذکر ابھی گزرا۔ یہ اولاد (تین لڑکے تین لڑکیاں) حضرت سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا سے ہوئی۔ ان کے علاوہ ان کی دوسری بیویوں سے جو بعد میں ان کے نکاح میں آئیں اور بھی اولاد ہوئی۔

مؤرخین نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تمام اولاد کی تعداد ۳۲ لکھی ہے جن میں ۱۶ لڑکے اور ۱۶ لڑکیاں تھیں۔ حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے ۵ لڑکے اور ۵ لڑکیاں پیدا ہوئیں اور حضرت حسینؓ کے ۶ لڑکے ۳ لڑکیاں پیدا ہوئیں۔

رضی اللہ تعالیٰ عنہم وارضاھم

اجمعین وجعلنا بھدیھم متبعین

واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ

اتم واحکم

فَاعْتَبِرُوْا یَا اُولِی الْاَبْصَار

حضرت سیدہ فاطمہ زہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا آنحضرت سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی سب سے زیادہ پیاری اور چہیتی صاحبزادی تھیں۔ ان کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جنت کی عورتوں کی سردار بتایا ہے۔ ان کی شادی کس سادگی سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کی۔ یہ بہت غور کرنے اور غور کرنے کے بعد اپنی اولاد کی شادیاں اس کے مطابق کرنے کی چیز ہے۔ آج لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اہل بیت (علیہم الرحمۃ والرضوان) کی محبت کے بڑے دعوے کرتے ہیں لیکن ان کے اتباع اور اقتداء کو اپنی اور خاندان کی ذلت اور عار سمجھتے ہیں۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نکاح کا پیغام دیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قبول فرمالیا۔ منگنی کے تمام طریقے جن کا آج کل رواج ہے ان میں سے کوئی بکھیڑا بھی نہ کیا گیا۔ یہ طریقے لغو اور سنت کے خلاف ہیں۔ پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خود ہی نکاح پڑھایا۔ اس سے معلوم ہوا کہ باپ کا لڑکی کے نکاح کے وقت چھپے چھپے پھرنا جس کا آج کل دستور ہے یہ بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقہ کے خلاف ہے۔ بہتر یہ ہے کہ باپ خود اپنی لڑکی کا نکاح پڑھ دیوے۔ مہر بھی تھوڑا سا مقرر کیا گیا۔ ہزاروں روپے مہر میں مقرر کرنا اور وہ بھی فخر اور بڑائی جتانے کے لئے اور پھر ادا نہ کرنا اس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اتباع کہاں ہے؟ جو لوگ مہر زیادہ باندھ دیتے ہیں اور پھر ادا نہیں کرتے وہ قیامت کے روز بیوی کے قرضداروں میں ہوں گے۔

حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کی رخصتی صرف اس طرح ہوئی کہ حضرت ام ایمن رضی اللہ عنہا کے ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو دولہا کے پاس بھیج دیا۔ یہ دونوں جہان کے بادشاہ کی صاحبزادی کی رخصتی تھی جس میں نہ دھوم دھام، نہ میانہ نہ پالکی اور نہ روپیوں کی بکھیر، نہ حضرت علی رضی اللہ عنہ گھوڑے پر چڑھ کر آئے نہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے کمینوں کا خرچ دلوایا، نہ کنبہ برادری کا کھانا کیا، نہ حضرت علی رضی اللہ عنہ

نے بارات چڑھائی نہ آتش بازی کے ذریعہ اپنا مال پھونکا۔ دونوں طرف سے سادگی برتی گئی۔ قرض ادھار کرکے کوئی کام نہیں کیا۔ مسلمانوں کو لازم ہے کہ سردار دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کو نہ صرف اعتقاد سے بلکہ عمل سے ضروری سمجھیں۔

جہیز کتنا مختصر تھا؟ اس کی تفصیل ہم لکھ چکے ہیں۔ نہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی سے قرض ادھار کرکے جہیز تیار کیا نہ اس کی فہرست لوگوں کو دکھائی۔ نہ جہیز کی چیزوں کی تشہیر کی گئی۔ ہم کو اسی کی پیروی لازم ہے اگر بیٹی کو کچھ دیں تو گنجائش سے زیادہ کی فکر میں نہ پڑیں اور ضرورت کی چیزیں دیں اور دکھاوا کرکے نہ دیں۔ کیوں کہ یہ اپنی اولاد کے ساتھ احسان ہے۔ دوسروں کو دکھلاکر دینا یا فہرست دکھانا سراسر خلافِ شرع اور خلافِ عقل ہے۔

پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے داماد اور بیٹی پر کام کی تقسیم کردی۔ ابوداؤد شریف میں ہے کہ سردارِ دوجہاں صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی چکی خود پیستی تھیں اور ہانڈی خود پکاتی تھیں اور جھاڑو خود دیتی تھیں۔ آج کل کی عورتیں اس کو عیب سمجھتی ہیں۔ بھلا جنّت کی عورتوں کی سردار سے بڑھ کر کون عزت والی ہوسکتی ہے؟

آج کل کے مسلمان کہلانے والے منگنی سے لے کر شادی تک اور پھر اس کے بچوں کے پیدا ہونے اور ختنہ اور عقیقہ تک فضول رسمیں کرتے ہیں جن میں بہت سی شرکیہ رسمیں ہیں اور کافروں سے لی ہیں اور بہت سی رسمیں سودی روپیہ لے کر انجام دیتے ہیں اور ان رسموں کو کرنے میں نمازیں تک برباد کرتے ہیں اور بے شمار بڑے بڑے گناہوں میں ملوّث ہوجاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنے پیغمبر صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی پیروی کی توفیق بخشیں۔

حضرت سیّدہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے گھر میں سیّد عالم صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کا آنا جانا

حضرت رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم باخدا بھی تھے اور باخلق بھی۔ یعنی اللہ جل شانہٗ سے تعلق و محبت اور اللہ تعالےٰ کے ذکر میں بھی پوری طرح مشغول رہتے تھے اور

مخلوق کے حقوق کی ادائیگی اور میل جول میں بھی کوتاہی نہ فرماتے تھے۔ آپؐ چونکہ معلمِ انسانیت تھے اس لئے آپؐ کی زندگی ساری امّت کے لئے نمونہ ہے۔ آپؐ کی زندگی سے سبق ملتا ہے کہ نہ تو انسان کو سراسر کنبہ و خاندان کی محبّت میں پھنس کر خداوند عالم سے غافل ہو جانا چاہیئے اور نہ بزرگی کے دھوکہ میں کنبہ و خاندان سے کٹ کر اذکار و اوراد کو مشغلۂ زندگی بنالینا چاہیئے۔ اعلیٰ اور اکمل مقام یہی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا پورا پورا اتباع کرے اور ہر شعبۂ زندگی میں آپؐ کے اقتدا کو ملحوظ رکھے۔

آنحضرت صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم نے نکاح بھی کئے اور آپؐ کے اولاد بھی ہوئی پھر صاحبزادیوں کی شادیاں بھی کیں اور ان کی شادیاں کر دینے کے بعد بھی ان کی خیر خبر رکھی۔ حضرت سیّدہ فاطمہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا کا نکاح جب آپؐ نے حضرت سیّدنا علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالےٰ عنہ سے کر دیا تو آپؐ اس روز رات کو ان کے پاس تشریف لے گئے اور اکثر جاتے رہتے تھے اور ان کے حالات کی خیر خبر رکھتے تھے اور ان کے بچّوں کو پیار کرتے تھے۔ ایک مرتبہ حضرت سیّدنا علی اور سیّدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے درمیان آپس میں کچھ رنجش ہو گئی تو حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے گھر تشریف لے جا کر صلح کرا دی۔ اس کے بعد باہر تشریف لائے اور حاضرین میں سے کسی نے دریافت کیا کہ آپ جب ان کے گھر داخل ہوئے تو چہرے پر کوئی خاص خوشی کا اثر نہ تھا اور اب جب کہ باہر تشریف لائے ہیں تو چہرہ پر خوشی کے آثار ہیں؟ آپؐ نے فرمایا میں کیوں خوش نہ ہوں جب کہ میں نے اپنے دو پیاروں کے درمیان صلح کرا دی [1]

ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حضرت سیّدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے گھر تشریف لے گئے۔ وہاں حضرت علی رضی اللہ عنہ کو موجود نہ پایا۔ صاحبزادی سے پوچھا کہ وہ کہاں ہیں عرض کیا کہ ہمارے آپس میں کچھ رنجش ہو گئی تھی لہٰذا وہ غصّہ ہو کر چلے گئے اور میرے پاس قیلولہ[2] نہ کیا۔ ایک صاحب سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دیکھنا وہ کہاں ہیں؟

---

[1] اصابہ ۱۲ [2] دوپہر کو کھانا کھا کر سونے یا لیٹ جانے کو قیلولہ کہتے ہیں ۱۲

انہوں نے جاکر تلاش کیا اور واپس آکر عرض کیا کہ وہ مسجد میں سو رہے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں تشریف لے گئے۔ دیکھا کہ وہ لیٹے ہوئے (سو رہے) ہیں اور ان کے پہلو سے چادر گر گئی ہے جس کی وجہ سے ان کے جسم کو مٹی لگ گئی ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مٹی پونچھنے لگے اور فرمایا (قُمْ اَبَا تُرَابٍ قُمْ اَبَا تُرَابٍ) او مٹی والے اٹھ! او مٹی والے اٹھ![1]

صاحب فتح الباری نے اس حدیث سے کئی مسئلے ثابت کئے ہیں۔ مثلاً (۱) جو غصہ میں ہو اس سے ایسی مذاق کرنا جس سے ان کو مانوس کیا جا سکے درست ہے (۲) اپنے داماد کی دلداری اور ناراضگی دور کرنا بہتر عمل ہے۔ (۳) باپ اپنی بیٹی کے گھر میں بغیر داماد کی اجازت کے داخل ہو سکتا ہے۔ جب کہ یہ معلوم ہو کہ اس کو گرانی نہ ہوگی۔[2]

ایک مرتبہ حضرت سیّد عالم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت سیّدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے گھر تشریف لے گئے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بھی ساتھ تھے۔ وہاں پہنچ کر حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے بارے میں سوال فرمانے لگے کہ کیا یہاں چھوٹو ہے کیا یہاں چھوٹو ہے؟ اتنے میں حضرت حسن رضی اللہ عنہ آپہنچے۔ حتیٰ کہ دونوں ایک دوسرے سے گلے لپٹ گئے۔ اس وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دُعا کی کہ اے اللہ! میں اس سے محبت کرتا ہوں تُو بھی اس سے محبت فرما اور جو اس سے محبت کرے۔ اس سے بھی محبت فرما۔[3] یہ اس وقت کی بات ہے جب کہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ چھوٹے سے تھے۔

حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما روایت فرماتے ہیں کہ ہمارے بچپن کے زمانہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجھ کو اپنی ران پر بٹھاتے تھے اور دوسری ران پر حسن بن علیؓ کو بٹھالیتے تھے اور دونوں کو چمٹا لیتے تھے اور یوں دعا فرماتے تھے:
اَللّٰھُمَّ ارْحَمْھُمَا فَاِنِّیْ اَرْحَمُھُمَا۔[4] بعض مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حضرت سیّدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا سے فرماتے کہ میرے بیٹوں (یعنی حضرت حسنینؓ) کو لاؤ۔

---

[1] بخاری شریف [2] فتح الباری باب نوم الرجال فی المسجد [3] مشکوٰۃ عن البخاری والمسلم ۱۲۔
[4] بخاری شریف ۱۲ (ترجمۂ دعا) اے اللہ ان پر رحم فرما کیونکہ میں ان پر رحم کرتا ہوں ۱۲۔

پھر آپؐ ان کو سونگھتے اور (سینہ سے) چمٹاتے تھے۔[1]

حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ فرماتے تھے کہ ایک مرتبہ رات کو میں ایک ضرورت کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچا (باہر سے اپنے آنے کی اطلاع دی) آپؐ چادر لپیٹے ہوئے باہر نکلے۔ چادر میں کچھ محسوس ہوتا تھا۔ میں نے جب اپنی ضرورت پوری کر لی تو عرض کیا یا رسول اللہؐ! یہ کیا ہے جسے آپ لپیٹے ہوئے ہیں؟ آپؐ نے چادر کھول دی۔ تو میں نے دیکھا کہ آپؐ کے ایک کولہ پر حسنؓ اور دوسرے کولے پر حسینؓ ہیں۔ آپؐ نے اس وقت فرمایا کہ یہ میری اولاد ہیں اور میری صاحبزادی کی اولاد ہیں اور یہ بھی دعا دی اللّٰھم انی احبھما فاحبھما و احب من یحبھما۔[2]

ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس حال میں باہر تشریف لائے کہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ آپؐ کے مبارک دوش پر بیٹھے ہوئے تھے۔[3]

خانگی احوال حضرت علی رضی اللہ عنہ کوئی سرمایہ دار آدمی نہ تھے۔ ان کے یہاں نہ اسباب عیش فراہم تھے نہ خورد و نوش کی فراوانی تھی۔ گھر میں نہ سامان بہت تھا نہ گھر عمدہ تھا، نہ کوئی خدمت گار تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جو حال (فقر و فاقہ کا) اپنے لئے پسند کیا وہی داماد اور بیٹی کے لئے پسند فرمایا تھا۔ ایک مرتبہ حضرت سیّدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا حاضرِ خدمت ہوئیں اور عرض کیا یا رسول اللہ! میرے اور علیؓ کے پاس صرف ایک مینڈھے کی کھال ہے جس پر ہم رات کو سوتے ہیں اور دن کو اس پر اونٹ کو چارہ کھلاتے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے میری بیٹی! صبر کر کیونکہ موسیٰ (علیہ السّلام) نے دس برس تک اپنی بیوی کے ساتھ قیام کیا اور دونوں کے پاس صرف ایک عبا تھی[4] (اسی کو اوڑھتے اور اسی کو بچھاتے تھے)

---

[1] ترمذی ۱۲ [2] مشکوٰۃ شریف (ترجمہ دعا) اے اللہ! میں ان سے محبّت کرتا ہوں پس تو بھی ان سے محبّت فرما اور جو ان سے محبّت کرے ان سے بھی محبت فرما ۱۲۔ [3] مشکوٰۃ شریف ۱۲۔

[4] شرح مواہب لدنیہ ۱۲۔

ایک روز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے گھر تشریف لے گئے۔ اس وقت حضرت حسن اور حضرت حسین رضی اللہ عنہما موجود نہ تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا کہ میرے بیٹے کہاں ہیں؟ عرض کیا آج اس حال میں صبح ہوئی کہ ہمارے گھر (کھانے کو تو کیا) چکھنے کو (بھی) کچھ نہ تھا لہٰذا (ان کے والد جناب) علی رضی اللہ عنہ ان کو یہ کہہ کر (باہر) لے گئے ہیں کہ گھر میں تم کو رو کر پریشان کریں گے، فلاں یہودی کے پاس گئے ہیں (تاکہ کچھ محنت مزدوری کر کے لادیں) یہ سن کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اس طرف توجہ فرمائی اور ان کو تلاش فرمالیا۔ وہاں دیکھا کہ دونوں بچے ایک کیاری میں کھیل رہے ہیں اور ان کے سامنے کچھ کھجوریں پڑی ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا کیا میرے ان بچوں کو گھر نہیں لے چلتے ہو؟ گرمی تیز ہونے سے پہلے پہلے لے چلو۔ انہوں نے عرض کیا اس حال میں آج صبح ہوئی ہے کہ ہمارے گھر میں کچھ بھی (کھانے بلکہ چکھنے کو) نہ تھا (اس لئے ان کو لے کر آیا ہوں۔ اب میرے اور بچوں کے پیٹ میں تو کچھ پہنچ گیا مگر فاطمہؓ کے لئے کچھ کھجوریں اور جمع کرنا ہے) تھوڑی سی دیر جناب اور تشریف رکھیں تو میں فاطمہؓ کے لئے (بھی) چند کھجوریں جمع کر لوں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور ٹھہر گئے۔ حتیٰ کہ کچھ کھجوریں حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے لئے جمع ہو گئیں۔ ان کھجوروں کو ایک چھوٹے سے کپڑے میں باندھ کر واپس ہوئے۔ ایک بچہ کو حضرت سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اور دوسرے بچہ کو حضرت علی مرتضیٰ سید السادات رضی اللہ عنہ نے گود میں لیا اور اسی طرح گھر پہنچے۔[1] واقعہ کے انداز سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت سیدنا علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے یہودی کے باغ میں مزدوری کر کے اپنے لئے اور بچوں کے لئے اور اپنی اہلیہ محترمہ کے لئے کھجوریں حاصل کی تھیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر میں بھی فقر و فاقہ رہتا تھا اور آپؐ کی صاحبزادی کے گھر میں بھی یہی حال تھا۔ جب کچھ میسر آجاتا تو ایک گھر دوسرے گھر کی خبر لیتا تھا حضرت

[1] الترغیب والترہیب (جلد ۵)

سیدنا علی رضی اللہ عنہ فرماتے تھے کہ ایک مرتبہ میرے گھر میں کچھ نہ تھا جسے میں کھالیتا اور اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر میں کچھ ہوتا تو مجھے پہنچ جاتا لہٰذا میں مدینہ سے باہر ایک جانب کو نکل گیا اور ایک یہودی کے باغ کی دیوار کے باہر سے جو شق ہوگئی تھی اندر کو جھانکا۔ باغ والے یہودی نے کہا کہ اے اعرابی! کیا چاہتا ہے؟ میرے باغ کو پانی دے دے اگر ہر ڈول پر ایک کھجور لینا منظور ہو؟ میں نے کہا اچھی بات ہے، دروازہ کھول۔ چنانچہ اس نے دروازہ کھول دیا اور میں نے پانی کھینچنا شروع کر دیا۔ ہر ڈول پر وہ مجھے ایک ایک کھجور دیتا جاتا تھا۔ جب اتنی کھجوریں ہوگئیں کہ میری ہتھیلی بھر گئی تو میں نے کہا بس مجھے یہ کافی ہیں۔ ان کو کھا کر اور پانی پی کر میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوگیا۔ آپؐ اس وقت مسجد میں صحابہؓ کی ایک جماعت کے ساتھ تشریف رکھتے تھے[1]۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ روایت فرماتے ہیں کہ حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا نے ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جَو کی روٹی کا ایک ٹکڑا دیا۔ آپؐ نے فرمایا اے فاطمہ تین روز سے میں نے کچھ کھایا نہیں۔ اتنا عرصہ گذر جانے پر یہ مجھے ملا ہے[2]۔

ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حضرت صدیقِ اکبر اور فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہما کے ساتھ حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کے مکان پر پہنچے۔ انہوں نے آپؐ کی دعوت کی اور ایک بکری کا بچہ ذبح کر کے سالن پکایا اور روٹی تیار کی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک روٹی میں تھوڑا سا گوشت رکھ کر حضرت ابوایوب رضی اللہ عنہ کو دیا کہ یہ فاطمہ کو پہنچا دو اس کو بھی کئی روز سے کچھ نہیں مل سکا۔ چنانچہ وہ اسی وقت پہنچا آئے۔

فضائل ومناقب

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا کی دلداری کا بہت زیادہ خیال فرماتے تھے۔ ایک مرتبہ آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ:۔

فاطمۃؓ بضعۃ منی فمن	فاطمہ میرے جسم کا ٹکڑا ہے جس نے اسے ناراض کیا
اغضبہا اغضبنی وفی روایۃ	اس نے مجھے ناراض کیا۔ دوسری روایت میں ہے

---

[1] الترغیب والترہیب ۱۲ [2] ایضاً ۱۲

یریبنی ماارابہا ویوذینی ماآذاھا۔[1]
کہ آپؐ نے فرمایا اس کے رنج سے مجھے رنج ہوتا ہے اور اس کی ایذا سے مجھے ایذا ہوتی ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی تھیں کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت اور سیرت وصورت اور گفتگو سے اس قدر مشابہت کسی کی عادت اور سیرت اور صورت اور گفتگو کی نہیں دیکھی جتنی حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کی تھی۔ جب وہ آپؐ کے پاس آتی تھیں تو آپؐ کھڑے ہو جاتے تھے اور ان کا ہاتھ چومتے تھے اور اپنے پاس بٹھاتے تھے اور جب آپؐ ان کے پاس جاتے تھے تو وہ بھی کھڑی ہو جاتی تھیں اور آپؐ کا ہاتھ چومتی تھیں اور آپؐ کو احترام سے بٹھاتی تھیں۔[2] حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ روایت فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب سفر میں تشریف لے جاتے تو سب سے آخر میں حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے مل کر روانہ ہوتے تھے اور جب واپس تشریف لاتے تھے تو سب سے پہلے حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے پاس تشریف لے جاتے تھے۔[3]

ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا کہ (جس پر تم کو غصہ آئے) اللہ کو (بھی اس پر) تمہارے غصہ کی وجہ سے غصہ آتا ہے اور (تم جس سے راضی ہو) اللہ تعالیٰ (اس سے) تمہاری رضا کی وجہ سے راضی ہوتے ہیں۔[4]

حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے تھے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سُنا کہ قیامت کے روز پردے کے پیچھے سے ایک منادی اعلان کرے گا کہ اے لوگو! اپنی آنکھوں کو بند کر لو۔ فاطمہ بنت سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم گزر رہی ہیں۔[5]

ایک مرتبہ سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حسن حسین اور ان کے والدین (رضی اللہ تعالیٰ عنہم) کے بارے میں فرمایا کہ جن سے ان کی لڑائی ہے میری بھی لڑائی ہے اور جن سے ان کی صلح ہے میری بھی صلح ہے۔[6]

---

[1] مشکوٰۃ شریف ۱۲۔ [2] ایضاً ۱۲۔ [3] ایضاً ۱۲۔ [4] اسد الغابہ ۱۲۔ [5] ایضاً۔
[6] مشکوٰۃ شریف ۱۲۔

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے تھے کہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپؐ نے اس وقت فرمایا کہ بے شک یہ فرشتہ ہے جو زمین پر آج کی اس رات سے پہلے کبھی نہیں نازل ہوا۔ اپنے رب سے اجازت لے کر مجھے سلام کرنے اور یہ بشارت دینے کے لئے آیا ہے کہ یقیناً فاطمہؓ جنّت کی عورتوں کی سردار ہے۔ اور یقیناً حسنؓ حسینؓ جنّت کے جوانوں کے سردار ہیں [1]

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہم سب بیویاں آپؐ کے پاس تھیں کہ اس اثناء میں سیّدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا آ گئیں۔ ان کی رفتار بس ہو بہو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رفتار تھی۔ جب ان پر آنحضرت سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر پڑی تو آپؐ نے فرمایا آؤ بیٹی مرحبا! پھر ان کو آپؐ نے بٹھالیا۔ اس کے بعد چپکے سے ان کے کان میں کچھ فرمایا جس کی وجہ سے وہ بہت زیادہ روئیں۔ جب آپؐ نے ان کو بہت رنجیدہ دیکھا تو دوبارہ آہستہ سے (ان کے کان میں) کچھ فرمایا وہ اچانک ہنسنے لگیں۔ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے گئے تو میں نے دریافت کیا کہ بتاؤ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تم سے آہستہ سے کیا فرمایا تھا؟ حضرت سیّدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا نے جواب دیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے راز کو میں کیوں کھولوں؟ (سب سے فرمانے کی بات ہوتی تو آپؐ آہستہ سے کیوں فرماتے؟)۔

جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہو گئی تو میں نے سیّدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا سے کہا کہ میرا جو تم پر حق ہے اس کے زور پر میں پوچھتی ہوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تم سے کیا فرمایا تھا؟ حضرت سیّدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا نے جواب دیا کہ ہاں اب بتا سکتی ہوں۔ پہلی مرتبہ جو آپ نے آہستہ سے فرمایا تو خبر دی تھی کہ جبریلؑ ہر سال مجھ سے ایک مرتبہ قرآن مجید کا دور کرتے تھے اور اس مرتبہ انہوں نے دو مرتبہ دور کیا ہے اور میں (اس لئے) سمجھتا ہوں کہ دنیا سے میرے کوچ کا وقت قریب آ گیا ہے۔ لہٰذا تم اللہ سے ڈرنا اور صبر کرنا کیوں کہ میں تمہارے لئے پہلے سے جانے والوں میں بہت بہتر

---

[1] مشکوٰۃ شریف ۱۲

ہوں۔ یہ سُن کر میں رونے لگی۔ جب آپؐ نے میرا رنج دیکھا تو دوبارہ آہستہ سے کچھ فرمایا۔ اور اس وقت کا فرمانا یہ تھا کہ کیا تم اس پر راضی نہیں ہو کہ جنّت کی عورتوں کی سردار ہو گی یا یہ فرمایا کہ مومن عورتوں میں سب کی سردار ہو۔ دوسری روایت میں ہے کہ پہلی مرتبہ آپؐ نے آہستہ سے فرمایا کہ میں اسی مرض میں وفات پا جاؤں گا لہٰذا میں رونے لگی۔ پھر دوبارہ آہستہ سے فرمایا کہ آپ کے گھر والوں میں سب سے پہلے میں ہی آپ سے جا کر ملوں گی۔ یہ سن کر مجھے ہنسی آگئی [1]

دینی تربیّت

حضرت سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم اللہ جل شانہ کی طرف سے امّت کی تربیّت اور تزکیۂ نفس کے لئے تشریف لائے تھے۔ تربیّت اور تزکیہ میں آپؐ کسی کا لحاظ نہیں فرماتے تھے اپنی ازواج و اولاد اور عزیز و قریب سب ہی کو اللہ تعالیٰ سے ڈراتے اور آخرت کا فکرمند بناتے تھے۔ جب آیت کریمہ وَ اَنْذِرْ عَشِیْرَتَكَ الْاَقْرَبِیْنَ [2] نازل ہوئی تو سیّدِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رشتہ داروں اور خاندان والوں کو آخرت کے عذاب سے ڈرایا۔ اور قبیلوں اور بعض رشتہ داروں کا نام لے کر فرمایا کہ اپنے آپ کو دوزخ سے بچاؤ۔ میں تمہارے کچھ کام نہیں آؤں گا۔ صحیح بخاری میں ہے کہ آپؐ نے اس موقع پر فرمایا کہ اے قریش! اپنے نفسوں کو دوزخ سے بچالو۔ میں اللہ کے معاملہ میں تمہارے کچھ کام نہ آؤں گا اور بنی عبد مناف سے بھی یہی فرمایا۔ پھر فرمایا کہ اے عباسؓ! میں اللہ کے معاملہ میں تمہارے کچھ کام نہ آؤں گا (اپنے کو دوزخ سے بچاؤ) اے صفیہؓ! (جو اللہ کے رسولؐ کی پھوپھی ہیں) میں اللہ کے معاملہ میں تمہارے کچھ کام نہیں آؤں گا۔ (اپنے کو دوزخ سے بچاؤ) اے محمدؐ کی بیٹی فاطمہؓ! میرے مال میں سے تم جو چاہو سوال کر لو۔ میں اللہ کے معاملہ میں کچھ کام نہیں آؤں گا (اپنے کو دوزخ سے بچالو۔) [3]

---

[1] مشکوٰۃ شریف ۱۲ [2] (ترجمہ آیت) آپؐ اپنے نزدیک کے کنبہ کو ڈرائیے۔ [3] یعنی خود نیک کام کرو اور اللہ تعالیٰ کے احکام کے خلاف مت چلو۔ اللہ تعالیٰ نے عذاب دینا چاہا تو میں نہیں چھڑا سکوں گا۔ اس کا مطلب سفارش کی نفی نہیں ہے بلکہ عمل پر ابھارنا مقصود ہے اور جس کی شفاعت کی جائے اس کو بھی تو لائقِ سفارش ہونا ضروری ہے جو مومن نہ ہوگا اس کی تو سفارش ہی نہ ہوگی۔ ۱۲ منہ

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سیّدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کی شادی کر دینے کے بعد بھی دینی تربیت کا خاص خیال رکھا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ رات کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم میرے اور فاطمہ کے پاس تشریف لائے اور ہم دونوں کو نمازِ (تہجد) کے لئے جگایا۔ پھر اپنے گھر میں تشریف لے گئے اور دیر تک نماز پڑھی۔ ہمارے اُٹھنے (اور وضو وغیرہ کرنے) کی کوئی آہٹ نہ سنی تو دوبارہ تشریف لائے اور مجھ کو جگایا اور فرمایا اٹھو نماز پڑھو۔ میں آنکھیں ملتا ہوا بیٹھ گیا اور عرض کیا کہ خدا کی قسم جتنی نماز ہمارے مقدر میں ہے وہی تو ہم پڑھیں گے۔ ہماری جانیں اللہ کے قبضہ میں ہیں۔ جب اللہ تعالےٰ ہم کو بیدار فرمانا چاہتے ہیں بیدار فرما دیتے ہیں (اور تھوڑا بہت وقت جو ملتا ہے پڑھ لیتے ہیں) یہ سن کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی ران پر ہاتھ مارتے ہوئے اور میرے لفظوں کو (تعجب سے) دہراتے ہوئے واپس ہو گئے اور قرآن مجید کی یہ آیت پڑھی وَكَانَ الْإِنْسَانُ أَكْثَرَ شَيْءٍ جَدَلًا ۝ (یعنی آدمی جھگڑے میں سب سے بڑھ کر ہے [1])۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے یہ بھی روایت ہے کہ حضرت سیّدہ فاطمہ (رضی اللہ عنہا) کو معلوم ہوا کہ سیّدِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کچھ غلام اور باندیاں آئی ہیں چونکہ ان کو خود چکی پیسنا پڑتا تھا اس لئے ان کے ہاتھوں میں اس کے نشان پڑ گئے تھے ان نشانوں کو دکھانے اور خدمت کے لئے باندی یا غلام طلب کرنے کے لئے وہ سیّدِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی حرم سرائے میں پہنچیں۔ آپؐ تشریف نہیں رکھتے تھے لہٰذا وہ اپنی معروض حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے کہہ آئیں۔ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم زنانخانہ میں تشریف لائے تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ماجرا عرض کر دیا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ یہ سن کر آپؐ رات کو ہمارے پاس تشریف لائے۔ اس وقت ہم دونوں لیٹ چکے تھے۔ آپؐ کی آمد پر ہم نے کھڑے ہونے کا ارادہ کیا۔ آپؐ نے فرمایا اپنی جگہ (لیٹے) رہو۔ پھر آپؐ میرے اور فاطمہ (رضی اللہ عنہا) کے درمیان

---

[1] مسند احمد ۱۲

بیٹھ گئے اور فرمایا کیا تم کو میں اس سے بہتر نہ بتادوں جو تم نے مجھ سے سوال کیا ہے؟ جب تم رات کو سونے کے لئے لیٹ جاؤ تو ۳۳ مرتبہ سبحان اللہ اور ۳۳ مرتبہ الحمدللہ اور ۳۴ مرتبہ اللہ اکبر پڑھا کرو۔ یہ تمہارے لئے خادم سے بہتر ہوگا[1]

مسلم شریف کی ایک روایت میں ہے کہ سیّد عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس موقع پر ان تینوں چیزوں کو (فرض) نماز کے بعد پڑھنے کو بھی فرمایا[2]۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جب سے میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ عمل سنا کبھی نہیں چھوڑا۔ ایک شخص نے حضرت علیؓ سے سوال کیا (جس کو ابن الکواء کہتے تھے) جنگِ صفین کی رات میں بھی آپ نے اس کو پڑھا؟ فرمایا اس رات میں بھی میں نے نہیں چھوڑا (اوّل رات میں بھول گیا تھا پھر) آخرِ سحر میں یاد آیا تو پڑھ لیا[3]۔

اسی سلسلہ میں یہ مضمون بھی روایت کیا گیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خادم عطا فرمانے سے بڑی سختی سے انکار فرمایا اور یوں فرمایا کہ خدا کی قسم تم کو (خادم) نہیں دوں گا یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ تم کو دے دوں اور صفہ[ع] میں رہنے والوں کے پیٹ بھوک سے پیچ کھاتے رہیں اور ان پر خرچ کرنے کو میرے پاس کچھ بھی نہ ہو؟ یہ غلام جو آتے ہیں ان کو فروخت کر کے صفہ والوں پر خرچ کروں گا[4]۔

حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اگر چاہتے تو اپنی صاحبزادیؓ کو ایک غلام یا باندی عنایت فرمادیتے مگر آپؐ نے ضرورت کو پرکھا اور آپؐ کی خداداد بصیرت نے آپؐ کو اسی پر آمادہ کیا کہ صفہ میں رہنے والے میری بیٹی سے زیادہ ضرورت مند ہیں۔ کسی نہ کسی

---

[1] مشکوٰۃ عن البخاری ۱۲ [2] مشکوٰۃ شریف ۱۲ [3] عمل الیوم واللیلۃ ۱۲ [4] اصابہ عن ابن سعد ۱۲ ۔

[ع] اصحابِ صفہ وہ حضرات تھے جو دینِ متین کے لئے ہجرت کر کے مدینہ منورہ آکر پڑ گئے تھے نہ کاروبار کرتے تھے نہ ان کا گھر بار تھا۔ بھوک و پیاس کو غذا بنا کر درس گاہِ نبوی (صلی اللہ علیہ وسلم) کے طالب علم بن کر رہتے تھے اور ذکر و تعلیم ان کا مشغلہ تھا مسجدِ نبوی سے باہر ایک صفہ (یعنی چبوترہ) سائبان ڈال کر ان حضرات کی اقامت کے لئے بنا دیا گیا تھا اس لئے ان کو اصحابِ صفہ کہا جاتا ہے۔ مؤلف رسالہ ہذا نے ان حضرات کے احوال ایک رسالہ میں لکھے ہیں۔ ملاحظہ فرمائیں ۱۲

طرح دُکھ تکلیف سے محنت ومشقت کرتے ہوئے صاحبزادی کی زندگی گزر تو رہی ہے مگر صفہ والے تو بہت ہی بدحال ہیں جن کو فاقے پر فاقے گزر جاتے ہیں ان کی رعایت مقدم ہے اور صاحبزادی کو ایسا عمل بتایا جو آخرت میں بے انتہا اجر وثواب کا ذریعہ بنے۔ دنیا کی فنا ہونے والی تکلیف آخرت کے بے انتہا انعامات سے بے انتہا کم ہے۔ اسی لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ان کا پڑھ لینا تمہارے لئے خادم سے بہتر ہے۔

ابو داؤد شریف میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سیّدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا اے فاطمہؓ اللہ سے ڈر اور اپنے رب کا فریضہ ادا کر اور اپنے شوہر کا کام انجام دے اور سوتے وقت ۳۳ مرتبہ سبحان اللہ اور ۳۳ مرتبہ الحمد للہ اور ۳۴ مرتبہ اللہ اکبر پڑھ لیا کر۔ یہ گنتی میں سو ہوگئے جو تیرے لئے خادم سے بہتر ہیں۔ حضرت سیّدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا نے اس کے جواب میں عرض کیا کہ میں اللہ (کی تقدیر) اور اس کے رسولؐ (کی تجویز) سے راضی ہوں۔ شاید اس موقع پر اللہ سے ڈرنے کو اس لئے فرمایا کہ خدمت گزار طلب کرنے کو ان کے بلند مرتبہ کے خلاف سمجھا واللہ تعالیٰ اعلم۔

بعض بزرگوں سے سنا ہے کہ سوتے وقت ان چیزوں کا پڑھ لینا آخرت کے اجور و درجات دلانے کے ساتھ ساتھ دن بھر کی محنت ومشقت کی تھکن کو دور کرنے کے لئے بھی مجرب ہے [1]۔

حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ روایت فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب سفر کو تشریف لے جاتے تھے تو اپنے گھر والوں میں سب سے آخری ملاقات حضرت سیّدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا سے فرماتے تھے اور جب سفر سے واپس تشریف لاتے تو سب سے پہلے حضرت سیّدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے پاس تشریف لے جاتے تھے۔ ایک مرتبہ ایک غزوہ

---

[1] احقر راقم الحروف سے ایک بزرگ نے بیان فرمایا جنہوں نے احیاء دین کے لئے ہزار میل کا ایک پیدل سفر کیا تھا کہ اس سفر میں مجھے ان تسبیحات کی قدر معلوم ہوئی اور بڑھاپے میں اتنا لمبا سفر آسانی سے طے ہو گیا۔ رات کو جب ان تسبیحات کو پڑھ لیا تو دن بھر کی تھکن کافور ہو گئی ۱۲ منہ عفا اللہ عنہ۔

سے تشریف لائے اور حسب عادت سیّدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے پاس تشریف لے جانے کے لیئے ان کے گھر پہنچے۔ انہوں نے دروازہ پر (زینت کے لیئے عمدہ قسم کا) پردہ لٹکا رکھا تھا اور دونوں بچّوں حضرت حسن و حسین (رضی اللہ عنہما) کو چاندی کے کنگن پہنا رکھے تھے۔ آپؐ اندر داخل ہوئے پھر واپس ہو گئے۔ حضرت سیّدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا نے سمجھ لیا کہ آپؐ اس وجہ سے اندر تشریف نہیں لائے لہٰذا (اسی وقت) پردہ ہٹا دیا اور کنگن اتار لیئے۔ دونوں بچّے (ان کنگنوں کو لئے ہوئے) آنحضرت سیّد عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں روتے ہوئے پہنچے۔ آپؐ نے ان کے ہاتھوں سے وہ کنگن لے لئے اور مجھ سے فرمایا کہ اے ثوبانؓ! (راوی حدیث) جاؤ فاطمہؓ کے لئے ایک ہار عصبؔ کا اور دو کنگن ہاتھی دانت کے خرید کر لے آؤ۔ یہ میرے گھر والے ہیں۔ میں یہ پسند نہیں کرتا ہوں کہ اپنے حصّہ کی عمدہ چیزیں اس زندگی میں کھالیں[۱] (یا پہن لیں)۔

ایک مرتبہ ایک واقعہ ایسا ہی پیش آیا اور وہ یہ کہ حضرت سیّدنا علی رضی اللہ عنہ کے یہاں ایک شخص مہمان ہوا۔ اس کے لئے کھانا پکایا۔ حضرت سیّدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا نے کہا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی بلا لیتے تو اچھا تھا۔ چنانچہ آپؐ کو کھانے کی دعوت دی اور آپؐ تشریف لے آئے۔ دروازہ پر پہنچ کر چوکھٹ کو ہاتھوں سے پکڑ کر کھڑے ہو گئے اور دیکھا کہ گھر میں ایک طرف ایک نقشین پردہ لٹکا ہوا ہے۔ اس کو دیکھ کر آپؐ واپس ہو گئے۔ حضرت سیّدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں آپؐ کے پیچھے پیچھے چلی اور عرض کیا کہ یارسول اللہ! آپ کی واپسی کا کیا باعث ہوا؟ آپؐ نے جواب میں فرمایا کہ نبی کے لئے یہ درست نہیں ہے کہ سجاوٹ اور ٹیپ ٹاپ والے گھر میں داخل ہو[۲]۔

ایک مرتبہ حضرت حسن بن علی رضی اللہ تعالےٰ عنہما نے (کمسنی میں) صدقہ کے مال کی

؎ عصب پٹھے کو کہتے ہیں، ممکن ہے کہ اس زمانہ میں حلال جانوروں کے پٹھوں سے کسی قسم کا ہار بنا لیتے ہوں۔ بعض عالموں نے کہا ہے کہ ایک جانور کے دانت کو (بھی) عصب کہتے تھے۔ واللہ تعالیٰ اعلم ۱۲

[۱] مشکوٰۃ عن احمد و ابی داؤد ۱۲۔ [۲] مشکوٰۃ عن احمد و ابن ماجہ ۱۲۔

کھجوروں میں سے ایک کھجور لے کر منہ میں رکھ لی۔ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فوراً منہ سے نکال کر باہر ڈالنے کو فرمایا اور یہ بھی فرمایا کیا تم کو خبر نہیں کہ ہم صدقہ نہیں کھاتے ہیں[1]۔

تربیت کے سلسلہ کا ایک واقعہ یہ بھی اسد الغابہ میں نقل کیا ہے کہ ایک مرتبہ حضرت رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم حضرت سیّدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے گھر تشریف لے گئے۔ اس وقت حضرت علی رضی اللہ عنہ سو رہے تھے۔ حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے کچھ پینے کو مانگا۔ وہیں ان حضرات کی ایک بکری تھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا دودھ نکالا۔ ابھی آپ نے کسی کو دیا نہ تھا کہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ آپ کے پاس پہنچ گئے۔ آپ نے ان کو ہٹا دیا۔ حضرت سیّدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا ان دونوں میں آپ کو وہ دوسرا (یعنی حضرت حسین رضی اللہ عنہ) زیادہ پیارا ہے؟ آپ نے فرمایا۔ یہ بات نہیں۔ اصل بات یہ ہے کہ اس دوسرے نے اس سے پہلے طلب کیا تھا پھر فرمایا کہ میں اور تم اور یہ دونوں لڑکے اور یہ سونے والا قیامت کے روز ایک ساتھ ایک جگہ ہوں گے[2]۔

وفات

حضرت سیّدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا نے سیّد عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے چھ ماہ بعد وفات پائی۔ اس بارے میں اور بھی اقوال ہیں مگر سب سے زیادہ صحیح یہی ہے۔

بعض علمائے کہا کہ آپ کے بعد ستر روز عالم دنیا میں رہ کر اللہ کو پیاری ہوئیں[ع]۔ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات پر ان کو بہت رنج ہوا اور آپ کے بعد جب تک زندہ رہیں کبھی ہنستی نہ دیکھی گئیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو خبر دی تھی کہ میرے اہل میں سے سب سے پہلے تم ہی مجھ سے آکر ملو گی۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا ان کی وفات کے وقت حضرت اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا وہیں موجود تھیں۔ ان سے حضرت سیّدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ یہ مجھے اچھا نہیں لگتا کہ عورت کے جنازہ کو صرف اوپر سے ایک کپڑا ڈال کر (مردوں کے جنازہ کی طرح) لے جاتے ہیں جس سے ہاتھ پاؤں کا پتہ چل جاتا ہے۔

---

[1] مشکوٰۃ شریف ۱۲ [2] اسد الغابہ ۱۲

[ع] ذکرہ فی اسد الغابہ وفی ذالک اقوال اخر ذکرہا الحافظ فی الاصابہ ۱۲

حضرت اسمار رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ میں تم کو ایسی چیز بتائے دیتی ہوں جو حبشہ میں دیکھ کر آئی ہوں۔ یہ کہہ کر درخت کی ٹہنیاں منگا کر ایک مسہری سی بنادی اور اس پر کپڑا ڈال دیا۔ حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا نے اس کو بہت پسند کیا اور حضرت اسماء سے فرمایا کہ جب میں وفات پا جاؤں تو تم اور علی (رضی اللہ عنہ) مل کر مجھ کو غسل دینا اور کسی کو میرے غسل میں شرکت کرنے کے لئے مت آنے دینا۔ جب وفات ہوگئی تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا غسل دینے کے لئے آئیں۔ حضرت اسمار رضی اللہ عنہا نے ان کو روک دیا۔ انہوں نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے شکایت کی۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ تشریف لائے اور حضرت اسمار رضی اللہ عنہا سے فرمایا کہ اے اسماء! آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بیویوں کو آپ کی صاحبزادی کے پاس جانے سے کیوں روکتی ہو؟ انہوں نے جواب دیا کہ انہوں نے مجھ کو اس کی وصیّت کی ہے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اچھا ان کی وصیّت پر عمل کرو۔ چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کیا یعنی حضرت علی رضی اللہ عنہ کی معیّت میں ان کو غسل دیا[ع] اور کفنا کر مسہری میں رکھ دیا حضرت سیّدنا علی رضی اللہ عنہ نے ان کے جنازہ کی نماز پڑھائی اور ایک قول یہ بھی ہے کہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے نمازِ جنازہ پڑھائی۔ حضرت سیّدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا نے وصیّت کی تھی کہ میں رات ہی کو دفن کر دی جاؤں۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا اور قبر میں حضرت سیّدنا علی رضی اللہ عنہ اور حضرت سیّدنا عباس رضی اللہ عنہ اور ان کے صاحبزادے فضل رضی اللہ عنہ اترے۔

ع حافظ ابن حجر رحمہ اللہ تعالیٰ الاصابہ میں لکھتے ہیں کہ ابن فتحون نے اس کو بعید سمجھ کر اعتراض کیا ہے کہ حضرت اسماء اس وقت حضرت ابوبکرؓ کے نکاح میں تھیں۔ ان کو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ مل کر غسل دینا کیونکر درست ہوا؟ اور دوسرا اشکال حنفی مذہب کی بناء پر پیش آتا ہے کہ وفات کے بعد شوہر بیوی کو غسل نہیں دے سکتا (کما قال فی الفتاوی العالمگیریہ ویجوز للمرءۃ ان تغسل زوجھا و اما ھو فلا یغسلھا عندنا) دونوں اشکالوں کا جواب اس طرح ہو سکتا ہے کہ ممکن ہے حضرت علی رضی اللہ عنہ پردہ ڈال کر حضرت اسمار رضی اللہ عنہا کو پانی دیتے جاتے ہوں اور وہ غسل دیتی جاتی ہوں اور انہوں نے کوئی اور عورت اپنے ساتھ مدد کے لئے بلالی ہو۔ واللہ اعلم ۱۲ منہ عفا اللہ عنہ۔

کہتے ہیں کہ ان کی وفات ۳ رمضان المبارک ۱۱ھ کو ہوئی۔ اس وقت ان کی عمر ۲۹ سال تھی اور بعض حضرات نے ۳۰ سال اور بعض نے ۳۵ سال بتائی ہے۔ یہ تمام تفصیل اسدالغابہ میں لکھی ہے۔

اگر یہ صحیح مانا جائے کہ حضرت رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر شریف کے ۳۵ ویں برس ان کی ولادت ہوئی تھی تو ۲۸، ۲۹ سال کے درمیان ان کی عمر ہوتی ہے جب کہ ان کا سن وفات ۱۱ھ مانا جائے اور یہی صحیح معلوم ہوتا ہے جنہوں نے ۳۵ برس کی عمر بتائی ان کے قول کی بنا پر حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی ولادت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر شریف کے ۲۹ ویں برس ہونا لازم آتا ہے۔ لیکن یہ کسی کا قول معلوم نہیں ہوا۔ الاستیعاب میں بھی ایک ایسا واقعہ لکھا ہے کہ جس سے ۳۵ برس والے قول کی تردید ہوتی ہے۔

مسند امام احمد بن حنبلؒ میں حضرت ام سلمیٰ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ جس مرض میں حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی وفات ہوئی میں ان کی تیمار داری کرتی تھی۔ ایک روز صبح ہوئی تو مجھ سے فرمایا کہ اے ماں! میرے لئے غسل کا پانی رکھ دو۔ چنانچہ میں نے اس کی تعمیل کی۔ پھر انہوں نے بہت اچھی طرح غسل کیا۔ اس کے بعد مجھ سے کپڑے طلب کئے کہ میرے نئے کپڑے دے دو۔ میں نے اس کی بھی تعمیل کی اور انہوں نے مجھ سے کپڑے لے کر زیب تن فرمالئے۔ پھر مجھ سے فرمایا کہ میرا بستر بیچ گھر میں بچھا دو۔ چنانچہ میں نے اس کی بھی تعمیل کی۔ اس کے بعد وہ قبلہ رخ ہو کر اور اپنا ہاتھ رخسار کے نیچے رکھ کر لیٹ گئیں اور مجھ سے فرمایا کہ اے ماں! اب میری جان جاتی ہے۔ میں نے غسل کر لیا ہے، مجھے کوئی نہ کھولے۔ چنانچہ اسی وقت جان بحق ہو گئیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ اس وقت موجود نہ تھے۔ باہر سے تشریف لائے تو میں نے ان کو خبر کر دی۔ اسدالغابہ میں بھی اس واقعہ کو (تذکرہ اُم سلمیٰ میں) ذکر کیا ہے۔ لیکن علماء اس کو صحیح نہیں مانتے کہ وفات سے پہلے جو غسل کیا تھا اسی کو کافی سمجھا گیا بلکہ صحیح یہی ہے کہ حضرت علیؓ اور اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہانے بعد وفات غسل دیا۔ حافظ ابنِ حجر رحمہ اللہ تعالےٰ نے بھی الاصابہ میں اس کو بعید تسلیم کیا ہے کہ وفات سے پہلے جو غسل فرما لیا تھا اس پر اکتفا کیا گیا ہو۔

جب تک حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا زندہ رہیں۔ حضرت علی رضی اللہ نے دُوسرا نکاح نہیں کیا۔ جب ان کی وفات ہوگئی تو ان ہی کی وصیّت کے مطابق ان کی بھانجی حضرت امامہ بنت زینب رضی اللہ عنہا سے نکاح فرمایا۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے علاوہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام اولاد آپؐ کی موجودگی ہی میں فوت ہوگئی تھی۔ پھر آپؐ کے بعد حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا بھی جلد ہی آپؐ سے جا ملیں۔ رضی اللہ عنہا وارضاھا۔

واقدی فرماتے تھے کہ میں نے عبدالرحمٰن بن ابی الموالی سے کہا کہ لوگ بیان کرتے ہیں کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا جنت البقیع میں دفن کی گئیں اس بارے میں تم کیا کہتے ہو۔ انہوں نے کہا کہ وہ حضرت عقیلؓ (بن ابی طالب) کے مکان کے ایک گوشہ میں دفن کی گئیں۔ ان کی قبر اور راستہ کے درمیان سات ہاتھ کا فاصلہ[1] ہے۔ رضی اللہ عنہا وارضاھا۔



---

[1] الاصابہ ۱۲

خاتمہ

حضرت ابراھیم رضی اللہ عنہ
ابنِ سیّد البشر سرورِ کونین صلّی اللہ علیہ وسلّم

سیّد عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک صاحبزادے حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ تھے۔ یہ حضرت ماریہ قبطیہ رضی اللہ عنہا کے بطن سے پیدا ہوئے تھے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی باندی تھیں۔ سنہ ۶ھ میں جب سیّد عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ملکوں اور علاقوں کے حکمرانوں کو اسلام کی دعوت کے خطوط لکھے۔ تو اسی سلسلہ میں ایک خط مقوقس کو بھی لکھا۔ یہ عیسائی مذہب رکھتا تھا اور مصر اور اسکندریہ کا بادشاہ تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے والانامے کی عبارت یہ ہے:

بسم اللہ الرّحمن الرّحیم من محمّد عبد اللہ ورسولہ الی المقوقس عظیم القبط سلام علی من اتبع الھدی اما بعد فانّی ادعوك بدعایة الاسلام اسلم تسلم یؤتك اللہ اجرك مرتین فان تولیت فان علیك اثم القبط یا اھل الکتاب تعالوا الی کلمة سواء بیننا و بینکم ان لا نعبد الا اللہ ولا نشرك به شیئا ولا یتخذ بعضنا بعضاً ارباباً من دون اللہ فان تولوا فقولوا اشھدوا بانا مسلمون۔

(ترجمہ) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

منجانب محمّد عبد اللہ و رسولہ۔

بنام مقوقس جو قبطیوں کا سردار ہے۔ سلام اس پر جو ہدایت کو مان لے۔ اس کے بعد مدعا یہ ہے کہ میں تجھ کو اسلام کی دعوت دیتا ہوں۔ تو اسلام قبول کر لے اس کی وجہ سے تو سلامت

رہے گا اور تجھے دوہرا اجر اللہ تعالٰے دیں گے اور اگر تو نے اسلام سے منہ موڑا تو تجھ پر نہ صرف اپنے گناہ کا وبال ہوگا بلکہ تمام قبطی قوم کی گمراہی تیرے ہی سر پڑے گی۔ (اس کے بعد قرآن مجید کی ایک آیت لکھی جس کا ترجمہ یہ ہے۔)

"اے اہلِ کتاب! آؤ ایک ایسی بات کی طرف جو ہمارے اور تمہارے درمیان مسلّم ہونے میں برابر ہے۔ یہ کہ بجز اللہ تعالیٰ کے ہم کسی کی عبادت نہ کریں اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں اور خدا کو چھوڑ کر ہم میں سے کوئی کسی کو رب قرار نہ دے۔ پھر اگر وہ لوگ اعراض کریں تو تم کہہ دو کہ تم ہمارے اس اقرار کے گواہ رہو کہ ہم تو ماننے والے ہیں۔" (۳: ۶۴)

اس والا نامہ کو لے کر حضرت حاطب بن بلتعہ رضی اللہ عنہ تاجدارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے قاصد بن کر روانہ ہوئے اور مقوقس کو اسکندریہ پہنچ کر وہ والا نامہ دے دیا مقوقس نے حضرت حاطب رضی اللہ عنہ کا بہت اعزاز و اکرام کیا اور والا نامہ کھول کر پڑھا۔ اور پڑھنے کے بعد حضرت حاطب رضی اللہ عنہ سے مخاطب ہو کر کہا کہ اگر وہ نبی ہیں تو کیوں میرے حق میں بددعا نہیں کر دی جس کے اثر سے مجھ پر غلبہ پا لیتے؟ حضرت حاطب نے الزامی[ؑ] جواب دیتے ہوئے فرمایا کہ تم (حضرت عیسٰی علیہ الصلوٰۃ والسّلام کو تو مانتے ہی ہو) بتاؤ انہوں نے اپنے مخالفین کے لئے بددعا کر کے کیوں غلبہ نہ پالیا؟ مقوقس نے پھر دوبارہ یہی سوال کیا۔ انہوں نے پھر وہی جواب دیا جس کی وجہ سے مقوقس خاموش ہوگیا۔ اس کی خاموشی سے فائدہ اٹھاتے ہوئے حضرت حاطب رضی اللہ عنہ نے سلسلۂ تبلیغ جاری کر دیا۔ اور خود بخود یوں گویا ہوئے:۔

ؑ اس وقت الزامی جواب دینے کی ضرورت تھی ورنہ تحقیقی جواب یہ ہے کہ یہ دنیا دارالاسباب ہے۔ اس میں اللہ کی تشریع اور تکوین دونوں جاری ہیں۔ پیغمبروں کی محنت اور کوشش کے ذریعہ جس سے ان کا اجر بے انتہا ہو جائے اللہ تعالٰے ہدایت پھیلانا چاہتے ہیں اور اسلام قبول کرنے والے کی بھی یہ خوبی ہے کہ بجائے اس کے کہ بددعا سے مجبور ہو کر راہ پر آئے خود دعوتِ حق پہنچنے پر اپنے اختیار سے اسلام قبول کرلے ۱۲ منہ :۔

انه قد كان قبلك رجل يزعم انه الرب الاعلىٰ فاخذه الله نكال الاٰخرة والاولىٰ فانتقم منه فاعتبر بغيرك ولا يعتبر غيرك بك۔

(ترجمہ) تجھ سے پہلے ایک شخص تھا (یعنی فرعون) جو اپنے آپ کو سب سے بڑا پروردگار کہتا تھا۔ پس اللہ تعالےٰ نے اس کو آخرت اور دنیا کے عذاب میں پکڑا اور اس سے انتقام لیا گیا لہٰذا تو دوسروں سے عبرت حاصل کر۔ ایسا نہ ہو کہ (خدا کی طرف سے تیری گرفت ہو) اور دوسرے تجھ سے عبرت حاصل کریں۔

یہ سُن کر مقوقس نے کہا کہ ہم ایک دین پر قائم ہیں۔ اس کو ایسے ہی دین کے لئے چھوڑ سکتے ہیں جو ہمارے موجودہ دین سے بہتر ہو۔ اس کے جواب میں حضرت حاطب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اور زیادہ حجم کر اسلام کی دعوت دی اور فرمایا کہ ہم تجھ کو تیرے دین سے بہتر دین کی طرف دعوت دیتے ہیں۔ ہماری دعوت اللہ کے دین کی طرف ہے جس کے سامنے دوسرے دین کی ضرورت نہیں ہے۔ بلاشبہ یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم (جن کا قاصد بن کر میں آیا ہوں) انہوں نے لوگوں کو اسلام کی دعوت دی تو سب سے زیادہ تکلیف پہنچانے پر قریش کمر تل گئے اور یہود نے سب سے زیادہ دشمنی پر کمر باندھی اور نصاریٰ سب سے زیادہ انس و محبّت؏ سے پیش آنے والے ثابت ہوئے (جو جلد مسلمان ہو گئے)۔

سلسلۂ کلام جاری رکھتے ہوئے حضرت حاطب رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جیسے حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی آمد کی بشارت دی ایسی ہی بشارت حضرت عیسیٰ علیہ السّلام نے حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد کی دی تھی۔ ہم تجھ کو دعوت اس طرح دیتے ہیں جیسے تو اہل توریت کو انجیل کی دعوت دیتا ہے۔ پس جس طرح حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام اور ان کی لائی ہوئی توریت شریف کو حق مانتے ہوئے حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام اور ان کی لائی ہوئی انجیل کی دعوت دیتے ہو اسی طرح ہم بھی تم کو یہی دعوت دیتے ہیں کہ سابقہ نبیوں اور اللہ کی کتابوں کو حق مانتے ہوئے اب اس موجودہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم اور اس کی لائی ہوئی کتاب کا

؏ سورہ مائدہ کی آیت لتجدن اشد الناس .... الاٰیۃ کی طرف اشارہ ہے ۱۲

اتباع کرو۔ یہ قاعدہ رہا ہے کہ جو نبی کسی قوم میں آیا وہ قوم اس کی امتِ دعوت ہو گئی اور اس کے ذمہ اس نبی کا ماننا اور اتباع کرنا ضروری ہو گیا لہٰذا اب جب کہ تُو نے اس آخری پیغمبر (صلی اللہ علیہ وسلم) کا زمانہ پالیا تو ان کا اتباع کر اور یہ بات بھی صاف کر دینا ضروری ہے کہ ہم تجھ کو عیسائی مذہب کے خلاف دوسرے دین پر آمادہ نہیں کر رہے ہیں بلکہ عیسائی مذہب کی ایک بات پر عمل کرنے کو کہہ رہے ہیں (اور وہ بات یہ ہے کہ) حضرت عیسٰی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے بعد پیغمبر آخر الزماں کے آنے کی خبر دی تھی اور ان کا نام احمد بتایا تھا۔ چنانچہ وہ تشریف لے آئے۔ اب حسبِ فرمان حضرت عیسٰی علیہ الصّلوٰۃ و السّلام کا اتباع کرو۔

یہ باتیں سن کر مقوقس نے کہا کہ میں نے اس پیغمبر (آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم) کے بارے میں غور کیا تو میں اس نتیجہ پر پہنچا کہ وہ جس چیز کے کرنے کا حکم فرماتے ہیں وہ عقل اور طبیعت کے خلاف نہیں ہے اور جس چیز سے منع فرماتے ہیں عقل و دانش کے اعتبار سے کرنے کی نہیں ہے میں نے جہاں تک غور کیا اس سے یہ سمجھا وہ نہ جادوگر ہیں نہ گمکردہ راہ ہیں، نہ کاہن ہیں نہ کاذب ان کے متعلق جو معلومات حاصل ہوئیں ان سے پتہ چلا کہ وہ غیب کی باتوں کی خبر دیتے ہیں۔ یہ ان کے نبی ہونے کی نشانی ہے اور ان کا اتباع کرنے کے سلسلہ میں غور کروں گا۔ اس کے بعد سیّد عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے والا نامہ کو حفاظت سے رکھنے کے لئے خادم کو دے دیا۔ کاتب کو بلایا جو عربی جانتا تھا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں عبارتِ ذیل بھیجنے کے لئے لکھوائی۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم لمحمد بن عبد اللہ من المقوقس عظیم القبط سلام علیك امّا بعد فقد قرأت کتابك و فهمت ماذکرت فیه وماتدعو الیه

ع حضرت حاطب رضی اللہ عنہ کے پہنچنے سے پہلے مقوقس کو سیّد عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں کچھ معلومات حاصل تھیں ان کی بنا پر یہ باتیں کیں ۱۲ منہ

وقد علمت ان نبيا قد بقي وكنت اظن ان يخرج من الشام وقد اكرمت رسولك وبعثت اليك بجاريتين لهما مكان من القبط عظيم وكسوة واهديت اليك بغلة لتركبها والسلام۔

ترجمہ: شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے۔ یہ خط ہے محمد بن عبداللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے نام مقوقس کی جانب سے جو قبطیوں کا سردار ہے تم پر سلام ہو۔ سلام کے بعد عرض ہے کہ میں نے آپ کا والا نامہ پڑھا اور جو کچھ آپ نے ذکر فرمایا ہے اور جس چیز کی آپ نے دعوت دی ہے اس کو سمجھا۔ مجھے پہلے سے معلوم تھا کہ ایک نبی کی آمد باقی ہے۔ لیکن میرا خیال تھا کہ وہ ملک شام میں تشریف لائیں گے (حجاز میں تشریف لانے کا گمان نہ تھا) میں نے آپ کے قاصد کا اعزاز و اکرام کیا اور اس کے ساتھ آپ کی خدمت میں دو باندیاں ہدیۃً (ماریہ اور سیرین) بھیج رہا ہوں جو قوم قبط میں اپنا ایک مقام رکھتی ہیں۔ نیز کپڑے بھی بھیج رہا ہوں اور ایک خچر بھی آپ کی سواری کے لئے ارسالِ خدمت ہے۔

والسلام

یہ تمام تفصیل مواہب لدنیہ میں لکھی ہے اور اس کے بعد یہ بھی لکھا ہے کہ مقوقس نے سیّد عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا والا نامہ پہنچنے پر بس یہی کیا کہ آپؐ کی تعریف کی اور اپنے ایک مکتوب کے ساتھ مندرجہ بالا چیزیں ہدیۃً بھیج دیں۔ البتہ اسلام قبول نہیں کیا۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ تعالیٰ نے الاصابہ میں حضرت ماریہؓ کے تذکرہ میں لکھا ہے کہ مقوقس نے ۷ھ میں ماریہ اور ان کی بہن سیرین اور ہزار مثقال سونا اور بیس تھان کپڑا اور ایک خچر (جسے دلدل کہتے تھے) اور ایک گدھا جسے عفیر یا یعفور کہا جاتا تھا اور ایک مرد بوڑھا جو خصی تھا اور ماریہ کا بھائی تھا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حضرت حاطبؓ کے ساتھ ہدیۃً بھیجا (راستہ میں) حضرت حاطبؓ نے حضرت ماریہ اور ان کی بہن سیرین رضی اللہ عنہما کو اسلام کی ترغیب دی۔ چنانچہ وہ مسلمان ہوگئیں۔

لیکن وہ بڑے میاں مسلمان نہ ہوئے بلکہ بعد میں انہوں نے سیّد عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ ہی میں مدینہ منورہ میں اسلام قبول کیا[1]

جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم تک یہ چیزیں پہنچ گئیں تو آپ نے حضرت ماریہ رضی اللہ عنہا کو اپنے پاس رکھ لیا اور ان کی بہن سیرین رضی اللہ عنہا ہدیۃً حضرت حسان رضی اللہ عنہ کو دے دی۔ حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ جو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے صاحبزادے تھے حضرت ماریہ رضی اللہ عنہا سے پیدا ہوئے ان کی ولادت بماہ ذی الحجہ ۸ھ میں مدینہ منورہ سے کچھ دور ایک بستی میں ہوئی (جسے عالیہ کہتے تھے) حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ان کی ولادت سے بہت مسرور ہوئے اور ساتویں روز عقیقہ فرمایا اور ان کے بالوں کے برابر چاندی صدقہ کی اور دودھ پلانے کے لئے حضرت ام سیف رضی اللہ عنہا کے سپرد کیا۔ ان کے شوہر انصاری تھے جو لوہار کا کام کرتے تھے[2]

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے تھے کہ میں نے کسی کو اہل وعیال کے ساتھ رحمت وشفقت کا برتاؤ کرنے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑھ کر نہیں دیکھا۔ آپ کا صاحبزادہ شیرخوار ابراہیم رضی اللہ عنہ مدینہ منورہ سے دور ایک بستی میں دودھ پیتا تھا۔ آپ وہاں تشریف لے جایا کرتے تھے اور ہم آپ کے ساتھ ہوتے تھے۔ جن صاحب کی بیوی دودھ پلاتی تھی وہ لوہار کا کام کرتے تھے۔ بھٹی گرم کرنے کی وجہ سے گھر دھوئیں سے بھر جاتا تھا اور آپ اسی دھوئیں میں جاکر بیٹھ جاتے تھے اور بچہ کو لے کر چومتے[3] تھے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ اسی سلسلہ کا ایک واقعہ یہ بھی بیان فرماتے تھے کہ ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے بچہ ابراہیم (رضی اللہ عنہ) کو دیکھنے کے لئے تشریف لے چلے میں بھی ساتھ ہوگیا۔ جب ان صاحب کے قریب پہنچے جن کی بیوی صاحبزادہ کو دودھ پلاتی تھی تو (میں نے دیکھا) وہ بھٹی گرم کر رہے ہیں اور سارا گھر دھوئیں سے بھرا ہوا ہے۔ میں جلدی سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے آگے بڑھا اور ان صاحب

---

[1] الاصابہ ۱۲۔ [2] اسد الغابہ والاصابہ ۱۲۔ [3] مسلم شریف ۱۲۔

سے کہا کہ اے ابو سیف ذرا ٹھہرو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے ہیں میری توجہ دلانے سے انہوں نے بھٹی دھونکنا چھوڑ دیا۔ وہاں پہنچ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بچہ کو منگا کر چمٹالیا اور (اس وقت کے مناسب پیار و محبت میں) مشیتِ خداوندی کے موافق (بہت کچھ) فرمایا[1]۔

حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ نے ۱۶ یا ۱۷ ماہ کی عمر پاکر وفات پائی[2] واقدیؒ نے ان کی عمر ۱۸ ماہ اور بعض علماء نے ۱۶ مہینے اور ۱۸ روز بتائی ہے[3]۔

حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ کی وفات کے وقت سیّد عالم صلی اللہ علیہ وسلم وہیں موجود تھے۔ ان کے آخری سانس جاری تھے کہ سیّد عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھوں سے آنسو جاری ہوگئے۔ اس وقت حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ بھی حاضر تھے۔ انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مبارک آنکھوں سے آنسو جاری ہونے کو تعجّب سے دیکھا اور ان کے دل میں خیال آیا کہ اوّل تو آپ رونے سے منع فرماتے ہیں اور یوں بھی آپ مقرب الٰہی ہیں آپؐ کو دنیا کی نعمت چلے جانے پر رونا کیوں آیا (یہ سوچ کر) سوال کیا کہ یا رسول اللہ! آپؐ بھی روتے ہیں؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے عوف کے بیٹے! (یہ آنکھوں سے آنسو آجانا نہ بے صبری ہے نہ منع ہے نہ تعجب کرنے کی چیز ہے بلکہ فطری طور پر جو انسان کے دل میں رحمت اور شفقت اللہ تعالیٰ نے رکھی ہے) یہ (اس) رحمت (کا اثر) ہے اس کے بعد پھر اندر سے آپؐ کا دل بھر آیا اور دوبارہ رونے لگے اور یوں فرمایا:۔

ان العین تدمع والقلب یحزن ولا نقول الا ما یرضی ربنا وانا بفراقک یا ابراھیم لمحزونون۔

بے شک آنکھوں میں آنسو ہیں اور دل میں رنج ہے اور زبان سے ہم کوئی ایسی بات نہیں کہتے جو اللہ تعالیٰ کی رضا کے خلاف ہو۔ ہم وہی کہتے ہیں جس سے ہمارا رب راضی ہو۔ اور تیری جدائی سے اے ابراہیم ہم کو رنج ہے۔

---

[1] مسلم شریف ۱۲۔ [2] شرح مسلم للنووی ۱۲۔ [3] اسد الغابہ ۱۲

پھر اسی وقت حضرت ابراہیم رضی اللہ تعالےٰ عنہ کی وفات ہوگئی۔ ان کی وفات پر سیّد عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میرا بچّہ دودھ پینے کے زمانہ میں دنیا سے رخصت ہوگیا ہے اور یقین جانو اس کے لئے اللہ تعالےٰ کی طرف سے دو دودھ پلانے والیاں مقرر کی گئیں جو جنّت میں دودھ پلاکر اس مدّت کو پورا کریں گی جو دودھ پلانے کی ہوتی ہے[1]

مدت رضاعت کی تکمیل کرانے کے لئے اللہ تعالےٰ کی طرف سے اس بچّہ اور اس کے والدِ مکرم صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کی عزت افزائی کے لئے خصوصی طور پر دو دودھ پلانے والیاں مقرر کی گئیں اور اس بچّہ کو دنیا سے رخصت ہوتے ہی جنّت میں بھیج دیا گیا[2] قال فی شرح المواھب و تقدم الخبر (فی قوله ان له ظئرین) اشارة الی اختصاص ھذا الحکم الخ۔

وفات کے بعد سیّد عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے بچّہ کی نمازِ جنازہ خود پڑھائی اور جنت البقیع میں حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ کی قبر کے پاس دفن فرمایا۔ حضرت فضل بن عباس رضی اللہ عنہما نے ان کو غسل دیا تھا اور قبر میں رکھنے کے لئے حضرت فضل اور اسامہ بن زید رضی اللہ تعالےٰ عنہم اترے۔ سیّد عالم صلی اللہ علیہ وسلم قبر کے کنارے تشریف فرما رہے۔ دفن کے بعد قبر پر پانی چھڑک دیا گیا اور پہچان کے لئے چند سنگریزے قبر پر رکھ دیئے گئے سب سے پہلے ان ہی کی قبر پر پانی چھڑکا گیا[3]

جاہلیت کے زمانہ میں لوگوں کا خیال تھا کہ کسی بڑے آدمی کے پیدا ہونے یا وفات پانے کی وجہ سے چاند سورج گرہن ہوتے ہیں جس دن حضرت ابراھیم رضی اللہ تعالےٰ عنہ کی وفات ہوئی تو سورج گرہن ہوگیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو دو رکعت نماز بڑی لمبی پڑھائی۔ پھر جب گرہن ختم

---

[1] مسلم شریف ۱۲۔ [2] شرح نووی علی المسلم ۱۲۔ [3] اسد الغابہ مشکوٰۃ شریف ۱۲۔

ہو گیا تو حاضرین سے فرمایا کہ چاند سورج اللہ کی نشانیوں میں سے دو نشانیاں ہیں. ان کے (گرہن سے) ذریعہ اللہ تعالےٰ اپنے بندوں کو ڈراتے ہیں اور یقین جانو کہ ان کا گرہن کسی کے مرنے اور پیدا ہونے کی وجہ سے نہیں ہوتا جب ایسا موقع آئے تو نماز میں مشغول ہو جاؤ اور اس حالت کے دور ہونے تک نماز میں مشغول[1] رہو۔

حضرت ماریہ رضی اللہ عنہا اپنے بچہ کی وفات کے بعد برسوں زندہ رہیں. حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالےٰ عنہ (بیت المال سے) ان کا خرچ اٹھاتے تھے. ان کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بھی اپنے زمانۂ خلافت میں یہ سلسلہ جاری رکھا. حتیٰ کہ محرم ۱۶ھ میں حضرت ماریہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا نے وفات پائی. حضرت عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے ان کے جنازہ کی شرکت کا اہتمام کیا کہ لوگوں کو باقاعدہ خود اکٹھا کیا اور نمازِ جنازہ پڑھائی اور جنت البقیع میں دفن[2] کی گئیں. رضی اللہ تعالےٰ عنہا وعن ولدہا۔

فائدہ

حضورِ اقدس صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم اللہ تعالےٰ کی طرف سے اس لئے بھیجے گئے کہ امّت کو عمل سے اور قول سے ہر طرح کی تعلیم دیں. چنانچہ آپؐ کی زندگی میں ہر طرح کے حالات پیش آئے جو امّت کے لئے نمونہ ہیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات اور ارشادات سے امّت کو ہر شعبۂ زندگی میں عمل کرنے کے لئے سبق ملتا ہے. حضرت ابراہیم رضی اللہ تعالےٰ عنہ کے واقعہ ہی کو لے لیجیے. اس میں بہت سے احکام و آداب ملتے ہیں۔

(۱) بچوں کو چومنا، چمٹانا، پیار کرنا، دین داری کے خلاف نہیں ہے بلکہ سیّد عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنّت ہے. اپنی اولاد کی خیر خبر اور دیکھ بھال کے لئے ان کے پاس آنا جانا بھی عین دینداری ہے۔

---

[1] نسائی شریف واسد الغابہ ۱۲ [2] الاصابہ ۱۲

(۲) بچوں کو اُن کی ماں کے علاوہ غیر عورت سے دودھ پلوانا درست ہے۔
(۳) یہ بھی معلوم ہوا کہ اکابر کے ساتھ خدام کا جانا بلکہ موقع کے مناسب ان سے آگے پہنچ کر ان کے بیٹھنے اٹھنے اور آرام کا انتظام کردینا مستحب ہے۔
(۴) اپنی آل اولاد یا عزیز قریب کی وفات پر دل کا رنجیدہ ہونا اور آنسوؤں کا آجانا خلافِ شریعت نہیں ہے بلکہ آنحضرت صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کی سُنّت ہے۔ ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ حالت اہلِ کمال حضرات کے نزدیک ان مشائخ کے حالات سے بہتر اور اکمل ہے جن کے حالات کے بارے میں منقول ہے کہ اپنی اولاد کی وفات پر ہنسے۔

البتہ یہ نادرست اور خلاف شریعت ہے کہ کسی کے وفات پانے پر زبان سے ایسے کلمات نکالے جو کفریہ کلمات ہوں اور جن سے اللہ تعالےٰ پر اعتراض ہوتا ہو۔ رنج اور تکلیف کے موقع پر بھی انسان اللہ تعالےٰ کا بندہ ہے اور اس وقت بھی اس کو احکام شریعت پر عمل کرنا ضروری ہے۔ آج کل کے بہت سے مرد اور عورتیں مصیبت کے وقت اپنے آپ کو بے خود سمجھ کر کفریہ کلمات زبان سے نکالتے ہیں اور کپڑے پھاڑتے ہیں اور زور زور سے روتے ہیں۔

حدیث شریف میں ہے کہ آں حضرت سیّد عالم صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم نے فرمایا :-

لیس منا من ضرب الخدود وشق الجیوب و دعی بدعوی الجاھلیہ۔ رواہ الشیخان وفی روایۃ لمسلم مرفوعا انا بریٔ ممن حلق وصلق وخرق۔

وہ ہم میں سے نہیں جو (رنج وغم کے موقعہ پر) منہ پیٹے اور گریبان پھاڑے اور جاہلیت کی دہائی دے۔ دوسری روایت میں ہے کہ آپؐ نے فرمایا میں اس سے بری ہوں جو (رنج وغم میں) بال منڈائے یا چلّا کر روئے اور کپڑے پھاڑے۔

(مشکوٰۃ شریف)

الحمدللہ بنات ظاہرات بلکہ تمام اولاد امجاد کے ضروری احوال مکمل ہو گئے۔ اب اس رسالہ کو ختم کرتا ہوں۔ ناظرین سے درخواست ہے کہ فقیر حقیر کو اور اس کے اساتذہ اور والدین کو اپنی دُعاؤں میں ضرور یاد فرمائیں۔

اللّٰھم اجعلنا متبعین لسنۃ نبینا صلی اللہ علیہ وسلم ومھتدین بھدیہ واجعلنا شاکرین لنعمتک مثنین بھا قابلیھا واتمھا علینا واجعلنا مفلحین برحمتک یا ارحم الراحمین ۰ وصلی اللہ تعالٰی علٰی خیر خلقہ سیّدنا وسندنا محمّد وآلہ وصحبہ اجمعین ۰

ضمیمہ

چالیس حدیثیں

جن کا زیادہ تر تعلق عورتوں سے ہے

مُعلّمِ انسانیّت حضرت محمّد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

① فرمایا کہ جب بندہ نے نکاح کر لیا تو نصف دین کامل کر لیا۔ اب اس کو چاہیئے کہ باقی نصف میں خدا سے ڈرے۔ (بیہقی)

② فرمایا کہ جب کوئی دیندار اور خوش خلق تمہارے یہاں نکاح کا پیام بھیجے تو اس سے نکاح کر دو ورنہ زمین میں فتنہ اور بڑا فساد ہوگا۔ (ترمذی)

③ فرمایا کہ تین شخصوں کی مدد خدا کے ذمہ ہے (۱) وہ غلام مکاتب[۱] جس کی نیّت ادائیگی کی ہو (۲) وہ نکاح کرنے والا جس کی نیّت پاک دامن رہنے کی ہو۔ (۳) اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والا۔ (ایضاً)۔

④ فرمایا کہ چار چیزیں دیکھ کر عورت سے نکاح کیا جاتا ہے۔ (۱) مال (۲) خاندانی بڑائی (۳) خوبصورتی (۴) دینداری۔ پس تم دیندار عورت حاصل کر کے کامیاب بنو۔ (بخاری و مسلم)

---

[۱] مکاتب وہ غلام جس کا آقا مخصوص رقم لے کر آزاد کرنے کا وعدہ کر لے ۱۲

۵) فرمایا کہ جب کبھی کوئی غیر مرد کسی عورت کے ساتھ تنہائی میں ہوتا ہے تو وہاں ضرور تیسرا شیطان (بھی) ہوتا ہے۔

۶) فرمایا کہ میری جانب سے عورتوں کے ساتھ بھلائی سے پیش آنے کی وصیت قبول کر لو۔ (مشکوٰۃ)

۷) فرمایا کہ عورت ٹیڑھی پسلی سے پیدا ہوئی ہے۔ کسی طرح سیدھی نہیں ہو سکتی۔ اس کی کجی کے ہوتے ہوئے ہی اس سے نفع حاصل کر سکتے ہو۔ اگر اس کو سیدھی کرنے لگو گے تو توڑ دو گے اور عورت کا توڑنا طلاق دے دینا ہے۔ (مسلم)

۸) فرمایا کہ اپنی عورت کو غلام کی طرح نہ مارو (کیونکہ) آخر شام کو اس کے ساتھ لیٹو گے۔ (مشکوٰۃ)

۹) فرمایا کہ بلا شبہ کامل ایمان والے مومن وہ بھی ہیں جو خوش خلق ہیں اور اپنی بیویوں کے ساتھ نرمی کا برتاؤ رکھتے ہیں۔ (ترمذی)

۱۰) فرمایا کہ جس کو یہ چار چیزیں مل گئیں اس کو دنیا و آخرت کی بھلائی مل گئی۔ (۱) شکر گزار دل (۲) اللہ کی یاد میں مشغول رہنے والی زبان (۳) مصیبت پر صبر کرنے والا بدن (۴) امانت دار بیوی جو اپنے نفس اور شوہر کے مال میں خیانت نہ کرے۔ (مشکوٰۃ)

۱۱) فرمایا کہ طلاق سے زیادہ بغض والی کوئی چیز خدا نے زمین پر پیدا نہیں فرمائی۔ (مشکوٰۃ)

۱۲) فرمایا کہ کوئی شخص اپنے بھائی کی منگنی پر منگنی نہ کرے۔ یہاں تک کہ وہ نکاح کر لے یا چھوڑ دے۔ (ایضاً)

۱۳) فرمایا کہ وہ شخص ملعون ہے جو اپنی عورت سے اغلام کرے۔ (احمد ابوداؤد)

۱۴) فرمایا کہ جس کی دو بیویاں ہوں اور وہ ان دونوں میں برابری نہ کرتا ہو تو قیامت کے روز اس حال میں آئے گا کہ اس کا ایک پہلو گرا ہوا ہو گا۔ (ترمذی)

۱۵) فرمایا کہ جب مرد اپنی بیوی کو اپنے بستر پر بلائے اور وہ نہ آئے جس کی وجہ سے

مرد ناراضگی میں رات گذارے تو صبح تک عورت پر فرشتے لعنت کرتے رہیں گے۔
(مشکوٰۃ)

(۱۶) فرمایا کہ جو عورت اپنے شوہر کو راضی چھوڑ کر مرے وہ جنت میں داخل ہوگی۔
(مشکوٰۃ)

(۱۷) فرمایا کہ جب عورت پانچ وقت کی نماز پڑھے اور روزے رمضان کے رکھے اور اپنی عصمت محفوظ رکھے اور اپنے شوہر کی اطاعت کرے تو جنت کے جس دروازے سے چاہے جنت میں داخل ہوجائے۔ (ایضاً)

(۱۸) فرمایا کہ جب مرد اپنی حاجت کے لئے بیوی کو بلائے تو آجائے اگرچہ تنور پر کام کررہی ہو۔ (ترمذی)

(۱۹) فرمایا کہ وہ شخص ہم میں سے نہیں ہے جو کسی عورت کو اس کے شوہر کے خلاف یا غلام کو اس کے آقا کے خلاف بھڑکائے۔ (مشکوٰۃ)

(۲۰) فرمایا کہ کوئی عورت شوہر کی اجازت کے بغیر (نفلی) روزے نہ رکھے جب کہ شوہر گھر پر ہو۔ (ابوداؤد)

(۲۱) فرمایا کہ تین شخصوں کی نہ نماز قبول ہوتی ہے، نہ ان کی کوئی نیکی اوپر جاتی ہے (۱) بھاگا ہوا غلام جب تک واپس آکر اپنے آقا کے ہاتھ میں ہاتھ نہ دے دے۔ (۲) وہ عورت جس سے اس کا شوہر ناراض ہو (۳) نشہ پی کر بے ہوش ہوجانے والا جب تک ہوش میں نہ آئے۔ (مشکوٰۃ)

(۲۲) فرمایا کہ جو عورت بغیر مجبوری کے اپنے شوہر سے طلاق کا سوال کرے اس پر جنت کی خوشبو حرام ہے۔ (ترمذی)

(۲۳) فرمایا (ایک سوال کے جواب میں) کہ بہتر عورت وہ ہے جو اپنے مرد کو خوش کرے۔ جب مرد اس کی طرف دیکھے اور جب مرد حکم کرے تو کہا مانے اور اپنی جان کے بارے میں شوہر کی مخالفت نہ کرے (یعنی غیر سے آنکھ نہ ملائے اور دل نہ لگائے) اور شوہر کے مال میں اس کی مرضی کے خلاف تصرف نہ کرے۔ (مشکوٰۃ)

(۲۴) فرمایا کہ جو شخص قادر ہوتے ہوئے عمدہ کپڑے تواضعاً نہ پہنے خدا اس کو کرامت کا جوڑا پہنائے گا اور جو شخص اللہ کے لئے نکاح کرے خدا اس کو شاہی تاج پہنائے گا۔ (مشکوٰۃ)

(۲۵) فرمایا کہ خدا کی لعنت ہے ان مردوں پر جو عورتوں کے مشابہ بنیں اور خدا کی لعنت ہے ان عورتوں پر جو مردوں کے مشابہ بنیں۔ (مشکوٰۃ)

(۲۶) فرمایا کہ مردوں کی خوشبو ایسی ہو جس کا رنگ نظر نہ آئے اور خوشبو آئے اور عورتوں کی خوشبو ایسی ہو جس کا رنگ نظر آئے اور خوشبو کم آئے۔ (ترمذی)

(۲۷) فرمایا کہ شراب میں سارے گناہ موجود ہیں اور عورتیں شیطان کے جال ہیں اور دنیا کی محبت ہر گناہ کی جڑ ہے۔ (مشکوٰۃ)

(۲۸) فرمایا کہ میں نے جنّت میں نظر ڈالی تو دیکھا کہ اکثر غریب ہیں اور دوزخ میں نظر ڈالی تو دیکھا کہ اس میں اکثر عورتیں ہیں۔ (مشکوٰۃ)

(۲۹) فرمایا کہ اے عورتو! صدقہ کیا کرو اگرچہ زیور ہی سے دو کیونکہ قیامت کے دن دوزخ میں اکثر تم ہی ہوگی۔ (مشکوٰۃ)

(۳۰) فرمایا کہ عورت چھپی ہوئی چیز ہے جب باہر نکلتی ہے تو شیطان اس کو تکنے لگتا ہے۔ (ترمذی)

(۳۱) فرمایا کہ عورتوں کی مکاریوں سے بچو۔ کیونکہ بلاشبہ بنی اسرائیل میں سب سے پہلا فتنہ عورتوں میں کھڑا ہوا۔ (مشکوٰۃ)

(۳۲) فرمایا کہ کوئی مومن اپنی مومن بیوی سے بغض نہ رکھے۔ کیونکہ اگر اس کی ایک خصلت ناپسند ہوگی تو دوسری پسند آجائے گی۔ (ایضاً)

(۳۳) فرمایا کہ جس نے اس عورت کو تسلی دی جس کا بچّہ جاتا رہا ہو تو اس کو جنّت میں چادریں پہنائی جائیں گی۔ (ایضاً)

(۳۴) فرمایا کہ اس عورت پر خدا لعنت کرے جو (کسی کے مرنے پر) زور سے اور بیان کر کے روئے اور اس عورت پر جو اس کا رونا سنے۔ (ایضاً)

(۳۵) فرمایا کہ اے عورتو! سُبْحَانَ اللّٰهِ لَآ اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ اور سُبْحَانَ الْمَلِكِ الْقُدُّوْسِ کا ورد رکھو اور انگلیوں پر پڑھا کرو۔ کیونکہ انگلیوں سے معلوم کیا جائے گا اور ان کو زبان دی جائے گی اور خدا کی یاد سے غافل نہ ہو جاؤ ورنہ رحمتِ خداوندی سے بھلا دی جاؤ گی۔ (ترمذی)

(۳۶) فرمایا کہ خبردار! تم سب کے سب نگہبان ہو۔ اور سب سے اپنی اپنی رعیت[1] کا سوال ہوگا۔ صاحب اقتدار عوام کا نگہبان ہے اس سے اس کی رعیت کا سوال ہوگا اور مرد اپنے گھر والوں کا نگہبان ہے اس سے اس کی رعیت کا سوال ہوگا اور عورت اپنے شوہر کے گھر اور اس کی اولاد کی نگہبان ہے اس سے شوہر کے مال و اولاد کا سوال ہوگا اور غلام اپنے آقا کے مال کا نگہبان ہے اس سے اس کے مال کا سوال ہوگا۔ خبردار تم سب نگہبان ہو اور سب سے اپنی اپنی رعیت کا سوال ہوگا۔ (بخاری و مسلم)

(۳۷) فرمایا کہ جو عورت خوشبو لگا کر مردوں پر گزرے تاکہ اس کی خوشبو سونگھیں تو ایسی عورت زناکار ہے پھر فرمایا کہ ہر آنکھ زناکار ہے (یعنی نامحرم مرد یا عورت کو دیکھنا بھی زنا ہے) (ترغیب)

(۳۸) فرمایا کہ دو گروہ دوزخی ہوں گے جن کو میں نے نہیں دیکھا ہے یعنی ابھی وہ موجود نہیں ہوئے۔ اوّل وہ لوگ جو بیلوں کی دُموں کی طرح کوڑے لئے پھریں گے اور ان سے لوگوں کو ماریں گے۔ دوسرے وہ عورتیں جو کپڑے پہنے ہوں گی (مگر) ننگی ہوں[2] گی۔ مردوں کو اپنی طرف مائل کریں گی اور خود ان کی طرف مائل ہوں گی۔

---

[1] جو چیز کسی کی نگرانی میں دی جائے عربی میں اسے اس شخص کی رعیت کہتے ہیں۔

[2] کپڑے پہنے ہوئے ننگی ہونے کی کئی صورتیں ہیں۔ ایک یہ کہ کپڑے باریک ہوں جن سے بدن نظر آئے۔ دوسرے یہ کہ چست لباس ہو جو بدن کی ساخت کو ظاہر کرتا ہو۔ تیسرے یہ کہ لباس اس قدر کم ہو جو پورے بدن کو نہ ڈھکتا ہو جیسے آج کل کی عورتیں صرف فراک پہن کر رہتی ہیں اور لڑکیوں کو اکثر پہنایا جاتا ہے جس کے نیچے پاجامہ بھی نہیں ہوتا لہٰذا پنڈلیاں اور ساری باہیں سب دیکھتے ہیں۔ العیاذ باللہ۔

ان کے سر اونٹوں کے جھکے ہوئے کوہانوں کی طرح ہوں گے۔ یہ عورتیں جنّت میں داخل نہ ہوں گی اور اس کی خوشبو تک نہ سونگھیں گی۔ (مسلم)

(۳۹) فرمایا کہ جو کچھ تو اپنے آپ کو کھلائے وہ صدقہ ہے اور جو اپنی اولاد کو کھلائے وہ صدقہ ہے اور جو اپنی بیوی کو کھلائے وہ صدقہ ہے اور جو اپنے خادم کو کھلائے وہ صدقہ ہے۔ (احمد)

(۴۰) فرمایا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ اس عورت کی طرف (نظرِ رحمت سے) نہ دیکھے گا جو اپنے شوہر کی شکر گزار نہیں حالانکہ اس کی محتاج رہتی ہے۔ (نسائی)

ضروری مسئلے متعلّقہ

لباس اور زیور

لباس تن ڈھکنے کی چیز ہے اور اس فائدہ کے علاوہ سردی گرمی کا بچاؤ بھی لباس سے ہوتا ہے۔ دین اسلام نے خوبصورت لباس پہننے کی اجازت دی ہے۔ مگر اسی حد تک اجازت ہے جبکہ فضول خرچی نہ ہو اور اتراو اور دکھاوا مقصود نہ ہو اور غیر قوموں کا لباس نہ ہو۔ ایک حدیث شریف میں ہے کہ حضرت رسُولِ مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کھاؤ پیو اور صدقہ کرو اور پہنو جب تک کہ فضول خرچی اور خود پسندی (یعنی مزاج میں بڑائی نہ آئے[1])۔ آج کل مسلمان عورتوں نے لباس پہننے کے بارے میں کئی خرابیاں پیدا کرلی ہیں۔ ہم ان پر تنبیہ کرتے ہیں۔

ایک خرابی یہ ہے کہ باریک کپڑے پہنتی ہیں۔ باریک کپڑا جس سے بدن نظر آئے اس کا پہننا نہ پہننا دونوں برابر ہیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا کی بھتیجی ایک مرتبہ ان کے پاس آئیں۔ ان کی اوڑھنی باریک تھی۔ حضرت عائشہؓ نے وہ اوڑھنی پھاڑ ڈالی اور اپنے پاس سے موٹے کپڑے کی اوڑھنی اُڑھادی۔ (مشکوٰۃ شریف)

حضرت رسول مقبول صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دوزخیوں کے دو گروہ پیدا ہونے والے ہیں جن کو میں نے نہیں دیکھا ہے (کیوں کہ ابھی وہ پیدا نہیں ہوئے ہیں) ایک گروہ ایسا پیدا ہوگا جو بیلوں کی دموں کی طرح (لمبے لمبے) کوڑے لئے پھریں گے اور ان سے لوگوں کو مارا کریں گے۔ دوسرا گروہ ایسی عورتوں کا پیدا ہوگا جو کپڑے پہنے ہوئے بھی ننگی ہوں گی (غیر مردوں کو) اپنی طرف مائل کریں گی اور خود بھی (ان کی طرف)

---

[1] مشکوٰۃ ۱۲

مائل ہوں گی۔ ان کے سراونٹوں کی جھکی ہوئی کمروں کی طرح ہوں گے۔ یہ عورتیں نہ جنّت میں داخل ہوں گی نہ جنّت کی خوشبو سونگھیں گی[1] دیکھو کیسی سخت وعید ہے کہ ایسی عورتیں جنّت کی خوشبو بھی نہ سونگھ سکیں گی۔ جنّت میں جانے کا تو ذکر ہی کیا ہے۔ کپڑا پہنے ہوئے ننگا ہونے کی کئی صورتیں ہیں۔ ایک صورت یہ ہے کہ کپڑے باریک ہوں اور دوسری صورت یہ ہے کہ تھوڑا سا کپڑا پہن لیں اور جسم کا بہت سا حصّہ کھلا رہے جیسے فراک پہن کر بازاروں میں چلی جاتی ہیں اور سر اور بانہیں اور منہ اور پنڈلی سب کھلی رہتی ہیں۔ اللہ بچائے ایسے لباس سے۔

دوسری خرابی یہ ہے کہ کافر عورتوں کی نقل اتارتی ہیں جو لباس عیسائی لیڈیاں یا سینما میں کام کرنے والی ایکٹرز پہنتی ہیں وہی خود پہننے لگ جاتی ہیں۔ یاد رکھو دوسری قوموں کا لباس پہننا سخت گناہ ہے۔ ارشاد فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جس نے کسی قوم کی طرح اپنا حال بنایا وہ اُن ہی میں سے ہے[2]

تیسری خرابی یہ ہے کہ نام اور نمود اور بڑائی جتانے اور اپنی مال داری ظاہر کرنے کے لئے اچھا اچھا لباس پہنتی ہیں۔ نام و نمود بُری چیز ہے۔ ارشاد فرمایا حضرت رسولِ مقبول صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم نے کہ جس نے دنیا میں نام ہونے کے لئے کپڑا پہنا قیامت کے روز اللہ تعالےٰ اس کو ذلّت کا لباس پہنائیں گے[3]۔

چوتھی خرابی یہ ہے کہ بلا ضرورت کپڑے بناتی رہتی ہیں۔ فیشن والے نئے نئے ڈیزائن نکالتے رہتے ہیں جہاں کسی عورت کو دیکھا کہ نئی وضع کا کپڑا پہنے ہوئے ہے بس اب شوہر کے سر ہو جائیں گی۔ ادھار قرض کر کے جیسے بھی ہو اس قسم کا لباس بنا دے۔ یہ فضول خرچی اور شوہر کے ستانے کی باتیں ہیں جسم چھپانے کے لئے اور سردی گرمی سے بچنے کے لئے شرع کے مطابق لباس پہنو۔ دو تین جوڑے ہوں اسی پر بس کرو۔ بلا ضرورت شوہر کو لوہے کے چنے چبوانا بری بات اور سخت عیب ہے۔ پھر یہ مصیبت بھی ہے کہ اگرچہ کئی جوڑے رکھے ہیں مگر ملنے جلنے کے لئے ہر موقعہ پر

---

[1] مشکوٰۃ شریف ۱۲ ۔ [2] ایضاً ۱۲ ۔ [3] ایضاً ۱۲

نیا جوڑا پہننا ضروری سمجھتی ہیں۔ یہ خیال ہوتا ہے کہ دیکھنے والی عورتیں کہیں گی کہ اس کے پاس بس یہی تین چار جوڑے ہیں۔ ان ہی کو بار بار پہن کر آجاتی ہے۔ صرف ناک اونچی کرنے اور بڑائی جتانے کے لئے شوہر کو ستاتی ہیں اور تقاضہ ہے کہ اور کپڑے بنادے۔ اگر اس نے خیال نہ کیا تو جو روپیہ اس نے کسی سخت ضرورت کے لئے یا کسی کا قرض دینے کے لئے رکھا تھا چپکے سے نکال کر کپڑا خرید لیا۔ اب شوہر پریشان ہوتا ہے۔ جس کا قرض تھا اس کے سامنے ذلیل ہوتا ہے یا اور کسی بڑی پریشانی میں پڑ جاتا ہے۔ خبردار! ایسامت کیا کرو۔

بُرقعہ | سر سے پاؤں تک جسم چھپانے کے لئے بہترین چیز ہے مگر اب ایسا برقعہ بننے لگا ہے کہ اس پر بیل بوٹے بنائے ہوتے ہیں جس کا مطلب یہ ہوا کہ جو نہ دیکھے وہ بھی دیکھے۔ کچھ تو کسی کا خیال ہماری طرف آوے۔ توبہ! توبہ! پردہ کیا ہوا نظر کھینچنے والا کپڑا بن گیا اور بہت سی عورتیں ایسا اونچا برقعہ پہنتی ہیں کہ شلوار یا ساڑھی جو پنڈلیوں پر ہوتی ہے سب کو نظر آتی ہے اور پاؤں بھی دیکھتے ہیں۔ ایسا برقعہ مت پہنو خوب نیچا برقعہ پہنو۔ اور بہت سی عورتیں برقعہ کے اندر سے دوپٹہ کا کچھ حصّہ باہر کو لٹکا دیتی ہیں یہ بھی بُری حرکت ہے وہ کیا پردہ ہوا جس سے غیر کی نظر اپنی طرف متوجہ ہوئی۔ ساڑھی اگر پہنو تو اتنی نیچی پہنو کہ پنڈلیاں اور ٹخنے چھپے رہیں اور پوری آستین کا کرتا یا قمیص پہن کر جو اتنا لمبا ہو کہ پیٹ اور کمر نہ کھلے، اوپر سے ساڑھی پہن لو۔ پیٹ اور کمر کا سخت پردہ ہے۔ اپنے سگے بھائی اور باپ سے بھی ان دونوں کو چھپاؤ۔

زیور | عورتوں کو زیور پہننا جائز ہے لیکن زیادہ نہ پہننا بہتر ہے جس نے دنیا میں نہ پہنا اس کو آخرت میں بہت ملے گا۔

مسئلہ:۔ بجنے والا زیور پہننا درست نہیں اور چھوٹی لڑکی کو پہنانا بھی درست نہیں۔ جیسے جھانجن وغیرہ۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا جو حضرت رسولِ مقبول صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کی بیوی تھیں ان کے پاس ایک عورت آئی ایک بچی کو لے کر اس بچی نے بجنے والا زیور پہن رکھا تھا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا

اس بچی کو میرے پاس ہرگز نہ لانا۔ جب تک کہ اس کا یہ زیور کاٹ کر علیحدہ نہ کر دو۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ جس گھر میں بجنے والے گھونگھرو ہوں اس میں فرشتے داخل نہیں ہوتے[1]۔

مسئلہ:۔ چاندی سونے کے علاوہ کسی دوسری چیز کا زیور پہننا بھی درست ہے۔ جیسے پیتل، گلٹ، رولڈ گولڈ کا زیور مگر انگوٹھی سونے چاندی کے علاوہ کسی دوسری چیز کی درست نہیں۔ اور مردوں کو صرف چاندی کی انگوٹھی پہننا جائز ہے[2]۔ کسی اور چیز کی جائز نہیں چاہے سونا ہو یا اور کوئی دھات ہو۔

مسئلہ:۔ جو چیزیں مردوں کو پہننا جائز نہیں نابالغ لڑکوں کو پہنانا بھی جائز نہیں لڑکوں کو ریشمی کپڑا یا کان میں بالی بُندا یا گلے میں ہنسلی ڈالنا یا چاندی کا تعویذ بنانا یہ سب ناجائز ہے۔

مسئلہ:۔ چاندی سونے کے برتن میں کھانا پینا یا چاندی سونے کے چمچہ سے کھانا یا ان سے بنے ہوئے خلال سے دانت صاف کرنا جائز نہیں ہے۔

مسئلہ:۔ سونے چاندی کی سرمہ دانی یا سلائی سے سرمہ لگانا یا ان کی پیالی سے تیل لگانا یا ایسے آئینہ میں منہ دیکھنا جس کا فریم سونے یا چاندی کا ہو یہ سب ناجائز ہے۔ مردوں اور عورتوں سب کا ایک حکم ہے۔

تنبیہ:۔ زیور پہن کر دکھاوا کرنا اور بڑائی جتانا سخت گناہ ہے۔ بہت سی عورتیں زیور پہن کر ترکیبوں سے اپنا زیور ظاہر کرتی ہیں، گرمی لگنے کے بہانے سے گلے کا ہار اور کانوں کے بندے دکھاتی ہیں۔ کوئی نہ پوچھے تو طرح طرح کی باتیں چھیڑ کر اپنے بُندوں کی قیمت اور ڈیزائن کا انوکھا ہونا ظاہر کرتی ہیں اور مال داری کی بڑائی جتاتی ہیں یہ سخت گناہ ہے۔

حدیث شریف میں ہے کہ حضرت رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں سے فرمایا کیا تم چاندی کے زیور سے گزارہ نہیں کر سکتی ہو؟ (پھر فرمایا کہ) جو عورت تم میں سے سونے کا زیور پہن کر (بڑائی جتانے کے لئے) دکھائے گی تو اس کی وجہ سے اس کو عذاب دیا جائے گا۔

(مشکوٰۃ شریف) اَللّٰھُمَّ احْفَظْنَا

آمین یا ربّ العٰلمین برحمتک یا ارحم الراحمین

---

[1] مشکوٰۃ شریف ۱۲ [2] بشرطیکہ ۴½ ماشہ سے کم ہو ۱۲۔

"صلاۃِ قصر"

نماز اسلام کا رکنِ ثانی ہے اور تمام عبادات میں اس کی اہمیّت سب سے زیادہ ہے فرض نمازوں کے علاوہ بھی نبی کریم علیہ الصّلاۃ والتسلیم نے بہت سی نمازیں امّت کو سکھائی ہیں۔ سیرتِ طیّبہ کا یہ بھی ایک اہم پہلو ہے لہٰذا اس کو بھی سیرت سرورِ کونین صلّی اللہ علیہ وسلّم میں شامل کیا جا رہا ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ نماز شروع میں دو دو رکعتیں فرض کی گئیں تھیں (یعنی نماز مغرب کے علاوہ ہر فرض نماز دو دو رکعت ہی پڑھی جاتی تھی) پھر جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ منورہ ہجرت فرمائی تو (ظہر عصر اور عشار کی نماز میں) اضافہ کر دیا گیا اور ان تین اوقات کی نماز میں چار رکعت پڑھنا فرض قرار دے دیا گیا اور قصر نماز حسب سابق دو رکعت ہی اپنے حال پر چھوڑ دی گئی۔ (رواہ البخاری و مسلم)

سورۃ النسار میں فرمایا:

وَاِذَا ضَرَبْتُمْ فِی الْاَرْضِ فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَقْصُرُوْا مِنَ الصَّلٰوةِ اِنْ خِفْتُمْ اَنْ يَّفْتِنَكُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا اِنَّ الْكَافِرِيْنَ كَانُوْا لَكُمْ عَدُوًّا مُّبِيْنًا ۝	اور جب تم زمین میں سفر کرو تو تم پر کوئی گناہ نہیں کہ نماز میں قصر کر لو، اگر تم کو اس بات کا خوف ہے کہ کافر لوگ تمہیں فتنہ میں ڈال دیں گے بے شک کافر تمہارے کھلے ہوئے دشمن ہیں۔ (آیت: ۱۰۱)

اس آیت میں سفر میں نماز قصر کی اجازت دی ہے، ظہر عصر اور عشار کی چار رکعتیں پڑھی جائیں، نماز فجر اور نماز مغرب میں قصر نہیں ہے۔ ان کو سفر میں بھی پورا ہی پڑھنا فرض ہے۔

قرآن مجید کے انداز بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر کافروں کے فتنے میں ڈالنے یعنی تکلیف پہنچانے کا اندیشہ ہو تو نماز قصر کرنے کی اجازت ہے۔ اسی لئے حضرت یعلی بن امیہ نے حضرت عمرؓ سے عرض کیا کہ اللہ تعالیٰ نے تو یوں ارشاد فرمایا ہے:

اَنْ تَقْصُرُوْا مِنَ الصَّلٰوةِ اِنْ خِفْتُمْ اَنْ يَّفْتِنَكُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا

(جس سے معلوم ہو رہا ہے کہ امن و امان ہو تو قصر نہ ہو) اب تو امن و امان ہو گیا

(لہٰذا پوری پڑھنی چاہیئے) حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ مجھے بھی اس بات سے تعجب ہوا تھا، جس سے تمہیں تعجب ہو رہا ہے (کہ اب تو امن و امان ہے۔ لہٰذا پوری نماز پڑھا کریں) میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہی سوال کیا تھا، آپؐ نے فرمایا کہ یہ اللہ کی طرف سے تم پر صدقہ ہے لہٰذا اللہ کا صدقہ قبول کرو۔ (رواہ مسلم ص ۲۴۱ ج ۱)

اس سے معلوم ہوا کہ کافروں کی طرف سے فتنے میں ڈالنے کی شرط جو الفاظ قرآن سے مفہوم ہو رہی ہے یہ شرط ابتداءً تھی، بعد میں یہ شرط نہیں رہی اور نماز قصر مستقل ایک حکم بن گئی اور مسافت قصر کے سفر پر ہی قصر کا مدار رہ گیا۔ کسی قسم کا کوئی خوف اور کافروں کی فتنہ گری نہ ہو تب بھی چار رکعت والی نماز قصر ہی پڑھی جائے حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ سے مدینہ کا سفر فرمایا اللہ کے سوا کسی کا ڈر نہ تھا آپ دو دو رکعتیں ہی پڑھتے رہے۔ (مجمع الزوائد ص ۱۵۶ ج ۲)

حضرت حارثہ بن وہبؓ نے بیان فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ منیٰ میں دو رکعتیں پڑھیں اور یہ اس وقت کی بات ہے جبکہ لوگ خوب امن و امان میں تھے۔ (رواہ مسلم ص ۲۴۳ ج ۱)

حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے فرمایا کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سفر میں رہا ہوں آپؐ نے دو رکعتوں سے زیادہ (چار رکعت والی فرض) نماز نہیں پڑھی۔ یہاں تک کہ آپؐ کی وفات ہوگئی اور حضرت ابوبکرؓ کے ساتھ رہا ہوں انہوں نے سفر میں دو رکعتوں سے زیادہ (فرض) نماز نہیں پڑھی اور حضرت عمرؓ کے ساتھ رہا ہوں انہوں نے بھی سفر میں دو رکعتوں سے زیادہ (فرض) نماز نہیں پڑھی یہاں تک کہ اللہ نے آپ کو اٹھا لیا اور حضرت عثمانؓ کے ساتھ رہا ہوں انہوں نے بھی سفر میں دو رکعت سے زیادہ (فرض) نماز نہیں پڑھی یہاں تک کہ اللہ نے آپ کو اٹھا لیا اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ (البتہ تمہارے لئے اللہ کے رسول کی ذات شریفہ میں اسوہ حسنہ یعنی اچھی اقتدا ہے) (صحیح مسلم ص ۲۴۲ ج ۱)

حضرت عثمانؓ اپنے آخری زمانہ خلافت میں چار رکعتیں پڑھنے لگے تھے (صحیح مسلم ص ۲۴۳ ج ۱)

اس پر لوگوں کو اشکال ہوا تو جواب میں کہا گیا کہ انہوں نے تاویل کرلی ہے۔ یہ تاویل خود حضرت عثمانؓ سے مروی ہے۔ مجمع الزوائد ص ۱۵۶ ج ۲ میں مسند احمد سے نقل کیا ہے کہ عبدالرحمٰن بن ابی ذباب نے بتایا کہ حضرت عثمانؓ نے منیٰ میں چار رکعت نماز پڑھائی تو لوگوں نے اس کو اچھا نہیں جانا حضرت عثمانؓ نے جب لوگوں کی طرف سے انکار دیکھا تو فرمایا کہ میں نے مکّہ میں وطن بنا لیا ہے اور میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ جو شخص کسی شہر میں وطن بنالے تو وہاں مقیم والی نماز پڑھے۔ حاضرین کا استنکار (جن میں حضرات صحابہ کرامؓ بھی تھے) اور حضرت عثمانؓ کا تاویل کرنا اور وطن بنانے کی نیّت کر کے چار رکعت پڑھنا یہ اس بات کی دلیل ہے کہ وہ حضرات قصر کو اس مسافر کے لئے واجب سمجھتے تھے جس کے لئے قصر مشروع ہے۔ حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا یہی مذہب ہے، اگر کوئی شرعی مسافر جس کے لئے قصر کرنا مشروع ہے تنہا نماز پڑھے یا مسافر کے پیچھے نماز پڑھے اور دو رکعت کے بجائے چار رکعت پڑھ لے تو اگر بیچ میں پہلا قعدہ کیا تھا تو نماز لوٹانے کی ضرورت نہیں اور اگر درمیان کا قعدہ چھوڑ دیا تو حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک سجدہ سہو سے تلافی نہ ہوگی کیونکہ پہلا قعدہ ہی اس کے لئے آخری قعدہ تھا اور آخری قعدہ امام صاحب موصوف کے نزدیک فرض ہے فرض چھوٹ جانے کی سجدہ سہو سے تلافی نہیں ہوئی۔

حضرت انسؓ نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مدینہ منورہ میں ظہر کی چار رکعتیں پڑھیں اور نماز ظہر پڑھ کر سفر کے لئے روانہ ہوگئے تو ذی الحلیفہ میں عصر کی دو رکعتیں پڑھیں۔ (البخاری و مسلم)

ذوالحلیفہ اہل مدینہ کی میقات ہے جو مدینہ منورہ سے تقریباً نو دس کلو میٹر ہے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے وہاں نماز عصر پڑھی تو دو رکعت پڑھی اس سے معلوم ہوا کہ جب سفر میں جانے لگے جس میں قصر جائز ہو اور اپنے شہر یا بستی سے باہر نکل جائے تو اسی وقت سے نمازِ قصر کرنا جائز ہے۔ یہ ضروری نہیں کہ مسافت قصر پر پہنچ کر ہی قصر نماز پڑھی جائے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مدینہ منورہ سے مکہ معظمہ کے لئے روانہ ہوئے اور آپؐ چار رکعت والی نماز دو رکعات پڑھاتے تھے یہاں تک کہ ہم واپس مدینہ منورہ پہنچ گئے، کسی نے معلوم کیا کہ مکہ معظمہ میں کتنے دن قیام کیا جواب دیا کہ دس دن قیام کیا۔ (رواہ البخاری ومسلم)

مسئلہ: مسافر جب مقیم کے پیچھے نماز پڑھے تو پوری نماز پڑھے اس میں قصر نہیں اور تنہا نماز پڑھے (یا مسافر کے پیچھے) تو دو رکعت پڑھے۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما امام کے پیچھے چار رکعت ہی پڑھتے تھے۔ سفر میں مقیم کا یہی عمل تھا۔ (رواہ البخاری)

مسئلہ: اگر مسافر نماز پڑھائے تو جو لوگ مقیم ہوں امام کے دو رکعت پر سلام پھیرنے کے بعد اپنی نماز پوری کریں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فتح مکہ کے موقع پر جب نماز پڑھاتے تھے تو سلام پھیر کر اعلان فرما دیتے تھے اَتِمُّوا صَلَاتَکُمْ فَاِنَّا قَوْمٌ سَفَرٌ "اپنی نمازیں پوری کر لو۔

مسئلہ: سفر میں سنتیں اگر نہ پڑھیں جبکہ سواری نکل جانے کا یا کسی مشقت میں پڑ جانے کا قوی احتمال ہو تو سنتیں چھوڑ دینا جائز ہے۔ امن و امان اور سہولت کے ہوتے ہوئے پڑھ لیا کریں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نفل نماز بھی سفر میں پڑھ لیتے تھے بلکہ سواری کو قبلہ رُخ کر کے نماز غیر فرض شروع فرما دیتے تھے، تکبیر تحریمہ فرما کر نماز شروع فرما دیتے اور سواری کا رُخ جس جانب ہوتا وہ چلتی رہتی۔ (رواہ ابو داؤد)

فائدہ:۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ظہر عصر اکٹھی پڑھنا اور مغرب اور عشاء اکٹھی پڑھنا بھی روایات احادیث میں وارد ہوا ہے۔ حضرت امام ابو حنیفہؒ نے آیت شریفہ اِنَّ الصَّلٰوۃَ کَانَتْ عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ کِتَابًا مَّوْقُوْتًا کے پیش نظر جمع حقیقی کی اجازت نہیں دی جمع صوری کی اجازت دی ہے دیگر ائمہ کے نزدیک جمع حقیقی بھی جائز ہے، لما کانت روایات الجمعی الحقیقی

كانت أخبار احاد لم يعمل بها أبوحنيفة لأنها تعارض الآية الكريمة التي ذكرناها.

مسافت قصر کتنی ہے؟ یہ بھی ایک اختلافی مسئلہ ہے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اگر متوسط رفتار سے تین دن کا سفر ہو جو زمانہ قدیم میں تیز سواریوں سے پہلے پیدل یا اونٹوں پر طے کیا جاتا تھا ایسے سفر میں جائے تو قصر کرنا درست ہے اس سے کم میں جائز نہیں اس مسافت کا حساب حضرات اکابر نے ۴۸ میل لگایا تھا جس کے ۸۵ کیلومیٹر ہوتے ہیں اتنی مسافتِ سفر کے لئے نکلے تو قصر کرے اگرچہ ہوائی جہاز یا موٹر کار سے جائے۔

صلوٰۃ الضحیٰ

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو عبادت کا بہت ذوق تھا، نماز فجر پڑھ کر اسی جگہ بیٹھے ہوئے اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے رہیں پھر سورج چڑھنے پر دو رکعت پڑھ لیں اس کا بہت بڑا ثواب بتایا ہے جو ان ہی اوراق میں گزر چکا ہے۔ اس نماز کو ہمارے عرف میں صلوٰۃ الاشراق کہتے ہیں اس نماز کے تقریباً گھنٹہ ڈیڑھ گھنٹہ کے بعد چاشت کا وقت شروع ہو جاتا ہے کتبِ حدیث میں اسے صلوٰۃ الضحیٰ سے تعبیر کیا گیا ہے۔

صحیح مسلم میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا صَلٰوۃُ الْاَوَّابِیْنَ حِیْنَ تَرْمَضُ الْفِصَال (یعنی اوّابین کی نماز اس وقت ہے جب اونٹ کے بچوں کے پاؤں جلنے لگیں یعنی گرمی کے زمانہ میں دھوپ میں تیزی آجائے) اوّابین جمع اوّاب کی ہے جس کا معنی ہے اللہ تعالیٰ کی طرف خوب رجوع کرنے والا) چونکہ یہ وقت کام کاج کا ہوتا ہے دنیاوی مشغولیت زیادہ ہوتی ہے۔ اس لئے اس وقت کی نماز کو صَلٰوۃُ الْاَوَّابِیْنَ فرمایا یا یہ ان لوگوں کی نماز ہے جو اپنے رب کی طرف خوب زیادہ رجوع کرنے والے ہیں۔ عامۃ المسلمین کی زبانوں پر مغرب کے بعد والے نوافل کا نام صلاۃ الاوابین معروف و مشہور ہے ہے تو وہ

بھی اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرنے والوں کی نماز، اس لئے اس کو بھی صلوٰۃ الاوّابین کہنا درست ہے مگر مسلم شریف کی حدیث میں چاشت کی نماز کو صلاۃ الاوّابین سے تعبیر فرمایا ہے۔

چاشت کے نوافل پڑھنے کے لئے احادیث شریفہ میں بہت فضیلت وارد ہوئی ہے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس نے چاشت کے وقت دو رکعت نماز کی پابندی کر لی اس کے گناہ بخش دیئے جائیں گے اگرچہ سمندر کے جھاگ کے برابر ہوں [1]

حضرت بُریدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان کیا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ انسان کے جسم میں ۳۶۰ جوڑ ہیں اس پر لازم ہے کہ ہر جوڑ کی طرف سے بطورِ شکر صدقہ ادا کرے۔ صحابہؓ نے عرض کیا کہ یا نبی اللہ یہ کس کے بس کا ہے کہ روزانہ اتنا زیادہ صدقہ کرے؟ آپؐ نے فرمایا کہ مسجد میں بلغم پڑا ہو تو اُسے اُٹھا کے دفن کر دے یا راستے سے تکلیف دینے والی چیز ہٹا دے (اور اس کی تعداد ۳۶۰ ہو جائے)[2] تو اس سے جوڑوں کا شکر ادا ہو جائے گا سو اگر ان کاموں میں سے کوئی کام نہ کر سکے تو چاشت کی دو رکعتیں تیرے لئے کافی ہوں گی [3]

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم چاشت کی نماز پڑھتے تھے پھر چھوڑ بھی دیتے تھے یعنی نہیں بھی پڑھتے تھے [4]

اس نماز کی رکعات کی تعداد کے بارے میں متعدد روایات ہیں حضرت معاذہ جو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی شاگرد تھیں انہوں نے دریافت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم چاشت کے وقت کتنی رکعات پڑھتے تھے؟ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے جواب دیا کہ آپؐ چاشت کے وقت چار رکعت نماز پڑھتے تھے اور جیسے اللہ تعالیٰ کی مشیئت ہوتی ان میں اضافہ بھی فرما دیتے تھے [5]

---

[1] رواہ احمد والترمذی۔ [2] کذا وقع فی روایۃ مسلم عن عائشہؓ ولفظہ عدد الستین والثلاثمائۃ ولیس فیھا ذکر صلوٰۃ الضحیٰ راجع مشکوٰۃ المصابیح ۱۶۸
[3] رواہ ابوداؤد۔ [4] رواہ الترمذی۔ [5] رواہ مسلم۔

حضرت ام ہانی رضی اللہ عنہا نے بیان کیا کہ فتح مکّہ کے دن رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میرے گھر تشریف لائے اور آپؐ نے آٹھ رکعت نماز پڑھی۔ میں نے اس سے زیادہ مختصر کوئی نماز نہیں دیکھی اختصار کے باوجود آپؐ نے رکوع اور سجدہ پورا ادا فرمایا۔ یہ چاشت کا وقت تھا[1]

خود حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا چاشت کے وقت آٹھ رکعت نماز پڑھتی تھیں اور فرماتی تھیں کہ اگر میرے ماں باپ بھی قبروں سے اٹھ کر آجائیں تو ان کو نہ چھوڑوں گی۔[2]

حضرت انس رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے چاشت کے وقت بارہ رکعات پڑھ لیں اللہ تعالیٰ اس کے لئے جنت میں سونے کا ایک گھر بنادے گا[3]

حضرت ابو الدرداء اور حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے بندوں کو اللہ تعالیٰ کا یہ پیغام پہنچایا کہ اے ابن آدم! تو دن کے شروع حصّہ میں میرے لئے چار رکعات نماز پڑھ لے میں اس دن کے آخری حصّہ تک تیرے لئے کفایت کروں گا یعنی تیری ضروریات پوری کروں گا[4]

بظاہر اس سے اشراق کی رکعتیں مراد ہیں کیونکہ دن کے شروع حصّہ کا ذکر ہے لیکن صاحب مشکوٰۃ نے اس حدیث کو صلاۃ الضحیٰ میں نقل فرمایا ہے۔

صلوٰۃ الاستسقاء

بارش اللہ تعالیٰ کی بڑی نعمت ہے اس سے انسانوں کو بھی رزق ملتا ہے اور جانوروں کو بھی، کھیتیاں ہری بھری ہوتی ہیں، باغات سرسبز ہوتے ہیں ان میں پھل آتے ہیں، کنوؤں میں پانی بڑھ جاتا ہے، نہریں جاری ہوجاتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ

[1] رواہ البخاری ومسلم۔ [2] رواہ امام مالک فی المؤطا۔
[3] رواہ الترمذی وابن ماجہ۔ [4] رواہ الترمذی۔

شانہ نے ارشاد فرمایا:

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَسَلَكَهٗ يَنَابِيْعَ فِى الْاَرْضِ ثُمَّ يُخْرِجُ بِهٖ زَرْعًا مُّخْتَلِفًا اَلْوَانُهٗ ثُمَّ يَهِيْجُ فَتَرٰىهُ مُصْفَرًّا ثُمَّ يَجْعَلُهٗ حُطَامًا اِنَّ فِىْ ذٰلِكَ لَذِكْرٰى لِاُولِى الْاَلْبَابِ ۝ (الزمر: ۲۱)

کیا تُو نے نہیں دیکھا کہ اللہ نے آسمان سے پانی نازل فرمایا پھر اس کو زمین کی سوتوں میں داخل کر دیا پھر اس کے ذریعہ کھیتیاں نکالتا ہے جن کی قسمیں مختلف ہیں پھر وہ کھیتی خشک ہو جاتی ہے سو تو اسے دیکھتا ہے پیلے رنگ کی حالت میں، پھر وہ اسے چورا چورا بنا دیتا ہے، بلاشبہ اس میں عقل والوں کے لئے نصیحت ہے۔

ایک مرتبہ ایسا ہوا کہ بارش ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے بدن کے اوپر سے کپڑا ہٹا دیا تاکہ بارش کی کچھ بوندیں آپؐ کے جسم اطہر پر پڑ جائیں۔ راویٔ حدیث حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم نے عرض کیا یا رسول اللہ! آپ نے ایسا کیوں کیا؟ آپؐ نے فرمایا اس لئے کہ یہ ابھی ابھی اپنے رب کے پاس سے (یعنی عالم قدس سے) آئی ہے (اس عالم کے اجزار کی ابھی اس میں ملاوٹ نہیں ہوئی)[1]

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے دوسری دُعاؤں کی طرح بغیر نماز پڑھے بارش کے لئے دُعا کرنا بھی ثابت ہے اور بارش برسنے کے لئے خاص طور پر نماز پڑھنے کا اہتمام بھی مروی ہے جسے صلاۃ الاستسقار کہا جاتا ہے۔ آپؐ جب بادل دیکھتے تو دوسرے کام چھوڑ کر اس کی طرف متوجہ ہو جاتے تھے اور یوں دُعا کرتے تھے:

اَللّٰهُمَّ اِنِّىْٓ اَعُوْذُبِكَ مِنْ شَرِّ مَا فِيْهِ (میں اللہ کی پناہ مانگتا ہوں اس چیز کے شر سے جو اس بادل میں ہے)۔ پھر اگر بادل چلا جاتا تو اللہ تعالیٰ کی حمد بیان کرتے اور اگر بارش ہونے لگتی تو یوں دعا کرتے:

---

[1] رواہ مسلم۔

اَللّٰهُـمَّ سَقْیًا نَافِعًا (اے اللہ اس بارش کو سیراب کرنے والی نفع دینے والی بنادے)۔ ¹

اور ایک روایت میں یوں ہے کہ جب آسمان پر بادل کا اثر محسوس ہوتا تھا تو آپ کا رنگ بدل جاتا تھا آپؐ کبھی باہر نکلتے کبھی اندر جاتے کبھی آگے بڑھتے کبھی پیچھے ہٹتے پھر جب بارش ہو جاتی تھی تو آپؐ کی یہ کیفیت دور ہو جاتی تھی۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اس کا سبب معلوم کیا تو آپؐ نے فرمایا اے عائشہ! میں ڈرتا ہوں کہ خدانخواستہ ایسا نہ ہو جیسا قوم عاد کے ساتھ ہوا جب انہوں نے دیکھا کہ ان کی وادیوں کی طرف بادل متوجہ ہو رہا ہے تو کہنے لگے: هٰذَا عَارِضٌ مُّمْطِرُنَا (یہ بادل ہم پر بارش برسانے والا ہے) حالانکہ وہ بارش برسانے والا بادل نہ تھا سخت ہوا تھی جس میں دردناک عذاب تھا۔ (رواہ البخاری ومسلم)

دیکھا یہ سید المقربین صلی اللہ علیہ وسلم کا حال تھا جو سید المعصومین بھی تھے آج تو لوگ نڈر بنے ہوئے ہیں گناہوں پر گناہ کرتے چلے جاتے ہیں اور آیات اور علامات دیکھ کر ذرا بھی فکرمند نہیں ہوتے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ ایک شخص جمعہ کے دن مسجد نبوی کے دروازہ سے داخل ہوا جو منبر کے جانب تھا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کھڑے ہوئے خطبہ دے رہے تھے یہ باہر سے آنے والا آدمی آپؐ کے سامنے کھڑا ہو گیا اور عرض کیا ² یارسول اللہ هلكت الاموال وانقطعت السبل (اے اللہ کے رسول ؐ بارش نہ ہونے سے لوگوں کے اموال ہلاک ہو گئے اور مسافروں کے اسفار اور چلت پھرت ختم ہو گئی لہٰذا آپ اللہ سے دعا کر دیجئے کہ وہ بارش بھیج دے)۔ آپؐ نے خطبہ کے درمیان ہی ہاتھ اٹھائے اور یوں دعا کی:

اَللّٰهُمَّ اسْقِنَا اَللّٰهُمَّ اسْقِنَا اَللّٰهُمَّ اسْقِنَا ۔

(اے اللہ ہمیں سیراب کر دے، اے اللہ ہمیں سیراب کر دے، اے اللہ ہمیں سیراب کر دے)۔

---

¹ رواہ ابو داؤد والنسائی۔ ² یہ شخص اعرابی تھا بظاہر آداب خطبہ سے واقف نہیں تھا اس لئے خطبہ کے درمیان بات کرنے لگا۔

راوی حدیث حضرت انس رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ اللہ کی قسم آسمان میں نہ تو کوئی بادل نظر آرہا تھا نہ کوئی بادل کا ٹکڑا آپؐ نے دُعا کی اور ایک بادل ظاہر ہو گیا جو ڈھال کے برابر تھا۔ بادل کا یہ ٹکڑا آسمان کے بیچ میں آکر پھیل گیا۔ پھر بارش برسانا شروع کیا۔ اللہ کی قسم ایک ہفتہ تک ہم نے سورج بھی نہیں دیکھا پھر آئندہ والے جمعہ کے دن ایک آدمی اسی دروازہ سے داخل ہوا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ دے رہے تھے وہ شخص سامنے آکر کھڑا ہو گیا اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ! (کثرت بارش کی وجہ سے) اموال ہلاک ہو گئے اور راہ گیروں کے راستے کٹ گئے اور لوگوں کے رہنے کے گھر گر گئے اور جانور ہلاک ہو گئے اور درخت پیلے پڑ گئے لہٰذا آپ اللہ تعالیٰ سے دعا کریں کہ وہ بارش کو روک دے آپؐ نے اپنے دونوں مبارک ہاتھ اٹھائے اور یوں دعا کی۔

اَللّٰهُمَّ حَوَالَيْنَا وَلَا عَلَيْنَا اَللّٰهُمَّ	اے اللہ! ہمارے چاروں طرف برسا اور
عَلَى الْاٰكَامِ وَالْجِبَالِ	ہم پر مت برسا، اے اللہ ٹیلوں پر اور
وَالظِّرَابِ وَالْاَوْدِيَةِ	پہاڑوں پر اور اونچی جگہوں پر اور نالوں
وَمَنَابِتِ الشَّجَرِ۔	پر اور درختوں کے اُگنے کی جگہوں پر برسا۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ آپؐ نے یہ دُعا کی اور بارش ختم ہو گئی جس کی وجہ سے ہم دھوپ میں چلنے لگے اور بارش کا یہ حال ہو گیا کہ بادل دائیں بائیں کی جانب چھٹ گیا ادھر ادھر بارش ہوتی تھی اور مدینہ منورہ پر بارش نہیں ہوتی تھی[1]

اس حدیث مبارک میں صلوٰۃ استسقاء کا ذکر نہیں ہے۔ آپؐ نے خطبہ پڑھتے پڑھتے منبر پر ہی بارش کی دُعا فرمائی، دیگر روایات میں نماز پڑھنے کا بھی ذکر ہے۔

حضرت عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم بارش طلب کرنے کے لئے شہر مدینہ سے باہر تشریف لے گئے آپؐ نے قبلہ کی طرف رخ فرمالیا اور دعا کرتے رہے اور اپنی چادر کو پلٹ دیا پھر دو رکعتیں پڑھائیں جن میں قرارت جہر سے پڑھی[2]

---

[1] من صحیح البخاری (ابواب الاستسقاء) [2] رواہ البخاری۔

چادر پلٹنے کا مطلب یہ ہے کہ اس کے اوپر کا حصّہ نیچے اور نیچے کا حصّہ اوپر اور دائیں جانب کا حصّہ بائیں جانب اور بائیں جانب کا حصّہ دائیں جانب کر دیا یہ بطور تفاؤل تھا، مطلب یہ تھا کہ جس طرح یہ چادر پلٹ گئی، اللہ تعالیٰ اسی طرح ہمارے حال کو پلٹ دے قحط کو دور فرما دے اور خوشحالی کی صورتحال پیدا فرما دے ۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا کہ لوگوں نے آپؐ کی خدمت عالی میں بارش نہ ہونے کی شکایت کی تو آپؐ نے فرمایا کہ جہاں عید کی نماز پڑھتے ہیں وہاں منبر رکھ دیا جائے اور ایک دن مقرر فرما کر لوگوں کو بتا دیا جائے کہ اس دن نماز پڑھی جائے گی۔ جب یہ دن آ گیا تو علی الصباح جب سورج کی کرن ظاہر ہو گئی آپؐ باہر تشریف لے گئے۔ آپؐ منبر پر تشریف فرما ہوئے اللہ کی بڑائی اور اس کی تعریف بیان کی پھر فرمایا کہ تم لوگوں نے شکایت کی ہے کہ تمہارے علاقہ میں قحط پڑ گیا ہے اور بارش اپنے اس زمانہ سے متاخر ہو گئی ہے جس زمانہ میں بارش ہوا کرتی تھی اللہ تعالیٰ نے تمہیں حکم دیا ہے کہ اس سے دعا کرو اور اس نے تم سے قبول فرمانے کا وعدہ بھی کیا ہے، اس کے بعد آپؐ نے یوں دُعا کی :

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ	سب تعریف اللہ کے لئے جو سارے جہانوں
اَلرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۔ مَالِكِ	کا پروردگار ہے روز جزا کا مالک ہے اللہ
یَوْمِ الدِّیْنِ ۔ لَآ اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ	کے سوا کوئی معبود نہیں وہ جو چاہتا ہے کرتا
یَفْعَلُ مَا یُرِیْدُ ۔ اَللّٰهُمَّ	ہے۔ اے اللہ! تو اللہ ہے تیرے سوا کوئی معبود
اَنْتَ اللّٰهُ لَآ اِلٰـهَ اِلَّآ اَنْتَ	نہیں تُو غنی ہے اور ہم فقراء ہیں تُو بارش
الْغَنِیُّ وَنَحْنُ الْفُقَرَاءُ اَنْزِلْ	نازل فرما دے اور جو بارش نازل فرمائے
عَلَیْنَا الْغَیْثَ وَاجْعَلْ مَا اَنْزَلْتَ	اسے ہمارے لئے قوت کا اور ایک زمانہ
لَنَا قُوَّۃً وَّبَلَاغًا اِلٰی حِیْنٍ ۔	تک گزارا کرنے کا ذریعہ بنا دے ۔

پھر آپؐ نے ہاتھ اٹھائے اور اتنے اونچے اٹھائے کہ آپؐ کے دونوں مبارک بغلوں کی سفیدی ظاہر ہو گئی پھر آپؐ نے لوگوں کی طرف اپنی پشت پھیری اور اپنی چادر پلٹ

دی پھر لوگوں کی طرف متوجہ ہوئے اور منبر سے اتر کر دو رکعت نماز پڑھائی اللہ تعالےٰ نے بادل پیدا فرما دیا اللہ کے حکم سے بادل گرجا، بجلی چمکی پھر بارش ہوئی ابھی آپؐ مسجد میں (واپس) تشریف نہیں لائے تھے کہ ہر طرف پانی بہنے لگا (ابھی تو لوگ بارش کی خواہش ظاہر کر رہے تھے اب جب بارش ہونے لگی تو گھروں کی طرف رُخ کر لیا) جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا کہ جلدی جلدی اپنے گھروں کی طرف جا رہے ہیں تو آپؐ کو ہنسی آ گئی کہ آپؐ کی آخری داڑھیں ظاہر ہو گئیں (کیا تو لوگ بارش کا سوال کر رہے تھے اور بارش ہونے لگی تو جلدی جلدی اپنے گھروں کی طرف روانہ ہو گئے) یہ ماجرا دیکھ کر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: اشھد ان اللہ علیٰ کل شیٔ قدیر وانی عبد اللہ ورسولہ (میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ ہر چیز پر قادر ہے اور گواہی دیتا ہوں کہ میں اللہ کا بندہ اور اس کا رسول ہوں[۱])

آندھی آنے کے موقعہ پر

جب تیز ہوا چلتی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دُعا کی طرف متوجہ ہو جاتے تھے اور یوں دُعا کرتے تھے:

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْأَلُکَ	اے اللہ میں آپ سے اس کی خیر کا اور جو
خَیْرَھَا وَخَیْرَ مَافِیْھَا	کچھ اس میں ہے اس کی خیر کا اور جو کچھ لے
وَخَیْرَ مَا اُرْسِلَتْ	کر یہ بھیجی گئی ہے اس کی خیر کا سوال کرتا ہوں
بِہٖ وَ اَعُوْذُ بِکَ مِنْ	اور اے اللہ میں آپ کی پناہ مانگتا ہوں اس
شَرِّھَا وَشَرِّ مَافِیْھَا	کے شر سے اور جو کچھ اس میں ہے اس کے
وَشَرِّ مَا اُرْسِلَتْ بِہٖ[۲]	شر سے اور جو کچھ لے کر یہ بھیجی گئی ہے اس
. . . .	کے شر سے[۲]

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ہوا اللہ کی رحمت ہے، رحمت لے کر آتی ہے اور عذاب بھی تم اسے بُرا نہ کہو اور اللہ سے اس کی خیر کا سوال کرو اور اس کے شر سے اللہ کی پناہ مانگو[۳]

---

[۱] رواہ ابوداؤد۔ [۲] رواہ البخاری ومسلم۔ [۳] رواہ ابوداؤد

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ ایک شخص نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر تھا اس نے ہوا پر لعنت کر دی آپ نے فرمایا ہوا پر لعنت نہ کرو کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق چلتی ہے۔ مزید فرمایا کہ جو شخص کسی چیز پر لعنت کرے اور وہ چیز لعنت کے اہل نہ ہو تو یہ لعنت اسی پر لوٹ کر آجاتی ہے جس نے لعنت کی۔[1]

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ جب (تیز) ہوا چلتی تھی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے دونوں گھٹنوں کے بل بیٹھ جاتے تھے اور یہ دعا پڑھتے تھے:

اَللّٰهُمَّ اجْعَلْهَا رَحْمَةً وَّلَا	اے اللہ اس ہوا کو رحمت بنا دے اور
تَجْعَلْهَا عَذَابًا اَللّٰهُمَّ	اسے عذاب مت بنا اور اے اللہ اسے
اجْعَلْهَا رِيَاحًا وَّلَا تَجْعَلْهَا	برکت والی ہوا بنا اور اسے عذاب والی
رِيْحًا ۔	ہوا مت بنا۔[2]

ریاح جمع ہے ریح کی بظاہر لغت کے اعتبار سے کوئی فرق معلوم نہیں ہوتا۔ پھر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ریاح کا سوال فرمایا اور یہ سوال کیا کہ اے اللہ اسے ریح مت بنا، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس میں یہ نکتہ بتایا ہے کہ قرآن مجید میں جہاں ریح کا ذکر ہے وہاں عذاب کے لئے استعمال کی گئی ہے۔ قال تعالیٰ: اِنَّا اَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيْحًا صَرْصَرًا ۔ وقال تعالیٰ وَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمُ الرِّيْحَ الْعَقِيْمَ ۔ اور جہاں رحمت کا ذکر ہے وہاں لفظ ریاح مستعمل ہوا ہے۔ قال تعالیٰ وَاَرْسَلْنَا الرِّيٰحَ لَوَاقِحَ ۔ وقال تعالیٰ وَمِنْ اٰيٰتِهٖۤ اَنْ يُّرْسِلَ الرِّيٰحَ مُبَشِّرٰتٍ بِاَمْرِهٖ ۔

گرجنے کی آواز سن کر

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب گرج اور بجلی گرنے کی آواز سنتے تھے تو یوں دعا کرتے تھے:

---

[1] رواہ الترمذی۔ [2] رواہ البیہقی فی الدعوات الکبیر۔

اَللّٰهُمَّ لَا تَقْتُلْنَا بِغَضَبِكَ — اے اللہ ہمیں اپنے غصہ سے قتل نہ فرما اور
وَلَا تُهْلِكْنَا بِعَذَابِكَ — اپنے عذاب سے ہلاک نہ فرما اور اس سے
وَعَافِنَا قَبْلَ ذٰلِكَ ۔ — پہلے ہمیں عافیت میں رکھ لے[1]

صلوٰۃ الخوف کا طریقہ اور اس کے بعض احکام

سورۃ النساء میں ارشاد باری ہے:

وَاِذَا كُنْتَ فِيْهِمْ فَاَقَمْتَ لَهُمُ الصَّلٰوةَ فَلْتَقُمْ طَآئِفَةٌ مِّنْهُمْ
مَّعَكَ وَلْيَاْخُذُوْٓا اَسْلِحَتَهُمْ فَاِذَا سَجَدُوْا فَلْيَكُوْنُوْا مِنْ وَّرَآئِكُمْ
وَلْتَاْتِ طَآئِفَةٌ اُخْرٰى لَمْ يُصَلُّوْا فَلْيُصَلُّوْا مَعَكَ وَلْيَاْخُذُوْا حِذْرَهُمْ
وَاَسْلِحَتَهُمْ ۚ وَدَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْ تَغْفُلُوْنَ عَنْ اَسْلِحَتِكُمْ وَاَمْتِعَتِكُمْ
فَيَمِيْلُوْنَ عَلَيْكُمْ مَّيْلَةً وَّاحِدَةً ؕ وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ اِنْ كَانَ بِكُمْ
اَذًى مِّنْ مَّطَرٍ اَوْ كُنْتُمْ مَّرْضٰٓى اَنْ تَضَعُوْٓا اَسْلِحَتَكُمْ ۚ وَخُذُوْا
حِذْرَكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ اَعَدَّ لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابًا مُّهِيْنًا ۝ فَاِذَا قَضَيْتُمُ الصَّلٰوةَ
فَاذْكُرُوا اللّٰهَ قِيٰمًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰى جُنُوْبِكُمْ ۚ فَاِذَا اطْمَاْنَنْتُمْ
فَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ ۚ اِنَّ الصَّلٰوةَ كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ كِتٰبًا مَّوْقُوْتًا ۝ (۱۰۲، ۱۰۳)

ترجمہ: اور جب آپ اُن میں موجود ہوں پھر ان کے لئے نماز قائم کریں تو چاہئے کہ اُن میں سے ایک جماعت آپ کے ساتھ کھڑی ہو جائے اور یہ لوگ اپنے ہتھیار لے لیں پھر جب سجدہ کر چکیں تو یہ تمہارے پیچھے ہو جائیں اور دوسری جماعت آجائے جنہوں نے نماز نہیں پڑھی۔ سو وہ آپ کے ساتھ نماز پڑھیں اور اپنے بچاؤ کا سامان اور اپنے ہتھیار ساتھ لے لیں۔ کافروں کی یہ خواہش ہے کہ اگر تم اپنے ہتھیاروں سے اور اسباب سے غافل ہو جاؤ تو تم پر یک بارگی حملہ کر بیٹھیں اور تم پر اس بات کا کوئی گناہ نہیں کہ اگر بارش سے تکلیف ہو یا تم بیمار ہو تو اپنے ہتھیار رکھ

---

[1] رواہ احمد والترمذی وقال ھذا حدیث غریب ۔

دو اور اپنے بچاؤ کا سامان لے لو، بے شک اللہ نے کافروں کے لئے ذلیل کرنے والا عذاب تیار فرمایا ہے، سو جب تم نماز ادا کر چکو تو اللہ کو یاد کرو کھڑے اور بیٹھے اور اپنے پہلوؤں پر۔ پھر جب مطمئن ہو جاؤ تو نماز قائم کرو، بے شک نماز مؤمنین پر فرض ہے جس کا وقت مقرر ہے۔

اس آیت شریفہ میں صلوٰۃ الخوف (خوف کی نماز) کا ذکر ہے "لباب النقول" میں حضرت ابو عیاش زرقی ؓ سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے بیان فرمایا کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مقام عسفان میں تھے سامنے سے مشرکین آ گئے جو خالد بن ولید کی سرکردگی میں تھے (وہ اب تک مسلمان نہیں ہوئے تھے) یہ لوگ ایسی جگہ تھے جو ہمارے اور ہمارے قبلہ کے درمیان تھی۔ آنحضرت سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو نماز ظہر پڑھائی تو مشرکین کہنے لگے کہ ہم نے غلطی کی جب یہ لوگ نماز پڑھ رہے تھے اس وقت ان پر حملہ کر دیتے ان کو تو ہمارے حملے کا خیال بھی نہ تھا۔ پھر کہنے لگے کہ ابھی ایک اور نماز آنے والی ہے (یعنی نماز عصر) وہ نماز ان کو اپنے بیٹوں سے اور اپنی جانوں سے بھی زیادہ محبوب ہے جب یہ لوگ آئندہ نماز میں مشغول ہو جائیں تو ان پر حملہ کر دیا جائے۔ اس کے بعد حضرت جبرئیل علیہ السلام ظہر اور عصر کے درمیان یہ آیت لے کر نازل ہوئے۔ وَاِذَا كُنْتَ فِيْهِمْ فَاَقَمْتَ لَهُمُ الصَّلٰوةَ۔ نماز خوف کئی طرح سے ثابت ہے۔

امام ابو داؤد رحمۃ اللہ علیہ نے یہ طریقے نقل کئے آیت بالا میں صلاۃ خوف کا جو طریقہ ذکر فرمایا ہے وہ یہ ہے امام نمازیوں کی دو جماعتیں بنائے ان میں سے ایک جماعت دشمن کی طرف متوجہ رہے اور دشمن کی نگرانی کرے اور ایک جماعت امام کے پیچھے کھڑی ہو جائے جب امام کے ساتھ کھڑی ہونے والی جماعت پہلی رکعت کے دونوں سجدوں سے فارغ ہو جائے تو یہ لوگ اپنی جگہ سے ہٹ جائیں اور دشمن کی طرف چلے جائیں اور وہ دوسری جماعت آ جائے جنہوں نے ابھی تک نماز نہیں پڑھی، ان کے آنے تک امام ان کے انتظار میں بیٹھا رہے۔ اب یہ گروہ ایک رکعت امام کے ساتھ پڑھ لے۔ امام سلام پھیر دے امام کی دو رکعتیں ہو گئیں اور دونوں جماعتوں کی ایک ایک رکعت ہوئی چونکہ ہر جماعت

کی ایک ایک رکعت رہ گئی ہے اس لئے ان میں کا ہر شخص اپنی اپنی نماز پوری کر لے' یعنی جو رکعت رہ گئی ہے اسے پوری کرے۔ صحیح بخاری میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم علاقہ نجد کی طرف اپنے لشکر کے ساتھ تشریف لے گئے تھے وہاں دشمن سے مقابلہ ہو گیا تو آپؐ نے مذکورہ بالا طریقے سے نماز پڑھی تھی۔ حدیث کے راوی حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما ہیں۔

یہ ہر جماعت کو ایک ایک رکعت پڑھانا اس صورت میں ہے جبکہ امام اور مقتدی مسافر ہوں اگر امام مقیم ہو تو ہر جماعت کو دو دو رکعتیں پڑھائے باقی رکعتیں وہ لوگ پوری کر لیں اگر نماز مغرب میں ایسا واقعہ پیش آئے تو پہلی جماعت کو دو رکعتیں اور دوسری جماعت کو ایک رکعت پڑھائے۔ (کما ذکرہ الفقہاء)

نماز میں آنا جانا چونکہ حالت اضطرار کی وجہ سے ہے اور شرعی اجازت سے ہے اس لئے اس سے نماز فاسد نہ ہوگی۔ صلوٰۃ الخوف کی مشروعیت سے نہ صرف نماز کی بلکہ جماعت کی اہمیت معلوم ہو رہی ہے جبکہ دشمن سر پر سوار ہے اس وقت بھی نماز چھوڑنے کا ذکر تو کیا ہوتا بلا جماعت نماز پڑھنے کا بھی موقعہ نہیں دیا گیا۔ ہاں اگر دشمن کا ہجوم اس انداز سے ہو جائے کہ اُن کے حملے کی حفاظت سے کوئی راستہ ہی نہ ہو، اور نماز خوف پڑھنے کی صورت میں بھی حفاظت کی کوئی صورت نہ بن رہی ہو تو پھر علیحدہ علیحدہ نماز پڑھ لیں اور اگر یہ صورت بھی ممکن نہ ہو تو نماز بالکل بھی چھوڑی جا سکتی ہے جب دشمن کا ہجوم نہ رہے تو چھوٹی ہوئی سب نمازیں قضا پڑھ لیں جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوۂ احزاب کے موقعہ پر کیا تھا۔

صلوٰۃ التوبہ

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان فرمایا کہ میں نے حضور اقدس صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ جو بھی کوئی شخص گناہ کر بیٹھے پھر اُٹھ کھڑا ہو اور (وضو غسل کی) طہارت حاصل کر کے دو رکعتیں پڑھ کر اللہ سے مغفرت طلب کرے تو اللہ جل شانہ'

ضرور اس کی مغفرت فرما دے گا اس کے بعد آپؐ نے یہ آیت تلاوت فرمائی۔

وَالَّذِيْنَ إِذَا فَعَلُوْا	اور ایسے لوگ کہ جب کوئی کام ایسا کر
فَاحِشَةً اَوْ ظَلَمُوْآ	گزرتے ہیں جس میں زیادتی ہو یا اپنی
اَنْفُسَهُمْ ذَكَرُوا اللّٰهَ	ذات پر نقصان اٹھاتے ہیں تو اللہ کو یاد
فَاسْتَغْفَرُوْا لِذُنُوْبِهِمْ	کر لیتے ہیں پھر اپنے گناہوں کی معافی
وَمَنْ يَّغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اللّٰهُ	چاہنے لگتے ہیں اور اللہ کے سوا کون ہے
وَلَمْ يُصِرُّوْا عَلٰى مَا فَعَلُوْا	جو گناہوں کو بخشتا ہو اور وہ لوگ اپنے
وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ[1] (آل عمران:۱۲۳)	فعل پر اصرار نہیں کرتے اور وہ جانتے ہیں

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ توبہ کرنے کا ارادہ کرے تو اس کا مستحب طریقہ یہ ہے کہ دو رکعت نماز پڑھ کر اللہ جل شانہٗ سے مغفرت کا سوال کرے اس کو نماز توبہ کہتے ہیں۔ اگر کوئی شخص نماز توبہ کے بغیر ہی پوری ندامت اور شرمندگی کے ساتھ گڑگڑا کر مغفرت طلب کرے اور عہد کرے کہ آئندہ گناہ نہیں کروں گا تب بھی توبہ ہو جاتی ہے بشرطیکہ اس کے لوازم اور شرائط پورے کرے۔

اگر کم از کم دو رکعت نماز پڑھ کر توبہ کرے اور گناہوں کی مغفرت کا سچے دل سے سوال کرے تو یہ دُعا اور زیادہ لائق قبول ہو جاتی ہے یوں بھی آداب دعا میں سے ہے کہ کوئی نیک عمل دعا سے پہلے کر لیا جائے پھر نماز تو افضل الاعمال ہے اس کو قبولیت دعا کا ذریعہ بنانا چاہیئے خاص کر توبہ قبول کرانے کے لئے اور گناہ معاف کرانے کے لئے اور گناہ معاف کرانے کے لئے تو توبہ اور دُعا سے پہلے نماز کا خاص اہتمام کیا جائے۔

جب کوئی گناہ ہو جائے تو گزشتہ پر ندامت اور پریشانی کے ساتھ آئندہ کو گناہ نہ کرنے کا عہد کر کے معافی مانگے اور اس پر ثابت قدم رہے، اگر نفس و شیطان کے ورغلانے سے گناہ ہو جائے تو پھر توبہ کرے، اللہ کی رحمت سے کبھی مایوس نہ ہو اگر چند بار توبہ کی اور توڑی پھر توبہ کی تو انشاء اللہ تعالیٰ گناہ چھوٹ ہی جائیں گے وباللہ التوفیق

[1] رواہ الترمذی و ابوداؤد۔

واضح رہے کہ حقوق العباد توبہ سے معاف نہیں ہوتے ہیں اور حقوق اللہ میں جن کی تلافی ممکن ہے ان کی تلافی بھی لازم ہے حقوق العباد کی ادائیگی اور حقوق اللہ کی تلافی توبہ کا جزوِ اعظم ہے۔

صلوٰۃ الحاجہ

سورۂ بقرہ میں ارشاد ہے:

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اسْتَعِیْنُوْا	اے ایمان والو مدد مانگو صبر اور
بِالصَّبْرِ وَ الصَّلٰوةِ اِنَّ اللّٰهَ	صلوٰۃ کے ساتھ بے شک اللہ صبر
مَعَ الصّٰبِرِیْنَ ۝ (۱۵۳)	کرنے والوں کے ساتھ ہے۔

اس آیتِ کریمہ میں صبر اور نماز کے ذریعہ سے اللہ تعالیٰ سے مدد مانگنے کا طریقہ آیا ہے۔ لفظ صبر تین معنیٰ میں آتا ہے۔ اوّل طاعات پر جمار ہنا خاص کر فرائض اور واجبات کو پابندی سے ادا کرنا۔ دوم گناہوں سے پوری طرح اہتمام کے ساتھ بچنا۔ سوم جو مصائب اور مشکلات درپیش ہوں اُن پر صبر کرنا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے وما اعطی احد عطاءً هو خیر و اوسع من الصبر (یعنی کسی کو کوئی ایسی چیز عطا نہیں کی گئی ہے جو صبر سے بہتر ہو اور صبر سے بڑھ کر وسیع ہو)[1]

عام طور سے لوگوں میں یہ تیسرا معنیٰ ہی زیادہ معروف ہے۔ تینوں قسم کا صبر اللہ تعالیٰ کی مدد کو لانے والا ہے۔ زندگی میں عموماً صبر کے مواقع پیش آتے رہتے ہیں۔ عبادات بھی صبر ہی سے ادا ہوتی ہیں۔ نفس عبادت کے لئے تیار نہیں ہوتا۔ اگر تیار ہوتا ہے تو صحیح طریقہ سے ادا کرنے سے بچتا ہے۔

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ روایت فرماتے ہیں کہ لیلۃ الاحزاب میں (غزوہ خندق کے موقعہ پر) میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس واپس آیا (اُن کو ایک کام کے لئے بھیجا تھا) تو آپؐ چادر اوڑھے ہوئے نماز پڑھ رہے تھے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بیان فرمایا کہ میں نے غزوۂ بدر کی رات میں دیکھا کہ سوائے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سب

---

[1] رواہ البخاری و مسلم

لوگ سوئے ہوئے تھے آپ برابر نماز میں مشغول رہے اور صبح ہونے تک دُعا کرتے رہے۔

(ابن کثیر ص ۸۷ ج ۱)

نماز کے ذریعہ اللہ جل شانہ سے بندہ کا خصوصی تعلق پیدا ہو جاتا ہے۔ ایک حدیث میں ارشاد ہے کہ جب نمازی نماز پڑھتا ہے تو وہ اپنے رب سے مناجات کرتا ہے۔ ظاہر ہے کہ جس چیز کا یہ مرتبہ ہو گا وہ خصوصی تعلق کا ذریعہ کیوں نہ بنے گی اور جب خصوصی تعلق ہوگا تو اللہ جل شانہٗ کی مدد اور رحمت ضرور متوجہ ہو گی۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز سے بہت ہی زیادہ محبّت تھی۔ آپؐ نے فرمایا کہ میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں کر دی گئی ہے۔ آپ راتوں کو اس قدر نمازیں پڑھتے تھے کہ قدم مبارک سُوج جاتے تھے، پھر اگر کوئی مشکل در پیش ہو جاتی تو خصوصیت کے ساتھ نماز کی طرف اور زیادہ متوجہ ہو جاتے تھے۔

اگر کوئی شخص نماز ہی میں لگا رہے تو اوّل تو یہ نماز میں لگنا ہی رفع مصیبت کے لئے اور اللہ تعالیٰ کی رحمت حاصل کرنے کے لئے اکسیر ہے اگر دُعا بھی مانگ لے تو اللہ کی رحمتیں اور نصرتیں بے حساب متوجہ ہوں گی لوگوں کا یہ طریقہ ہے کہ جب مصیبت آتی ہے دنیاوی تدبیریں کرتے ہیں اور سارا وقت اور جان و مال انہی تدبیروں میں لگا دیتے ہیں لیکن نماز کی طرف متوجہ نہیں ہوتے اور نہ سچے دل سے دعا کرتے ہیں حالانکہ دفع مصائب کا سب سے بڑا ذریعہ اور کامیاب علاج نماز اور دعا ہی ہے۔

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جب کوئی اہم کام پیش آجاتا تھا تو نماز میں مشغول ہو جاتے تھے[۱]

اس حدیث سے ایک عمومی بات معلوم ہوئی کہ جب کوئی مشکل پیش آتی تھی آنحضرت سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نماز کی طرف متوجہ ہو جاتے تھے، آپؐ نے بعض خاص مواقع میں خصوصیت کے ساتھ نماز پڑھ کر دُعا کرنے کی ترغیب اور تلقین فرمائی ہے۔ صلوٰۃ التوبہ، صلوٰۃ الاستسقاء، صلوٰۃ الحاجہ، صلوٰۃ الاستخارہ اسی سلسلہ

---

[۱] رواہ ابو داؤد

کی نمازیں ہیں جو احادیث میں وارد ہوئی ہیں ۔

حضرت عبداللہ بن ابی اوفیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جسے اللہ سے کوئی حاجت ہو یا کسی بندہ سے کوئی حاجت ہو تو وضو کرے اور اچھی طرح وضو کرے پھر دو رکعتیں پڑھ کر اللہ کی تعریف کرے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پڑھے اور پھر یہ پڑھے ۔

لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ الْحَلِيْمُ الْكَرِيْمُ ، سُبْحَانَ اللّٰهِ رَبِّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ ، وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ، اَسْئَلُكَ مُوْجِبَاتِ رَحْمَتِكَ وَعَزَائِمَ مَغْفِرَتِكَ وَالْغَنِيْمَةَ مِنْ كُلِّ بِرٍّ وَّالسَّلَامَةَ مِنْ كُلِّ اِثْمٍ لَا تَدَعْ لِيْ ذَنْبًا اِلَّا غَفَرْتَهٗ وَلَا هَمًّا اِلَّا فَرَّجْتَهٗ وَلَا حَاجَةً هِيَ لَكَ رِضًا اِلَّا قَضَيْتَهَا يَا اَرْحَمَ الرّٰحِمِيْنَ ۔[1]

ترجمہ: اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے جو حلیم و کریم ہے اللہ پاک ہے جو عرش عظیم کا رب ہے اور سب تعریفیں اللہ ہی کے لئے ہیں ۔ اے اللہ میں تجھ سے تیری رحمت کی واجب کرنے والی چیزوں کا اور ان چیزوں کا سوال کرتا ہوں جو تیری مغفرت کو ضروری کر دیں اور ہر بھلائی میں اپنا حصّہ اور ہر گناہ سے سلامتی چاہتا ہوں ۔ اے ارحم الراحمین میرا کوئی گناہ بخشے بغیر اور کوئی رنج دور کئے بغیر اور کوئی حاجت جو تجھے پسند ہو پوری کئے بغیر نہ چھوڑ ۔

یَا اَرْحَمَ الرّٰحِمِیْنَ کے بعد اپنی دنیا اور آخرت کے بارے میں جو چاہے سوال کرے ۔

---

[1] رواه الترمذی وابن ماجه كلاهما من رواية فائد بن عبد الرحمٰن وزاد ابن ماجه بعد قوله يا ارحم الرّاحمين ثم يسئل من امر الدنيا والاخرة ورواه الحاكم باختصار وقال اخرجته شاهدا وفائد مستقيم الحديث وزاد بعد قوله وعزائم مغفرتك والعصمة من كل ذنب كذا قال المنذری فی الترغيب ثم قال فائد متروك روى عنه الثقات وقال ابن عدی مع ضعفه يكتب حديثه ۱۳۸

صلوٰۃ الاستخارہ

حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم درپیش آنے والے تمام امور کے سلسلہ میں ہم کو اس طرح استخارہ سکھاتے تھے جیسے قرآن کی سُورت سکھاتے تھے آپؐ فرماتے تھے کہ جب تم میں سے کوئی شخص کام کرنے کا ارادہ کرے تو فرضوں کے علاوہ دو رکعت نماز پڑھے پھر یہ دعا پڑھے :

اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْتَخِیْرُكَ بِعِلْمِكَ وَاَسْتَقْدِرُكَ بِقُدْرَتِكَ وَاَسْئَلُكَ مِنْ فَضْلِكَ الْعَظِیْمِ ۝ فَاِنَّكَ تَقْدِرُ وَلَا اَقْدِرُ وَتَعْلَمُ وَلَا اَعْلَمُ وَاَنْتَ عَلَّامُ الْغُیُوْبِ ۝ اَللّٰهُمَّ اِنْ كُنْتَ تَعْلَمُ اَنَّ هٰذَا الْاَمْرَ[1] خَیْرٌ لِّیْ فِیْ دِیْنِیْ وَمَعَاشِیْ وَعَاقِبَةِ اَمْرِیْ فَاقْدُرْهُ لِیْ وَیَسِّرْهُ لِیْ ثُمَّ بَارِكْ لِیْ فِیْهِ وَاِنْ كُنْتَ تَعْلَمُ اَنَّ هٰذَا الْاَمْرَ شَرٌّ لِّیْ فِیْ دِیْنِیْ وَمَعَاشِیْ وَعَاقِبَةِ اَمْرِیْ فَاصْرِفْهُ عَنِّیْ وَاصْرِفْنِیْ عَنْهُ وَاقْدُرْ لِیَ الْخَیْرَ حَیْثُ كَانَ ثُمَّ اَرْضِنِیْ بِهٖ[2]

اے اللہ میں تیرے علم کے ذریعے تجھ سے خیر مانگتا ہوں اور تیری قدرت کے ذریعہ تجھ سے قدرت طلب کرتا ہوں اور تیرے بڑے فضل کا تجھ سے سوال کرتا ہوں کیونکہ بلاشبہ تجھے قدرت ہے اور مجھے قدرت نہیں اور تُو جانتا ہے اور میں نہیں جانتا اور تو غیبوں کو خوب جاننے والا ہے۔ اے اللہ! اگر تیرے علم میں میرے لئے یہ کام میری دنیا اور آخرت میں بہتر ہے تو اس کو میرے لئے مقدر فرما پھر میرے لئے اس میں برکت فرما اور اگر تیرے علم میں میرے لئے یہ کام میری دنیا اور آخرت میں شر (اور بُرا) ہے تو اس کو مجھ سے اور مجھ کو اس سے دُور فرما اور میرے لئے خیر مقدر فرما جہاں کہیں بھی ہو۔ پھر مجھے اس پر راضی فرما دے۔

---

[1] لفظ ھٰذا الامر جو دو جگہ ہے جب یہاں پہنچے تو اپنے اس کام کا نام لے جس کے بارے میں استخارہ کر رہا ہے۔ [2] رواہ البخاری

دُعائے حفظِ قرآنِ مجید

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر تھا کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں قرآن پاک میرے سینے سے نکل جاتا ہے اور جو یاد کرتا ہوں وہ محفوظ نہیں رہتا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے ابوالحسن! کیا میں تجھے ایسی ترکیب بتلاؤں جو تجھے بھی نفع دے اور جس کو تو بتلادے اس کے لئے بھی نافع ہو اور جو کچھ تو سیکھے وہ محفوظ رہے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے عرض کیا ارشاد فرمادیں۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ شبِ جمعہ میں اگر یہ ہو سکتا ہو کہ رات کے اخیر تہائی حصہ میں اٹھو تو یہ بہت ہی اچھا ہے کہ یہ وقت ملائکہ کے نازل ہونے کا ہے اور دعا اس وقت خاص طور سے قبول ہوتی ہے اور میرے بھائی یعقوب (علیہ السلام) نے جو سَوْفَ اَسْتَغْفِرُ لَكُمْ فرمایا تھا (کہ عنقریب تمہارے لئے استغفار کروں گا) اس سے شبِ جمعہ مراد تھی، پس اگر اس وقت میں جاگنا دشوار ہو تو رات کے درمیانی حصہ میں اور یہ بھی نہ ہو سکے تو شروع ہی رات میں کھڑے ہو کر چار رکعت نماز (نفل) پڑھو۔ پہلی رکعت میں سورۂ فاتحہ کے بعد سورۂ یٰسٓ اور دوسری رکعت میں فاتحہ کے بعد سورۂ دخان اور تیسری رکعت میں فاتحہ کے بعد سورہ الٓمّٓ سجدہ اور چوتھی رکعت میں فاتحہ کے بعد سورۂ ملک پڑھو اور جب التحیات سے فارغ ہو جاؤ تو اوّل حق تعالےٰ شانہٗ کی خوب حمد و ثنا بیان کرو اور اس کے بعد مجھ پر خوب درود بھیجو اور تمام انبیاء پر درود بھیجو اس کے بعد مؤمنین کے لئے اور ان مسلمان بھائیوں کے لئے جو تم سے پہلے گذر گئے ہیں استغفار کرو پھر یہ دعا پڑھو۔

اَللّٰهُمَّ ارْحَمْنِيْ بِتَرْكِ الْمَعَاصِيْ اَبَدًا مَّا اَبْقَيْتَنِيْ وَارْحَمْنِيْ اَنْ اَتَكَلَّفَ مَا لَا يَعْنِيْنِيْ وَارْزُقْنِيْ حُسْنَ النَّظَرِ فِيْمَا يُرْضِيْكَ عَنِّيْ

اَللّٰهُمَّ بَدِيْعَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ذَا الْجَلَالِ وَالْاِكْرَامِ وَالْعِزَّةِ الَّتِيْ لَا تُرَامُ اَسْئَلُكَ يَا اَللّٰهُ يَا رَحْمٰنُ بِجَلَالِكَ وَنُوْرِ وَجْهِكَ اَنْ تُلْزِمَ قَلْبِيْ حِفْظَ كِتَابِكَ كَمَا عَلَّمْتَنِيْ وَارْزُقْنِيْ اَنْ اَتْلُوَهٗ عَلَى النَّحْوِ الَّذِيْ يُرْضِيْكَ عَنِّيْ اَللّٰهُمَّ بَدِيْعَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ذَا الْجَلَالِ وَالْاِكْرَامِ وَالْعِزَّةِ الَّتِيْ لَا تُرَامُ اَسْئَلُكَ يَا اَللّٰهُ يَا رَحْمٰنُ بِجَلَالِكَ وَنُوْرِ وَجْهِكَ اَنْ تُنَوِّرَ بِكِتَابِكَ بَصَرِيْ وَاَنْ تُطْلِقَ بِهٖ لِسَانِيْ وَاَنْ تُفَرِّجَ بِهٖ عَنْ قَلْبِيْ وَاَنْ تَشْرَحَ بِهٖ صَدْرِيْ وَاَنْ تَغْسِلَ بِهٖ بَدَنِيْ فَاِنَّهٗ لَا يُعِيْنُنِيْ عَلَى الْحَقِّ غَيْرُكَ وَلَا يُؤْتِيْهِ اِلَّا اَنْتَ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيْمِ ۔

ترجمہ: اے اللہ مجھ پر رحم فرما کہ جب تک زندہ رہوں گناہوں سے بچتا رہوں اور مجھ پر رحم فرما کہ میں بیکار چیزوں میں کلفت نہ اٹھاؤں اور اپنی مرضیات میں خوش نظری مرحمت فرما۔ اے اللہ زمین اور آسمانوں کے بے نمونہ پیدا کرنے والے اے عظمت و بزرگی والے اور اس غلبہ کے مالک جس کے حصول کا ارادہ ہی ناممکن ہے اے اللہ اے رحمٰن میں تیری بزرگی اور تیری ذات کے نور کے طفیل تجھ سے سوال کرتا ہوں کہ جس طرح تو نے اپنا کلام پاک مجھے سکھلایا اسی طرح اس کی یاد بھی میرے دل سے چپکا کردے اور مجھے توفیق عطا فرما کہ میں اسے اس طرح پڑھوں جس سے تو راضی ہو جائے اے اللہ زمین و آسمان کو بے نمونہ پیدا کرنے والے اے عظمت اور بزرگی والے اور اس غلبہ کے مالک جس کے حصول کا ارادہ ہی ناممکن ہے اے اللہ میں تیری بزرگی اور تیری ذات کے نور کے طفیل تجھ سے مانگتا ہوں کہ تو میری نظر کو اپنی کتاب کے نور سے منور فرما دے اور میری زبان کو اس کے پڑھنے میں چلا دے اور اس کی برکت سے میرے دل کی تنگی کو دور فرما دے اور میرے سینہ کو کھول دے اور اس کی برکت سے میرے جسم کے گناہوں کے میل کو دھو دے کہ حق پر تیرے سوا کوئی مددگار نہیں اور میری یہ آرزو تیرے سوا کوئی پوری نہیں کرسکتا اور گناہوں سے بچنے اور نیکیوں پر

چلنے کی طاقت صرف اللہ کی طرف سے ہے جو عظیم اور برتر ہے۔"

اس دُعا کو بتا کر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اے ابوالحسن! اس عمل کو تین ہفتہ یا پانچ ہفتہ یا سات ہفتہ کرلو انشاء اللہ تعالیٰ ضرور دعا قبول کی جائے گی قسم ہے اس ذات پاک کی جس نے مجھے نبی بنا کر بھیجا ہے کبھی کسی مومن سے خطا نہ کرے گی۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیان ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو پانچ یا سات ہی جمعے گزرے ہوں گے کہ وہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی مجلس میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ! پہلے میں تقریباً چار آیات یا ان کے برابر یاد کرتا تھا اور وہ ذہن سے نکل جاتی تھیں اور اب (اس عمل کے بعد) تقریباً چالیس آیات پڑھتا ہوں جو ایسی ازبر ہو جاتی ہیں کہ گویا میں قرآن شریف دیکھ کر پڑھ رہا ہوں اور پہلے میں حدیث سن کر جب دہرانا چاہتا تھا تو ذہن میں نہ رہتی تھی اور اب جو احادیث سُنتا ہوں تو ایک لفظ بھی نہیں چھوٹتا[1]

فائدہ

اس سے معلوم ہوا کہ یہ عمل صرف حفظِ قرآن ہی کے لئے نہیں ہے بلکہ دینیات کی دوسری چیزوں کو یاد رکھنے کے لئے بھی مفید ہے کیونکہ حضرت علی رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے اپنا تجربہ بتایا کہ اس کے بعد قرآن و حدیث دونوں خوب یاد رہتے ہیں[2]

---

[1] اخرجہ الترمذی فی ابواب الدعوات وحسنہ ۱۲۔

[2] نماز حفظ قرآن جو اوپر لکھی ہے اس میں تیسری رکعت میں سورہ فاتحہ کے بعد سورہ الٓمٓ سجدہ پڑھنے کو فرمایا ہے حالانکہ ترتیب قرآنی میں یہ سورت اُن دونوں سورتوں سے مقدم ہے جن کو پہلی اور دوسری رکعت میں پڑھنے کو بتایا اگر کسی کے ذہن میں تقدیم و تاخیر کا سوال اٹھے تو اس کا جواب اولاً یہ ہے کہ نوافل میں اس طرح کی گنجائش ہوتی ہے۔ ثانیاً یہ کہ نوافل کی ہر دو رکعت علیحدہ نماز شمار کی جاتی ہے اور ہر دو دو رکعت کی قرأت مرتب ہے۱۲۔

ماہِ رمضان المبارک
اور
اس کے فضائل و مسائل

صیام و قیام اور دیگر اعمال و اشغال

روزہ اسلام کا چوتھا رکن ہے اور ایک عظیم بدنی عبادت ہے اس کے فضائل بے شمار ہیں، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم رمضان المبارک میں بہت ہی زیادہ عبادت، تلاوت اور سخاوت فرماتے تھے۔ اس مضمون میں رمضان المبارک کے فضائل و مسائل بیان کئے گئے ہیں اور یہ بتایا گیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رمضان المبارک کیسے گزارتے تھے یہ بھی سیرت کا اہم حصہ ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

رمضان المبارک کے روزے رکھنا اسلام کا چوتھا رکن ہے، یہ خالص بدنی عبادت ہے اور بدنی اس شان سے ہے کہ اس میں کچھ کرنا نہیں پڑتا۔ بعض چیزوں کو ترک کرنا یعنی کھانا پینا اور شرم گاہ کی شہوت پوری کرنے سے بچنا اس کا نام روزہ ہے بشرطیکہ روزہ کی نیت کی ہو۔ روزہ پہلی امتوں پر بھی فرض تھا جیسا کہ سورۂ بقرہ میں فرمایا ہے:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ۝ اَيَّامًا مَّعْدُوْدٰتٍ ۝ (۱۸۳،۱۸۴)

اے ایمان والو! تم پر روزے فرض کیے گئے جیسا کہ تم سے پہلے لوگوں پر فرض کیے گئے تھے تاکہ تم پرہیزگار بنو، یہ روزے چند دن کے ہیں۔

لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ میں روزہ کی حکمت کی طرف اشارہ فرمایا ہے تقویٰ صغیرہ وکبیرہ ظاہرہ اور باطنہ گناہوں سے بچنے کا نام ہے۔ آیتِ کریمہ نے بتا دیا کہ روزہ کی فرضیت تقویٰ حاصل کرنے کے لئے ہے۔ بات یہ ہے کہ انسان کے اندر بہیمیت کے جذبات بھی موجود ہیں نفسانی خواہشات ساتھ لگی ہوئی ہیں، نفس کا ابھار معاصی کی

طرف ہوتا رہتا ہے۔ روزہ ایک ایسی عبادت ہے جس سے بہیمیت کے جذبات کمزور ہوتے ہیں اور نفس کا اُبھار کم ہو جاتا ہے اور شہوات و لذّات کی اُمنگ گھٹ جاتی ہے ایک مہینہ شرعی دن میں کھانے پینے اور جنسی تعلقات کے مقتضیٰ پر عمل کرنے سے اگر باز رہے تو باطن کے اندر ایک نکھار اور نفس کے اندر سُدھار پیدا ہو جاتا ہے۔ اگر کوئی شخص رمضان کے روزے اُن احکام و آداب کی روشنی میں رکھے جو قرآن و حدیث میں وارد ہوئے ہیں تو واقعۃً ایک سال کے لئے اچھا خاصہ تزکیہ ہو جاتا ہے۔

رمضان المبارک کے روزوں کے علاوہ نفل روزے بھی مشروع کئے گئے ہیں ان روزوں کا ثواب مستقل ہے جو روایات حدیث میں مذکور ہے اور اس ثواب کے علاوہ یہ فائدہ بھی ہے کہ رمضان المبارک کے روزے رکھتے وقت جو عملی کوتاہیاں ہوئیں اور آداب کی رعایت ملحوظ نہ رہی (جس کی وجہ سے تزکیۂ باطن میں کمی رہ گئی اور نفسانی جذبات میں پھر اُبھار ہونے لگا) اس کوتاہی کی تلافی ہوتی ہے۔

جو گناہ انسان سے سرزد ہوتے ہیں ان میں سب سے زیادہ دو چیزیں گناہ کا باعث بنتی ہیں، ایک منہ دوسری شرمگاہ۔ چنانچہ امام ترمذیؒ نے حضرت ابوہریرہؓ سے نقل کیا ہے کہ حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم سے دریافت کیا گیا کہ سب سے زیادہ کون سی چیز دوزخ میں داخل کرانے کا ذریعہ بنے گی آپؐ نے جواب دیا الفم والفرج یعنی منہ اور شرمگاہ ان دونوں کو دوزخ میں داخل کرانے میں زیادہ دخل ہے۔ روزہ میں منہ اور شرمگاہ دونوں پر پابندی ہوتی ہے اور یہ پابندی ہمیشہ کے لئے کام دے سکتی ہے یعنی مذکورہ دونوں راہوں سے جو گناہ ہو سکتے ہیں روزہ ان سے باز رکھنے کا بہت بڑا ذریعہ ہے اسی لئے تو ایک حدیث میں فرمایا: اَلصِّیَامُ جُنَّۃٌ یعنی روزہ ڈھال ہے (گناہ سے بھی بچاتا ہے اور آتشِ دوزخ سے بھی بچاتا ہے) جب کوئی شخص روزہ رکھ لے تو روزہ کی حفاظت کرے یعنی گناہوں سے بچنے کا خاص اہتمام کرے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب تم میں سے کسی کا روزہ ہو تو بُری باتیں نہ کرے اور شور نہ مچائے۔ اگر کوئی شخص اس سے گالی گلوچ کرنے لگے

تو کہہ دے میرا روزہ ہے[1] (لڑائی جھگڑا میرا کام نہیں)

اگر روزے کو پورے اہتمام اور احکام و آداب کی مکمّل رعایت کے ساتھ پورا کیا جائے تو بلاشبہ گناہوں سے محفوظ رہنا آسان ہو جاتا ہے خاص روزہ کے وقت بھی اور اس کے بعد بھی، ہاں اگر کسی نے روزہ کے لوازم کا خیال نہ کیا اور گناہوں میں مشغول رہتے ہوئے محض کھانا پینا روک کر روزہ کی نیّت کر لی تو اس سے فرض ادا ہو جاتا ہے مگر روزے کے برکات و ثمرات سے محرومی رہتی ہے۔

ایک ماہ مسلسل روزے رکھنے کی حکمت

اللہ جل شانہٗ نے روزوں کے لئے رمضان المبارک کا مہینہ مقرر فرمایا ہے اور ایک ساتھ ایک ماہ کے پورے روزے رکھنا فرض قرار دیا ہے۔ ایک ساتھ پورے ایک ماہ کے روزے فرض نہ ہوتے بلکہ تھوڑے تھوڑے کر کے رکھے جاتے تو اس سے نفس کی قوتِ شہوانیہ کے دبانے اور تزکیۂ نفس کا وہ فائدہ حاصل نہ ہوتا جو پورے ایک ماہ روزے رکھنے سے حاصل ہوتا ہے اور چند روزے متفرق مرتبہ رکھنے سے خوشی کا وہ کیف بھی حاصل نہ ہوتا جو عید کے دن حاصل ہوتا ہے

اگر بندوں کو اختیار دے دیا جاتا کہ سال بھر میں جس کا جب جی چاہے مقررہ تعداد میں روزے رکھ لے تو اس میں یک جہتی بھی نہ رہتی، کبھی زید رکھتا اور کبھی عمرو اور بہت سے لوگ مقررہ تعداد میں روزے نہ رکھ پاتے کیونکہ اجتماعی صورت میں جو کام آسانی سے ہو جاتا ہے وہ انفرادی طور پر اس شان سے نہیں ہوتا۔ پھر اجتماع میں برکتیں بھی بہت ہوتی ہیں اگر سب کے لئے ایک وقت مقرر نہ ہوتا تو مسجدوں میں افطار کا نہ وہ کیف ہوتا جس سے آنکھوں کو نور اور دل کو سرور حاصل ہوتا ہے اور نہ اجتماعی طور پر سب کی عید ہوتی جس کا کیف اور سرور سب کے سامنے ہے۔

پھر رمضان المبارک صرف روزوں ہی کا مہینہ نہیں ہے اس میں شب قدر بھی ہے جو ہزار ماہ سے بہتر ہے پھر اخیر عشرہ میں اعتکاف بھی ہے۔ یہ مہینہ صبر کا مہینہ

---

[1] رواہ البخاری و مسلم

بھی ہے اور سخاوت کا بھی اور آپس کی غمخواری کا بھی، اس میں مؤمن کا رزق بڑھا دیا جاتا ہے۔

طبیعتیں خود بخود نیکی کی طرف چلنے لگتی ہیں، شیاطین جکڑ دیے جاتے ہیں اور جنّت کے دروازے کھول دیے جاتے ہیں اور دوزخ کے دروازے بند کر دیے جاتے ہیں، ایک فرض کا ثواب ستر فرضوں کے اور نفل کا ثواب فرض کے برابر ملتا ہے۔ یہ سب چیزیں احادیث شریفہ میں وارد ہوئی ہیں اس ماہ کی خیر و برکت مؤمن بندے ہی سمجھتے ہیں اور محسوس کرتے ہیں فبارك الله فی صیامهم وصلواتهم۔

رمضان المبارک کی آمد پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خطبۂ استقبالیہ

وَعَنْ سَلْمَانَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: خَطَبَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فِیْ اٰخِرِ یَوْمٍ مِنْ شَعْبَانَ قَالَ: یَا اَیُّهَا النَّاسُ قَدْ اَظَلَّکُمْ شَهْرٌ عَظِیْمٌ مُبَارَكٌ، شَهْرٌ فِیْهِ لَیْلَةٌ خَیْرٌ مِنْ اَلْفِ شَهْرٍ، شَهْرٌ جَعَلَ اللّٰهُ صِیَامَهٗ فَرِیْضَةً، وَقِیَامَ لَیْلِهٖ تَطَوُّعًا، مَنْ تَقَرَّبَ فِیْهِ بِخَصْلَةٍ مِنَ الْخَیْرِ کَانَ کَمَنْ اَدّٰی فَرِیْضَةً فِیْمَا سِوَاهُ، وَمَنْ اَدّٰی فَرِیْضَةً فِیْهِ کَانَ کَمَنْ اَدّٰی سَبْعِیْنَ فَرِیْضَةً فِیْمَا سِوَاهُ، وَهُوَ شَهْرُ الصَّبْرِ، وَالصَّبْرُ ثَوَابُهُ الْجَنَّةُ، وَشَهْرُ الْمُوَاسَاةِ، وَشَهْرٌ یُزَادُ فِیْ رِزْقِ الْمُؤْمِنِ فِیْهِ، مَنْ فَطَّرَ فِیْهِ صَائِمًا کَانَ مَغْفِرَةً لِذُنُوْبِهٖ وَعِتْقَ رَقَبَتِهٖ مِنَ النَّارِ، وَکَانَ لَهٗ مِثْلُ اَجْرِهٖ مِنْ غَیْرِ اَنْ یُنْقَصَ مِنْ اَجْرِهٖ شَیْئٌ، قَالُوْا: یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ لَیْسَ کُلُّنَا یَجِدُ مَا یُفَطِّرُ الصَّائِمَ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ: یُعْطِی اللّٰهُ هٰذَا الثَّوَابَ مَنْ فَطَّرَ صَائِمًا عَلٰی تَمْرَةٍ اَوْ عَلٰی شَرْبَةِ مَاءٍ، اَوْ مَذْقَةِ لَبَنٍ، وَهُوَ شَهْرٌ اَوَّلُهٗ رَحْمَةٌ، وَاَوْسَطُهٗ مَغْفِرَةٌ، وَاٰخِرُهٗ عِتْقٌ مِنَ النَّارِ، مَنْ خَفَّفَ

عَنْ مَمْلُوكِهِ فِيهِ غَفَرَ اللّٰهُ لَهُ، وَأَعْتَقَهُ مِنَ النَّارِ وَاسْتَكْثِرُوا فِيهِ مِنْ أَرْبَعِ خِصَالٍ: خَصْلَتَيْنِ تُرْضُونَ بِهِمَا رَبَّكُمْ، وَخَصْلَتَيْنِ لَا غِنَاءَ بِكُمْ عَنْهُمَا، فَأَمَّا الْخَصْلَتَانِ اللَّتَانِ تُرْضُونَ بِهِمَا رَبَّكُمْ، فَشَهَادَةُ أَنْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ، وَتَسْتَغْفِرُونَهُ، وَأَمَّا الْخَصْلَتَانِ اللَّتَانِ لَا غِنَاءَ بِكُمْ عَنْهُمَا، فَتَسْأَلُونَ اللّٰهَ الْجَنَّةَ، وَتَعُوذُونَ بِهِ مِنَ النَّارِ، وَمَنْ سَقَى صَائِمًا سَقَاهُ اللّٰهُ مِنْ حَوْضِي شَرْبَةً، لَا يَظْمَأُ حَتّٰى يَدْخُلَ الْجَنَّةَ،

رواه ابن خزیمة فی صحیحه، ثم قال صح الخبر، ورواه من طریق البیهقی ورواه ابو الشیخ ابن حبان فی الثواب باختصار عنهما۔

ترجمہ: حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان فرمایا کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے شعبان کی آخری رات میں ہم کو خطاب فرمایا کہ:۔

"اے لوگو! ایک عظیم مہینہ آپہنچا ہے جو ماہ مبارک ہے اس میں ایک رات ہے جو ہزار ماہ سے بہتر ہے۔ اس ماہ کے روزے اللہ تعالیٰ نے فرض فرمائے ہیں اور اس کی راتوں میں قیام کرنا تطوّع (غیر فرض) قرار دیا ہے اس ماہ میں جو شخص کوئی نیک کام کرے گا اس کو ایسا اجر و ثواب ملے گا جیسے اس کے علاوہ دوسرے مہینہ میں فرض ادا کرتا اور فرض کا ثواب ملتا۔ اور جو شخص اس ماہ میں ایک فرض ادا کرے تو اس کو ستر فرضوں کے برابر ثواب ملے گا۔ یہ صبر کا مہینہ ہے اور صبر کا بدلہ جنّت ہے اور یہ آپس کی غمخواری کا مہینہ ہے۔ اس میں مؤمن کا رزق بڑھا دیا جاتا ہے۔ اس ماہ میں جو شخص کسی روزہ دار کا روزہ افطار کرادے تو یہ اس کی مغفرت کا اور دوزخ سے اس کی گردن کی آزادی کا سامان بن جائے گا اور اس کو اسی قدر ثواب ملے گا جتنا روزہ دار کو ملے گا مگر روزہ دار کے ثواب میں کچھ کمی نہ ہوگی"۔

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ ہم نے عرض کیا یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) ہم میں ہر شخص کو اتنا مقدور نہیں جو روزہ افطار کرادے۔ آپؐ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ یہ ثواب اس کو (بھی) دے گا جو پانی ملے ہوئے تھوڑے سے دودھ یا کھجور یا ایک گھونٹ

پانی سے افطار کرادے (سلسلۂ کلام جاری رکھتے ہوئے مزید فرمایا کہ) جو شخص (افطار کے بعد) کسی روزہ دار کو پیٹ بھر کے کھانا کھلا دے اس کو اللہ تعالےٰ میرے حوض سے ایسا سیراب کریں گے کہ جنّت میں داخل ہونے تک پیاسا نہ ہوگا (اور پھر جنّت میں تو بھوک و پیاس کا نام ہی نہیں) اس ماہ کا اوّل حصّہ رحمت ہے، دوسرا حصّہ مغفرت ہے، تیسرا حصّہ دوزخ سے آزادی کا ہے۔ جس نے اس ماہ میں اپنے غلام کا کام ہلکا کردیا تو اللہ تعالےٰ اس کی مغفرت فرمادیں گے۔ بعض روایات میں یہ بھی آیا ہے کہ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلم نے اس موقع پر یہ بھی فرمایا کہ اس ماہ میں چار کاموں کی کثرت کرو ان میں سے دو کام ایسے ہیں کہ ان کے ذریعہ تم اپنے پروردگار کو راضی کروگے اور دو کام ایسے ہیں جن سے تم بے نیاز نہیں ہوسکتے ہو۔

وہ دو کام جن کے ذریعہ خدائے پاک کی خوشنودی حاصل ہوگی (۱) لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کا ورد رکھنا (۲) خدائے پاک سے مغفرت طلب کرتے رہنا۔ اور وہ دو چیزیں جن سے تم بے نیاز نہیں رہ سکتے ہو یہ ہیں (۱) جنّت کا سوال کرنا (۲) دوزخ سے پناہ مانگنا۔"

(الترغیب والترہیب للحافظ المنذری)

رمضان آخرت کی کمائی کا مہینہ ہے

رمضان المبارک کا مہینہ بہت ہی زیادہ خیر و برکت کا مہینہ ہے اور یہ مہینہ آخرت کی کمائی کا بہت بڑا سیزن ہے۔ دنیا کمانے کے جیسے مختلف مواقع آتے رہتے ہیں مثلاً سردی میں گرم کپڑے والوں کی خوب کمائی ہوتی ہے اور عید پر درزی خوب کما لیتے ہیں اور جیسے بارش میں ٹیکسی والوں کی خوب چاندی بن جاتی ہے اسی طرح آخرت کی کمائی کے لئے بھی مواقع آتے رہتے ہیں۔ رمضان المبارک نیکیوں کا مہینہ ہے اس میں اجر و ثواب خوب بڑھ جاتا ہے، ایک فرض کا ثواب ستّر فرضوں کے برابر اور نفلوں کا ثواب فرضوں کے برابر دیا جاتا ہے جیسا کہ خطبۂ نبوی میں گزرا۔

رمضان المبارک میں خدائے پاک کی طرف سے روزانہ رات کو ایک منادی پکار کر اعلان کرتا ہے یَابَاغِیَ الْخَیْرِ اَقْبِلْ وَیَابَاغِیَ الشَّرِّ اَقْصِرْ (اے بھلائی کے تلاش

کرنے والے آگے بڑھ اور اے برائی کے تلاش کرنے والے رُک جا) دیکھا جاتا ہے کہ رمضان میں عبادت کے لئے طبیعت مائل ہوجاتی ہے، فاسق و فاجر گناہوں کو چھوڑ کر نماز روزے میں لگ جاتے ہیں ———————— اس ماہ میں فرائض کا اہتمام تو ضرور ہی کرے جو ہمیشہ ضروری ہے، نوافل کا بھی خاص خیال رکھے، ذکر اللہ کی بھی کثرت کرے۔ خطبۂ نبوی میں گذر چکا ہے کہ لَآ اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ کا ورد رکھے اور استغفار کرتا رہے اور پچھلی قضا نمازیں پڑھنے کا بھی اہتمام کرے۔

رمضان اور سخاوت

رمضان المبارک میں جس قدر فی سبیل اللہ خرچ کیا جائے کم ہے اس میں روزہ افطار کرانے اور روزہ کھولنے کے بعد روزہ دار کو پیٹ بھر کر کھلانے کی خاص فضیلت وارد ہوئی ہے اور اس ماہ کو شھرالمواساۃ (غمخواری کا مہینہ) فرمایا جیسا کہ خطبۂ نبویہ میں گزرا، غریبوں کی امداد و اعانت اس ماہ کے کاموں میں ایک اہم کام ہے۔ ایک حدیث میں ارشاد ہے:

كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا دَخَلَ شَهْرُ رَمَضَانَ اَطْلَقَ كُلَّ اَسِيْرٍ وَّاَعْطٰى كُلَّ سَائِلٍ۔[له]	جب رمضان کا مہینہ آجاتا تھا تو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہر قیدی کو آزاد فرما دیتے تھے اور ہر سائل کو عطا فرماتے تھے۔

رمضان اور قرآن

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ:

كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَجْوَدَ النَّاسِ بِالْخَيْرِ وَكَانَ اَجْوَدَ مَا يَكُوْنُ فِىْ رَمَضَانَ كَانَ جِبْرِيْلُ يَلْقَاهُ كُلَّ لَيْلَةٍ فِىْ رَمَضَانَ يَعْرِضُ عَلَيْهِ النَّبِىُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْقُرْاٰنَ فَاِذَا	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سب لوگوں سے زیادہ سخی تھے اور آپ کی سخاوت رمضان المبارک میں تمام ایام سے زیادہ ہوجاتی تھی۔ رمضان میں ہر رات کو جبرئیل علیہ السلام آپ سے ملاقات کرتے تھے (اور) آپ ان کو قرآن شریف سناتے تھے۔ جب آپ سے جبرئیل ملاقات کرتے

[له] مشکوٰۃ

لَقِيَهُ جِبْرِيْلُ كَانَ أَجْوَدَ بِالْخَيْرِ مِنَ الرِّيْحِ الْمُرْسَلَةِ۔[1]

تھے تو آپ اس ہوا سے بھی زیادہ سخی ہو جاتے تھے جو بارش لاتی ہے۔

قیامِ رمضان

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

مَنْ صَامَ رَمَضَانَ إِيْمَانًا وَّاحْتِسَابًا غُفِرَلَهُ مَاتَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهٖ وَمَنْ قَامَ رَمَضَانَ إِيْمَانًا وَّاحْتِسَابًا غُفِرَلَهُ مَاتَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهٖ وَمَنْ قَامَ لَيْلَةَ الْقَدْرِ إِيْمَانًا وَّاحْتِسَابًا غُفِرَلَهُ مَاتَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهٖ۔ (متفق علیہ)

جس نے ایمان کے ساتھ (اور) ثواب سمجھتے ہوئے رمضان کے روزے رکھے اس کے گذشتہ گناہ معاف کردیے جائیں گے اور جس نے ایمان کے ساتھ (اور) ثواب سمجھتے ہوئے رمضان میں قیام کیا (تراویح وغیرہ پڑھی) تو اس کے پچھلے گناہ معاف کردیے جائیں گے اور جس نے شب قدر میں قیام کیا ایمان کے ساتھ اور ثواب سمجھ کر اس کے اب تک کے گناہ معاف کردیے جائیں گے۔[2]

رمضان المبارک کی راتوں میں چونکہ قیام کی ترغیب دی گئی ہے اس لئے امّتِ مسلمہ میں ہمیشہ سے عشاء کے فرض اور سنّت و وتر کے بعد مزید نفل رکعات پڑھنے کا دستور رہا ہے (اس کی تفصیل انشاء اللہ تعالیٰ انہی اوراق میں آئے گی)۔

رمضان شریف کے آخری عشرہ میں عبادت کا خاص اہتمام

عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهَا قَالَتْ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا یہ روایت فرماتی ہیں کہ جب رمضان کا آخری عشرہ آتا تھا تو حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنے

---

[1] رواہ البخاری ومسلم۔ [2] رواہ البخاری ومسلم۔

وَ دَخَلَ الْعَشْرُ شَدَّ مِئْزَرَہٗ وَ اَحْیٰ لَیْلَہٗ وَ اَیْقَظَ اَھْلَہٗ۔ (رواہ البخاری و مسلم)

تہبند کو مضبوط باندھ لیتے تھے اور رات بھر عبادت کرتے تھے اور اپنے گھر والوں کو (بھی عبادت کے لئے) جگاتے تھے۔

ایک حدیث میں ہے کہ محبوب رب العالمین صلی اللہ علیہ وسلم رمضان المبارک کے آخری دس دنوں کے اندر جتنی محنت سے عبادت کرتے تھے اس کے علاوہ دوسرے ایام میں اتنی محنت نہ کرتے تھے۔ (رواہ مسلم)

حضرت عائشہؓ نے جو یہ فرمایا کہ رمضان کے آخری عشرہ میں آپؐ تہبند کس لیتے تھے، علمائنے اس کے دو مطلب بتائے ہیں۔ ایک یہ کہ خوب محنت اور کوشش سے عبادت کرتے تھے اور راتوں رات جاگتے تھے۔ یہ ایسا ہی ہے جیسے کہ اردو کے محاورے میں محنت کا کام بتانے کے لئے بولا جاتا ہے کہ "خوب کمر کس لو" اور دوسرا مطلب تہبند کس کر باندھنے کا یہ بتایا کہ رات کو بیویوں کے پاس لیٹنے سے دور رہتے تھے۔ کیونکہ ساری رات عبادت میں گزر جاتی تھی۔ اور اعتکاف بھی ہوتا تھا، اس لئے رمضان کے آخری عشرہ میں میاں، بیوی والے خاص تعلق کا موقع نہیں لگتا تھا۔ حدیث کے آخر میں جو ایقظ اھلہ فرمایا اس کا مطلب یہ ہے کہ رمضان کے اخیر عشرہ میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم خود بھی بہت محنت اور کوشش سے عبادت کرتے تھے اور رات بھر بیدار رہتے تھے اور گھر والوں کو بھی اس مقصد کے لئے جگاتے تھے۔ بات یہ ہے کہ جسے آخرت کا خیال ہو، موت کے بعد کے حالات کا یقین ہو، اجر و ثواب کے لینے کا لالچ ہو وہ کیوں نہ محنت اور کوشش سے عبادت میں لگے گا، پھر جو اپنے لئے پسند کرے وہی اپنے اہل و عیال کے لئے بھی پسند کرنا چاہئے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم خود راتوں کو نمازوں میں اتنا قیام فرماتے تھے کہ قدم مبارک سوج جاتے تھے۔ پھر رمضان کے اندر خصوصاً اخیر عشرہ آخرت کی کمائی کا خاص موقع ہے۔ آپؐ کی کوشش ہوتی تھی کہ گھر والے بھی عبادت میں لگیں لہٰذا اخیر عشرہ کی راتوں میں ان کو بھی جگاتے تھے بہت سے لوگ خود تو بہت بڑی عبادت کرتے ہیں لیکن بال بچوں کی طرف سے غافل

رہتے ہیں یہ لوگ فرض نماز بھی نہیں پڑھتے۔ اگر بال بچوں کو ہمیشہ دین پر ڈالنے اور عبادت میں لگانے کی کوشش کی جاتی رہے اور ان کو ہمیشہ فرائض کا پابند رکھا جائے تو رمضان میں نفلوں کے لئے اٹھانے اور شبِ قدر میں جگانے کی بھی ہمت ہو جب بال بچوں کا ذہن دینی نہیں بنایا تو ان کے سامنے شب بیداری کی بات کرتے ہوئے ڈرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ سب کو اپنی محبت عطا فرمائے اور عبادت کی لگن اور ذکر کے ذوق سے نوازے۔

شب قدر کی فضیلت

وَعَنْهَا رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْھَا قَالَتْ قُلْتُ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ اَرَاَیْتَ اِنْ عَلِمْتُ اَیَّ لَیْلَۃٍ لَیْلَۃُ الْقَدْرِ مَا اَقُوْلُ فِیْھَا قَالَ قُوْلِیْ اَللّٰھُمَّ اِنَّکَ عَفُوٌّ تُحِبُّ الْعَفْوَ فَاعْفُ عَنِّیْ۔ (رواہ احمد و ابن ماجہ والترمذی وصححہ)

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرمائیے کہ اگر مجھے پتہ چل جائے کہ فلاں رات کو شبِ قدر ہے تو میں کیا دُعا کروں۔ آپ نے فرمایا یہ دُعا کرو اَللّٰھُمَّ اِنَّکَ عَفُوٌّ تُحِبُّ الْعَفْوَ فَاعْفُ عَنِّیْ۔

رمضان المبارک کا پورا مہینہ آخرت کی دولت کمانے کا ہے۔ پھر اس ماہ میں اخیر عشرہ اور بھی زیادہ محنت اور کوشش سے عبادت میں لگنے کا ہے۔ اس عشرہ میں شبِ قدر ہوتی ہے جو بڑی بابرکت رات ہے۔ قرآن مجید میں ارشاد فرمایا لَیْلَۃُ الْقَدْرِ خَیْرٌ مِّنْ اَلْفِ شَھْرٍ۔ یعنی شبِ قدر ہزار مہینوں سے بہتر ہے۔ ہزار مہینے کے ۸۳ سال اور چار مہینے ہوتے ہیں۔ پھر شبِ قدر کو ہزار مہینے کے برابر نہیں بتایا بلکہ ہزار مہینے سے بہتر بتایا ہے۔ ہزار مہینے سے شبِ قدر کس قدر بہتر ہے اس کا علم اللہ ہی کو ہے۔ مؤمن بندوں کے لئے شبِ قدر بہت ہی خیر و برکت کی چیز ہے۔ ایک رات جاگ کر عبادت کرلیں اور ہزار مہینوں سے زیادہ عبادت کرنے کا ثواب پالیں۔ اس سے بڑھ کر اور کیا چاہئے اسی لئے تو حدیث شریف میں فرمایا مَنْ حُرِمَھَا فَقَدْ حُرِمَ الْخَیْرَ کُلَّہٗ وَلَا یُحْرَمُ خَیْرَھَا اِلَّا کُلُّ مَحْرُوْمٍ[1]۔ یعنی جو شخص شبِ قدر سے محروم ہو گیا (گویا) پوری

---

[1] رواہ ابن ماجہ۔

بھلائی سے محروم ہو گیا اور شبِ قدر کی خیر سے وہی محروم ہوتا ہے جو کامل محروم ہو مطلب یہ ہے کہ چند گھنٹے کی رات ہوتی ہے اور اس میں عبادت کر لینے سے ہزار مہینے سے زیادہ عبادت کرنے کا ثواب ملتا ہے۔ چند گھنٹے بیدار رہ کر نفس کو سمجھا بجھا کر عبادت کر لینا کوئی ایسی قابلِ ذکر تکلیف نہیں جو برداشت سے باہر ہو۔ تکلیف ذراسی اور ثواب بہت بڑا۔ جیسے کوئی ایک پیسہ تجارت میں لگا دے اور بیس کروڑ روپیہ پالے، جس شخص کو ایسے بڑے نفع کا موقع ملا پھر اس نے توجہ نہ کی اس کے بارے میں یہ کہنا بالکل صحیح ہے کہ وہ پورا اور پکّا محروم ہے۔

پہلی اُمتوں کی عمریں زیادہ ہوتی تھیں۔ اس امّت کی عمر بہت سے بہت ۷۰، ۸۰ سال ہوتی ہے۔ اللہ پاک نے یہ احسان فرمایا کہ ان کو شبِ قدر عطا فرما دی اور ایک شبِ قدر کی عبادت کا درجہ ہزار مہینوں کی عبادت سے زیادہ کر دیا۔ محنت کم ہوئی، وقت بھی کم لگا اور ثواب میں بڑی بڑی عمروں والی امتوں سے بڑھ گئے۔ اللہ تعالیٰ کا فضل و انعام ہے کہ اس اُمّت کو سب سے زیادہ نوازا۔ یہ کیسی نالائقی ہے کہ اللہ کی بہت زیادہ نوازش اور داد و دہش ہو اور ہم غفلت میں پڑے سویا کریں۔ رمضان کا کوئی لمحہ ضائع نہ ہونے دو۔ خصوصاً آخری عشرہ میں عبادت کی زیادہ فکر کرو اور بچّوں کو بھی ترغیب دو۔

شبِ قدر کی دُعا

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے جب پوچھا کہ یا رسول اللہؐ شبِ قدر میں کیا دُعا کروں تو آپؐ نے یہ دُعا تعلیم فرمائی:

اَللّٰھُمَّ اِنَّکَ عَفُوٌّ تُحِبُّ الْعَفْوَ فَاعْفُ عَنِّیْ ۔	اے اللہ اس میں شک نہیں کہ آپ معاف کرنے والے ہیں، معاف کرنے والے کو پسند فرماتے ہیں لہٰذا مجھے معاف فرما دیجئے۔

دیکھئے کیسی دُعا ارشاد فرمائی۔ نہ زر مانگنے کو بتایا نہ زمین، نہ دھن نہ دولت، کیا مانگا جائے؟ معافی بات اصل یہ ہے کہ آخرت کا معاملہ سب سے زیادہ کٹھن ہے وہاں اللہ کے

معاف فرمانے سے کام چلے گا اگر معافی نہ ہوئی اور خدانخواستہ عذاب میں گرفتار ہوئے تو دنیا کی ہر نعمت اور لذّت اور دولت و ثروت بیکار ہو گی۔ اصل شے معافی اور مغفرت ہی ہے ایک حدیث میں ارشاد ہے :

مَنْ قَامَ لَيْلَةَ الْقَدْرِ	جو شخص لیلۃ القدر میں ایمان کے ساتھ اور
اِيْمَانًا وَّ احْتِسَابًا غُفِرَلَهٗ	ثواب کی نیت سے (عبادت کیلئے) کھڑا ہوا
مَاتَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهٖ ٥	اس کے پچھلے تمام گناہ معاف کر دئے جاتے ہیں

کھڑا ہونے کا مطلب یہ ہے کہ نماز پڑھے اور اسی حکم میں یہ بھی ہے کہ تلاوت اور ذکر میں مشغول ہو اور ثواب کی امید رکھنے کا مطلب یہ ہے کہ ریا وغیرہ کسی طرح کی خراب نیّت سے کھڑا نہ ہو بلکہ اخلاص کے ساتھ محض اللہ کی رضا اور ثواب کے حصول کی نیّت سے مشغولِ عبادت رہے۔ بعض علمائے نے فرمایا کہ اِحْتِسَابًا کا مطلب یہ ہے کہ ثواب کی نیّت کر کے بشاشتِ قلب سے کھڑا ہو، بوجھ سمجھ کر بد دلی کے ساتھ عبادت میں نہ لگے ثواب کا یقین اور اعتقاد جس قدر زیادہ ہوگا اتنا ہی عبادت میں مشقّت کا برداشت کرنا سہل ہوگا۔ یہی وجہ ہے کہ جو شخص قربِ الٰہی میں جس قدر ترقی کرتا جاتا ہے عبادت میں اس کا انہماک زیادہ ہوتا رہتا ہے۔ نیز یہ بھی معلوم ہو جانا ضروری ہے کہ حدیث بالا اور اس جیسی احادیث میں گناہوں کی معافی کا ذکر ہے۔ علماء کا اجماع ہے کہ کبیرہ گناہ بغیر توبہ کے معاف نہیں ہوتے۔ پس جہاں احادیث میں گناہوں کے معاف ہونے کا ذکر آتا ہے وہاں صغیرہ گناہ مراد ہوتے ہیں اور صغیرہ گناہ ہی انسان سے بہت سرزد ہوتے ہیں۔ عبادت کا ثواب بھی اور ہزاروں گناہوں کی معافی بھی ہو جائے کس قدر نفع عظیم ہے۔

شبِ قدر کی تاریخیں شبِ قدر کے بارے میں حدیثوں میں وارد ہوا ہے کہ رمضان کے آخری عشرہ کی طاق راتوں میں تلاش کرو۔ لہٰذا رمضان کی ۲۱ ویں، ۲۳ ویں، ۲۵ ویں، ۲۷ ویں، ۲۹ ویں رات کو جاگنے اور عبادت کرنے کا خاص اہتمام

کریں خصوصاً ۲۷ ویں شب کو تو ضرور جاگیں کیونکہ اس دن شبِ قدر ہونے کی زیادہ امید ہوتی ہے۔

حضرت عبادہؓ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایک دن اس لئے باہر تشریف لائے کہ ہمیں شبِ قدر کی اطلاع فرمادیں مگر دو مسلمانوں میں جھگڑا ہو رہا تھا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میں اس لئے آیا تھا کہ تمہیں شبِ قدر کی اطلاع دوں مگر فلاں فلاں شخصوں میں جھگڑا ہو رہا تھا جس کی وجہ سے اس کی تعیین میرے ذہن سے اٹھالی گئی۔ کیا بعید ہے کہ یہ اٹھالینا اللہ کے علم میں بہتر ہو۔

لڑائی جھگڑے کا اثر

اس مبارک حدیث سے معلوم ہوا کہ آپس کا جھگڑا اس قدر بُرا عمل ہے کہ اس کی وجہ سے اللہ پاک نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے قلبِ مبارک سے شبِ قدر کی تعیین اٹھالی۔ یعنی کس رات کو شبِ قدر ہے مخصوص کرکے اس کا علم جو دے دیا گیا تھا وہ قلب سے اٹھالیا گیا۔ اگرچہ بعض وجوہ سے اس میں بھی امّت کا فائدہ ہو گیا جیسا کہ انشاء اللہ تعالیٰ ہم ابھی ذکر کریں گے۔ لیکن سبب آپس کا جھگڑا بن گیا جس سے آپس میں جھگڑے کی مذمت کا پتہ چلا۔

شبِ قدر کی تعیین نہ کرنے میں مصالح

علماء کرام نے شبِ قدر کو پوشیدہ رکھنے یعنی مقرر کرکے یوں نہ بتلانے کے بارے میں کہ فلاں رات کو شبِ قدر ہے، چند مصلحتیں بتائی ہیں۔

(۱) اوّل یہ کہ اگر تعیین باقی رہتی تو بہت سے کوتاہ طبائع دوسری راتوں کا اہتمام بالکل ترک کر دیتے اور صورتِ موجودہ میں اس احتمال پر کہ شاید آج ہی شبِ قدر ہو متعدد راتوں میں عبادت کی توفیق نصیب ہو جاتی ہے۔

(۲) دوسری یہ کہ بہت سے لوگ ہیں کہ معاصی کئے بغیر نہیں رہتے۔ تعیین کی صورت میں اگر باوجود معلوم ہونے کے معصیت کی جرأت کی جاتی تو یہ بات سخت

اندیشہ ناک ہوتی۔

(۳) تیسری یہ کہ تعیین کی صورت میں اگر کسی شخص سے وہ رات چھوٹ جاتی تو آئندہ راتوں میں افسردگی کی وجہ سے پھر کسی رات کا جاگنا بشاشت کے ساتھ نصیب نہ ہوتا اور اب رمضان کی چند راتیں میسر ہو ہی جاتی ہیں۔

(۴) چوتھی یہ کہ جتنی راتیں طلب میں خرچ ہوتی ہیں، ان سب کا مستقل ثواب علیحدہ ملتا ہے۔ ان کے علاوہ اور بھی مصالح ہوسکتے ہیں۔ جھگڑے کی وجہ سے اس خاص رمضان المبارک میں تعیین بھلا دی گئی اور اس کے بعد مصالح مذکورہ یا دیگر مصالح کی وجہ سے ہمیشہ کے لئے تعیین چھوڑ دی گئی۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

رمضان کے آخری عشرہ میں اعتکاف

وَعَنْهَا رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهَا اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَعْتَكِفُ الْعَشْرَ الْاَوَاخِرَ مِنْ رَمَضَانَ حَتّٰى تَوَفَّاهُ اللّٰهُ ثُمَّ اعْتَكَفَ اَزْوَاجُهٗ مِنْ بَعْدِهٖ (رواہ البخاری ومسلم)

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا روایت فرماتی ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم رمضان کے آخری دس دنوں میں اعتکاف فرماتے تھے۔ وفات ہونے تک آپؐ کا یہ معمول رہا۔ آپ کے بعد آپؐ کی بیویاں اعتکاف کرتی تھیں۔ (بخاری ومسلم)

فرمایا محبوب رب العالمین صلی اللہ علیہ وسلم نے (اعتکاف کرنے والے کے متعلق) کہ وہ گناہوں سے بچا رہتا ہے اور اسے وہ ثواب بھی ملتا ہے جو (اعتکاف سے باہر) تمام نیکیاں کرنے والے کو ملتا ہے۔ (ابن ماجہ عن ابن عباسؓ)

یعنی اعتکاف میں بیٹھ کر اعتکاف والا خارج مسجد جو نیکیاں کرنے سے عاجز ہے تو وہ ثواب کے اعتبار سے محروم نہیں رہے۔ اگر اعتکاف نہ کرتا تو مسجد سے باہر جو نیکیاں کرتا، ان کا ثواب بھی پاتا ہے۔

رمضان المبارک کی ہر گھڑی اور منٹ و سیکنڈ کو غنیمت جاننا چاہیئے جتنا ممکن

ہو اس ماہ میں نیک کام کرلو، اور ثواب لوٹ لو، پھر رمضان میں بھی آخری دس دنوں کی اہمیت بہت زیادہ ہے۔

رمضان کے آخری دس دن (جن کو عشرۂ اخیرہ کہا جاتا ہے) میں اعتکاف بھی کیا جاتا ہے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ہر سال ان دنوں میں اعتکاف فرماتے تھے اور آپؐ کی بیویاں بھی اعتکاف کرتی تھیں۔ آپؐ کی وفات کے بعد بھی آپؐ کی بیویوں نے اعتکاف کا اہتمام کیا جیسا کہ اوپر حدیث میں مذکور ہوا۔ زمانۂ نبوت کی عورتیں نیکیاں کمانے کی دُھن میں پیچھے نہ رہتی تھیں۔

اعتکاف میں بہت بڑا فائدہ ہے۔ اس میں انسان یکسو ہو کر اپنے اللہ سے لَو لگائے رہتا ہے اور چونکہ رمضان کی آخری دس راتوں میں کوئی نہ کوئی رات شبِ قدر بھی ہوتی ہے اس لئے اعتکاف کرنے والے کو عموماً وہ بھی نصیب ہو جاتی ہے۔

رمضان کی بیسویں تاریخ کا سُورج چھُپنے سے پہلے عید کا چاند نظر آنے تک اعتکاف کی نیت سے مسجد میں جم کر رہنے کو اعتکاف کہتے ہیں جم کر رہنے کا مطلب یہ ہے کہ عید کا چاند نظر آنے تک مسجد ہی کی حد میں رہے۔ البتہ پیشاب، پاخانہ کے لئے وہاں سے چلے جانا درست ہے۔ اعتکاف کرے تو ہر وقت مسجد میں رہے وہیں سوئے، وہیں کھائے قرآن پڑھے، نفلیں پڑھے، تسبیحوں میں مشغول رہے، جہاں تک ممکن ہو راتوں کو جاگے اور عبادت کرے، خاص کر جن راتوں میں شبِ قدر کی امید ہو ان راتوں میں شب بیداری کا اہتمام کرے۔

مسئلہ: اعتکاف میں میاں بیوی کے خاص تعلقات والے کام جائز نہیں ہیں۔ نہ رات میں نہ دن میں۔

مسئلہ: یہ جو مشہور ہے کہ جو اعتکاف میں ہو وہ کسی سے نہ بولے نہ چالے یہ غلط ہے، بلکہ اعتکاف میں بولنا چالنا اچھی باتیں کرنا، کسی کو نیک بات بتا دینا اور بُرائی سے روک دینا، بال بچوں اور نوکروں کو گھر کا کام کاج وغیرہ بتا دینا یہ سب درست ہے۔

آخری رات کی بخششیں

فرمایا رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ رمضان کی آخری رات میں اُمّتِ محمدیہ کی مغفرت کردی جاتی ہے۔ عرض کیا گیا یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کیا اس سے شبِ قدر مراد ہے؟ فرمایا نہیں! (یہ فضیلت آخری رات کی ہے شبِ قدر کی فضیلتیں اس کے علاوہ ہیں) بات یہ ہے کہ عمل کرنے والے کا اجر اس وقت پورا دے دیا جاتا ہے جب کام پورا کر دیتا ہے اور آخری شب میں عمل پورا ہو جاتا ہے، لہٰذا بخشش ہو جاتی ہے۔

(احمد عن ابی هریرةؓ)

تراویح

چونکہ رمضان المبارک آخرت کی کمائی کرنے اور زیادہ سے زیادہ ثواب لوٹنے کا مہینہ ہے اس لئے اس ماہ میں عشار کے فرضوں اور سنتوں کی ادائیگی کے علاوہ مزید نماز بھی مشروع کی گئی ہے۔ ان ہی اوراق میں حدیث گزر چکی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مَنْ قَامَ رَمَضَانَ اِيْمَانًا وَّ احْتِسَابًا غُفِرَ لَهٗ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهٖ (جس نے ایمان کے ساتھ ثواب کی امید رکھتے ہوئے رمضان کی راتوں میں قیام کیا اس کے پچھلے گناہ معاف کر دیئے جائیں گے)[1]

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے تین دن تین راتوں میں صحابہ کے ساتھ قیام فرمایا صحابہؓ نے اس میں بہت زیادہ دلچسپی لی لیکن آپؐ نے اس ڈر سے کہ کہیں یہ فرض نہ ہو جائے جماعت سے نماز نہیں پڑھائی ہر شخص اپنے نشاط کے مطابق قیام رمضان کا ثواب کما لیتا تھا۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانہ خلافت میں اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت کے شروع زمانہ میں اسی پر عمل رہا۔ ایک دن ایسا ہوا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ رات کے وقت مسجد میں گذرے وہاں دیکھا کہ لوگ متفرق طور پر قیام رمضان میں مشغول ہیں کوئی شخص تنہا نماز پڑھ رہا ہے اور کسی کے ساتھ چند افراد نماز پڑھ رہے ہیں۔ حضرت عمرؓ نے کہا کہ اگر میں انہیں ایک قاری پر جمع

---

[1] رواہ البخاری ومسلم

کردوں تو زیادہ اچھا ہوگا۔ اس کے بعد حضرت ابی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو امام بنا دیا وہ نماز پڑھاتے تھے اور حاضرین ان کے پیچھے نماز پڑھتے تھے، بعض روایات میں ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ابی بن کعب اور تمیم داری رضی اللہ عنہما کو حکم دیا کہ وہ رمضان میں لوگوں کو گیارہ رکعت پڑھا دیں (آٹھ رکعات قیام رمضان کی اور تین رکعت وتر کی) راوی حدیث سائب بن یزید نے بیان کیا کہ نماز پڑھانے والا قاری کئی کئی سو آیات پڑھتا تھا حتیٰ کہ ہم لمبے قیام کی وجہ سے لاٹھی پر ٹیک لگاتے تھے اور فجر کے شروع میں فارغ ہوتے تھے۔ دوسری روایت میں ہے کہ نماز پڑھانے والا قاری سورۂ بقرہ کو آٹھ رکعات میں پڑھتا تھا اور جب وہ اس سورۃ کو بارہ رکعات میں پڑھتا تھا تو حاضرین سمجھتے تھے کہ آج قاری نے کام ہلکا کر دیا۔

اور ایک حدیث میں یوں ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو حضرت ابی ابن کعب پر جمع فرما دیا (یعنی قیام رمضان کے لئے اُن کو امام دیا اور نماز پڑھنے والوں کو ان کے ساتھ نماز پڑھنے کا حکم فرما دیا) حضرت ابی ابن کعبؓ حاضرین کو بیس رکعت نماز پڑھاتے تھے اور جب آخری دس دن رہ جاتے تھے تو اپنے گھر میں نماز پڑھتے تھے لوگ کہتے تھے اَبَقَ اُبَیٌّ کہ اُبی لوگوں کو چھوڑ کر بھاگ نکلے۔

یہ روایات ہم نے مشکوٰۃ المصابیح ص۱۱۴ اور ص۱۱۵ سے جمع کی ہیں ان سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے زمانہ میں قیام رمضان کی رکعات مقرر نہ تھیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کو امام بنایا اور ان کے پیچھے قیام رمضان کی نماز پڑھنے کا اجتماعی سلسلہ جاری فرمایا اس میں بھی روایات مختلف ہیں آٹھ رکعات کا ذکر بھی ہے اور بارہ کا بھی اور بیس کا بھی۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بیس رکعات اجتماعی نماز شروع کرائی تھی۔ پھر حضرت عثمان اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے زمانۂ خلافت میں اور اس کے بعد سے لے کر آج تک چاروں ائمہ کرام کے مقلدین بیس رکعت نماز پڑھتے رہے ہیں اور حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا ایک قول چھتیس رکعات نماز پڑھنے کا بھی ہے۔

قیامِ رمضان کے عنوان سے جو نماز پڑھی جاتی تھی کچھ عرصہ کے بعد اس کے لئے لفظ تراویح استعمال کیا جانے لگا جو ترویحہ کی جمع ہے جس کا معنی ہے "آرام دینا" چونکہ چار رکعت پڑھنے کے بعد امام اور مقتدی کچھ ٹھہر جاتے تھے جس سے آرام بھی مل جاتا تھا اور آئندہ چار رکعت پڑھنے کی مزید ہمت ہو جاتی تھی اور جس کسی کو پانی پینا ہوتا پانی پی لیتا تھا اور کسی کو کوئی بات کرنی ہوتی تو وہ بات کر لیتا اسی لئے اس کو نماز تراویح کے نام سے یاد کیا جانے لگا اور پوری امت میں قیامِ رمضان کے لئے یہی کلمہ مشہور ہو گیا۔

بعض فرقوں کو بیس ۲۰ رکعت تراویح پڑھنے پر اعتراض ہے اور اسے بدعت کہتے ہیں حالانکہ اسے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جاری فرمایا اس وقت بڑی تعداد میں حضرات صحابہ کرام موجود تھے انہوں نے اس کی موافقت کی اور بیس رکعت نماز پڑھی۔ پھر حضرت عثمان اور حضرت علی رضی اللہ عنہما کے زمانہ میں بھی اسی پر عمل ہوتا رہا تو یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد عَلَيْكُمْ بِسُنَّتِيْ وَ سُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِيْنَ اور حدیث مَا اَنَا عَلَيْهِ وَ اَصْحَابِيْ پر عمل کرنا ہوا۔ حضراتِ خلفاءِ ثلاثہ اور بیس رکعت تراویح پڑھنے والے صحابہ کو بدعتی کہنا کتنی بڑی جسارت ہے قارئین کرام غور کر لیں [۱]

سفر میں روزے رکھنے کا حکم

طویل سفر جس میں نماز قصر پڑھنا درست ہے اس میں رمضان المبارک کے روزے چھوڑنا بھی جائز ہے یعنی رمضان کا مسافر نماز قصر والے سفر میں رمضان کے روزے نہ رکھے اور بعد کے آنے والے کسی مہینہ میں رکھ لے تو اس کی اجازت ہے۔

سورۂ بقرہ میں فرمایا:

فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَرِيْضًا اَوْ عَلٰى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ اَيَّامٍ اُخَرَ ۝ (۱۸۴)	اور جو شخص مریض ہو یا سفر میں ہو تو دوسرے دنوں کی گنتی کر کے روزے رکھ لے۔

---

[۱] مزید تحقیق اور توضیح و تفصیل کے لئے اعلاء السنن کا مطالعہ کیا جائے۔

اس آیت کریمہ میں اجازت دی ہے کہ مریض اور مسافر اگر سفر میں روزے نہ رکھیں (جس میں نماز قصر کرنے کی اجازت ہے) تو ایسا شخص رمضان المبارک گزرنے کے بعد چھوٹے ہوئے روزوں کی قضا رکھ لے اگر دوسرا رمضان آنے تک پہلے رمضان کے قضا روزے نہ رکھے تو اب اس موجودہ رمضان کے روزے رکھ لے اور گزشتہ رمضان کے روزوں کی قضا بعد میں کرلے البتہ جلد سے جلد قضا رکھ لینا بہتر ہے اس میں مسارعت إلی الخیر ہے اور چونکہ موت کا کچھ پتہ نہیں اس لئے ادائیگی فرض کا اہتمام بھی ہے۔

مسئلہ: ہر مریض کو اجازت نہیں ہے کہ بعد میں قضا رکھنے کے لئے رمضان کے روزے چھوڑے بلکہ یہ رخصت و اجازت ایسے مریض کو دی ہے جس کو روزہ رکھنے سے سخت تکلیف میں مبتلا ہونے یا کسی عضو کے تلف ہونے کا قوی اندیشہ ہو یا ایسے مرض میں مبتلا ہو جس میں روزے رکھنے کی وجہ سے مرض کے طول پکڑ جانے کا غالب گمان ہو جو تجربہ سے یا ماہر مسلم معالج کے قول کی بنیاد پر ہو اور یہ ماہر مسلم معالج ایسا ہو جس کا فاسق ہونا معلوم نہ ہو۔

قال فی الدر المختار او مریض خاف الزیادۃ لمرضہ وصحیح خاف المرض بغلبۃ الظن بأمارۃ أو بتجربۃ أو بإخبار طبیب حاذق مسلم مستور اھ۔ وفی الشامی أما الکافر فلا یعتمد علی قولہ لاحتمال أن غرضہ إفساد العبادۃ. (فصل فی العوارض. (۲-۴۲۲)

اس بارے میں لوگ یہ غلطی کرتے ہیں کہ معمولی سے مرض میں روزہ چھوڑ دیتے ہیں گو اس مرض کے لئے روزہ مضر بھی نہ ہو۔ بلکہ بعض امراض میں روزہ مفید ہوتا ہے پھر بھی مرض کا بہانہ بنا کر روزہ نہیں رکھتے اور بہت سے لوگ ڈاکٹروں کے کہہ دینے سے روزہ چھوڑ دیتے ہیں۔ اس بارے میں ہر ڈاکٹر کا قول معتبر نہیں ڈاکٹر بے دین فاسق بلکہ کافر بھی ہوتے ہیں انہیں نہ مسئلہ کا علم ہوتا ہے نہ روزہ کی قیمت جانتے ہیں اور بہت سے لوگوں کو تو خواہ مخواہ روزہ چھڑوانے میں مزہ آتا ہے اور کافر ڈاکٹر کا قول تو اس بارے میں

بالکل ہی معتبر نہیں۔

مریض کو اپنے تجربہ اور اپنی ایمانی صوابدید سے اور کسی ایسے معالج سے روزہ رکھنے یا نہ رکھنے کا فیصلہ کرنا چاہیئے جو مسلمان ہو روزے کی اہمیت سمجھتا ہو اور خوفِ خدا رکھتا ہو اور مسئلہ شرعیہ سے واقف ہو، اور یہ بات بھی قابلِ ذکر ہے کہ بہت سے لوگ بیماری کی وجہ سے رمضان کے روزے چھوڑ دیتے ہیں اور پھر رکھتے ہی نہیں اور بہت بڑی گنہگاری کا بوجھ لے کر قبر میں چلے جاتے ہیں۔ کھانے پینے کی محبت اور آخرت کی بے فکری کی وجہ سے ایسا ہوتا ہے۔ یہ ان مریضوں کا بیان ہوا جو عموماً تندرست رہتے ہیں اور عارضی طور پر مریض ہو گئے۔ یہ لوگ صحت یاب ہو کر بعد میں قضا رکھ لیں۔ لیکن ایسا مرد یا عورت جو مستقل مریض ہو جسے روزہ رکھ سکنے کی زندگی بھر اُمید نہ ہو اور ایسے مرد یا عورت جو بہت بوڑھے ہوں نہ اب روزہ رکھنے کی طاقت ہے نہ پھر کبھی روزہ رکھ سکنے کی اُمید ہے تو یہ لوگ روزوں کے بجائے فدیہ دیں۔ لیکن اگر کبھی بعد میں روزہ رکھنے کے قابل ہو گئے تو روزے رکھنا فرض ہو گا اور فدیہ جو دیا ہے وہ نفلی صدقہ ہو جائے گا۔

جس طرح کہ ہر مریض کو روزہ چھوڑنے کی اجازت نہیں اسی طرح ہر مسافر کو بھی روزہ چھوڑنے کی اجازت نہیں۔ رمضان المبارک کا روزہ بعد میں قضا رکھنے کی نیّت سے اس مسافر کو روزہ نہ رکھنا جائز ہے جو مسافت قصر کے ارادہ سے اپنے شہر یا بستی سے نکلا ہو جب تک سفر میں رہے گا مرد ہو یا عورت اُسے رمضان کا روزہ نہ رکھنے کی اجازت ہے۔ جب گھر آجائے تو روزوں کی قضا کر لے۔ ہاں اگر سفر میں کسی جگہ پندرہ دن ٹھہرنے کی نیّت کر لی تو اب شرعاً مسافر کے حکم میں نہیں رہا۔ ان دنوں میں رمضان المبارک ہو تو روزے رکھنا فرض ہو گا اور نماز میں قصر کرنا جائز نہ ہو گا۔

جو شخص مسافت قصر سے کم سفر کے لئے گیا ہو اُسے روزہ چھوڑنا جائز نہیں ہے۔

مسافت قصر کے مسافر کو سفر میں روزہ چھوڑنے کی اجازت تو ہے لیکن رمضان المبارک میں روزہ رکھ لینا بہتر ہے اور وجہ اس کی یہ ہے کہ اوّل تو رمضان کی برکت اور نورانیت

سے محرومی نہ ہوگی۔ دوسرے سب مسلمانوں کے ساتھ مل کر روزہ رکھنے میں آسانی ہوگی اور بعد میں تنہا روزہ رکھنا مشکل ہوگا۔

سفر میں روزے رکھنا

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے بیان کیا کہ رسُول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فتح مکہ کے موقع پر مدینہ منورہ سے مکہ معظمہ کے لئے روانہ ہوئے۔ یہ رمضان المبارک کا مہینہ تھا آپؐ روزے رکھتے رہے یہاں تک کہ کراع الغنیم تک پہنچ گئے جو لوگ آپؐ کے ساتھ تھے انہوں نے بھی روزے رکھے پھر آپؐ نے پانی سے بھرا ہوا پیالہ طلب فرمایا پھر اسے اوپر اٹھایا یہاں تک کہ لوگوں نے دیکھ لیا پھر آپؐ نے پی لیا یہ عمل کر کے آپؐ نے یہ بتا دیا کہ سفر میں رمضان المبارک کا روزہ قدرت ہوتے ہوئے بھی چھوڑنا جائز ہے۔ حضرت حمزہ بن عمرو اسلمی رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہؐ! میں سفر میں روزہ رکھتا ہوں۔ یہ صحابی زیادہ تر روزے رکھا کرتے تھے آپؐ نے فرمایا چاہو تو روزہ رکھو اور چاہو تو بے روزہ رہو۔ (رواہ مسلم)

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان کیا کہ ہم نے رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رمضان المبارک کی سولہ تاریخ کو جہاد کیا ہم میں سے کسی نے روزہ رکھا اور کسی نے نہیں رکھا نہ روزے دار نے بے روزہ والے کو بُرا سمجھا اور نہ بے روزہ والے نے روزہ دار کو بُرا کہا[1]

حضرت انس رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سفر میں تھے کوئی روزے دار تھا اور کوئی بے روزہ تھا ایک جگہ منزل پر اترے جبکہ یہ دن گرم تھا تو روزے دار تو گر پڑے (یعنی منزل تک پہنچتے ہی لیٹ گئے) اور جن کا روزہ نہیں تھا انہوں نے خیمے لگائے اور سواریوں کو پانی پلایا۔ آپؐ نے فرمایا ذھب المفطرون الیوم بالاجر آج وہ لوگ ثواب لے اڑے جو روزے دار نہ تھے[2]

ان روایات سے معلوم ہوا کہ رمضان المبارک میں کوئی شخص سفر میں ہو تو اس کو

---

[1] رواہ مسلم۔ [2] رواہ البخاری ومسلم

روزہ رکھنے اور نہ رکھنے کی اجازت ہے اور آیت قرآنیہ وَ اَنْ تَصُوْمُوْا خَيْرٌ لَّكُمْ سے معلوم ہوا کہ روزہ رکھنا افضل ہے اور حدیث شریف سے معلوم ہوا کہ اگر جہاد وغیرہ کا زمانہ ہو اور اس میں خدمت کرنے کی ضرورت ہو تو روزہ نہ رکھنا افضل ہے۔ پہلے حدیث گزر چکی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سفر اور حضر میں ایام البیض کے روزے نہیں چھوڑتے تھے [1]

مسئلہ: مسافر اور مریض (جنہیں روزہ نہ رکھنے کی اجازت ہے) وہ اگر اپنے زمانۂ عذر ہی میں مرگئے تو چونکہ انہوں نے قضا رکھنے کا وقت ہی نہیں پایا اس لئے ان پر اپنے چھوٹے ہوئے روزوں کی طرف سے فدیہ دینے کی وصیت کرنا واجب نہیں اور اگر مریض نے اچھا ہوکر اور مسافر نے گھر آکر روزے نہیں رکھے یا کچھ رکھے اور کچھ نہ رکھے تو جتنے دن مرض اور سفر کے بعد پالئے ہیں ان کی طرف سے فدیہ ادا کرنے کی وصیت کرنا واجب ہے۔ وصیت کے بعد اس کا ولی قرضوں کی ادائیگی کے بعد اس کے تہائی مال سے ہر روزہ کے عوض بقدر صدقۂ فطر کے صدقہ کردے اور اگر اس نے وصیت نہ کی اور اس کے ولی نے اپنی خوشی سے اپنے ذاتی مال سے اس کی طرف سے فدیہ دے دیا تو انشاء اللہ یہ بھی مفید ہوگا۔

مثلاً اگر دس دن کے روزے چھوڑے تھے اور اسی قدر ایام صحت اور ایام اقامت پالئے اور قضا روزے نہ رکھے اور موت آنے لگی تو پورے دس دن کے روزوں کی طرف سے فدیہ ادا کرنے کی وصیت کرے۔ اور اگر ایام صحت اور ایام اقامت میں صرف پانچ دن ملے تھے اور ان میں قضا روزے نہ رکھے تو صرف پانچ دن کے روزوں کی طرف سے فدیہ ادا کرنے کی وصیت کرے۔ (من الدر المختار)

حیض اور نفاس والی عورت کا حکم

جس عورت کو رمضان المبارک میں ماہواری کے دن آجائیں یا ولادت کے بعد کا خون آرہا ہو جسے نفاس کہتے ہیں یہ دونوں عورتیں رمضان المبارک کے روزے

---

[1] رواہ النسائی

نہ رکھیں اگرچہ روزہ رکھنے کی طاقت ہو لیکن بعد میں ان روزوں کی قضا رکھ لیں اور حیض و نفاس کے زمانہ کی نمازیں بالکل معاف ہیں ان دونوں پر ان کی قضا نہیں۔

نفلی روزے

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم رمضان المبارک کے روزوں کے علاوہ نفلی روزے بھی رکھتے تھے اور اپنے قول اور عمل سے اس کی ترغیب دیتے تھے۔ سب سے زیادہ ماہ شعبان میں نفلی روزے رکھنے کا اہتمام کرتے تھے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے بیان فرمایا کہ میں نہیں جانتی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ماہ رمضان کے علاوہ کبھی کسی پورے ماہ کے روزے رکھے ہوں اور میں نہیں جانتی کہ آپؐ نے کسی ماہ میں ماہ شعبان سے زیادہ نفلی روزے رکھے ہوں۔ آپؐ بجز چند ایام کے پورے شعبان کے روزے رکھتے تھے [1]

آپؐ نے یہ بھی فرمایا کہ ہر ماہ تین روزے رکھ لینا اور رمضان المبارک کے روزے رکھ لینا یہ صیام الدہر ہے یعنی پوری عمر روزہ رکھنے کے برابر ہے [2]

چونکہ ہر نیکی کم از کم دس گنا بڑھا دی جاتی ہے اس لئے ہر ماہ کے تین روزے پورے ماہ کے روزوں کے برابر شمار ہوں گے۔

آپؐ نے مزید فرمایا کہ یوم عرفہ یعنی ذی الحجہ کی نویں تاریخ کے روزہ کے بارے میں اللہ تعالیٰ سے بہت پکی امید رکھتا ہوں کہ اس کے ذریعہ ایک سال پہلے کے اور ایک سال بعد کے گناہوں کا کفارہ فرما دے گا اور عاشوراء کے روزے کے بارے میں اللہ تعالیٰ سے بہت پکی امید رکھتا ہوں کہ اس کے ذریعہ ایک سال پہلے کے گناہ معاف فرما دے گا [3]

آپؐ ہر ماہ تین روزے رکھنے کا بھی اہتمام فرماتے تھے۔ حضرت معاذہ عدویہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے دریافت کیا کہ آپؐ مہینے کی کون سی تاریخوں میں روزے رکھتے تھے؟ انہوں نے جواب دیا کہ اس بارے میں تاریخوں کا کوئی خاص اہتمام نہ

---

[1] رواہ البخاری و مسلم۔ [2] رواہ مسلم۔ [3] رواہ مسلم۔

تھا مہینے کے جن ایام میں چاہتے تھے تین روزے رکھ لیتے تھے[1]

حضرت ابوذر رضی اللہ تعالٰے عنہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ابوذر! جب تم مہینے کے تین روزے رکھو تو چاند کی تیرہ، چودہ، پندرہ (۱۳، ۱۴، ۱۵) کو رکھو[2] ان تین دنوں کو ایام البیض کہا جاتا ہے کیونکہ ان کی راتوں میں چاند پوری طرح روشن رہتا ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خود بھی ان ایام کے روزوں کا اہتمام فرماتے تھے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضر اور سفر میں ایام البیض کے روزے نہیں چھوڑتے تھے[3]

رسول اللہ صلی اللہ تعالٰے علیہ وسلم پیر اور جمعرات کے دن روزہ رکھنے کا بھی اہتمام فرماتے تھے، آپؐ نے فرمایا کہ پیر اور جمعرات کے دن اللہ تعالٰی کی بارگاہ میں اعمال پیش ہوتے ہیں میں چاہتا ہوں کہ میرا عمل اس حال میں پیش کیا جائے کہ میرا روزہ ہو[4]

ایک روایت میں ہے کہ آپؐ سے سوال کیا گیا کہ آپ پیر اور جمعرات کے دن روزہ رکھتے ہیں (اس کی کیا وجہ ہے) آپؐ نے فرمایا بے شک پیر اور جمعرات کے دن اللہ تعالٰی ہر مسلمان کی مغفرت فرما دیتا ہے سوائے ان دو شخصوں کے جن میں آپس میں لڑائی جھگڑا ہو اللہ تعالٰے کا فرمان ہوتا ہے کہ ان دونوں کو ابھی چھوڑے رکھو جب تک صلح نہ کرلیں[5]

جو فرشتہ محو السیئات یعنی گناہوں کے مٹانے پر مقرر ہے یہ حکم اس کو دیا جاتا ہے ایک حدیث میں یوں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پیر کے دن جو روزہ رکھا کرتے تھے اس کے بارے میں دریافت کیا گیا تو آپؐ نے فرمایا فِیہِ ولدتُّ وفیہ انزل علیّ یعنی میں پیر کے دن پیدا ہوں اور پیر کے دن مجھ پر (پہلی بار) نزولِ قرآن کی ابتدا ہوئی[6]

---

[1] رواہ مسلم۔ [2] رواہ الترمذی والنسائی۔ [3] رواہ النسائی۔ [4] رواہ الترمذی۔
[5] رواہ احمد وابن ماجہ۔ [6] رواہ مسلم۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ذی الحجہ کے شروع کے دس دنوں میں عبادت کرنا اللہ تعالیٰ کو دیگر ایام کی عبادت سے زیادہ محبوب ہے ان دنوں کا ہر روزہ ایک سال کے روزے کے برابر ہے اور ہر رات کو نماز میں قیام کرنا شب قدر میں قیام کرنے کے برابر ہے [۱]

حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس نے رمضان کے روزے رکھے پھر ماہ شوال کے چھ روزے رکھ لئے تو یہ ایسا ہوگا جیسے کسی نے پوری عمر روزے رکھے [۲]

اس میں بھی وہی نکتہ ہے کہ ہر نیکی کا ثواب کم از کم دس گنا ہو کر ملتا ہے۔ اس طرح چھتیس ۳۶ روزوں کے تین سو ساٹھ ۳۶۰ روزے ہو جاتے ہیں اور اتنے ہی دن کا ایک قمری سال ہوتا ہے، اگر رمضان کے روزے چاند کی وجہ سے انتیس ہی رہ جائیں تب بھی تیس ہی شمار ہوں گے کیونکہ ہر مسلمان کی نیت ہوتی ہے کہ چاند نظر نہ آئے تو تیسواں روزہ رکھے گا اس اعتبار سے انتیس روزے رمضان کے اور چھ عید کے کل پینتیس روزے رکھنے سے بھی پورے سال روزہ رکھنے کا ثواب ملے گا۔ پھر جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف رمضان اور چھ شوال کے روزے رکھنے پر اس ثواب کی خوش خبری سنائی تو ہمیں یہ سوال اٹھانے کی ضرورت نہیں کہ ایک روزہ چاند کی وجہ سے رہ گیا تو ثواب پورے سال کا ہوگا یا نہیں۔

چند مسنون دعائیں

فرمایا معاذ بن زہرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم افطار کے وقت یہ دعا پڑھتے تھے۔ اَللّٰهُمَّ لَكَ صُمْتُ وَعَلٰى رِزْقِكَ اَفْطَرْتُ (ابوداؤد)

ترجمہ: اے اللہ میں نے تیرے ہی لئے روزہ رکھا اور تیرے ہی دیے ہوئے رزق پر روزہ کھولا۔

فرمایا ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے کہ افطار کے وقت (یعنی بعد افطار) رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم یہ دعا پڑھتے:

---

[۱] رواہ الترمذی وقال اسنادہ ضعیف۔ [۲] رواہ مسلم

ذَهَبَ الظَّمَأُ وَابْتَلَّتِ الْعُرُوْقُ وَثَبَتَ الْاَجْرُ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ (ایضاً عن ابن عمرؓ)

ترجمہ: پیاس چلی گئی اور رگیں تر ہوگئیں اور ان شاء اللہ اجر ثابت ہوگیا۔

اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُكَ بِرَحْمَتِكَ الَّتِیْ وَسِعَتْ كُلَّ شَیْءٍ اَنْ تَغْفِرَلِیْ ذُنُوْبِیْ ٥

ترجمہ: اے اللہ میں آپ کی رحمت کے ذریعہ سوال کرتا ہوں جو ہر چیز کو سمائے ہوئے ہے کہ آپ میرے گناہ معاف فرمادیں۔ یہ دُعا حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے۔ (ابن ماجہ)

جب کسی کے یہاں افطار کرے تو اہل خانہ کو یہ دُعا دے۔

افطر عندکم الصائمون واکل طعامکم الابرار وصلت علیکم الملئکۃ ٥

ترجمہ: روزہ دار تمہارے یہاں افطار کیا کریں اور نیک لوگ تمہارا کھانا کھائیں اور فرشتے تمہارے لئے دُعا کریں۔ ایک جگہ افطار کرکے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دُعا پڑھی تھی۔ (ابن ماجہ)

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اگر مجھے معلوم ہو جائے کہ شب قدر کون سی ہے تو (اس رات) میں کیا دُعا کروں؟ فرمایا (دُعا میں) یوں کہنا:

اَللّٰهُمَّ اِنَّكَ عَفُوٌّ تُحِبُّ الْعَفْوَ فَاعْفُ عَنِّیْ ٥ (ترمذی)

ترجمہ: اے اللہ تو معاف کرنے والا ہے، معافی کو پسند فرماتا ہے لہٰذا مجھے معاف فرمادے۔

سفر کے آداب وادعیہ

حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی حیاتِ مبارکہ میں بہت سے سفر کئے، تجارت، ہجرت، حج وعمرہ اور جہاد ہر غرض کے لئے سفر فرمایا۔ امّت کے لئے سفر کے اسلامی آداب اور مسنون دُعائیں اور اذکار بتلائے جن کی پابندی کرنا باعثِ خیر وبرکت ہے اور اتباعِ سُنّتِ نبویؐ ہونے کی وجہ سے اللہ تعالےٰ کی رضا اور نصرت وحمایت حاصل کرنے کا ذریعہ ہے۔

اس مضمون میں سفر کے آداب وادعیہ جمع کئے گئے ہیں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان کیا کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سفر کا ارادہ فرماتے تو یہ دُعا پڑھتے تھے۔

اَللّٰھُمَّ بِكَ اَسِیْرُ	اے اللہ میں آپ ہی کے ذریعہ دشمنوں پر
وَبِكَ اَصُوْلُ وَبِكَ	حملہ کرتا ہوں اور آپ ہی کی مدد سے تدبیر
اَحُوْلُ [1]	کرتا ہوں اور آپ ہی کی قوت سے چلتا ہوں۔

حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم جمعرات کے دن غزوۂ تبوک کے لئے روانہ ہوئے تھے اور آپ اس بات کو محبوب رکھتے تھے کہ جمعرات کے دن سفر کے لئے نکلیں [2]

سواری اور سفر کی دُعا

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب سفر میں تشریف لے جانے کے لئے اپنے اونٹ پر تشریف فرما ہو جاتے تھے تو تین بار اَللّٰہُ اَکْبَرُ کہتے تھے پھر یہ پڑھتے۔ سُبْحَانَ الَّذِیْ سَخَّرَ لَنَا هٰذَا وَمَا كُنَّا لَهٗ مُقْرِنِيْنَ ۝ وَاِنَّا اِلٰى رَبِّنَا لَمُنْقَلِبُوْنَ ۝ (اللہ پاک ہے جس نے اس کو ہمارے قبضہ میں دے دیا اور اس کی قدرت کے بغیر ہم اسے قبضہ میں کرنے والے نہ تھے اور بلاشبہ ہم کو اپنے رب کی طرف جانا ہے)۔ اس کے بعد یہ پڑھتے:

اَللّٰهُمَّ اِنَّا نَسْئَلُكَ فِیْ سَفَرِنَا هٰذَا الْبِرَّ وَالتَّقْوٰى وَمِنَ الْعَمَلِ مَا تَرْضٰى اَللّٰهُمَّ هَوِّنْ عَلَيْنَا سَفَرَنَا هٰذَا وَاطْوِلَنَا بُعْدَهٗ، اَللّٰهُمَّ اَنْتَ الصَّاحِبُ فِی السَّفَرِ وَالْخَلِيْفَةُ فِی الْاَهْلِ

---

[1] تحفۃ الذاکرین شرح حصن الحصین [2] رواہ البخاری۔

اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِكَ مِنْ وَّعْثَاءِ السَّفَرِ وَكَآبَةِ الْمَنْظَرِ وَسُوْءِ الْمُنْقَلَبِ فِی الْمَالِ وَالْاَهْلِ ۔

ترجمہ: اے اللہ ہم آپ سے اپنے اس سفر میں نیکی اور تقویٰ کا اور ان اعمال کا سوال کرتے ہیں جن سے آپ راضی ہوں، اے اللہ! یہ سفر ہمارے لئے آسان فرما اور اس کی دوری کو ہمارے لئے لپیٹ دے (یعنی جلدی سفر طے کرا دے) اے اللہ سفر میں آپ ہمارے ساتھی ہیں اور ہمارے پیچھے گھر بار میں احوال درست کرنے والے ہیں اے اللہ میں پناہ مانگتا ہوں اس بات سے کہ سفر کی مشقت میں پڑوں اور پناہ مانگتا ہوں اس بات سے کہ دیکھنے میں بدحالی نظر آئے اور اس بات سے بھی پناہ مانگتا ہوں کہ اپنے مال میں اور اہل و عیال میں واپس جاؤں تو بدحالی کا سامنا ہو۔"

اور جب آپ ﷺ سفر سے واپس ہوتے تھے تب بھی ان کلمات کو ادا فرماتے تھے اور ان میں ان کلمات کا اضافہ فرما لیتے تھے آئِبُوْنَ تَآئِبُوْنَ عَابِدُوْنَ لِرَبِّنَا حَامِدُوْنَ ۔ (ہم لوٹنے والے ہیں، توبہ کرنے والے ہیں، عبادت کرنے والے ہیں، اپنے رب کی حمد کرنے والے ہیں)۔

سواری پر سوار ہونے کی دعا یعنی سُبْحَانَ الَّذِیْ سَخَّرَ لَنَا هٰذَا جو اوپر لکھی گئی یہ روانگی سفر ہی کے ساتھ مخصوص نہیں ہے جب بھی سواری پر سوار ہو اس کو پڑھے سورۃ الزخرف میں فرمایا ہے:

وَجَعَلَ لَكُمْ مِّنَ الْفُلْكِ وَالْاَنْعَامِ مَا تَرْكَبُوْنَ ۔ لِتَسْتَوٗا عَلٰی ظُهُوْرِهٖ ثُمَّ تَذْكُرُوْا نِعْمَةَ رَبِّكُمْ اِذَا اسْتَوَیْتُمْ عَلَیْهِ وَتَقُوْلُوْا سُبْحٰنَ الَّذِیْ سَخَّرَ لَنَا هٰذَا وَمَا كُنَّا لَهٗ مُقْرِنِیْنَ (الآیتین[1]) (۱۲، ۱۳)

---

[1] آیت شریفہ کا ترجمہ یہ ہے: اور اللہ تعالیٰ نے پیدا فرما دی تمہارے لئے کشتیوں میں سے اور چوپایوں میں سے وہ چیزیں جن پر تم سوار ہوتے ہو تا کہ ان کی پشت پر ٹھیک طرح بیٹھ جاؤ اور یہ پڑھو: سُبْحٰنَ الَّذِیْ سَخَّرَ لَنَا هٰذَا (اخیر تک)

اس سے معلوم ہوا کہ یہ دُعا کشتی اور جانوروں پر سوار ہونے کے وقت پڑھی جائے اب تو طرح طرح کی سواریاں رواج پا گئی ہیں ان سواریوں پر بیٹھے تب بھی اس دُعا کو پڑھے، جب کشتی پر پڑھنے کے لئے بھی اس کی ترغیب فرمادی تو ہر سواری پر بیٹھتے وقت پڑھنے کا ثبوت ہوگیا۔

سفر میں جب رات شروع ہو جائے

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سفر میں ہوتے اور شام آجاتی تو یہ دُعا پڑھتے:

يَا اَرْضُ رَبِّيْ وَرَبُّكِ اللّٰهُ	اے زمین میرا اور تیرا رب اللہ ہے میں
اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شَرِّكِ وَ	اللہ کی پناہ چاہتا ہوں تیرے شر سے
شَرِّ مَا فِيْكِ وَشَرِّ مَا خُلِقَ	اور اس چیز کے شر سے جو تیرے اندر ہے
فِيْكِ وَمِنْ شَرِّ مَا يَدُبُّ	اور ان چیزوں کے شر سے جو تجھ میں پیدا
عَلَيْكِ وَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ	کی گئی ہیں اور تجھ پر چلتی ہیں اور اللہ کی
اَسَدٍ وَّاَسْوَدَ وَمِنَ الْحَيَّةِ	پناہ چاہتا ہوں شیر سے اور اژدھے
وَالْعَقْرَبِ وَمِنْ شَرِّ	سے اور سانپ سے اور بچھو سے اور
سَاكِنِ الْبَلَدِ وَمِنْ	اس شہر کے رہنے والوں سے اور ہر
وَّالِدٍ وَّمَا وَلَدَ [1]۔	باپ سے اور ہر اولاد سے۔

سفر میں سحر کے وقت پڑھنے کی دُعا

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب سفر میں ہوتے اور سحر کا وقت ہو جاتا (یعنی رات کا آخری حصہ باقی رہ جاتا) تو یہ کلمات پڑھتے تھے:

سَمِعَ سَامِعٌ بِحَمْدِ	سننے والے نے ہم سے اللہ کی تعریف بیان
اللّٰهِ وَحُسْنِ بَلَائِهٖ	کرنا سنا اور اس کی نعمت کا اور ہم کو اچھے

---

[1] اخرجہ ابوداؤد والترمذی۔

عَلَيْنَا رَبَّنَا صَاحِبْنَا	حال میں رکھنے کا اقرار جو ہم نے کیا وہ بھی سنا
وَاَفْضِلْ عَلَيْنَا عَائِذًا	اے رب تو ہمارے ساتھ رہ اور ہم پر فضل
بِاللّٰهِ مِنَ النَّارِ ۝	فرما یہ دعا کرتے ہوئے دوزخ سے اللہ کی
. . . .	پناہ مانگتا ہوں [1]

جب کسی منزل پر اترے

حضرت خولہ بنت حکیم رضی اللہ عنہا نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب کوئی شخص کسی منزل پر اترے اور وہاں یہ کلمات پڑھ لے:

اَعُوْذُ بِكَلِمَاتِ اللّٰهِ التَّامَّاتِ	اللہ کے پورے کلمات کے واسطے سے اللہ
مِنْ شَرِّ مَا خَلَقَ ۝	کی پناہ چاہتا ہوں اس کی مخلوق کے شر سے

تو وہاں سے روانہ ہونے تک اسے کوئی چیز ضرر نہیں پہنچائے گی [2]

جب وہ بستی نظر آئے جس میں جانا ہے

حضرت صہیب رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم جب کسی بستی میں داخل ہونے کا ارادہ فرماتے تھے تو یہ دعا پڑھتے تھے:

اَللّٰهُمَّ رَبَّ السَّمٰوٰتِ	اے اللہ جو ساتوں آسمانوں اور ان سب
السَّبْعِ وَمَا اَظْلَلْنَ وَرَبَّ	چیزوں کا رب ہے جو آسمانوں کے نیچے
الْاَرَضِيْنَ السَّبْعِ وَمَا	ہیں اور جو ساتوں زمینوں کا اور ان
اَقْلَلْنَ وَرَبَّ الشَّيَاطِيْنِ	سب چیزوں کا رب ہے جو ان کے
وَمَا اَضْلَلْنَ وَرَبَّ الرِّيَاحِ	اوپر ہیں اور جو شیطانوں کا اور ان سب
وَمَا ذَرَيْنَ فَاِنَّا نَسْئَلُكَ	کا رب ہے جن کو شیطانوں نے گمراہ کیا
خَيْرَ هٰذِهِ الْقَرْيَةِ وَخَيْرَ	ہے اور جو ہواؤں کا اور ان چیزوں کا
اَهْلِهَا وَنَعُوْذُ بِكَ	رب ہے جنہیں ہواؤں نے اڑا دیا ہے
مِنْ شَرِّهَا وَشَرِّ	سو ہم تجھ سے اس آبادی کی خیر کا اور

[1] رواہ مسلم ۔ [2] رواہ مسلم

أَهْلِهَا وَشَرِّ مَا فِيْهَا [1] اس کے رہنے والوں کی خیر کا اور جو کچھ اس میں ہے اس کے خیر کا سوال کرتے ہیں اور ہم آپ کی پناہ لیتے ہیں اس کے شر سے اور اس کے رہنے والوں کے شر سے اور جو کچھ اس میں ہے اس کے شر سے۔

جب مذکورہ بستی میں داخل ہونے لگے

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سفر کرتے تھے جب آپ اس بستی میں داخل ہونے لگتے تھے جس پر دور سے نظر پڑی تو تین بار یوں دُعا کرتے تھے:

اَللّٰھُمَّ بَارِكْ لَنَا فِيْهَا (اے اللہ! ہمیں اس میں برکت دے) پھر یہ پڑھتے تھے: اَللّٰھُمَّ ارْزُقْنَا جَنَاهَا وَحَبِّبْنَا اِلٰی اَھْلِهَا وَحَبِّبْ صَالِحِیْ اَھْلِهَا اِلَيْنَا (اے اللہ! تو ہمیں اس کے میوے نصیب فرما اور یہاں کے باشندوں کے دلوں میں ہماری محبت اور یہاں کے نیک لوگوں کی محبت ہمارے دلوں میں پیدا فرما) [2]

فائدہ: حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ کو بتایا کہ سفر میں ان پانچ سورتوں کو پڑھیں (۱) قُلْ يٰۤاَيُّهَا الْكٰفِرُوْنَ (۲) اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ (۳) قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ (۴) قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ (۵) قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ ہر سورت بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ سے شروع کی جائے اور قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ کے ختم پر بھی بِسْمِ اللّٰهِ پڑھی جائے اس طرح بِسْمِ اللّٰهِ چھ مرتبہ پڑھی جائے گی۔ حضرت جبیر رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ جب کبھی میں سفر میں نکلتا تھا تو باوجود مالدار ہونے کے بھی زادِ راہ ساتھیوں سے کم رہ جاتا تھا اور میرا حال بُرا ہو جاتا تھا لیکن جب میں نے یہ سورتیں پڑھنا شروع کیں

---

[1] الحصن الحصین مع تحفة الذاکرین۔ [2] راجع الحصن الحصین وتحفة الذاکرین وظاهر الروایتین یدل علی ان هذا الدعاء والذی قبله عند ما رأی قریة یرید دخولها وفرق ابن الجزری فحمل الدعاء الاول عند رؤیة القریة والدعاء الثانی عند دخولها والفاظ الدعاء تدل علی ذلک۔

اس وقت سے میں واپس ہونے تک اپنے تمام رفقائے سفر سے اچھی حالت میں رہتا ہوں اور زادِ راہ بھی ان سب سے زیادہ میرے پاس ہوتا ہے۔ (حصن حصین)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب جہاد یا حج یا عمرہ کے سفر سے واپس ہوتے تھے تو ہر اونچی جگہ پر چڑھتے ہوئے تین بار اَللّٰہُ اَکْبَرُ کہتے تھے پھر یہ پڑھتے تھے۔

لَا اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْـدَهٗ	کوئی معبود نہیں اللہ کے سوا، وہ تنہا
لَا شَرِيْكَ لَهٗ لَهُ الْمُلْكُ	ہے اس کا کوئی شریک نہیں، اسی کے
وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰى	لئے ملک ہے اور اسی کے لئے حمد ہے
كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ اٰئِبُوْنَ	اور وہ ہر چیز پر قادر ہے ہم لوٹنے والے
تَائِبُوْنَ عَابِدُوْنَ	ہیں، توبہ کرنے والے ہیں (اللہ) کی بندگی
سَاجِدُوْنَ لِرَبِّنَا حَامِدُوْنَ	کرنے والے ہیں سجدہ کرنے والے ہیں،
صَدَقَ اللّٰهُ وَعْدَهٗ	اپنے رب کی حمد کرنے والے ہیں، اللہ
وَنَصَرَ عَبْدَهٗ وَهَزَمَ	نے اپنا وعدہ سچا کر دیا اپنے بندہ کی مدد
الْاَحْزَابَ وَحْدَهٗ [1] ۔	کی اور مخالف لشکر کو شکست دی۔

فائدہ: حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ سفر میں جب ہم اوپر چڑھتے تھے تو اللہ اکبر کہتے تھے اور نیچے اترتے تھے تو سبحان اللہ کہتے تھے [2]۔

اس سے معلوم ہوا کہ یہ تکبیر و تسبیح سفر میں آتے اور جاتے وقت دونوں مواقع میں مشروع ہے۔

سفر سے واپس ہو کر اپنے شہر داخل ہوتے وقت

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب مدینہ منورہ کے قریب پہنچ جاتے تو یہ پڑھتے تھے:
اٰئِبُوْنَ تَائِبُوْنَ عَابِدُوْنَ لِرَبِّنَا حَامِدُوْنَ اور ان کلمات کو پڑھتے ہوئے

---

[1] رواہ البخاری و مسلم۔ [2] اخرجہ البخاری

مدینہ منورہ میں داخل ہوتے تھے[1]

(دُعا کا ترجمہ) ہم لوٹنے والے ہیں توبہ کرنے والے ہیں، عبادت کرنے والے ہیں، اپنے رب کی تعریف کرنے والے ہیں۔

بستی میں داخل ہو کر دو رکعتیں

حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سفر سے واپس آتے تھے تو چاشت کے وقت شہر میں داخل ہوتے تھے (یعنی اکثر ایسا ہوتا تھا، صبح اور شام کو بھی شہر میں داخل ہونا ثابت ہے) جب آپؐ شہر میں داخل ہو جاتے تو اوّلاً مسجد میں تشریف لے جاتے اور اس میں دو رکعتیں نماز ادا فرماتے، پھر لوگوں سے ملاقاتیں کرنے کے لئے وہیں تشریف فرما ہو جاتے تھے، اس کے بعد ازواجِ مطہرات کے پاس تشریف لے جاتے تھے[2]

حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ میں ایک سفر میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھا جب ہم واپس مدینہ منورہ پہنچے تو آپؐ نے مجھے حکم دیا کہ مسجد میں جاؤ اور وہاں دو رکعتیں پڑھو[3]

مسافر کے لئے دُعا اور نصیحت

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ میں نے سفر کا ارادہ کیا ہے مجھے کچھ وصیّت فرمائیے۔ فرمایا کہ تقویٰ کو لازم پکڑنا اور اُوپر چڑھتے وقت تکبیر کہنا پھر جب یہ شخص پُشت پھیر کر چلا گیا تو یوں دُعا دی:

اَللّٰهُمَّ اطْوِلَهُ الْبُعْدَ وَهَوِّنْ عَلَيْهِ السَّفَرَ۔

ترجمہ: اے اللہ! اس کے سفر کی دُوری کو لپیٹ دے اور اس پر سفر آسان فرما۔[4]

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کسی کو رخصت فرماتے تو اس کا ہاتھ پکڑ لیتے اور اس کا ہاتھ برابر پکڑے رہتے یہاں تک کہ وہی شخص اپنا ہاتھ ہٹا لیتا تھا، پھر رخصت کرتے وقت یہ دُعا دیتے تھے:

---

[1] رواہ البخاری ومسلم۔ [2] رواہ البخاری ومسلم۔ [3] رواہ البخاری ومسلم۔ [4] رواہ الترمذی۔

"اَسْتَوْدِعُ اللّٰهَ دِيْنَكَ وَاَمَانَتَكَ وَخَوَاتِيْمَ عَمَلِكَ"[1]

حضرت عبداللہ خطمی رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب لشکر کو رخصت فرماتے تھے تو یہ دُعا پڑھتے تھے:

اَسْتَوْدِعُ اللّٰهَ دِيْنَكُمْ	میں اللہ کے سپرد کرتا ہوں تمہارا دین
وَاَمَانَتِكُمْ وَخَوَاتِيْمَ	اور تمہاری صفت امانت اور تمہارے
اَعْمَالِكُمْ.	اعمال کے خاتمے[2]

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اس نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میں نے سفر پر جانے کا ارادہ کیا ہے مجھے کچھ توشہ دے دیجئے۔ آپؐ نے فرمایا زَوَّدَكَ اللّٰهُ التَّقْوٰى (اللہ تمہیں تقوے کا توشہ دے) اس شخص نے عرض کیا مزید عطا فرمائیے آپؐ نے دُعا دیتے ہوئے فرمایا: وَغَفَرَ ذَنْبَكَ (اور اللہ تیرے گناہ معاف فرما دے) عرض کیا میرے ماں باپ آپؐ پر قربان ہوں مزید توشہ دے دیجئے آپؐ نے فرمایا وَيَسَّرَ لَكَ الْخَيْرَ حَيْثُ مَا كُنْتَ (اور اللہ تیرے لئے خیر کو آسان فرما دے تو جہاں کہیں بھی ہو)۔

سفر کے بارے میں مزید نصیحتیں

① رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایک راکب (مسافر) ایک شیطان اور دو راکب دو شیطان ہیں اور اگر تین راکب ہوں تو یہ جماعت ہیں[3]

مطلب یہ ہے کہ ایک یا دو شخص سفر پر نہ جائیں کم از کم تین آدمی ہوں اور چار ہوں تو اور زیادہ اچھا ہے۔ فرمایا کہ خیر الصحابۃ اربعۃ۔ تین آدمی ہوں تو ایک شخص کو امیر بنا لیں[4]

② آپؐ نے یہ بھی ارشاد فرمایا کہ تنہا آدمی سفر نہ کرے اور خصوصاً رات کو تنہا سفر کرنے سے خصوصیت کے ساتھ ممانعت فرمائی ③ اور ارشاد فرمایا اگر لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ تنہائی میں کیا پریشانی ہے جو میں جانتا ہوں تو کوئی بھی شخص تنہا رات کو سفر نہ کرے[5]۔

---

[1] رواہ البخاری، ترجمہ یہ ہے: میں تیرا دین اور تیری صفت امانت اور تیرے عمل کا انجام اللہ کے سپرد کرتا ہوں۔
[2] رواہ ابوداؤد۔ [3] رواہ الترمذی۔ [4] رواہ الترمذی۔ [5] رواہ ابوداؤد۔

④ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی فرمایا کہ اس جماعت کے ساتھ فرشتے نہیں ہوتے جن کے ساتھ کُتّا یا گھنٹی ہو اور یہ بھی فرمایا کہ گھنٹیاں شیطان کے باجے ہیں (جتنے بھی شیطانی دھندے ہیں غیر شرعی اجتماعات ہیں عام طور پر لوگوں کے اسفار ــــ ــــ میں کچھ نہ کچھ گانا بجانا ضرور ہوتا ہے شیطان ایسی حرکتیں سمجھاتا ہے۔ لوگوں سے باجے بجوا کر خوش ہوتا ہے اور خود انسانوں کو بھی گانے بجانے کا ذوق ہے خود مسلمانوں کو اس سے پرہیز نہیں ہے جبکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا الغناء ینبت النفاق کما ینبت الماء الزرع (گانا دل میں نفاق کو اگاتا ہے جیسے پانی کھیتی کو اگاتا ہے) [1]

حضرت نافع نے بیان کیا کہ میں حضرت ابن عمرؓ کے ساتھ راستہ میں جارہا تھا۔ انہوں نے ایک باجے کی آواز سنی تو کانوں میں انگلیاں دے لیں اور راستہ سے ایک طرف کو ہٹ کر چلتے رہے پھر دور جا کر مجھ سے پوچھا کہ اے نافع! باجے کی آواز آرہی ہے میں نے کہا نہیں۔ یہ سُن کر انہوں نے کانوں سے اپنی انگلیاں نکال لیں پھر یہ بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بانسری بجانے کی آواز سنی تھی تو ایسے ہی کیا تھا جیسے میں نے کیا، حضرت نافع نے بیان کیا کہ یہ اس وقت کا قصہ ہے جبکہ میں چھوٹا تھا۔[1]

⑤ سفر میں سب ساتھیوں کو اکٹھا رہنا چاہئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ان گھاٹیوں اور وادیوں میں تمہارا متفرق ہونا شیطان کی طرف سے ہے اس کے بعد حضراتِ صحابہ جب کہیں ٹھہرتے تھے تو آپس میں ایسے مل جل کر رہتے تھے کہ اگر ان پر ایک کپڑا ڈال دیا جائے تو سب اسی میں آجائیں [2]

⑥ حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم پیدل تشریف لے جارہے تھے ایک شخص آیا اس کے پاس سواری کا گدھا تھا۔ اس نے کہا یا رسول اللہ! آپ سوار ہو جائیے یہ کہہ کر وہ پیچھے ہٹ گیا۔ آپؐ نے فرمایا کہ نہیں میں آگے نہیں بیٹھوں گا تم اپنی سواری پر آگے بیٹھنے کے زیادہ حق دار ہو۔

---

[1] مشکوٰۃ المصابیح ص۴۱۱ ۔ [2] رواہ احمد و ابوداؤد ۔ [3] رواہ ابوداؤد ۔

ہاں اگر میرے لئے صاف صریح اجازت دے دو تو اور بات ہے۔ اس شخص نے عرض کیا کہ میں نے اپنے آگے بیٹھنے کا حق آپ کو دے دیا اس کے بعد آپ سوار ہو گئے [1]

اس واقعہ میں ایک خاص نصیحت ہے غور کرنے کی بات ہے کہ جب سواری کے مالک نے عرض کیا کہ آپ آگے تشریف رکھیں اور خود پیچھے ہٹ گیا تو آپؐ نے اس کے باوجود آگے بیٹھنے میں توقف فرمایا اور مزید یوں کیوں فرمایا کہ تم اگر صاف صریح اجازت دو تو آگے بیٹھ سکتا ہوں۔ اجازت تو اس نے دے ہی دی تھی پھر کیوں تأمل فرمایا۔ بات یہ ہے کہ ایک اجازت لحاظ اور مروت میں ہوتی ہے اس کا اعتبار نہیں اور ایک اجازت مسئلہ جان کر ہوتی ہے کہ مجھے اجازت نہ دینے کا بھی حق ہے اس دوسری اجازت کا اعتبار ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جب سواری والے شخص کو بتا دیا کہ حق تمہارا ہی ہے پھر اس نے آپ کو اپنا حق دیا تو آپ نے قبول فرما۔

یہی مسئلہ امامت سے متعلق ہے جو شخص کہیں امام ہو تو اس کا استاد یا شیخ یا کوئی بھی بڑا آدمی آجائے تو خود سے مصلّے پر نہ جائے اگر امام مقرر کر دے کہ آپ نماز پڑھائیں تو اس کو بتادے کہ آپ ہی زیادہ مستحق ہیں پھر بھی وہ اگر اجازت دے دے تو آگے بڑھ سکتے ہیں۔ سفر میں ایک دوسرے کی خدمت کے جذبات ہونے چاہئیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ سید القوم فی السفر خادمھم۔ سفر میں جماعت کا سردار وہ شخص ہے جو ان کا خادم ہو۔ فمن سبقھم بخدمۃ لم یسبقوہ بعمل الا الشھادۃ سو جو شخص خدمت میں آگے بڑھ گیا اجر و ثواب میں اس کے ساتھی اس سے آگے نہیں بڑھ سکتے ہاں اگر ان میں سے کوئی اگر شہید ہو جائے تو یہ اور بات ہے [2]

(۷) حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ غزوہ بدر کے موقع پر سفر کے لئے ہر تین آدمیوں کو ایک اونٹ دیا گیا تھا ابو لبابہ اور علی بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہما رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اونٹ میں شریک تھے چونکہ اونٹ پر ایک ساتھ کو ہان

---

[1] رواہ الترمذی وابوداؤد۔ [2] مشکوٰۃ المصابیح ص ۳۴۰ از بیہقی

کے دائیں بائیں دو ہی آدمی سوار ہو سکتے ہیں اس لئے ایک شخص کو پیدل چلنا پڑتا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیدل چلنے کی بھی نوبت آجاتی تھی جب آپ کی نوبت آتی تو ہم عرض کرتے کہ یا رسول اللہ! آپ برابر سواری پر تشریف رکھیں آپ کی طرف سے ہم ہی چلتے رہیں گے تو آپؐ فرماتے کہ تم دونوں مجھ سے زیادہ طاقت ور نہیں ہو اور نہ یہ بات ہے کہ میں تمہاری بنسبت ثواب سے بے نیاز ہوں[1]

سفر سے واپس ہو کر رات کو گھر میں نہ جاؤ

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (سفر سے واپس آتے تو) رات کو اپنے گھر والوں کے پاس تشریف نہیں لے جاتے تھے آپؐ صبح کے وقت یا شام کے وقت داخل ہوتے تھے[2]

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب تم میں سے کوئی شخص لمبے سفر سے جا کر واپس ہو تو رات کے وقت اپنے گھر والوں کے پاس نہ جائے اور ایک روایت میں یوں ہے کہ آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ جب تم سفر سے واپس ہو کر رات کو شہر میں داخل ہو تو گھر میں داخل نہ ہو اور ان کو اتنی مہلت دو کہ جس عورت کا شوہر موجود نہ تھا اپنی صفائی ستھرائی کر لے اور ناف کے نیچے کے بال صاف کر لے اور بکھرے ہوئے بالوں میں کنگھی کر لے[3] دیکھئے اس میں کتنی بڑی حکمت ہے شوہر غائب تھا زیادہ دن کے لئے گیا ہوا تھا عورت نے بناؤ سنگھار کی ضرورت نہ سمجھی اب اگر لمبے سفر سے آکر ایک دم گھر میں چلے جائیں تو عورت پر اس حال میں نظر پڑے گی کہ وہ سادہ حالت میں ہو گی اس سے دل رنجیدہ ہو گا لہٰذا اگر سفر سے واپس رات کے وقت میں ہو تو گھنٹہ دو گھنٹہ باہر ٹھہر جائے تاکہ عورت صفائی ستھرائی کر لے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ سفر عذاب کا ایک ٹکڑا ہے تمہیں سونے اور کھانے پینے سے روکتا ہے سو جب وہ کام پورا ہو جائے جس کے لئے سفر کیا ہے تو اپنے گھر کو جلد واپس آجائے[4]

---

[1] عزاہ فی المشکاۃ إلی شرح السنۃ [2] رواہ البخاری ومسلم۔ [3] رواہما البخاری [4] رواہ البخاری ومسلم

اعمالِ حسنہ و اخلاقِ عالیہ

ایک نظر میں

اس مضمون میں اعمالِ حسنہ اور اخلاقِ عالیہ
کی ایک جھلک پیش کی گئی ہے جو سورۃ بقرہ کی
ایک آیت کے ترجمہ اور تفسیر پر مشتمل ہے۔

اعمالِ حسنہ و اخلاقِ عالیہ

سورۂ بقرہ کی ایک آیت تفسیر کے آئینہ میں

قال اللہ تبارک وتعالےٰ:

لَيْسَ الْبِرَّ اَنْ تُوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ	"نیکی اس میں نہیں ہے کہ تم اپنے چہروں کو
قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ	مشرق اور مغرب کی طرف پھیر لیا کرو، لیکن نیکی یہ
وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ	ہے کہ کوئی شخص اللہ پر ایمان لائے اور آخرت
وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ	کے دن پر اور فرشتوں پر اور کتابوں پر اور نبیوں
وَالنَّبِيّٖنَ ج وَاٰتَى الْمَالَ عَلٰى حُبِّهٖ	پر، اور اپنا مال دے اس کی محبت ہوتے ہوئے
ذَوِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنَ	قرابت والوں کو اور یتیموں کو اور مسکینوں کو اور
وَابْنَ السَّبِيْلِ لا وَالسَّآئِلِيْنَ وَفِي الرِّقَابِ	مسافروں کو اور سوال کرنے والوں کو اور گردنوں
وَاَقَامَ الصَّلٰوةَ وَاٰتَى الزَّكٰوةَ ج	کے چھڑانے میں اور قائم کرے نماز کو اور ادا کرے
وَالْمُوْفُوْنَ بِعَهْدِهِمْ اِذَا عٰهَدُوْا	زکوٰۃ کو، اور جو پورا کرنے والے ہیں اپنے عہد کو
وَالصّٰبِرِيْنَ فِي الْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ	جبکہ وہ عہد کریں اور صبر کرنے والے ہیں سختی میں
وَحِيْنَ الْبَاْسِ ط اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ	اور تکلیف میں اور جنگ کے موقعہ پر۔ یہی لوگ ہیں
صَدَقُوْا وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ۔	جنہوں نے سچائی کی راہ اختیار کی اور یہی لوگ متقی ہیں"۔

یہ آیت کریمہ ان آیات میں سے ہے جن میں بہت سے اعمالِ حسنہ اور اخلاقِ عالیہ کو ایک ہی جگہ جمع فرما دیا ہے۔ لباب المنقول ص ۲۳ میں بحوالہ مصنف عبدالرزاق حضرت قتادہ رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کیا ہے کہ یہودی مغرب کی جانب نماز پڑھتے تھے اور نصاریٰ مشرق کی طرف اور اپنے اپنے قبلہ پر جمنے ہی کو سب کچھ سمجھتے تھے اور ایمان قبول نہ کرتے تھے لہٰذا آیت لَيْسَ الْبِرَّ اَنْ تُوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ (الاٰية) نازل ہوئی۔ حضرت قتادہ رحمۃ اللہ علیہ سے یہ بھی نقل کیا ہے کہ ایک شخص نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے نیکی (اور اس کی تفصیلات) کے بارے میں سوال کیا اس پر اللہ تعالےٰ

نے یہ آیت نازل فرمائی آپؐ نے اس شخص کو بلایا اور آیت کریمہ پڑھ کر اسے سنا دی۔
اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اصل نیکی اس شخص کی ہے جو اللہ پر ایمان لائے اور آخرت کے دن پر اور فرشتوں پر اور اللہ کی سب کتابوں پر اور اس کے سب نبیوں پر۔ جو شخص ان چیزوں پر ایمان لائے گا اللہ کی کسی کتاب یا اس کے کسی رسول کی تکذیب نہ کرے گا اور رسولوں کے درمیان تفریق نہ کرے گا وہ مومن ہوگا پھر ایمان کے تقاضوں کے مطابق جو اعمال کرے گا اور جو اموال خرچ کرے گا اور جو اقوال اس سے صادر ہوں گے وہ سب نیکی اور تقویٰ میں شمار ہوں گے۔

اللہ کی رضا کے لئے مال خرچ کرنا

اصول عقائد بتانے کے بعد مال خرچ کرنے کی عمومی مدیں ذکر فرمائیں اور مال کی محبت ہوتے ہوئے رشتہ داروں، یتیموں اور مسکینوں اور مسافروں اور سوال کرنے والوں کو مال دینے کو نیکی میں شمار فرمایا اور جو ایسے غلام ہیں جن سے ان کے آقاؤں نے کتابت کا معاملہ کر لیا (یعنی ان سے کہہ دیا کہ اتنا مال لاکر دے دو تو آزاد ہو) ان کی گردنوں کے آزاد کرانے میں خرچ کرنے کو نیک کاموں میں ذکر فرمایا۔ لفظ عَلٰی حُبِّہٖ میں جو ضمیر مجرور مضاف الیہ ہے اس کا مرجع مفسرین نے مال کو قرار دیا ہے اور بعض حضرات نے یہ بھی احتمال نکالا ہے کہ یہ ضمیر اللہ تعالیٰ کی طرف راجع ہو جس کا مطلب یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ کی محبّت کی وجہ سے اپنے مال کو وجوہ خیر میں خرچ کرتے ہیں لیکن پہلا معنی دوسرے معنی میں شامل ہو جاتا ہے کیونکہ جو شخص مال کی محبّت ہوتے ہوئے مذکورہ وجوہ خیر میں خرچ کرے گا وہ اللہ ہی کی محبّت میں خرچ کرے گا۔

افضل الصدقہ

صحیح بخاری (ص ۱۹۱ ج ۱) میں ہے کہ ایک شخص نے عرض کیا:
"یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کون سا صدقہ ثواب کے اعتبار سے سب سے بڑا ہے؟
آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا کہ تُو ایسے وقت میں صدقہ کرے جبکہ تو تندرست ہو اور خرچ کرتے ہوئے نفس کنجوس بن رہا ہو، تجھے تنگدستی کا ڈر ہو اور مالداری کی امید

لگائے بیٹھا ہو اور صدقہ کرنے میں تو اتنی دیر نہ لگا کہ جب روح حلق کو پہنچنے لگے تو تُو کہنے لگے کہ فلاں کو اتنا دینا اور فلاں کو اتنا دینا (اب تیرے دینے اور اعلان کرنے سے کیا ہو گا) اب تو فلاں کا ہو ہی چکا۔"

مطلب یہ ہے کہ صدقہ کرنے کا سب سے بڑا مرتبہ یہ ہے کہ تندرستی کے وقت جبکہ مرض الموت میں مبتلا نہیں ہے اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرنے لگے تو نفس کہتا ہے کہ خرچ نہ کرو پھر بھی نفس کے تقاضے کو دبا کر خرچ کرتا ہے۔ نفس کہتا ہے کہ خرچ کرو گے تو تنگدستی آجائے گی اور مالدار بننے میں دیر لگے گی۔ پہلے خوب مالدار ہو جاؤ پھر خرچ کرنا لیکن خرچ کرنے والا نفس کی کوئی بات نہیں مانتا۔ اللہ کی رضا کے لیئے وجوہِ خیر میں خرچ کرتا چلا جاتا ہے۔ پھر آپ نے فرمایا کہ موت کے وقت صدقہ کرنا اور یہ کہنا کہ فلاں کو اتنا دینا، فلاں کو اتنا دینا اس کی وہ حیثیت نہیں جو تندرستی میں خرچ کرنے کی تھی۔ اب دوسروں کو کیا دے رہے ہو اب تو دوسروں کا ہو ہی چکا۔

رشتہ داروں پر خرچ کرنے کی فضیلت

مال خرچ کرنے کے مصارف خیر بتاتے ہوئے پہلے ذوی القربیٰ کو ذکر فرمایا عربی زبان میں ذوی القربیٰ رشتہ داروں کو کہا جاتا ہے۔ سنن الترمذی میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ:

"مسکین کو صدقہ دینے میں صرف صدقہ کا ثواب ہے اور جس سے رحم کا رشتہ ہو اس کو صدقہ دینے میں دوہرا ثواب ہے۔ (کیونکہ وہ) صدقہ بھی ہے اور صلہ رحمی بھی ہے۔

رشتہ داروں میں سب سے پہلا اور سب سے بڑا رشتہ ماں باپ کا اور اپنی اولاد کا ہے ماں باپ کے ساتھ حسنِ سلوک کرنے کا جگہ جگہ حکم دیا گیا ہے اور بیوی پر اور اولاد پر خرچ کرنے کی فضیلت بھی وارد ہوئی ہے۔ ان رشتوں کے تعلق سے طبعی تقاضے کے باعث سب ہی خرچ کرتے ہیں لیکن اللہ نے اپنے فضل و کرم سے نہ صرف والدین اور اولاد بلکہ دور اور نزدیک کے دوسرے رشتہ داروں پر خرچ کرنے میں بھی ثواب رکھا ہے۔ اللہ کی رضا مقصود ہو، ریا کاری نہ ہو۔ جن پر خرچ کرے

ان پر احسان نہ جتائے، طعن و تشنیع نہ کرے۔ حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ سب سے افضل خرچ کرنا اس دینار کا ہے جو تو اپنے گھر والوں پر خرچ کرے اور وہ دینار جسے تو اپنے ساتھیوں پر جہاد میں خرچ کرے (یہ صدقہ سب سے زیادہ افضل صدقہ ہے)۔ (صحیح مسلم ص ۳۲۲ ج ۱)

حضرت ابو مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ:

"مسلمان آدمی کا اپنے گھر والوں پر ثواب سمجھتے ہوئے خرچ کرنا صدقہ ہے (اس میں بھی ثواب ہے)۔" (صحیح بخاری ص ۳۲۴)

بلکہ خرچ کرنے میں ان لوگوں کا سب سے پہلے دھیان رکھنے کا حکم فرمایا جو اپنے عیال میں ہوں۔" (مشکوٰۃ المصابیح ص ۱۷۰)

یتیموں پر مال خرچ کرنے کی فضیلت

ذوی القربیٰ کے بعد یتامیٰ پر خرچ کرنے کا ذکر فرمایا۔ یہ یتیم کی جمع ہے۔ یتیم ان نابالغ بچوں کو کہا جاتا ہے جن کا باپ زندہ نہ ہو۔ عموماً ایسے بچے حاجت مند ہوتے ہیں۔ ان پر خرچ کرنے کا خصوصی خیال رکھا جائے۔ اخراجات کے علاوہ دوسرے طریقوں سے بھی ان کی دلداری کی جائے۔ سنن ترمذی میں ہے کہ ارشاد فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ:

"جس نے کسی یتیم کے سر پر ہاتھ پھیرا اور صرف اللہ کی رضا کے لئے ایسا کیا تو ہر بال جس پر اس کا ہاتھ گزرے گا اس کے عوض نیکیاں ملیں گی۔"

اور صحیح بخاری میں ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ:

"میں اور یتیم کی کفالت کرنے والا جنت میں اس طرح ساتھ ہوں گے۔" اس موقع پر آپؐ نے اپنی انگلیاں (انگوٹھے کے پاس والی اور بیچ والی) ساتھ ملا کر دکھائیں۔

آج کل لوگوں میں یہ رواج ہو گیا ہے کہ وہ یتیموں پر اپنا مال تو کیا خرچ کرتے انہیں کا مال کھا جاتے ہیں، باپ کی میراث میں سے جو حصہ ان کو ملتا ہے اس کو دبا لیتے ہیں۔ اپنے نام یا اپنی اولاد کے نام کروا لیتے ہیں۔"

مساکین پر خرچ کرنا

پھر مساکین پر مال خرچ کرنے کا ذکر فرمایا جن لوگوں کے پاس کچھ بھی نہ ہو اس کو مسکین کہا جاتا ہے ان میں بہت سے وہ لوگ ہوتے ہیں جو اپنی حاجت کو کسی پر ظاہر نہیں کرتے، دکھ تکلیف میں بھوکے پیاسے وقت گزار لیتے ہیں۔ ایسے لوگوں پر خرچ کرنے کا بہت زیادہ ثواب ہے جن کو سوال کرنے کی عادت ہوتی ہے وہ تو سوال کر کے اپنی حاجت پوری کر لیتے ہیں لیکن آبرو مند آدمی سوال نہیں کرتا ایسے لوگوں کی تلاش رکھنی چاہیئے۔ صحیح بخاری (ص ۲۰۰ ج ۱) میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ:

"مسکین وہ نہیں ہے جو (سوال کرنے کے لئے) لوگوں کے پاس چکر لگاتا ہے جسے ایک لقمہ اور دو لقمہ یا ایک کھجور اور دو کھجوریں واپس کر دیتی ہیں۔ یعنی کوئی دیتا ہے کوئی نہیں دیتا (لیکن واقعی) مسکین وہ ہے جو ایسی چیز نہیں پاتا جو اسے بے نیاز کرے اور اس کا پتہ بھی نہیں چلتا تاکہ اس پر صدقہ کیا جائے اور وہ سوال کرنے کے لئے بھی کھڑا نہیں ہوتا۔"

سورۂ بلد میں فرمایا:

فَلَا اقْتَحَمَ الْعَقَبَةَ وَمَآ اَدْرٰكَ مَا الْعَقَبَةُ فَكُّ رَقَبَةٍ اَوْ اِطْعٰمٌ فِيْ يَوْمٍ ذِيْ مَسْغَبَةٍ يَتِيْمًا ذَا مَقْرَبَةٍ اَوْ مِسْكِيْنًا ذَا مَتْرَبَةٍ۔

(سو کیوں وہ گھاٹی میں سے ہو کر نہ نکلا اور اے مخاطب تجھے معلوم ہے گھاٹی کیا ہے؟ گردن کا چھڑانا یا بھوک کے دن میں کسی رشتہ دار یتیم کو یا کسی خاک نشین کو کھانا کھلانا۔)

اس میں غلاموں کی آزادی میں مدد دینے اور یتیم اور مسکین کو کھانا کھلانے کو گھاٹی کے پار کرنے سے تعبیر فرمایا کیونکہ یہ چیزیں نفس پر شاق ہیں۔

مسافر پر مال خرچ کرنا

پھر ابن سبیل پر خرچ کرنے کا ذکر فرمایا۔ عربی زبان میں ابن سبیل مسافر کو کہا جاتا ہے۔ بہت مرتبہ ایسا ہوتا ہے کہ مسافر کے پاس سفر میں خرچہ ختم ہو جاتا ہے یا مال چوری ہو جاتا ہے

یا جیب تراش کر رقم نکال لی جاتی ہے ایسے لوگوں کا حال معلوم ہو جائے تو ان پر خرچ کرنے کا اہتمام کیا جائے۔ ضروری نہیں کہ یہ لوگ حاجت کا اظہار کریں تب ہی دیا جائے کسی طرح بھی ان کی حاجت معلوم ہو جائے تو ان کی مدد کر دی جائے۔ مسافر کے گھر پر جس قدر بھی مال ہو اور اپنے اموال و املاک جائیداد کی وجہ سے غنی ہو لیکن سفر میں حاجت مند ہو گیا تو اس پر خرچ کر کے ثواب لیا جائے۔

سوال کرنے والوں کو دینے کا حکم

پھر سوال کرنے والوں کو دینے کا ذکر فرمایا۔ ان لوگوں میں کئی قسم کے لوگ ہوتے ہیں ان میں واقعی ضرورت مند بھی ہوتے ہیں۔ ان کو تو دینا ہی چاہیئے اور ایسے بھی ہوتے ہیں جن کے بارے میں یقین تو نہیں کہ وہ حاجت مند ہو گا لیکن اس کا ظاہر حال اور غالب گمان سے ضرورت مند ہونا معلوم ہوتا ہے۔ ان کو بھی دینا درست ہے۔

بھیک مانگنے کا پیشہ اختیار کرنے کی ممانعت

مجبوری میں بھوک دفع کرنے اور کسی واقعی حاجت کے پورا کرنے کے لئے کوئی مانگ لے تو اس کی گنجائش ہے لیکن اس کو پیشہ بنا لینا کسی طرح بھی درست نہیں۔ جن کو سوال کی عادت ہوتی ہے وہ مانگتے رہتے ہیں۔ مال جمع کرتے رہتے ہیں۔ ایسے لوگوں کو نہ دیا جائے۔ دنیا میں تو سوال کرنے والے بے آبرو ہوتے ہی ہیں قیامت کے دن بھی بے آبرو ہوں گے۔

فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ:

"جس نے لوگوں سے ان کے مالوں کا سوال اس لئے کیا کہ مال زیادہ جمع ہو جائے تو وہ آگ کے انگاروں کا سوال کرتا ہے جو دوزخ میں اسے ملیں گے۔ اب چاہے کم کرے یا زیادہ کرے۔"

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی ارشاد فرمایا کہ

"انسان دنیا میں برابر سوال کرتا رہتا ہے یہاں تک کہ وہ قیامت میں اس حال میں آئے گا کہ اس کے چہرہ پر گوشت کی ایک بوٹی بھی نہ ہو گی۔" (صحیح بخاری ص ۱۹۹ ج ۱)

اس کا چہرہ دیکھ کر لوگ سمجھ لیں گے کہ یہ دنیا میں سائل تھا وہاں اپنے چہرے کی آبرو کھوئی تو یہاں بھی اسی کا ظہور ہوا۔

ایک حدیث میں ہے کہ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ:

"غنی کو اور ٹھیک ٹھاک بدن والے قوی آدمی کو سوال کرنا حلال نہیں ہے۔ الایہ کہ ایسا مجبور ہو کہ تنگدستی نے اسے مٹی میں ملا رکھا ہو (یعنی زمین کی مٹی کے سوا اس کے پاس کچھ نہ ہو) یا قرضے میں مبتلا ہو گیا ہو جو ذلیل کرنے والا ہو اور جس شخص نے مال زیادہ کرنے کے لئے لوگوں سے سوال کیا تو اس کا مال قیامت کے دن اس کے چہرے سے اس طرح ظاہر ہوگا کہ اس کا چہرہ چھلا ہوا ہوگا اور یہ مال آگ سے بنا ہوا ہوگا جس کو جہنم سے لے کر کھاتا ہوگا اب جی چاہے تو کمی کرے اور چاہے تو زیادتی کرے۔" (مشکوٰۃ المصابیح ص ۱۶۳)

ہر شخص کو اپنی اپنی ذمّہ داری بتادی گئی۔ مانگنے والا مانگنے سے پرہیز کرے اور جس سے مانگا جائے وہ موقع دیکھ کر خرچ کرے۔ سائل کو جھڑکے بھی نہیں۔ کیا معلوم مستحق ہی ہو اور غور وفکر بھی کرے حاجت مندوں کو تلاش بھی کرے۔

مسئلہ: جو شخص مسجد میں سوال کرتا ہو اسے نہ دے۔

غلاموں کی آزادی میں مال خرچ کرنا

مال خرچ کرنے کے سلسلہ میں سب سے آخر میں وفی الرقاب فرمایا۔ رقاب رقبۃ کی جمع ہے۔ رقبہ گردن کو کہتے ہیں۔ مفسر ابن کثیر لکھتے ہیں (صفحہ ۲۰۸ جلد ۱) کہ فی الرقاب سے مکاتبوں کے آزاد کرانے میں مدد دینا مراد ہے۔ جو غلام کسی کی ملکیت میں ہو اور اس کا آقا کہہ دے کہ اتنا مال دے دو تو تم آزاد ہو اس کو مکاتب کہا جاتا ہے۔ ان کو مال دے کر آزاد کرا دینا بھی وجود خیر میں سے ہے اور ثواب کا کام ہے۔ مفسر بیضاوی لکھتے ہیں (ص ۱۲۴ ج ۱) کہ قیدیوں کی جانوں کا فدیہ دے کر ان کو چھڑا لینا یا غلام خرید کر آزاد کر دینا بھی اس کے عموم میں شامل ہے۔ جب کبھی مسلمان اللہ کے لئے جنگ کرتے تھے اور شریعت کے مطابق جہاد اور قتال ہوتا تھا، اس وقت غلام اور باندیوں کے مالک ہوتے تھے۔ اب نہ اللہ کے لئے جہاد ہے نہ غلام ہیں نہ باندیاں ہیں۔ کوئی انسان کسی انسان کا مالک نہیں ہے پھر جب کبھی مسلمان اللہ کے لئے جنگ کریں گے اور اصولِ شریعت پر لڑیں گے تو پھر غلام باندیاں قبضہ میں آئیں گی۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔

نماز قائم کرنا اور زکوٰۃ ادا کرنا

مال خرچ کرنے کے مواقع ذکر فرما کر فرمایا: وَاَقَامَ الصَّلٰوۃَ وَاٰتَی الزَّکٰوۃَ اور تقویٰ کے کاموں میں یہ بھی ہے کہ فرض نماز قائم کریں اور زکوٰۃ ادا کریں۔ نماز اور زکوٰۃ کی فرضیت کا بیان پہلے بھی آچکا ہے اوپر مال کے مصارفِ خیر بیان فرما کر نماز کے ساتھ زکوٰۃ کو بھی ذکر فرمایا۔ مفسر بیضاوی فرماتے ہیں کہ پہلے مصارف زکوٰۃ بیان کئے اور پھر زکوٰۃ کی ادائیگی پر متوجہ فرمایا۔ پھر لکھتے ہیں کہ یہ بھی ممکن ہے کہ پہلے جو وجوہ خیر بیان کی ہیں ان سے نفلی صدقات مراد ہوں اور نماز کے ساتھ زکوٰۃ کا ذکر فرمانے میں اس کی فرضیت بتانا مقصود ہو۔

عہد پورا کرنا

نیکی اور تقویٰ کے کام بتلاتے ہوئے ارشاد فرمایا۔ وَالْمُوْفُوْنَ بِعَهْدِهِمْ اِذَا عَاهَدُوْا اور اپنے عہدوں کو پورا کرنے والے جبکہ وہ عہد کریں۔ ایفائے عہد کی شریعتِ مطہرہ میں بڑی اہمیت ہے۔ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان فرمایا کہ:

"بہت کم ایسا ہوا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں خطبہ دیا ہو اور یہ نہ فرمایا ہو کہ اَلَا لَا اِيْمَانَ لِمَنْ لَا اَمَانَةَ لَهٗ وَلَا دِيْنَ لِمَنْ لَا عَهْدَ لَهٗ

(خبردار اس کا کوئی ایمان نہیں جو امانت دار نہیں اور اس کا کوئی دین نہیں جو عہد کا پورا نہیں)۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۱۵ عن شعب الایمان)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ:

"جس شخص کے اندر چار خصلتیں ہوں گی خالص منافق ہوگا اور جس میں ان میں سے ایک خصلت ہوگی تو یوں مانا جائے گا کہ اس میں نفاق کی ایک خصلت ہے جب تک کہ اسے چھوڑ نہ دے۔

(۱) جب اس کے پاس امانت رکھی جائے تو خیانت کرے۔

(۲) جب بات کرے تو جھوٹ بولے۔

(۳) جب عہد کرے تو دھوکہ دے۔

(۴) جب جھگڑا کرے تو گالیاں بکے۔" (صحیح بخاری ص ۱۰ ج ۱)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ:
"بلاشبہ دھوکہ دینے والے کے لئے قیامت کے دن ایک جھنڈا نصب کیا جائے گا اور کہا جائے گا کہ یہ فلاں بن فلاں کی دھوکہ بازی (کا جھنڈا) ہے اور اس جھنڈے کے ذریعہ اسے پہچانا جائے گا۔" (صحیح بخاری ص ۵۲ھ ج ۱)

حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ:
"قیامت کے دن ہر دھوکہ دینے والے کے لئے ایک جھنڈا ہوگا جو اس کے پیچھے اس کے دھڑ پر کھڑا ہوا ہوگا اور جتنا بڑا اس کا غدر (دھوکہ) ہوگا اسی قدر وہ جھنڈا اونچا ہوگا (پھر فرمایا) خبردار اس سے بڑھ کر بڑا دھوکے باز کوئی نہیں جو عوام کا امیر ہو اور اس نے دھوکہ دیا ہو۔" (صحیح مسلم ص ۸۳ ج ۲)

حضرت معقل بن یسار رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ:
"جس کسی بندہ کو اللہ تعالیٰ کسی رعیت کا راعی بنادے (یعنی صاحبِ اقتدار بنا کر عوام کی نگرانی اور خیرخواہی اس کے سپرد کردے) پھر وہ اس کی خیرخواہی نہ کرے تو وہ شخص جنّت کی خوشبو نہ سونگھے گا۔" (صحیح بخاری ص ۱۰۵۸ ج ۲)

اور ایک روایت میں یوں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ:
"جو شخص مسلمانوں کی کسی جماعت کا والی ہو اور ان کی نگرانی اور نگہداشت اس کے ذمّہ ہو پھر وہ اس حال میں مر جائے کہ وہ ان کے ساتھ خیانت کرنے والا ہو تو اللہ تعالیٰ اس پر جنّت حرام فرمادے گا۔" (صحیح بخاری ص ۱۰۵۹ ج ۳)

جو لوگ بڑے بڑے وعدے کرکے حکومت حاصل کرتے ہیں یا حکومت کے چھوٹے بڑے عہدوں پر فائز ہوتے ہیں پھر وہ عوام کے ساتھ غدر کرتے ہیں اور سارے عہد و پیمان توڑ دیتے ہیں، ان لوگوں کے حق میں یہ کیسی وعیدیں ہیں غور کرلیں۔

مسئلہ:۔ اگر کافروں سے کوئی معاہدہ ہو تو اس کا پورا کرنا بھی لازم ہے۔ جب کسی قوم سے کوئی معاہدہ ہو اور ان کی طرف سے خیانت کا ڈر ہو اور اس کے ختم کرنے میں مصلحت ہو تو پہلے یہ بتائیں کہ ہمارا عہد باقی نہیں رہا۔ اس کے بعد کوئی نئی کارروائی کرسکتے ہیں جو معاہدہ کی شرطوں کے خلاف ہو۔

سورۂ انفال میں ارشاد فرمایا:

وَإِمَّا تَخَافَنَّ مِنْ قَوْمٍ خِيَانَةً فَانْبِذْ إِلَيْهِمْ عَلَىٰ سَوَاءٍ إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْخَائِنِينَ ۔

اور اگر آپ کو کسی قوم سے خیانت کا اندیشہ ہو تو آپ وہ عہد ان کو اس طرح واپس کر دیجئے کہ آپ اور وہ برابر ہو جائیں۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ خیانت کرنیوالوں کو پسند نہیں فرماتے۔

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ:

"جس نے کسی ایسے شخص کو قتل کیا جس سے امان اور حفاظتِ جان کا وعدہ تھا تو وہ جنّت کی خوشبو تک نہ سونگھے گا۔" (صحیح بخاری ص ۴۴۸ ج ۱)

ایک حدیث میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"رحمت صرف اس شخص کے دل سے نکال لی جاتی ہے جو واقعی بدبخت ہو۔"

(رواہ احمد والترمذی)

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ:

"رحم کرنے والوں پر رحمٰن رحم فرماتا ہے۔ تم زمین والوں پر رحم کرو آسمان والا تم پر رحم فرمائے گا۔" (رواہ ابو داؤد والترمذی)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"وہ شخص ہم میں سے نہیں ہے جو ہمارے چھوٹوں پر رحم نہ کرے اور ہمارے بڑوں کی عزّت نہ کرے اور اچھی باتوں کا حکم نہ کرے اور برائیوں سے نہ روکے۔" (رواہ الترمذی)

اے مسلمانو! ارحم الرّاحمین جلّ مجدہ کے بندے ہو، رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کے اُمّتی ہو، رحمت اور شفقت والے بنو، اور اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرو کہ اس نے تمہیں رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کا امتی بنایا۔

اے رب تو کریمی و رسول تو کریم
صد شکر کہ ہستیم میان دو کریم

کتابت: محمد اشرف طور